

ماہنامہ

مجلت 306
قیمت 100 روپے

گھر کے ہر فرد کے لئے

پاکینہ

ماہنامہ

دسمبر 2018

مجلت 306

شیریں حیدر کے ناول: اہمیت کی آخری قسط
اسماء قادری، سیکرٹ فرخ و اینکسل رضا کی متاثر کن تحریریں
محفوظ قلم کار غزالہ فرخ کی بزم میں خوشگوار آوازیں

پاکینہ

نگرانِ اعلیٰ : معراج رسول

مدیرۃ اعلیٰ : عذرا رسول

مدیرہ : نزہت اصغر

معاون : آمنہ حماد



دکتر گلہا حسن شاہ

سنیچر اشتہارات

محمد شہزاد خان

0333-2256789

سرکولیشن سنیچر

سید منیر حسین

0333-3285269



سرورق ماڈل: فرحینہ اعجاز

میک اپ: روز بیوٹی پارلر

فونو گرافی: موسیٰ رضا

قیمت فی پرچہ (پاکستان) 100 روپے

قیمت فی پرچہ (سعودی عرب) 12 ریال یا مساوی محمد عرب المملات

زمر سالانہ (اندرون ملک) 1200 روپے چارہ 46 سالہ 09

اداریہ

محکم دلائل سے مزین

يَوْمَ

و شیت میں آج

پیشانی و منہ پر لکھا ہوگا

خوش قسمت کون؟

بِلاَ عُنْوَانٍ

کابل کوٹری

ہولی چہرا

۲۰ خلیفہ کے لئے

خصوصی مضامین

شماره ۱۰۰

۱۵۷۷ء کے ہجومِ طغیان

سز و جے

شاہ ولی مبارک؟

سلسلہ وار ناول

پاکستان کی سیر کر رہے

امیرت

ناولٹ

محبت فقط ہے لیکن؟

گلامہنا

سَيِّدًا

جلسہ کا زیادہ نمبر

منی ناول

صف

عورت کہانی

عقود ویر



مستقل عنوانات

295 شگفتہ یاسمین

297 پاکیزہ بہنیں

299 ادارہ

301 مہ جبین

302



خوش ذائقہ

برکات پائینہ

روحانی شوق

حسن نگار کراری

ہیروکلیکٹ

16 ادارہ

274 ادارہ

276 مدیرہ

287 عظمیٰ آفاق سعید

292 صغریٰ زیدی

294 ادارہ

دین کی باتیں

آگوشہ ظرافت

بہنوں کی محفل

پاکیزہ دلاری

میں لکھنکشی ہو

پیشہ نگار

Office: 63-C, Phase-II (Ext), D.H.A. Commercial Area, main Korangi Road Karachi.

Postal Address: Box No. 42, G.P.O., Karachi-74200

Phone: (021) 3660001, Fax: 3580256, E-mail address: jdpgroup@hotmail.com

مجھے کچھ کہنا ہے.....!

قارئین کرام!

السلام علیکم.....!

ماورج الاولاد اپنی برکتیں، نعمتیں اور رحمتیں برساتا گزر رہا ہے۔ انہی حسین ساعتوں میں افضل الانبیاء سرکارِ دو عالم رحمت اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نورِ اقدس زمین کا نباتات پر جلوہ گن ہوا..... عالمِ ظلمت کی گھٹا ٹوپ تاریکی جمشی اور صبح کو ہر فشاں طلوع ہوئی۔ ایسی ضو، ایسی روشنی اور نور محمدی کی ایسی کرنیں جلوہ افروز ہوئیں کہ برسوں کے آتش کدے بجھے..... ظلم و بربریت کی چٹائیں ریزہ ریزہ ہوئیں اور اشرف المخلوقات کو اپنی کاملیت، فضیلت اور اہمیت سے آگاہی حاصل ہوئی۔

وہ انسانِ کامل جو حسنِ انسانیت ہیں، معلمِ اخلاق ہیں، وہ رحمت اللعالمین کے منصب پر فائز ہمارے پیارے رسولؐ کہ جن کی اطاعت اور اتباع ہر مسلمان پر فرض ہے۔ آج ہم انہی آقائے دو جہاں کے امتی ہونے کے شرف سے باریاب ہیں۔ اب بحیثیت ایک سلمان، ایک مومن ایک امتی ہمارا کیا فریضہ ہے.....؟ ہمیں اس سے صرف آگاہ نہیں ہونا بلکہ ان فرائض پر عمل پیرا ہونا ہے تاکہ شافعِ محشر، شفیعِ یمنین..... روزِ محشر ہماری شفاعتِ فخر سے کر سکیں۔ اٰلہی آمین.....

اس ماہِ بانی پاکستان حضرت قائد اعظم محمد علی جناحؒ کا یومِ ولادت ہے، آئیں اس موقع پر ہم سب یہ عہد کریں کہ ہم اہل پاکستان اپنے قائد کے ذریعے اصولوں پر عمل کرتے ہوئے اپنی اس مملکتِ خدا داد کی ترقی، تیک نامی اور اس کی آزادی کی حفاظت کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔

قارئین! کس کس بھی بس آیا ہی چاہتا ہے۔ اس پُر مسرت سچی تہوار پر ہم ان سب ساتھیوں کو دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

سال 2018ء جہاں بہت سے مسائل دے کر رخصت ہو رہا ہے وہیں پرامید کی کرنیں اور آس کے جگنو بھی ہمارے آس پاس منڈلا رہے ہیں، ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم دل و ذہن کی آنکھیں کھول لے رکھیں تاکہ یاسیت کے گہرے پردے ہم پر غفلت نہ طاری کر دیں۔

مدیرہ

نزهت اصغر

(۱) رسول (لوگ تجھ سے قاتل مال کے متعلق پوچھتے ہیں کہ وہ کہ قاتل مال اللہ تعالیٰ اور رسول کے لیے ہے پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو۔ اور اگر تم مومن ہو تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ (۱) ماسوا اس کے نہیں ہے کہ مومن وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے ان کے دل دہل جاتے ہیں۔ اور جب ان پر اس کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں، ان کا ایمان بڑھتا ہے اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ (۲) یہ وہ لوگ ہیں جو نماز کو قائم کرتے ہیں۔ اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے (راہ خدا میں) خرچ کرتے ہیں۔ (۳) یہی لوگ سچے ایمان والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کے بہت درجے ہیں، اور بخشش اور باعزت روزی ہے۔ (۴) جیسا کہ تمہارے پروردگار نے تم کو تمہارے گھر سے (امر) حق کے لیے نکالا تھا۔ حالانکہ مومنوں کا ایک گروہ یقیناً اسے ناپسند کرنے والا تھا۔ (۵) یہ لوگ تم سے حق کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں بعد اس کے کہ حق مکمل چکا ہے، گویا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں، حالانکہ وہ دیکھتے بھی ہیں۔ (۶) اور (وہ وقت یاد کرو) جبکہ خدا نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ دو گروہوں میں سے ایک تمہارے ہاتھ لگے گا۔ اور تم یہ چاہتے تھے کہ جس کے پاس تمہارا وغیرہ نہ ہوں وہ تمہارے لیے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اپنے کلمات کے ذریعے سے حق کو حق ثابت کر دیا جائے اور کافروں کی نسل کو قطع کر دے۔ (۷) تاکہ حق کو حق ثابت کر دیا جائے اور باطل کو باطل۔ خواہ مجرم اسے ناپسند ہی کریں۔ (۸) (وہ وقت یاد کرو) جبکہ تم اپنے پروردگار سے فریاد کرتے تھے پھر اس نے تمہیں جواب دیا کہ یقیناً میں ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا جو تمہارے پیچھے آنے والے ہیں۔ (۹) اور انہیں قرار دیا اسے اللہ تعالیٰ نے مگر بشارت اور تاکہ اس کے ذریعہ تمہارے دل مطمئن ہو جائیں۔ اور انہیں ہے کوئی مدد مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔ (۱۰) (وہ وقت یاد کرو) جبکہ اس نے تمہیں آرام دینے کے لیے تم پر نیند کو مسلط کر دیا اور آسمان سے تم پر پانی اتارا۔ تاکہ وہ اس کے ذریعے تم کو پاک کر دے۔ اور تم سے شیطان کی پلیدی کو دور کر دے۔ اور تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے۔ اور اس کے ذریعے تمہارے قدموں کو جمادے۔ (۱۱) (وہ وقت یاد کرو) جبکہ تمہارے پروردگار نے فرشتوں کی طرف وحی کی کہ یقیناً میں تمہارے ساتھ ہوں۔ پس تم ان لوگوں کو جو ایمان لائے تھے ثابت قدم رکھو۔ عنقریب میں ان لوگوں کے دلوں میں جو کافر ہو گئے رعب ڈالوں گا۔ پس تم ان کی گردنوں پر مارو۔ اور ان کی انگلیوں کی پوروں پر ضربیں لگاؤ۔ (۱۲) یہ اس لیے ہے کہ انہوں نے یقیناً اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا میں (وہ مجھ کے لیے) اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔ (۱۳) یہ تمہاری (سزا) ہے پس اسے تم چکھو۔ اور یقیناً کافروں کے لیے (جہنم کی) آگ کا عذاب ہے۔ (۱۴)

(سورۃ انفال، ۸، پارہ ۹۔ آیات ۱ تا ۱۴)

آنحضرت ﷺ کے اسمائے گرامی

الصلوة والسلام علیک یا احم

سید کوئین، ختمی مرتبت، افضل الانبیاء، رحمۃ اللعالمین، رسول برحق حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حروف مقطعات میں سے ایک، صفاتی اسم مبارک سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہے۔
1۔ تفصیلی مفہوم: کچھ یوں ہے۔

صاحبِ تفسیر روح البیان اس اسم مبارک کے حروف کا تفسیری اعجاز کرتے ہیں کہ 'ح' سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خوش کوثر مراد ہے جہاں سے قیامت کے دن امت محمدی میراب ہوگی اور 'م' سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وسیع مملکت ہوگی جو مشرق سے مغرب تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے تصرف میں آئے گی۔

2۔ الحدیث: روایت ہے کہ جب سورۃ کوثر نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوش کوثر کے متعلق فرمایا کہ وہ ایک نہر جنت ہے جس کا میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے جس میں خیر کثیر ہے۔ (مسلم و احمد)

3۔ حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف لائے اور فرمایا۔ ”اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو دو چیزوں میں سے ایک منتخب کرنے کا اختیار دیا کہ وہ چاہے تو اسے دنیا کا عیش و عشرت اور مال و دولت جس قدر چاہے دے دیا جائے اور اگر چاہے تو وہ چیز لے لے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے تو اس بندے نے وہ چیز منتخب کی جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔“

(بخاری شریف)

3۔ الموائیہ: اگر مقصد کی عظمت، وسائل کی قلت اور حیرت انگیز نتائج، ان عظیم باتوں کو انسانی غور و فکر کا معیار بلند مانا جائے تو کون ہے جو تاریخ کی کسی قدیم یا جدید شخصیت کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابل لانے کی ہمت کر سکے، لوگوں کو شہرت ہوئی کہ انہوں نے فوجیں بنا ڈالیں۔ قوانین وضع کیے اور سلطنتیں قائم کر ڈالیں لیکن غور طلب یہ ہے کہ انہوں نے حاصل کیا کیا؟

صرف مادی قوتوں کی جمع پوچی تو وہ ان کی آنکھوں کے سامنے کھٹ گئی۔ بس صرف یہی آدمی ایسا ہے جس نے یہی نہیں کہ فوجوں کو مرتب کیا۔ قوانین وضع کیے اور مملکتیں قائم کیں بلکہ اس کی نگاہ بلند نے لاکھوں، کروڑوں افراد ایسے پیدا کر دیے جو اس وقت دنیا کی ایک تہائی آبادی پر مشتمل ہیں۔

(amartine امیر تائن)

4۔ الفضائل: ہر نماز کے بعد ۳۷ اسم مبارک ”سیدنا محمد“ کا ورد کرنے والے کو اللہ تعالیٰ ہر طرح کی پریشانی اور نقصان سے محفوظ رکھے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کی حفظ و امان میں رہے گا۔

(قصہ حیات کی کتاب انوار اسالہ النبی ﷺ سے اقتباس)

.....پہ کہاں کی بچیں کہ دل ہے

رفتہ سراج

بنی اسرائیل کا سونے کا بچھڑا آج ڈالر، پونڈ، یورو، درہم و دینار کی شکل اختیار کر چکا ہے۔
 دل جذبات کا استعارہ ہے مگر اب وہ دل کہاں...
 سونے کے بچھڑے میں دل بھی سونے کا ہے...
 دل کو رو یا جاتا ہے، جگر کو بیٹا جاتا ہے...
 کبھی ناقدروں کے حوالے کر دیا جاتا ہے، یارباں ٹوٹ جاتی ہیں۔
 الزام تراشیوں کا ایک طوفان بد تمیزی برپا ہو جاتا ہے۔
 دل سے دل کو راہ بھی ہوتی ہے...
 آج کا انسان یہ راہ سیٹلائٹ کے ذریعے search کرنے کی کوشش کرتا ہے۔
 دل اور سونے کا بچھڑا...
 عبادات، معاملات...

جنت کم گشتہ کے لیے دخل باسیوں کی ازلی کہانی...

رگ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
 جے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا
 غم اگرچہ جاں گسل ہے پہ کہاں بچیں کہ دل ہے
 غم عشق گر نہ ہوتا، غم روزگار ہوتا
 ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا
 نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

قطع 29

سفینہ، تاجور کے غیر معمولی تور و کچھ کر اس بری طرح گھبرائی کہ روتا ہی بھول گئی۔
 ”بہت ساری غلطیاں، حماقتیں اگنور کی جاسکتی ہیں مگر یہ غلطی نہیں، کراٹم ہے، ایک سینڈ میں ہمارا بیج دھو کے
 باز کا بن رہا ہے، یعنی ہم نے ایک معزز خاندان کو بے وقوف بنانے کی کوشش کی... صرف اس لالچ میں کہ ہماری
 بیٹی ایک ہائی فائی فیملی کی ہو بہن جائے۔ یہی ناں...؟“ تاجور اب سفینہ سے سوال کرنے لگیں جو ڈیڈ بائی آن کمپنیں
 پھیلانے حیران و پریشان نظر آ رہی تھیں۔

”اماں اب اتنے extreme پر بھی نہ جائیں... اس کا سیدھا سا سلوشن ہے کہ زارا، انجیلا سے سوری کہے
 اور کلیئر کر دے کہ اس نے جھوٹ بولا تھا... صاف، صاف کہہ دے کہ وہ اپنی بہن سے جلیس ہے... اور...“

ماہنامہ پاکیزہ۔ دسمبر 2018ء [18]



”بس.....“ تاجور نے ہاتھ اٹھا کر سفینہ کو مزید کچھ کہنے سے باز رکھا..... سفینہ بہم کر بڑی معصومیت سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔

”justification کا مطلب ہے کہ کچھ گڑ بڑ ہے..... اب ہماری طرف سے کوئی بات نہیں ہوگی..... اگر ان کی طرف سے کوئی بات آتی ہے تو کہیں گے کہ وہ اپنی تسلی کے لیے تمہارا میڈیکل چیک اپ کرائیں..... اور پھر میں اس فیملی کو سب کچھ بتا دوں گی۔ وہ سچ جو خدا کے سامنے بولے جاتے ہیں.....“ تاجور شدید اعصابی دباؤ کی کیفیت میں بات کر رہی تھیں..... سفینہ بری طرح چونک پڑی۔

”کون سے سچ اماں؟“ ان کے اعزاز اور زارا کے لیے لہجے میں چھپی بیزاری سفینہ کو مضطرب کر رہی تھی۔
اب چونکنے کی باری تاجور کی تھی..... ایک دم پٹا لگیں..... یہ ان کے منہ سے کیا نکل گیا..... ”زباں بندی کے وعدے پر تو اس عذاب سے جان چھوٹ رہی ہے..... اسے بھنک بھی پڑ گئی تو سننے سرے سے عذاب اترنے لگیں گے۔“

”کچھ نہیں..... بس یونی منہ سے نکل گیا..... بہت اپ سیٹ ہوں ناں..... مگر..... میں نے جو سوچا ہے اب اسی پر عمل ہوگا..... اگر اسے سزا نہ دی گئی تو یہ تمہاری شادی سے پہلے مزید شر پھیلا سکتی ہے..... میں مزید رسک نہیں لوں گی..... یہ آج ہی اس گھر سے رخصت ہوگی.....“ تاجور کا غیظ و غضب ان سے کنٹرول نہیں ہو رہا تھا۔
”اماں.....“ سفینہ بدحواس ہو کر کچھ کہنا چاہ رہی تھی مگر الفاظ مرتب نہیں ہو رہے تھے۔

”سزا بہت ضروری ہے..... پہلی بار اڑا چوری کرنے پر سزا نہ ملے تو پھر چھوٹا چور بڑا ہو کر سلطانہ ڈاکو بننا ہے..... یہ باز نہیں آئے گی..... یہ مٹی ہی اور قسم کی ہے..... کاش یہ سمجھ جھے اس وقت ہوتی اس کے تو ڈی این اے میں دھوکا اور لالچ ہے۔“

آخری الفاظ انہوں نے دل ہی دل میں کہے تھے اور تیزی سے باہر نکل گئی تھیں۔ سفینہ کی عجیب بے بسی کی کیفیت تھی..... وہ بس دیکھتے رہنے ہی کے قائل تھی۔

☆☆☆

زارا سب نئے ڈریسز بیڈ پر پھیلانے بہت غور سے دیکھ رہی تھی..... جیسے اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا ہو کہ یہ اسی کے ہیں..... سب اس کی پسند کے..... مہنگے، مہنگے جو وہ عام دنوں میں تاجور کی منت، خوشامد کیے بغیر حاصل نہیں کر پاتی تھی اب اسے اتنی آسانی سے مل گئے تھے..... تاجور نے مہنگے، سستے کی تو کوئی بات ہی نہیں کی تھی۔
وہ چشم تصور میں خود کو آراستہ و ہیرا ستہ دیکھتے ہوئے سرشار سی تھی۔ وقتی طور پر سفینہ کے خیالات سے بھی پیچھا چھڑا چکی تھی۔

”ایک نمبر کی کنجوں ہے..... وہ ایسے ڈریسز تو کبھی choose ہی نہیں کرے گی۔ پرنس کی طرف سے آجائیں تو الگ بات ہے..... ایویں امپریشن ڈالتی ہے جیسے بہت بڑی ”ڈونڈ“ ہو.....“ اس کے ہوتوں پر طعنیہ مسکراہٹ ابھری تھی۔ پھر اس کے بعد اس نے سفینہ کی طرف جانے والی ہر سوچ کو جھٹک دیا تھا اور اپنی شاپنگ کا جائزہ لینے لگی تھی۔

معا سے لگا جیسے دروازہ جھٹکے سے کھلا ہو..... اس کی دروازے کی طرف سے پشت تھی اس لیے چونک کر مڑی تھی۔ سامنے تاجور تھیں جو بہت غضبناک نظر آ رہی تھیں۔

زارا کی ساری سرسرت ہوا ہو گئی..... تاجور کی آنکھوں میں ایسا کچھ تھا کہ وہ تاب نہ لاسکی اور نظر چرانے لگی۔
”فطرت سے مجبور ہو..... باز نہیں آؤ گی؟“ تاجور کے لہجے میں غراہٹ تھی اگرچہ آواز پست تھی۔



زارا یوں اٹھ کھڑی ہوئی جیسے بے خبری میں پشت سے حملہ ہو گیا ہو..... اس نے تھوک نچلتے ہوئے کچھ بولنے کی کوشش کی مگر حلق سے آواز نہ نکل سکی۔

”تمہیں اللہ نے تمہاری اوقات سے زیادہ نواز دیا مگر تم میں جذبہ شکر گزاری پیدا نہیں ہو سکا..... شاید ہو بھی نہیں سکتا، اس لیے کہ حرص و ہوا کی کوئی حد نہیں ہوتی جتنا بھی مل جائے یہ جہنم نہیں بھرتا اور ”مل من مزید“ کی آوازیں آتی رہتی ہیں۔ تم ہماری مہربانیوں کے جواب میں مہربانی نہ کرتیں، ہم صبر کر لیتے کہ توفیق نہیں ملی۔ میرے ساتھ زیادتی کی انتہا دکھاتیں میں برداشت کر لیتی..... مگر تم نے میری معصوم بیٹی کی خوشیوں کو برباد کرنے کا جو بیباک میل کھیلادہ، وہ تو میں کسی صورت معاف نہیں کر سکتی.....“ تاجور بولتے، بولتے ہاتھیں لگیں..... ایک سانس میں اتنا تو وہ بھی نہیں بولی تھیں..... آفس میں در کر کی کسی غلطی پر کبھی چیخ و پکار نہیں کرتی تھیں..... بچے تلے الفاظ میں مختصری سرزنش کر کے چلا کرتیں.....

اس لڑکی نے تو ان کی نفسیات تباہ کر کے رکھ دی تھی..... اولاد کا معاملہ تھا، وہ اولاد جو ان کی زندگی کی کل پونجی تھی اور بہت جلد بچی خوشیوں سے ہلکا رہتی نظر آ رہی تھی۔

”وہ..... ماں.....“ زارا نے اس برہمی کی بابت کچھ جاننا چاہا.....

”خبردار..... جو تم نے آج کے بعد مجھے اماں کہا..... میں صرف سفینہ کی ماں ہوں۔“ تاجور نے گرج کر اس

کی بات کاٹ دی۔

”تم سفینہ کی سرسراہ میں جو شوشا چھوڑ کر آئی تھیں وہ میرے کانوں تک پہنچ گیا ہے۔ وانگی مرینے بتا کر آئی ہوں سفینہ کو..... جس گھر سے تم نے ہرعت کا مزہ چکھا..... اسی گھر کو آگ لگانے گئی تھیں۔“

”وہ..... اماں۔“

”اسٹاپ..... اگر تم نے اب مجھے اماں کہا تو میں تمہاری زبان کاٹ دوں گی..... اپنے دو جوڑے کپڑے اس روم سے اٹھا لو..... میں ساحل کو کہہ رہی ہوں تمہیں آکر لے جائے..... سو سائی کو کس طرح فیس کرتا ہے وہ میں بعد میں دیکھوں گی مگر اس گھر کو آج ہی پاک کرتا ہے۔“ تاجور نے آگے بڑھ کر اس کے بال مٹھی میں دبوچ کر زور سے جھٹکا دیا۔

”ہیش، ہمیشہ کے لیے مجھے ذلیل کرنے مگنی تھیں..... یہ ہے میرے احسانات کا بدلہ.....؟“ ساحل کو بلانے اور رخصت کرنے کی بات سن کر تو زارا کے چودہ طبق روشن ہو گئے، وہ جس کے سامنے ہر، ہر موقع پر اس نے برتری کے جھنڈے گاڑنے کی کوشش کی تھی اس کے ساتھ یہ ذلت آمیز رخصتی.....!

اسے کچھ نہ سوچا تو تاجور کے قدموں میں گر گئی اور ان کے پاؤں پکڑ لیے مگر تاجوریوں پیچھے نہیں جیسے بچھونے ڈنک مارا ہو۔

”معاف کر دیں..... آخری بار معاف کر دیں۔“ اس نے بدحواس ہو کر فرش پر دوڑا نو بیٹھے، بیٹھے ہاتھ جوڑ دیے۔

”معاف کر، کر کے تو یہ دن دیکھا ہے..... کم ظرف کو معاف کرنے سے بڑے، بڑے نقصان ہو جاتے ہیں..... معافی غیرت مندوں کے لیے ہوتی ہے۔“ بلا واسطہ تاجور سے آج اسے گالیاں بھی پڑ رہی تھیں۔

ان کا ذہن قطعاً ماؤف تھا..... ”اگر یہ بات لیڈی صوفیہ تک پہنچ جائے تو.....“ تو سے آگے ان کا ذہن بند ہو جاتا تھا۔ اور سفینہ کی راہوں میں دور تک انگارے پیچھے نظر آئے تھے..... جب جذبات اتنی شدت سے حملہ آور ہوں تو معافی اور درگزر کی باتیں اپنی اہمیت کھودتی ہیں۔

”آج..... آج ہی..... تمہیں آج ہی اس گھر سے جانا ہے۔“ تاجور نے قطعی و حتمی فیصلہ سنا دیا۔

”آخری بار معافی دے دیں..... آخری بار.....“ زارا کی جان پر بن آئی تھی۔ ساحل کے سامنے رسوائی..... اس کی انا پر اس سے بڑی ضرب کاری ہو نہیں سکتی تھی۔

”سوال ہی پیدا نہیں ہوتا..... تم اس گھر میں نظر آؤ گی تو میری شریانیں پھٹ جائیں گی۔“

”اماں..... میں انجیلا سے کہہ دوں گی کہ میں نے جھوٹ بولا تھا..... میری سفینہ سے لڑائی ہو گئی تھی..... غصے میں بول دیا تھا.....“ زارا اٹھتے ہوئے منت ساجت کے انداز میں گویا ہوئی، دونوں ہاتھ اب بھی بڑے تھے۔ تاجور نے چونک کر اس کی طرف دیکھا..... چند ٹاپے گھورتی رہیں پھر طنز پر مسکرا کر بولیں۔

”ارے تم ہو کیا بلا.....؟ ایک لاکھ شیطان مرے تھے تو ان کے بدلے میں تم پیدا ہوئی تھیں..... کیا داغ ہے بھئی..... کمپیوٹر کی طرح کام کرتا ہے..... ہر طرح کے داؤ بیچ تیار..... کس قدر خطرناک و خوفناک ہو تم..... میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میں اپنے گھر میں معصوم شکل ناگن کو دو وہ بلا رہی ہوں..... مزید رسک لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا.....“ تاجور پر اس کے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے کا کوئی اثر دکھائی نہیں دیتا تھا۔

”آپ میری سوتیلی ماں تھیں سوتیلان دیکھائی تھیں، مجھ میں اور سفینہ میں فرق کرتی تھیں اس لیے میں ایسی ہوں..... آپ نے ہی مجھے ایسا بنایا ہے۔“ زارا کو نا کامی کے مکمل یقین نے پھر اوقات پر لا کھڑا کیا.....

پہلے تاجور ہی دق نظر آئیں پھر ایک دم غضبناک ہو کر گویا ہوئیں۔

یہ کہاں ہیں کہ دل ہے

”میں تمہاری سوتیلی ماں نہیں ہوں..... تمہارے باپ سے نکاح نہیں کیا تھا میں نے..... میرا ملازم تھا وہ..... تمہیں جیتی خانے میں پھینکنے جا رہا تھا، میں نے ترس کھایا جو کہ میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ تم سفینہ کی طرح نہیں تھیں..... تمہیں سدھارنے کے لیے بات بات پر روکنا پڑا تھا..... تمہاری خیر خواہی اور اصلاح کے لیے..... جو سب ہی ماؤں کا فرض ہوتا ہے..... کھانا، پیانا، اوڑھنا، پہنانا..... اکیڈمیز..... کہاں فرق دیکھا تم نے..... یہ گز بھر کی زبان اس نے کہیں کا نہیں رکھا تمہیں..... بجائے شرمندہ ہونے کے الٹا مجھ سے الجھ رہی ہو.....؟“ تاجور کا بس نہیں چلتا تھا کہ بازو سے پکڑ کر گھر سے نکال دیں۔

”تو آپ سے معافی تو مانگ رہی ہوں۔“

”جو شرمندہ ہوتے ہیں وہ اس طرح بدزبانی نہیں کرتے..... معافی نہیں مانگ رہیں..... معافی مانگنے کا ڈراما کر رہی ہو..... تاکہ تمہیں کچھ کر دکھانے کے لیے مزید space مل جائے۔ اب تو میں تمہیں اچھی طرح سمجھ گئی ہوں..... اب کوئی trick نہیں چلے گی۔ اپنی ضروری چیزیں سیٹ لو..... ایسے ہی جانا چاہتی ہو تو تمہاری مرضی.....“ یہ کہہ کر تاجور کی نہیں تیزی سے باہر نکل گئیں..... اس کی از سر نو بدزبانی نے تو گویا فیصلے پر مہر ہی لگا دی تھی۔ زار نے بیڈ پر پھیلے اپنے چاہے سے خریدے ہوئے ڈرمسٹر کی طرف دیکھا۔

”میں نے بالکل ٹھیک کیا..... ایسے لوگوں کے ساتھ یہی کرنا چاہیے..... اچھا ہے سفینہ کی شادی پر بس کے ساتھ نہ ہو..... ان کو تو پتا تھا کہ میں ان کی بیٹی نہیں ہوں..... تب ہی تو میرے ساتھ اتنا برا سلوک کرتی تھیں..... میں سفینہ سے بات کرتی ہوں..... وہ ان مغرور میڈم کو سنبھالے گی..... اگر.....“ اگر کے بعد اس نے کپڑے سمیٹنا شروع کر دیے۔

”اگر انہوں نے آج مجھے ساحل کے ساتھ جانے پر مجبور کر دیا تو پھر میرا نام بھی زار انہیں..... قیامت تک سفینہ اور پر بس کی شادی نہیں ہوگی۔“ اس نے اپنے چہرے پر یوں ہاتھ پھیرا جیسے براہ راست دھمکی دے رہی ہو۔



جس کیفیت میں تاجور، سفینہ کے پاس سے گئی تھیں قدرتی طور پر سفینہ کو ایک بے چینی تو لاحق ہو گئی تھی..... تجسس یہ نہیں تھا کہ وہ زار سے کیا بات کریں گی؟ تجسس یہ تھا کہ زار جواب میں کیا کہے گی..... ہزاروں نے چاہا کہ کسی طرح چھپ کر زار کے بند کمرے میں ہونے والی گفتگو سنے مگر ہمت نہ ہوئی مبادا تاجور اچانک ہی کمرے سے باہر آ جائیں اور اسے چھپ کر باتیں سننا یا کہ عجیب سا محسوس کریں اور اسے اپنی شرمندگی ہو جیسے چوری کرتے ہوئے پکڑی گئی ہو..... اسی کو گونگ کیفیت میں بس اپنے کمرے میں ہی غلبتی رہی..... ساتتیس چوکس تھیں کہ شاید کچھ اڑتی پڑتی کان میں پڑ جائے..... زار کی طرف سے تو چیخنے چلانے کے امکانات کم ہی محسوس ہو رہے تھے مگر تاجور کے موڈ سے قدرے اندیشہ تھا کہ وہ آج تو چلتا ہی پڑیں..... مگر تاجور کوئی بلند آواز سماعت سے نہ لگرائی تو بالآخر تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر دروازہ کھول کر باہر جھانکا رابڈری میں دور تک سنا اتر ا ہوا تھا۔ پھر محاسن نے زار کے کمرے کا دروازہ کھٹکا محسوس کیا تھا اور خود اس نے جھٹ مہرا اندر کر کے اپنے روم کا دروازہ بند کر دیا تھا۔

چونکہ دروازے سے لگ کر کمزری تھی اس لیے جانے والے قدموں کی چاپ سنی رہی گمان غالب تھا کہ تاجور ہی زار کے روم سے باہر آئیں تھیں ابھی وہ پس و پیش میں ہی الجھی ہوئی تھی کہ دھڑ سے دروازہ کھلا اور زار اس کے کمرے میں در آئی۔

سفینہ یوں پیچھے ہٹی گویا زار نے اسے دھکا دیا ہو..... اس نے بدحواس ہو کر زار کی طرف دیکھا..... جو براہ راست اس کی آنکھوں کی طرف ہی دیکھ رہی تھی۔

سفینہ کی حیرت کی انتہا نہ تھی کہ زارا کی آنکھوں میں شرمندگی کی رقی بھی نہیں تھی۔ نہ ہی ایسا کچھ تاثر جس سے اخذ کیا جاسکے کہ تا جوں اس کی کسی حد تک ”دھلائی“ کی ہے۔
 ”اماں تو شروع سے فرق کرتی آ رہی ہیں..... جیسے بس میری کوئی غلطی پکڑنے کا انتظار ہی کرتی رہتی ہیں۔“
 ”مث اپ..... میں اماں کے بارے میں ایک لفظ نہیں سنوں گی.....“ سفینہ نے فوراً جھاڑ پلانے کے انداز میں ٹوک دیا۔

”ظاہر ہے اماں تمہارے اشاروں پر چلتی ہیں، تم جو کہتی ہو مانتی ہیں، تم کیوں ان کے بارے میں کچھ سنو گی.....“ زارا کے انداز میں استہزاء تھا۔
 ”مجھے نہیں پتا..... میں تو بس اتنا جانتی ہوں کہ وہ ہماری ماں بھی ہیں اور باپ بھی.....“ سفینہ نے گویا قانون پر ہاتھ جمالیے جیسے کچھ سننے کو تیار نہیں ہو۔

”صرف تمہاری..... مجھے تو انہوں نے کچرے کے ڈھیر سے اٹھایا تھا.....“ زارا نے بڑی چالاکا سے یہ جملہ تول کر بولا تھا وہ جانتا چاہتی تھی کہ تا جوں نے اپنی لاڈلی بیٹی کو حقیقت بتا دی ہے یا ابھی پردہ پڑا ہے۔
 ”کتنی چیپ بات کر رہی ہو..... وہ میری ہی نہیں تمہاری بھی ماں ہیں..... اپنی ماں کے بارے میں کون اس طرح کی بات کر سکتا ہے۔“ سفینہ کا موڈ بے انتہا خراب ہو چکا تھا..... اس نے اپنے تاثرات چھپانے کی خاطر اس کی طرف سے پشت کر لی۔

”انہوں نے حکم صادر فرمایا ہے کہ وہ آج ہی مجھے ساحل کے ساتھ روانہ کر دیں گی..... میں تم سے یہ پوچھنے آئی ہوں اگر میرے بجائے تم یہ غلطی کرتیں تو کیا وہ تمہارے ساتھ بھی کچھ کرتیں؟“ زارا گھوم کر سفینہ کے سامنے آگئی اور گھورنے لگی۔
 ”پہلی بات تو یہ کہ میں اس درجہ جہالت کا مظاہرہ کر رہی نہیں سکتی تھی، مجھے حیرت سے زیادہ دکھ ہے کہ تم میری سگی بہن ہو کر مجھ سے اتنی مجلس ہو..... how strange؟“ سفینہ نے بڑے سادہ سے لہجے میں کہا جو دکھ سے ٹوٹ رہا تھا۔

”جب نا انصافی ہوتی ہے تو لازمی سائیکالوجی چیلنج ہوتی ہے مگر تم دونوں ماں، بیٹی کو تو بس مجھے criticize کرنے کی پڑی رہتی ہے۔“

”کیوں آئی ہو میرے پاس.....؟“ سفینہ نے زچ ہو کر سوال کیا۔
 ”اماں کو روکو..... کیونکہ تم روک سکتی ہو..... اگر انہوں نے میرے ساتھ زبردستی کی تو میں ساحل کے گھر سے بھاگ جاؤں گی.....“ زارا نے گھٹیا پن کی آخری حد بھی آرام سے عبور کر لی۔
 سفینہ نے چند مایے دم خود ہو کر اس کی طرف دیکھا..... معصوم سادہ دھک کر کے گویا پل بھر کو رکا بھی تھا۔
 پھر آٹا فانا اس کی نگاہوں سے شعلے سے لپکنے لگے۔

”بھاگ جانا..... اور جب دھک کھا، کھا کر تھک جاؤ تو ہمیں اپنی شکل نہ دکھانا..... سمندر میں ڈوب کر خودکشی کر لیتا..... یا کسی مزار پر بیٹھ کر بھیک مانگنا..... تم اتنی زیادہ گر سکتی ہو..... میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی..... تم نے میری ماں کی زندگی عذاب بنا کر رکھ دی ہے۔ گیٹ آؤٹ.....“ سفینہ کو آج پتا چلا کہ وہ کس حد تک غصہ کثروں کر سکتی ہے اور کہاں حد ختم ہوتی ہے۔

”گمڈ..... یہ ہونی ناں بات.....“ میری ماں“ آخر تم نے مان لیا کہ وہ صرف تمہاری ماں ہیں۔“
 ”گیٹ لاسٹ.....!“ سفینہ نے زارا کا بازو دبوچ کر اسے دروازے کی طرف دھکیلا۔

”کیا کہہ رہے ہو ذاکر حسین؟“ پرنس کو گویا اپنی ساعت پر یقین نہیں آرہا تھا۔
 ”جی سر..... میں بی بی صاحب کو لے کر جیسے ہی پارکنگ سے باہر آیا قارر ہو گیا..... کچھ سمجھ نہیں آئی کہ کوئی کس طرف سے آئی تھی..... میں نے شور کیا تو لوگ جمع ہو گئے اور پولیس بھی آگئی..... بی بی صاحب کو اسپتال لے گئی۔“
 ”بی بی صاحب زخمی ہے یا.....؟“ پرنس کی گویا قوت گویائی جواب دے گئی۔
 ”پولیس تو یہی کہہ رہی ہے کہ زخمی ہے..... اسپتال کا کیا سین ہے یہ مجھے علم نہیں..... مجھے تو یہاں پولیس اسٹیشن میں بٹھایا ہوا ہے۔“

پرنس کا بہت پرانا ڈرائیور ذاکر حسین جو اردو اسپیکنگ تھا۔ بہت شستہ اردو بولتا تھا..... نہایت قابل اعتماد اور ماہر ڈرائیور تھا۔ دو ڈرائیور اور بھی تھے مگر صندل کے لیے اس نے ذاکر حسین کو ہی مخصوص کیا تھا جو ٹوبان کو اسکول تک ایک اینڈ ڈراپ کرتا تھا اور صندل کے لیے خدمات بجاتا تھا۔
 ”ہوں ٹھیک ہے.....“ پرنس نے منتظر انداز میں سوچتے ہوئے کہا۔
 ”میں پولیس اسٹیشن پہنچتا ہوں..... آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں..... اوکے.....؟“ اس نے پریشان حال بزرگ ڈرائیور کو تسلی دی۔

یہ کوئی معمولی خبر نہیں تھی..... صندل پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا..... ”ٹوبان گھر پر اس کا انتظار کر رہا ہوگا..... صندل موت سے بچنے آزمائی کر رہی تھی یا.....“
 یا سہ آگے اس کے ذہن پر تاریکی چھا رہی تھی۔

زندگی کا یہ ایک نیا اور انوکھا تجربہ تھا..... اتنی خوب صورت زندگی جیتے، جیتے اچانک سارے منظر دھواں، دھواں ہونے لگے تھے..... اس نے تو سبھی ڈراؤ نے خواب بھی نہیں دیکھے تھے..... نہ کہ یہ خوفناک حقائق..... جو جانے کا شوق رکھتے ہیں ان کے لیے بہت کچھ ہے..... جانے سیکھنے کا جذبہ ہے تو ہمیشہ تیار ہیں.....
 اسے حضرت علیؑ کا قول یاد آیا.....

”جب عقل کامل ہو جاتی ہے تو حیرت ختم ہو جاتی ہے.....“ امکانات و ممکنات کو محدود نہیں کیا جاسکتا جیسے کہ کائنات کی وسعتوں کی حد بندی نہیں کی جاسکتی.....
 تو یہ ہوتا بھی طے تھا..... بالآخر ہو گیا..... اب یہ سوچتا ہے کہ فوری کرنے والا کام کیا ہے؟“ اس نے گہری سانس لے کر وال کلاک کی طرف دیکھا۔

پھر اپنے منہ پر کدایت دی کہ وہ ٹوبان کو یہاں لانے کے لیے گاڑی بھیج دے اس کا خیال تھا بلکہ اندیشہ تھا کہ پولیس چھان بین کی غرض سے انجیلا کے فلیٹ پر ضرور جائے گی اس لیے ٹوبان کا وہاں تہا بلا زمرہ کے ہمراہ ہونا ٹھیک نہ ہوگا.....

اس نے کمالی مہارت سے اپنے اعصاب پر مکمل کنٹرول حاصل کیا اور مرتب کرنے لگا کہ پہلے کیا کرتا ہے اور بعد میں اور پھر اس کے بعد..... جی کہ اس نے بڑے حوصلے سے یہاں تک سوچ لیا کہ خدا بخیر اسے اگر صندل زندگی کی بازی ہار جاتی ہے تو پھر کیا کرتا ہے؟

”مسلمان ضنات کرانے میں کامیاب ہو گیا.....؟ آج کا حادثہ تو یہی ثابت کر رہا ہے.....“ اس کا ذہن گھوم پھر کر مسلمان کی طرف متوجہ ہو رہا تھا۔ ”ایک بے گناہ، بے قصور معصوم انسان کی نیمشری تباہی کے دہانے پر ہے مجھے اس کو سنبھالنے سے زیادہ کسی کی فکر نہیں ہونی چاہیے.....“ دعائیں مانگتا معصوم سا ٹوبان، سفید سے زیادہ اس کا دل نشین تھا کہ ٹوبان کے ساتھ مہربان خدا کو راضی کرنے کا الوہی جذبہ اس کے ضمیر کی اساس و بنیاد تھا..... وہ خدا جس

نے ہمیشہ اسے روحانی مسرتوں سے ہمکنار کیا تھا۔

☆☆☆

زارا کے تو کان لگے ہوئے تھے..... ابھی تک اس نے تاجور کے فیصلے کو سنجیدگی سے نہیں لیا تھا۔
”ہونہ..... ایسے ہی چلا کر دیں گی..... کوئی مذاق ہے.....“ وہ سفینہ سے جھاڑیں کھانے کے باوجود طنزیہ اور بڑی ڈھٹائی سے مسکرا رہی تھی..... البتہ اس نے اپنے نئے خریدے ہوئے ملبوسات ضرور وارڈروب میں پینگ کر دیے تھے۔

”سائل کو بلا کر کیا کہیں گی.....؟ اسے لے کر بھاگ جاؤ..... اور وہ لے بھاگے گا.....؟ اور میں اتنی بودی، بزدل اور نحسی معصوم ہوں کہ اس کے ساتھ بھاگ جاؤں گی..... احسان کیا ہے تو آخری سانس تک احسان کرنا ہوگا..... میں لگژری لائف کی عادی ہوں..... مجھے یہ سب چاہیے..... ہر وقت..... ہمیشہ..... اور اس سائل کی تو میں ایسی کی تھی کر کے رکھ دوں گی۔“ اس نے ٹپٹے، ٹپٹے لیدر کے موڈھے کو زور سے لات ماری جس میں جھنک کر وہ ڈرائی فروٹ چنوں کی طرح چپایا کرتی تھی..... ایک مرتبہ اسٹور سے اس نے چٹخوڑے کا پکٹ لیا تھا جس میں ٹشٹی بھر چٹخوڑے تھے اور وہ پکٹ پورے ہزار روپے کا تھا، اس دن اسے پتا چلا تھا کہ چٹخوڑہ اتنا مہنگا ملتا ہے..... اتنے چٹخوڑے تو وہ دس منٹ میں ڈکار جاتی تھی..... اس نے تو ششے کا بڑا سا جارا ہمیشہ بھرا دیکھا تھا۔

”پتا نہیں اماں کہاں سے منگواتی ہیں۔“ چند سیکنڈ کی بس یہی سوچ آئی تھی۔
”اگر مجھے سائل کے سامنے بلا کر بے عزت کیا تو میں بھی خوب تماشہ لگاؤں گی۔“ وہ آنے والے لمحات کی گویا رپہرسل کر رہی تھی۔ آنکھوں میں انتہا پسندی کا تاثر تھا۔

☆☆☆

تاجور، سائل کو لان میں ہی لے کر بیٹھ گئی تھیں..... وہ نہیں چاہتی تھیں کہ گھر کے نوکروں کے کان میں کچھ بڑے۔
سائل، تاجور کا موڈ دیکھ کر درحقیقت اندر ہی اندر کہم سا گیا تھا کیونکہ تاجور اس سے ملتے ہوئے تکلفاً بھی نہیں مسکراتی تھیں۔

اس بے خبر کو کیا خبر تھی کہ اس وقت ان پر کیا بیت رہی ہے..... زارا کی حرکات و سکنات سے تو واضح تھا کہ وہ ہر طرح کی حماقت بہت آسانی سے کر سکتی ہے۔ کوئی ناقابلِ طمانی نقصان کسی بھی وقت پہنچا سکتی ہے۔
”سائل..... مجھے آپ سے انتہائی سیریس ایٹو پر بات کرنی ہے..... میرا مطلب ہے ڈکشن نہیں کرنا ہے..... فیصلہ کرنا ہے۔“ تاجور کی دھیمی مگر سپاٹ آواز نے ماحول میں ارتعاش پیدا کیا۔

”جی..... میں سن رہا ہوں.....“ سائل نے اپنی خود اعتمادی یوں سنبھالنے کی کوشش کی جیسے صحنہ میں پھنسی کشی کا طالع خود کو بھی سنبھالے اور چوڑوں کو بھی..... جو صحنہ سے نکلنے کی آس و آمید کی علامت ہوتے ہیں، نظر بھی ہوئی، کان کھڑے تھے۔

”آپ ہمارے فیملی ممبر بن چکے ہیں..... اس وقت مجھے آپ کی help چاہیے.....“ ”No“ کی تو گنجائش ہی نہیں ہے۔

تاجور کے لہجے کی قطعیت سے تو سائل کے پسینے ہی چھوٹ گئے۔ نہ الفاظ گرفت میں تھے نہ بولنے کا یارا..... بس ہمت تن گوش ہی ہو سکتا تھا۔

”میں آج ہی زارا کو تمہارے ساتھ رخصت کرنا چاہتی ہوں۔“ تاجور نے ناک کے نیچے ہم رکھ کر دھماکا کیا

تھا۔ ساحل کو یوں لگا کہ اس کے پرچے اڑ گئے اور اس کی روح غلامی میں مجبور ہوا ہے۔
 ”اس وقت میں ذرا کی طرف سے پیدا ہونے والا کوئی رسک انفرڈ نہیں کر سکتی۔ میری اور میرے خاندان کی سات نسلوں کی عزت کا سوال اٹھ رہا ہے۔“ تاجور سر جھکائے شکست خوردہ انداز میں اور بہت ہی دھیمی آواز میں بول رہی تھیں۔

ساحل کا حلق خشک ہو گیا..... جیسے کئی دن سے پانی کا قطرہ طلق میں نہ ٹپکا ہو۔
 ”یہ میری اپنی سگی بیٹی نہیں ہے.....“ یہ دوسرا دھماکا تھا جو پہلے دھماکے سے زیادہ شدید تھا۔ وہ اب بیٹھا آنکھیں پھاڑ رہا تھا۔

”میں یہ حقیقت کبھی نہیں بتاتی..... مگر آج اس نے مجھے مجبور کر دیا ہے کہ میں اپنے خاندان کی عزت و وقار بچانے کی خاطر سب کچھ کر گزروں.....“ وہ کہہ رہی تھیں اور ساحل کے ذہن میں مسلسل دھماکے ہورہے تھے۔
 ”سگی“ بنی نہیں تو اس کا مطلب ہے کہ اس کا تو برابر اپنی وغیرہ میں بھی کوئی share نہیں ہوگا۔ یہ ”بلا“ اپنے سر لگانے کا پھر مجھے کیا فائدہ ہوا؟“ ساحل کو اب اپنی پرکھی۔

”تم اس پر کبھی غماہ نہیں کرو گے کہ میں یہ حقیقت تمہیں بتا چکی ہوں، اسے ہمیشہ سب کچھ ملتا رہے گا جو میری اولاد کو ملنا چاہیے۔ آخر دنیا کی نظر میں تو میری اولاد ہی ہے ناں.....“
 ساحل کی جان میں جان آگئی۔

پھر توجہ تھا..... ”ورنہ.....“ کا ہتھیار تو میڈم تاجور نے خود بخود دے ہی دیا تھا۔
 ”اب کیا پر اہلم.....“ ”create“ کر رہی ہے؟“ اس مرتبہ ساحل نے بہت پرسکون انداز میں سوال کیا۔ اس کے تمام مفادات کو تختہ کھانا مل رہی تھی..... پھر تو کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا..... تاجور جو سادگی میں اپنا راز دے بیٹھی تھیں اس سے تو وہ پہلے سے زیادہ مستحکم پوزیشن پر آ گیا تھا۔
 ”آپ فکر نہ کریں..... اس کے فرشتوں کو بھی بتا نہیں چلے دوں گا کہ آپ مجھے حقیقت بتا چکی ہیں..... آپ مجھ پر مکمل اعتماد کر سکتی ہیں۔“ اس کے سوال کا جواب ابھی تک نہیں آیا تھا تا جوار غالباً یکسوئی اور ترتیب کی تلاش میں تھیں..... اس دوران ساحل نے ان کو یہ جتانے میں کہ وہ ان کا ”سگا“ ہے دیر نہیں لگائی۔ اور یوں ادھر ادھر نظر دوڑائی جیسے قلی اسٹیشن پر کھڑے مسافر سے پوچھ رہا ہو کہ ”سامان کدھر ہے..... کیا، کیا اٹھانا ہے؟“ کیونکہ تاجور نے تو شروع ہی میں جتانہ دیا تھا کہ ”No“ کی گنجائش نہیں ہے۔

”پر اہلم..... نہیں پر اہلم“ ”create“ کر چکی ہے..... سفینہ کی دشمن بین رہی ہے کھلم کھلا جہلیسی کا اظہار کر رہی ہے..... آج اس کی سرسراہٹ بچ جاتی ہے اور وہاں الٹی سیدی میں کھینچ کر مٹی ہے..... خود سوچا اتنی زیادہ پریشانی نہ..... اسٹیشن بے لگتی تھی..... بات مختصر کر مٹی..... اسے صرف تم کنٹرول کر سکتے ہو..... تم مرد ہو اور اب..... تم اس کو بہت آسانی سے کنٹرول کر سکتے ہو..... باقی تم خود سمجھدار ہو..... خود کو جانے ہو کہ تم کیا کچھ کر سکتے ہو۔“ تاجور کے انداز سے یوں لگا کہ زیادہ اسے بانس پر چڑھا رہی ہوں۔ انتہائی منافع بخش کاروبار کی ضمانت مل جائے تو بندہ ”کنسانٹنٹ“ کندھوں پر لا دکر پیدل بھی چل سکتا ہے۔

اس کے تمام مفادات محفوظ تھے..... وہ سب کچھ کرنے کے لیے تیار تھا..... بائچ فٹ دواغ کی لڑکی 50kg سے زیادہ جس کا وزن نہیں..... اس نے لاشعوری طور پر اپنے ننگے بازوؤں کی پمپلیوں پر ہاتھ پھیرے..... جیسے

اکھاڑے میں اترنے کی ”ڈبل“ بچ گئی ہو۔

”مجھ سے اب کوئی سوال جواب نہ کرنا..... مجھے جو کہنا تھا کہہ چکی..... اب جو کرنا ہے وہ تم نے کرنا ہے..... آج کی رات میں اسے اس گھر میں نہیں دیکھنا چاہتی۔“ اپنی اعصاب کی مالک تاجور اولاد کی محبت میں ریت کی طرح بکھر رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک سفید کوہ اس کی سرال میں مر بیض..... ڈکھیر کر کے آگئی تھی..... ان کا ذہن ماؤف تھا..... سارے مبروضہ کے قرینے، قاعدے اولاد کے سامنے بے معنی ہو رہے تھے..... وہ سفید کوہ کی سرور میں بنا چاہا رہی تھیں مگر اس کی آنکھوں میں دیکھتے سنہری رو پہلی خواب دیکھ کر انہوں نے اپنی اس دیرینہ خواہش کو ایک طرف کر دیا تھا..... وہ جان چکی تھیں کہ ان کی بیٹی کی روحانی مسرتوں کا سرچشمہ پرئس بن چکا ہے..... انہوں نے کوئی مزاحمت نہیں کی اور اپنے خواب بنی کے خوابوں پر قربان کر دیے.....

”تم میرے ساتھ آؤ..... اسی کے پیڈروم میں بات ہوگی..... یہ معاملہ ایسا ہے کہ ہنڈرڈ پرنسٹن پرائیویسی چاہیے..... نو کروں کو کچھ بتا چلنا چاہیے نہ سفید کوہ.....“

وہ اٹھ کر فوراً ہی اندر کی طرف چل پڑیں..... ساحل ہڑبوا کران کے تعاقب میں چلنے لگا۔

☆☆☆

زارا ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح بیڈ پر آڑی ترچھی لیٹی ہوئی تھی اگر وہ ایک بار بھی کھڑکی سے باہر جھانک لیتی تو لیلنا بیٹھنا بھول جاتی کیونکہ اس کی کھڑکی کے view سے لان کا سارا حصہ واضح نظر آتا تھا اور تاجور جو ایک کھٹے سے ساحل کو لان میں لے کر بیٹھی ہوئی تھیں اور سارا چائے پانی بھی وہیں کر رہی تھیں اگر زارا دیکھ لیتی تو شاید جھپٹ پر جا کر باہر چلا ننگ لگا دیتی..... ابھی تک تو وہ ان کی بات کو محض دھمکی ہی تصور کر رہی تھی..... اس کا خیال تھا کہ ”یہ کوئی مذاق ہے؟“ کہ وہ اسے دو کپڑوں میں ساحل کے ساتھ روانہ نہ کرویں..... ”کئی گھنٹی“ تھی جاتی تھی تاجور اپنے آئیٹش کے معاملے میں بہت حساس ہیں اور خامی نرم دل بھی..... لہذا کوئی انتہا پسندی سے بھرپور سن create نہیں کر سکتیں۔

”تک، تک.....“ کوئی دھاتی شے سے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ شاید انگوٹھی سے۔

”سفید.....؟“ وہ چونک پڑی..... ”اتنا ذلیل کر کے اپنے روم سے نکالا اب کیا کہنے آئی ہے۔ جس طرح مجھے نکالا تھا..... اب میں بھی اسی طرح نکالوں گی..... میرا تو جتنا بھی ستیا ناس ہوتا تھا ہو گیا..... ماں، بیٹی شوٹ تو نہیں کر سکتیں.....“ وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور لمبی سی زقد بھر کر بڑے غصے سے دروازہ کھول دیا..... مگر دروازے میں تو گویا کرٹ دوڑ رہا تھا وہ جھٹکے سے پیچھے ہٹی تھی..... سامنے تاجور اور ان کی پشت پر بڑے نرالے حلیے میں ساحل کھڑا نظر آیا تھا..... اس سے پیشتر اس نے ساحل کو اتنے بے تکلف حلیے میں بھی نہیں دیکھا تھا..... اس وقت اس کی آنکھوں میں شرارت تھی، نہ تفاخر وہ تو متحیر و معصوم بچ کی طرح بس دیکھ رہا تھا۔ جیسے اسے خود سمجھ نہ آ رہی ہو کہ کیا ہونے جا رہا ہے۔

اس کے پیچھے بیٹے ہی تاجور نے پلٹ کر ساحل کی طرف دیکھا اور اشارے سے اندر آنے کو کہا۔

ساحل چھوٹا، چھوٹا، چھوٹا قدم دھرتا ان کے تعاقب میں آگے بڑھا۔

”یہ تمہیں لینے آ گیا ہے..... میری طرف سے تمہیں اس کے ساتھ جانے کی اجازت ہے..... آخر ان ماں، باپ کا بھی تو حوصلہ ہوتا ہوگا..... جن کی بیٹی بھاگ کر کورٹ میرج کر کے پھر گھر والوں کو انفارم کرتی ہے..... تمہارا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ تم نے ایسا کچھ نہیں کیا..... اور اللہ نے مجھ پر یہ احسان کیا کہ میں نے تمہارا نکاح ساحل سے کر دیا..... ورنہ میں کیا کرتی..... مجھ سے تو تم اب اس گھر میں ایک رات کے لیے بھی برداشت نہیں ہو رہے.....“

بے عزتی کی انتہا وہ بھی ساحل کے سامنے..... زارا کے اعصاب سن ہو چکے تھے کبکری عظیم الشان عمارت ایک زوردار دھماکے سے زمیں ہوس ہو چکی تھی۔

حالات اس بچ پر آجائیں گے اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔ تمام خود غرض، بے ضمیر، مفاد پرست، دنیا دار لوگ اپنی خوش فہمیوں کی وجہ سے ہی عبرت ناک انجام کو پہنچتے ہیں..... بصیرت سے محرومی انہیں آخر تک دھوکے میں ڈالے رکھتی ہے۔

اور احسان فراموشی تو ایسا عمل ہے جو اللہ بھی معاف نہیں کرتا اور نعمتیں واپس لے لیتا ہے حالانکہ وہ تو ان تمام نعمتوں کی احتیاج و ضرورت سے پاک ہے، تمام تخلیقات اس کی ذات سے آشکار ہوتی ہیں۔ اسے اپنے کاموں میں نہ کسی تعاون کی ضرورت ہے نہ معاون کی.....

”تم نے اپنا بیگ تیار نہیں کیا؟ کوئی بات نہیں..... تمہاری تمام چیزیں تمہارے گھر پہنچ جائیں گی۔“ تاجور کے لہجے میں کسی رعایت کا تاثر نہیں تھا..... ساحل کوشش کے باوجود زارا کی طرف دیکھ نہیں پارہا تھا۔ شاید یہ تاجور کی شخصیت کا رعب و دبدبہ تھا۔

”اماں..... میں آپ سے معافی مانگ چکی ہوں.....“ زارا نے ساحل کے زرخے میں پھسنے سے بچنے کے لیے آخری کوشش کی.....

”جانتی ہوں تمہاری معافی کی حقیقت..... ڈھیٹ لوگوں کے کوئی اصول نہیں ہوتے..... میں نے آخر تک تمہاری بھلائی چاہی..... اور چاہا تمہیں عزت سے اپنے گھر کا کروں..... تمہارا شوہر تمہاری عزت کرے مگر تمہیں تو ان چیزوں کی ضرورت ہی نہیں..... اپنے رویے کی بدصورتی کا اندازہ لگانا چاہو تو اس بات سے لگا سکتی ہو کہ تم نے مجھے کس مقام پر لا کھڑا کیا ہے کہ آج مجھے تمہاری پرواہی نہیں.....“ تاجور نے برہمی سے کہہ کر اب ساحل کی طرف دیکھا۔

”یہ تمہارا شوہر ہے..... تمہارا گھر بار ہے..... اب بھی موقع ہے کہ تم اس کا دل جیت کر پرسکون زندگی گزارو..... آگے تمہاری مرضی.....“ انہوں نے ٹھوڑا توقف کیا۔

”ساحل..... اسے لے جاؤ.....“ انہوں نے ایسے کہا جیسے کوئی شے لے جا رہا ہو۔

”کیا تم اس بات کا انتظار کر رہی ہو کہ گھر کی نوکرانیاں تمہیں زبردستی ساحل کی گاڑی میں بٹھائیں.....؟“

تاجور نے اب گرج کر کہا۔

زارا یہ سن کر بری طرح بدحواس ہو گئی..... اب یہی کس باقی رہ گئی تھی۔ ساحل کے سامنے تو گویا وہ الٹی چھری سے ذبح ہو چکی تھی۔

”اماں..... آپ ایسی تو نہیں تھیں.....“ بالآخر اس نے شکست خوردہ انداز میں کہا۔

”اس لیے کہ تم ایسی ظاہر نہیں ہوئی تھیں..... میں اپنی بیٹی کی خوشیوں کے تحفظ کے لیے اپنی جان بھی دے سکتی ہوں..... جس کے راستے میں تم انگارے بچانے کی سرتوڑ کوشش کر رہی تھیں۔“ پھر انہوں نے ساحل کو مخاطب کیا۔

”ساحل اسے لے جاؤ..... ورنہ مجھے برین ٹیمبرج ہو جائے گا۔“ یہ کہہ کر وہ اپنا سر دباتی ہوئی واپس پلٹ گئیں۔

ساحل جو درحقیقت شدید حیرت آمیز دھچکے سے دوچار ہونے کی وجہ سے پتھر کا بت بنا کھڑا تھا۔ تاجور کے ٹھکے انداز پر ہڑ ہڑا کر آگے بڑھا اور زارا کا ہاتھ تھام لیا..... زارا نے کوئی مزاحمت نہ کی بلکہ پہلے چہرہ اٹھا کر ساحل کی طرف دیکھا پھر اپنے ہاتھ کی طرف جو ساحل کے ہاتھ میں تھا۔

”میں اپنی کچھ ضروری چیزیں رکھ سکتی ہوں.....؟“ اس نے بالکل سپاٹ لہجے میں ساحل سے سوال کیا۔

”sure..... میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں.....“ اس وقت تو ساحل کے بھی کس بل نکلے ہوئے تھے..... ساری

اس کی مضبوط اعصاب ماں رو رہی تھی..... زار نے اس کی ماں کو رونے پر مجبور کر دیا تھا..... دکھ اب طیش میں بدلنے لگا..... وہ اضطرابی طور پر ہنسیاں بھی پینچی بھی کھولتی تھی۔

”بیٹا تم ریٹ کرو..... مجھے ویسے بھی ہلکا سا زکام ہو رہا ہے شام سے۔“ تاجور کی آواز سے لگتا تھا کہ وہ خود کو کنٹرول کر چکی ہیں.....

”تو دروازہ کھولنے میں کیا ہے اماں..... میں آپ کو ٹیلیف ہی دے دوں گی..... آپ کا سر دبا دوں گی..... پلزز اماں.....“

اس نے منت سماجت شروع کر دی..... اب تو وہ وہاں سے ہٹ ہی نہیں سکتی تھی کیونکہ اسے پورا یقین تھا کہ تاجور رو رہی ہیں۔

”اماں، پلزز، ڈور کھولیں..... پلزز اماں.....“ وہ بے قراری سے ہنڈل گھمانے لگی۔

تاجور اس کے اصرار کی تاب نہ لائیں انہیں دروازہ کھولنا پڑا مگر وہ دروازہ ہلکا سا کھول کر فوراً ہی رخ موڑ کر واپس مڑ گئی تھیں..... سفینہ کی گویا جان میں جان آئی اس نے اندر داخل ہو کر دروازہ پھر locked کر دیا اور بھاگ کر ان کے سامنے آکھڑی ہوئی اور غور سے ان کا چہرہ دیکھا۔

رو، رو، رو کرتا جوری آکھیں متورم ہو رہی تھیں..... وہ سفینہ سے نظریں چرانے لگیں..... سفینہ کا تو جیسے دل کسی نے دو بج لیا اس نے ماں کے شانوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ دیے۔

”اماں..... آپ کب سے رو رہی ہیں؟ آپ کی تو آنکھیں سو ج رہی ہیں اماں..... کیوں رو رہی ہیں..... بتائیں ناں اماں.....“ سفینہ کے لہجے میں ایسی تڑپ تھی کہ وہ تاب نہ لائیں اور سفینہ کو کھینچ کر اپنے سینے سے لگا لیا..... اور بچوں کی طرح بلک، بلک کر رونے لگیں۔

”میں نے سچ سچ اسے اپنی سگی اولاد کی طرح پالا تھا..... زندگی کا سب سے بڑا زخم بھی اسی نے لگایا ہے.....“ تاجور روتے ہوئے کہہ رہی تھیں.....

”آج میں نے ہمیشہ کے لیے اسے اس گھر سے رخصت کر دیا..... میں پانچ کنپیاں چلا رہی ہوں مگر ایک لڑکی کو نہیں سنبھال سکتی.....“

تاجور تڑپ، تڑپ کر رو رہی تھیں..... سفینہ لب بستہ تھی جیسے کھڑے، کھڑے پتھر کی بن گئی ہو۔

☆☆☆

ساحل کے دماغ کی نازک دیواروں پر تاجور کے بولے ہوئے ایک جملے سے مسلسل ضرب لگ رہی تھی..... ”جس کے راستے میں تم انگارے بچھانے کی سر تو ڈکوش کر رہی تھیں“ یقیناً ان کا اشارہ سفینہ کی طرف تھا۔

”کیا، کیا ہے اس نے.....؟“ اس نے بیڈ کے کنارے پر بیٹھی زارا کی طرف دیکھا اور سوٹ کیس بند کرتے ہوئے سوچا۔

زارا اسارے جہان کی مظلومیت چہرے پر سجائے یوں بیٹھی تھی جیسے ساحل کو یقین دلا رہی ہو کہ اس کے ساتھ اس کے گھر والوں نے ظلم کی انتہا کر دی ہے۔

”جلیں.....“ ساحل کی ساری جولانیاں، شوخیاں، بخارات بن کر اڑ چکی تھیں.....

”ہوں..... مگر میں تمہیں ایک حقیقت بتانا چاہتی ہوں..... تاکہ تم یقین کر لو کہ میرے ساتھ یہ تماشا کیوں کیا جا رہا ہے۔“

”ہم یہ باتیں گھر پر آرام سے بھی کر سکتے ہیں۔“ ساحل نے الجھے، الجھے انداز میں کہا تھا۔

یہ کہاں بجیں کہ دل ہے

”مگر میں تو اندر سے مر رہی ہوں ناں..... مجھ سے تو کھڑا بھی نہیں ہوا جا رہا ہے..... میں نے ماں کے سامنے ایک سچ بات کہہ دی اور انہیں یہ سچ برداشت نہیں ہوا..... ماں کا اتنا بھیا کہ روپ تم نے آج تک نہیں دیکھا ہوگا۔“

”مجھے کوئی دلچسپی نہیں..... اس لیے کہ مجھے کیا فرق پڑتا ہے..... انہوں نے اپنی بیٹی کا رشتہ جوڑ کیا..... میں نے قبول کر لیا..... میرا تم سے نکاح ہو گیا اور اب تم میری بیوی ہو..... مجھے یہ ذمے داری نبھانی ہے..... بس میرا یہ کام ہے، آپ لوگوں کے کیا پر اہل ہیں..... کیا issues ہیں..... کیا concerns ہیں یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔“ let's go

”ساحل نے ساٹ لہجے میں کہہ کر اسے چلنے کا عندیہ دیا۔ زارا چند لمبے ساحل کی طرف گھورتی رہی..... پھر طوعاً و کرہاً اٹھ کر ایک الوداعی نگاہ کرے میں دوڑائی۔“

”لوگوں کی نظر میں عزت دار بنی ہوئی ہیں..... کبھی نہ کبھی تو یہ نقاب اترے گا۔ ماں کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔“ زارا اٹھا ہر بڑبڑا رہی تھی درحقیقت وہ ساحل کو سنا رہی تھی..... ششسل باور کرانے کی کوشش کر رہی تھی کہ وہ..... بے تصور ہے اور قصور وار لوگوں نے اپنے عیب چھپانے کے لیے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے۔

ساحل کے سامنے اتنی انسلٹ کوئی مذاق بات تو نہیں تھی..... سب سے زیادہ اپنے complexes اس نے ساحل کے سامنے ظاہر کیے تھے کہ احساس برتری تو شدید ترین احساس کتری کا رد عمل ہوتا ہے۔

”یہ نوکر رکھ دے گا..... اچھا خاصا weight ہو گیا ہے۔“ زارا نے خشک حلق کو تھوک نگل کر تر کرتے ہوئے سوٹ کیس کی طرف اشارہ کیا..... آنسو پینے کا حیرت انگیز کمال یہ ہے کہ جتنے آنسو پیا اتنا ہی حلق خشک ہوتا جاتا ہے۔

”اس گھر کے نوکر شاید اب تمہارے نوکر نہیں ہیں..... یہ drag کر کے لے جایا جاسکتا ہے۔“

ساحل نے سوٹ کیس فرش پر رکھ کر اس کا ہینڈل کھینچ کر اوپر کیا زارا اتنی بدحواس تھی کہ اسے خیال ہی نہیں رہا کہ آج کل وزن اٹھانے کی مشقت نہیں کی جاسکتی نہ کھینچنا تانی کی ضرورت پڑتی ہے..... جب وہ بچی کی تب تو وہ تاجور و سفینہ کے ساتھ کئی بار شہر و ملک سے باہر گئی تھی مگر عرصہ دراز سے اس نے کوئی دور کا سفر نہیں کیا تھا۔

یہ سوٹ کیس بھی شام کے وقت نوکرانی نے لا کر دیا تھا کہ بیگم صاحبہ کہہ رہی ہیں کہ اپنے نئے کپڑے اس میں رکھ لیں۔ تب بھی اسے سمجھ نہیں آئی تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہونے جا رہا ہے۔

ساحل سوٹ کیس لے کر..... باہر نکل گیا..... شاید اس نے لاشعوری طور پر چاہا تھا کہ زارا جی بھر کر اپنے لگژری بیڈروم کو الوداع کہہ لے..... کوئی حسرت نہ رہے..... اس کی اپنی طبیعت بہت بو جمل تھی۔

دولت مند، خوب صورت، کم عمر، کیمبرج پڑھی ہوئی بیوی مل چکی تھی..... مگر کچھ ایسا تھا کہ گویا ادھ کھلی کلی شاخ سے ٹوٹ کر گر گئی ہو..... حسین خوابوں کی تعبیر بھی الٹ نہیں تھی مگر روشنی کے درمیان جا بجا اندھیرے سامنے بھی تھے۔

☆☆☆

ICU کے ششے کے پیچھے بند کیے گئے تھے، کوئی نظر آ رہی تھی۔ کوئی روشنی میں مشین کی جلی جیتی بو سننا

مطلع کر رہی تھیں کہ ابھی زندہ کی کی دھن ہاتی ہے۔

وہ مگر سے اس وقت نکلا تھا جب اسے یقین ہو گیا تھا کہ لیڈی صوفیہ مکمل نیت کے ساتھ اپنے بیڈروم میں سونے کے لیے جا چکی تھیں۔

یہ اس کی سب سے بڑی کمزوری تھی کہ وہ ان سے جھوٹ بول کر یا کوئی بہانہ بنا کر گھر سے باہر جانا پسند نہیں کرتا تھا..... اسے جھوٹ بولنے کی ذرا برابر پر یکیش نہیں تھی اس کی آنکھیں اسے ہمیشہ کے لیے باور کرا چکی تھیں کہ اگر جھوٹ بولا تو تمہارا ساتھ نہیں دیں گی۔

خبر اس قدر دل دہلا دینے والی تھی کہ وہ کسی صورت ان تک نہیں پہنچا سکتا تھا۔ وہ تو آج کل پہلے سے زیادہ

روحانی مسرتوں سے شاد نظر آتی تھیں۔ اول وجہ تو سفینہ تھی جس کی آمد کے لیے وہ دن گمن رہی تھیں۔ دوم وجہ صندل اور ٹوبان تھے جن کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ اس مظلوم لڑکی اور اس کی اولاد کو شیئر کر کے انہوں نے اپنی طویل عمر کی ذکوۃ نکالی ہے۔

یہ خبر انہیں کھڑے سے گرانے کے لیے کافی تھی..... ان کی سوچ کا کیونسا بہت وسیع تھا، وہ ہر مدد کے خواستگار کو اپنا روحانی رشتے دار مانتی تھیں..... اور شاید یہی ان کی طویل عمری اور ہوش و حواس کی سلامتی کا روحانی راز تھا۔ ڈاکٹر نے مایوس نہیں کیا تھا تو کوئی خوشگوار امید بھی نہیں چھٹی تھی۔ انجیلا سے کچھ دیر پہلے بات ہوئی تھی اس نے بتایا تھا کہ ٹوبان کو کھانا کھلا کر اس کے بیڈروم میں سلا دیا ہے تاکہ وہ اس امید کے سہارے گہری نیند سو جائے کہ اس کے پرنس انکل کی بھی وقت آ جائیں گے۔

ٹوبان کی طرف سے تو سلی ہوئی تھی مگر صندل کی طرف سے اندیشے تنگ کر رہے تھے۔ ایس بی زوار حسین سے بھی مسلسل رابطہ تھا جس کی اطلاع کے مطابق سلمان کی گرفتاری کے لیے مسلسل چھاپے مارے جا رہے تھے۔
”اگر اللہ نے اسے دوبارہ زندگی بخشی تو اسے آئندہ کے خطرات سے بچنے کے لیے کیا کرنا چاہیے؟“

سوچ کی اس الجھا پر وہ عجیب سی بے بسی محسوس کرنے لگا تھا..... یہاں کا نظام عدل..... جو منصفوں کو کلغوری لائف اور وکیلوں کو دونوں ہاتھوں سے لوٹنے کی اجازت دیتا ہے..... سلمان جیسے خطرناک لوگوں کو ضمانت و تحفظ دینے کے لیے تمام قانون کی کتابیں دستیاب ہوتی ہیں..... غریب کی کچی کنیا پر چل کو وسیع کرنے کی غرض سے قبضہ کر لیا جائے تو وہ انصاف کی بجائے مانگتے مانگتے بہر حال دو گز زمین پر ہمیشہ کا صبر کر لیتا ہے۔

تمام تر اثر رسوخ کے باوجود وہ درندہ ضمانت کرانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ ظاہر ہے وہ آزاد ہوا تھا تو صندل پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔

”تم اسے شیئر کر رہے ہو..... تمہاری اپنی زندگی بھی تو خطرے میں پڑ چکی ہے۔“ ایک منفی سوچ کی لہر ذہن کو چاقو کی ضرب کی طرح حرم گیدی کی گزر گئی۔

”زندگی اور موت تو اللہ کے اختیار میں ہے..... جو جس وجہ سے مرتا ہے اس کی موت کا وقت و انداز کا جب تقدیر نے اسی طرح لکھا ہوتا ہے۔ زندگی اور موت دونوں..... ”کن“ کا رد عمل ہیں.....“
روشن ذہن میں عقیدے کی مضبوطی نے مزید اجالا کر دیا.....

بالآخر..... آخر کار..... یقیناً..... موت سب سے بڑا سچ ہے..... جس سے گزرے بغیر زندگی کا سفر ادھورا ہے۔
اس نے برسٹ واچ پر نگاہ ڈالی..... پھر اپنے اطراف دیکھا..... دور ایک ایبولینس کھڑی تھی..... ڈیڈ باڈی اسٹریچر پر تھی..... کچھ خواتین رو رہی تھیں کچھ روتی ہوئی خواتین کو سنبھال رہی تھیں۔
اسٹریچر ایبولینس میں رکھ دیا گیا..... دو روتی ہوئی عورتیں دروازے سے ایبولینس میں داخل ہوئیں..... ایبولینس مین گیٹ کی طرف روانہ ہوئی۔

”خدا حافظ..... انا للہ وانا الیہ راجعون.....“

پرنس نے یوں خدا حافظ کہا جیسے مرحوم یا مرحومہ اس کا قریبی رشتے دار ہو۔ پھر اس کی نظریں نئے سرے سے شیشے کے پار صندل کے بے حواس وجود پر جم گئیں۔

☆☆☆

ساحل کو یک دم القا ہوا کہ اس کی روحانی حس دم توڑ چکی ہے..... اس کے پہلو میں کوئی سویرس کی ضعیف پیٹھی اس کے ساتھ جو سفر ہے..... تاجور کے ”سچ“ نے اندیشوں کا انبار لگا دیا تھا..... مانا کہ نوازیں گی..... مگر اس کا ان کی

محبت دائمی ہے

نہ چھپ سکتی ہے
نہ دب سکتی ہے
چھپاؤ گے اسے تم تو یہ
انکھار سے اپنے
تمہیں حیران کر دے گی
دباؤ گے اسے گرم تو یہ
تمہائی میں آکر تمہیں
برباد کر دے گی
محبت آف محبت
محبت دائمی ہے

کلام: سعد اللہ شاہ

پر اپنی یا اناؤں میں تو کوئی حصہ نہیں ہوگا..... اب یہ تو عطا کرنے والے کی مرضی کہ دل کھول کر دیتا ہے یا لڑتے، کا پتہ ہاتھوں سے.....

لکڑی کا ر، خوب صورت لڑکی اور اتنا بے مزہ سفر.....؟ اسے اپنی کیفیات کی خود ہی سمجھ نہیں آ رہی تھی..... یوں محسوس ہوتا تھا کہ پیٹ کی خاطر پیٹ پر کوئی وزن لا دے محدودی کر رہا ہے۔
حتیٰ کہ دورانی ڈرائیونگ ایکسپریس گزارا کی طرف دیکھنے کوئی نہیں چاہا..... جو خود نہ جانے کس طرف دیکھ رہی تھی۔
”اللہ اللہ کر کے کھانا آ گیا.....“ اس نے پارکنگ میں کار روک کر زارا کی طرف دیکھا تھا جو دم بخود سی باہر نیم تاریک ماحول کو گھور رہی تھی۔

”یہاں کیوں رکے ہو؟“ اس نے سپاٹ اور قدرے تھکنا نہ لیجے میں پوچھا۔
”میرا..... میرا مطلب ہے ہمارا گھر آ گیا ہے.....“ اس کا انداز بھی برف، برف اور بے تاثر تھا۔
”گھر..... گھر.....“ زارا نے اب اچھی طرح باہر کا جائزہ لیا..... چار منزلہ چھوٹے سے رقبے پر بنا ہوا خاصا پرانا پرائیویٹ تھا..... سٹیج، سٹیج کی وجہ سے باہر کی طرف کا پلاسٹر جگہ، جگہ سے اٹھ رہا تھا اور نیم تاریکی میں بھی واضح نظر آ رہا تھا۔

”اتریں محترمہ..... مجھے دس من وزنی سوٹ کیس بھی تھرو فلور پر پہنچانا ہے.....“ ساحل نے اسے پتھر کی طرح جھپا کر خاصی بیزاری سے کہا۔

”تم..... تم..... یہاں رہتے ہو..... شروع سے.....؟“ زارا کا واقعی اترنے کا جی نہ چاہتا تھا..... بلکہ صحیح معنوں میں تو اب اسے رونا آ رہا تھا۔

”شروع سے تو نہیں..... کبھی اسلام آباد جیسے بڑے بڑے شہر میں رہتے تھے، باپ کو گورنمنٹ سے گھر ملا ہوا تھا، باپ دنیا سے رخصت ہوئے تو گھر بھی ہاتھ سے کیا۔ پھر بہن کے گھر رہا..... جاب کی تلاش میں اس ننھوں شہر میں آیا تو اوقات کے مطابق یہاں گھر بنا لیا۔“

ساحل متشدد بہن کے ساتھ ہم کلام تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی لہجہ تلخ ہو گیا۔

”وہ بھی تھوڑا غلوط پر.....“ زارا کے انداز میں بھی تنگی و بیزاری تھی۔
 ”اس لیے کہ تھوڑا تھوڑا غلوط کے کرایے کم ہوتے ہیں.....“ اس نے فی الحال زارا کو یہ بتانا مناسب نہ سمجھا کہ اس نے ایک فیشن اسٹیل پراجیکٹ میں اپارٹمنٹ بک کرایا ہوا ہے..... شاید وہ اسے اس کی سوچ کی آخری انتہا تک دیکھنا چاہتا تھا۔

”لفٹ نہیں ہے؟“ آنسوؤں کو یہ مشکل روکنا پہاڑ کاٹنے جیسا ہی عمل ہے۔
 ”تھوڑا غلوط کے پراجیکٹ میں اکثر لفٹس نہیں ہوتیں.....“ ساحل یہ کہہ کر فرائی کار سے اتر گیا..... لامحالہ زارا کو بھی اترنا پڑا۔
 ”پرنس کا محل..... ساحل کا شکستہ گھر..... یہ میں نے ہار نہیں مانی سفینہ..... تم دونوں ماں، بیٹی کو چین سے بیٹھنے نہیں دوں گی.....“

اس کے وجود میں نئے سرے سے شعلہ بھڑک اٹھے..... ساحل کاری ڈی کھول کر سوٹ کیس نکال رہا تھا اور وہ شکستہ عمارت پر نظر جمائے چاروں طرف آگ لگانے کے طریقے کھوج رہی تھی۔

☆☆☆

پرنس ڈاکٹر ز سے بات چیت کر کے تمام dues کٹیز کر کے بارہ بجے سے پہلے واپس گھر پہنچ چکا تھا۔ ٹوبان دونوں ہاتھ گال کے نیچے رکھے کرٹ کے بل گہری نیند سویا ہوا تھا..... دنیا کا خوش نصیب ترین بچہ جسے بہترین انسان کی سرپرستی حاصل ہوئی، دنیا کا بد نصیب ترین بچہ جو باپ کے ہوتے ہوئے یتیموں سے زیادہ لاچار اور اداس تھا..... ماں کی حقیقی محبت ہر بلی داؤ پر لگی رہتی تھی۔

کمرے میں ہلکی روشنی تھی، انز فریئر کی دل پزیر مسکورتوں خوشبو کا ڈیرا تھا۔ ریشمی، چمکدار اور دوپہلی سنہری پردے درہنچوں پر پھیلے ہوئے تھے۔ وسیع و عریض خواب گاہ جس میں بے حد سادہ مگر بیش قیمت ضروری فرنیچر تھا۔ قیمتی ٹائلوں کا فرش ہلکی روشنی میں آئینے کی طرح جگمگا رہا تھا۔ مغربی درجے کے نزدیک اس کی سادہ مگر دین پکڑے کی جائے نماز بھی رہتی تھی۔ عام جائے نماز سے زیادہ چوڑی اور طویل۔ ٹیکے آسانی رنگ کی ویلوٹ پر کسی قسم کا نقش و نگار نہیں تھا پہلی نظر میں تو محض rug کا ہی گمان ہوتا تھا۔ اس کے نماز کے پکڑے بھی بہت کھلے ڈالے اور سفید رنگ کے ہوتے تھے کیونکہ انہی پکڑوں میں وہ دو وقت مراقبہ کیا کرتا تھا۔ کئی دن سے وہ سوچ رہا تھا کہ سفینہ سے خواب گاہ کے نئے فرنیچر پر بات چیت کرے، اس کے خیالات جانے کہ وہ کسی طرح کا فرنیچر پسند کرتی ہے..... آج صبح سے ایک خوب صورت انتظار کی جذباتی کیفیت طاری تھی..... بے شمار موضوعات ذہن میں آ جا رہے تھے مگر جب ملاقات ہوئی تو دن گزشتہ دنوں سے زیادہ جوہل و بھاری لگلا..... خوشی کسی چور و دواڑے سے نکل کر بھاگ کھڑی ہوئی..... اس نے کمرے کی سانس لے کر ٹوبان پر ایک نگاہ دوڑائی۔

”جو اللہ کو ہر لمحہ یاد رکھنے کی نیت رکھتے ہیں..... اللہ ان کو ہموار لئے رکھے گا..... اسے ہر کام کرنا بھی آتا ہے اور اپنی یاد کی طرف متوجہ کرنا بھی آتا ہے۔“

اس لطیف خیال کے ساتھ ہی اس کے ہونٹوں پر نرم سی مسکراہٹ ابھری.....
 ”اوکے..... میرے اللہ..... جو آپ کی مرضی..... مجھے تو کام پڑ گئے تھے..... یہ سفینہ کو کیا ہوا؟“ وہ ڈریسنگ کی سمت بڑھتے ہوئے سوچنے لگا۔

”یارب العالمین..... سفینہ کو اپنے محبت بھرے حصار میں رکھنا۔“ وہ زالا عاشق تھا..... محبوبہ کو رات گئے دعا کا ہدیہ بھیجتا نہیں بھولتا تھا۔

ایک تو اس نے ناشائستہ کرنے کی وجہ سے بچ نہیں کیا تھا پھر سبب کی گھر آمد کے بعد حالات اس قدر پیچیدہ ہو گئے کہ کھانے، پینے کی طرف دھیان ہی نہیں گیا۔ اعصابی جنگ پھر کھلی جنگ ایسے جنگی حالات میں تو مجاہدین بھی پانی پر گزارہ کرتے ہیں۔ اس نے بھی چار پانچ گلاس پانی کے علاوہ کچھ پیٹ میں نہیں ڈالا تھا۔ اب جو زینہ طے کر کے قمر ڈھلور پر پہنچی تو گاڑی کھڑے، کھڑے دھڑام سے گر جائے گی۔

دھندلی زرد بیمار کمزوری روشنی میں زینہ طے کرتے ہوئے اسے بلڈنگ ہی آسیب زدہ محسوس ہو رہی تھی۔ مین روڈ سے قریب ہونے کی وجہ سے ٹریفک کا خاصا شور ضرور تھا جو جنگل کا تاثر میلے میں مانع و حائل تھا مگر بلڈنگ کی اندرونی حالت بھی ناقابلِ برداشت تھی۔ جگہ جگہ پر ز، شاہرز، بان کی پیک کی تھیں..... اور اس پر مستزاد تین قلمور کا زینہ چڑھنا، ساحل "دولت مند بیگم" کا سوٹ کیس سمیٹ کر کھانچ کر جس طرح اپنے قلیٹ کے دروازے تک پہنچایا وہی جانتا تھا۔

"اچھی خاصی سہری ہے تمہاری..... تمہیں اس کنڈر میں رہتے ہوئے کچھ ٹل نہیں ہوتا....." زارا ہانپتے ہوئے ساحل پر چڑھ دوڑی۔

"ہمارے سروٹ کو ارٹز کا آؤٹ ڈور اس سے لاکھ درجے اچھا ہوتا ہے۔ نوکروں نے دروازے کے باہر پھولوں کے گیلے تک سجائے ہوئے ہوتے ہیں۔"

"بھول جاؤ..... سب کچھ..... وہ سروٹ کو ارٹز میڈم تاجور کے ہیں۔" ساحل نے ہانپتے ہوئے دروازے کے کی ہول میں چابی پھنکائی۔

اور زارا کی تو دم پر پاؤں پڑ گیا تھا۔

"مجھے میٹھی مار چر کرنے کی ضرورت نہیں..... سمجھے..... میں زارا ہوں، نہ کسی سے دہتی ہوں نہ جھکتی ہوں۔"

"اچھا....." ساحل نے دروازہ دھکیلتے ہوئے زارا کی طرف دیکھا۔

"تین دفعہ ریڈیالاک repeat کر لو..... کیونکہ اندر جانے کے بعد آج تمہاری ایسی کی تھیسی ہو جائے گی۔"

یہ کہہ کر ساحل سوٹ کیس ویز چلا تا ہوا آگے بڑھ گیا۔

زارا ایک دم سے اتنے متضاد حالات بہ مشکل برداشت کر رہی تھی۔ حالات بدل جاتے ہیں فطرت تو نہیں بدلتی۔

"ابھی تمہارا وقت ہے..... لیکن بہت جلد ہٹا لگ جائے گا کہ تم نے بیگم صاحبہ کی باتوں میں آکر زندگی کی سب سے بھیا ک غلطی کی ہے۔"

"ہوں....." ساحل سوٹ کیس ایک طرف کھڑا کر کے دروازے کی سمت بڑھا اور دروازہ بند کر کے مقفل کر دیا۔

"شادی شدہ لوگوں کی اکثریت شادی کو غلطی کہتی ہے..... کچھ لوگ ایک غلطی کا اثر مٹانے کے لیے دوسری اور تیسری غلطی..... میرا مطلب ہے شادی کرتے ہیں..... کچھ لوگ تو اس غلطی کے اتنے عادی ہو جاتے ہیں کہ ایک ساتھ چار بیویاں بھی رکھتے ہیں۔"

زارا جو انتہائی ناگوار سے قلیٹ کا جائزہ لے رہی تھی ساحل کی بات پر منہ بنا کر بولی۔

"میری طرف سے تم مزید تین شادیاں کرو..... چھ گرل فرینڈز بناؤ..... mean... go to hell! ماں اپنا پراس تو پورا کریں گی..... اپنے status کے حساب سے مجھے گھر بھی دیں گی..... اس کے بعد تمہاری مرضی..... میرے ساتھ رہنا..... مجھے divorce کر دینا..... میری کوئی لومیرج تو ہے نہیں جو مجھے فرق پڑے گا..... اس کنڈر میں چند دن گزارہ کر لوں گی..... جیسے بیماری میں بڑی، بڑی کڑوی ٹیبلٹس کھانا پڑتی ہیں۔"

زارا بول رہی تھی اور سائل ایک تک اس کی سمت مگھور ہاتھا۔ ایک رات کی مار ہے زارا بیگم..... کل تمہاری حیثیت سیکنڈ ہینڈ کار کی ہوگی..... سیکنڈ ہینڈ کار شوروم سے باہر آنے کے بعد دس کلومیٹر چل کر دوبارہ میل ہو جائے تو بھی سیکنڈ ہینڈ کی کہلاتی ہے..... even same day میل ہو..... تو بھی.....“ وہ سوچے جا رہا تھا۔

”پہلے کچھ کھا لی لو..... تھوڑا ریٹ کر لو..... پھر میں تمہیں نیٹ پر ایک مشہور اینڈین ایکٹریس کی تصویر دکھاؤں گا..... جب فلموں میں کام کرتی تھی اور بہترین ساڑیاں پہنتی تھی..... اور آج ستر سال کی عمر میں ایک اسپتال کے باہر وصل چیئر پر بیٹھی اپنے علاج کے لیے خیرات مانگ رہی ہے۔ عورت کو یہ بات سمجھ آ جائے کہ وہ عورت ہے مرد نہیں تو زندگی کے end تک secure رہتی ہے۔“

سائل بات کرتے، کرتے زارا کے قریب آ رہا تھا۔ زارا پیچھے ہٹتے، ہٹتے دیوار سے لگ گئی تھی۔

سائل نے دیوار پر اپنے دونوں ہاتھ اس طرح جمادیے کہ زارا اس کے بازوؤں کے درمیان بھنس گئی۔

اس انتہائی قربت اور تنہائی کے احساس نے اسے یلکھت حواس باختہ کر دیا..... اس نے پوری قوت سے سائل کو پیچھے دھکیلا۔

سائل بے ساختہ انداز میں قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

”وہ پرانی پیاری بایک ابھی تک سئل نہیں کی ہے..... اس بایک پر بیٹھ کر باہر کچھ کھا لی کر آتے ہیں..... بایک تو ایک رومیکل سواری ہے..... کپل کو انجوائے کرنا چاہیے۔“ زارا جو اس کے الفاظ کے پھراؤ سے شدید شگبی ہو چکی تھی..... ایک دم غرائی۔

”مجھے بائیں نہیں جانا..... اس گھر میں کھانے پینے کو کچھ نہیں ہے؟“

بریل، بیٹر، ملک بیک، available ہے۔ اس کے علاوہ میرا خون پی سکتی ہو.....“

سائل نے ابھی تک اسے تکلیف بھی، ”تشریف رکھئے“ کو نہیں کہا تھا۔ جیسے کہ اس تکلف کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔

اپنی بات کہہ کر اس نے وارڈروب سے اپنا نائٹ سوٹ نکالا..... وہیں کھڑے، کھڑے ٹی شرٹ اتارنے لگا۔

”یہ کیا جہالت ہے..... کوئی میز نہیں..... پیئنج کرنا ہے تو ڈریسنگ میں جاؤ یا داش روم میں۔“

زارا عادت سے مجبور تھی کچھ اچھا نہیں لگا تو فوراً ٹوک دیا..... خود کو روکنے والا تو بنی ہی سوئچ بورڈ سے غائب تھا۔

”پہلے تمہارے کھانے پینے کا بندوبست کر دوں..... پھر تمہیں میز کا menue بھی دوں گا.....“

سائل نے ہاتھ نیچے کر لیے کہ وہ بھی بے خبری میں ایسا کر رہا تھا۔ گھر میں تمہارے بیٹے کی جو عادت تھی..... اپنے معمول کے مطابق اس سے ایک حرکت سرزد ہوئی تھی..... زارا کے ٹوکنے پر اس نے دل ہی دل میں تسلیم کر لیا کہ وقت سے کچھ زیادہ ہی پہلے اس نے وہ بے تکلفی دکھائی جس کا فی الوقت موقع نہیں تھا۔

باتوں، باتوں میں راہ پر لانے کا مرحلہ طے کیے بغیر تو واقعی زارا کے حساب سے یہ جہالت ہی تھی۔

”بریل، بیٹر اور گرم دودھ کا گلاس..... یہ ڈنر کا میج ہے..... آپ کو منظور ہے؟“ اس نے شرٹ کھینچ کر نیچے کرتے ہوئے کچن کی طرف قدم بڑھائے..... زارا صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔

”سفینہ جب فرسٹ ٹائم پرنس کے گھر جائے گی..... تو کیا بریل بیٹر کھائے گی؟ بیگم صاحبہ..... اس ظلم و نا انصافی کا حساب دینا ہوگا۔“ بے ترتیب بیڈ روم پر نظر دوڑاتے ہوئے اس کے سینے سے شعلے بلند ہونے لگے۔

(جاری ہے)



رجوع

ریحانہ آفتاب

عزیزین فرش پر انگلی سے آڑی ترجمی لکیریں کھینچ رہی تھی۔ بھی دائیں، بھی بائیں، بھی گول دائرے میں..... لکیروں کا جیسے اک نخل بن گیا تھا اور اب ایسا ہی نخل اس کے ذہن میں بھی بن گیا تھا۔ چہرے پر زمانے بھر کی سوچ اور دکھ رقم تھے۔ دیکھنے والے کو پہلی نظر میں ہی محسوس ہو جاتا کہ وہ کسی کورو کے بیٹھی ہے..... شاید کوئی موت ہوگئی ہو اور موت تو اسی وقت

نظر آتی ہے جب میت سامنے پڑی ہو، دل و روح کی موت کب کسی کو نظر آتی ہے.....؟
 ثریا دو قفے، وقفے سے اپنی نگاہ اس پر ڈال رہی تھیں۔ اور دوبارہ سے مرچوں کی ڈگریاں توڑنے کا کام کرنے لگیں۔
 ”اماں! خاور نے مجھے طلاق دے دی ہے۔ تو نے سنا ہے ناں؟“

خبرین کی فطرت ہی ایسی تھی کہ معمولی کھٹ پٹ کے علاوہ کبھی کوئی بڑی بات نہیں ہوتی تھی۔ یوں تو خاور..... بے حد اچھا تھا لیکن غصے کا بے حد تیز تھا۔ معمولی، معمولی باتوں پر چراغ پا ہو جاتا تھا۔

اس دن بھی وہ بڑے موڈ میں تھا۔ خبرین مقدور بھر کوشش کرتی تھی اس کے سامنے کمر سے کم پورے..... اسے خوش رکھے لیکن اولاد کی کمی بہت سی تھی۔ لٹنے والا طعنہ اسے زور دے کر جاتا تھا۔ اس دن بھی یہی ہوا۔ ساس اور جیٹھانی نے اسے ہانچا اور نہ جانے کیا کچھ کہہ ڈالا..... دو بدوڑنے کے بجائے وہ چکی بیٹھی رہی..... خاور کے آنے کے بعد اس کے کان بھی نہ بھرے..... وہ ایسا ہی کرتی تھی۔ جس کی وجہ سے گھر میں سکون کی فضا قائم تھی۔

خاور کے موڈ کو دیکھتے وہ خود کو نابل کرنے کے جتن کر رہی تھی مگر دل پر جی برف چمکل کے نہیں دے رہی تھی۔ خاور بھی بھانپ گیا تھا..... اور اس پر اس نے بنا لحاظ کیے کیا کچھ نہیں کہہ سنا تھا..... جس کا لب لباب یہی تھا کہ وہ اس کے ساتھ خوش نہیں ہے..... اس سے محبت نہیں کرتی زندہ لاش بن جاتی ہے..... آخر میں تان اولاد پر ہی آکر ٹوٹی کہ وہ اسے کچھ نہ دے سکی..... حتیٰ کہ اولاد تک نہیں..... اور اسی طیش میں خاور نے اسے ایک طلاق بھی دے دی..... خبرین کی دنیا گھوم گئی تھی..... اپنے موڈ کی وجہ، اپنی کمی کو بتا کر وہ کتنی ہی دیر آنسو بہاتی رہی تھی..... خاور کا غصہ بھی اتر گیا تھا، اس نے معافی بھی مانگی تھی۔

”میرے پاس مت آؤ..... تم نے مجھے طلاق دے دی ہے۔“ اس کی محبت، دکھاوے پر وہ بدک گئی تھی۔

”ایک طلاق سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ.....! تو اب بھی میری بیوی ہے..... میرے نکاح میں ہے.....“

خاور زعم سے کہہ رہا تھا۔

بے شک وہ اس کی بیوی تھی۔ وہ غصے میں نکلے لفظوں کا اثر وائل کرنے کو محبت نچاؤ کر رہا تھا مگر خبرین کو اپنے اندر برف کی جہیں جتنی محسوس ہو رہی تھیں..... اسے لگا تھا شاید شاک کی وجہ سے ایسا محسوس ہو رہا ہو لیکن پھر

سراٹھا کر اس نے جیسے پھر سے باد دلا یا۔ انگلیوں کی حرکت رک گئی تھی۔ اب انگلی ایک جگہ ساکت ہو گئی تھی۔ سانوے سلونے چہرے پر دردور دم تھا۔ وہ اتنا بڑا سانحہ بیان کر گئی تھی اس کی ماں ذرا نہیں چوکی تھی۔

”ہاں.....“ ایک پل کو اس کے ہاتھ ضرور کے تھے۔ اگلے ہی پل وہ پھر سے ڈنڈیاں توڑتے اس کی موجودگی کو فراموش کر گئی تو اسے پھر سے دہرانا پڑا۔

”ہاں سن لیا..... ایک ہی طلاق دی ہے ناں..... اس میں کون سی بڑی بات ہے..... غصے میں نکل گیا ہوگا..... اور تو ہی تو بتا رہی ہے کہ اس نے اگلے ہی پل معافی مانگ کر رجوع بھی کر لیا تھا۔“ نرپا کے لہجے میں بے پروائی دیکھ کر خبرین اس کا منہ بکتی رہی۔

”تیری نظر میں یہ اہم بات نہیں.....؟“ وہ دکھ سے استفادہ کر رہی تھی۔

”ہے..... کیوں نہیں ہے..... لیکن جب رجوع کر لیا، معافی مانگ لی تو بات ہی ختم ہو گئی..... تجھے گھر سے تو نہیں نکالا ناں..... تو کیوں مہینے بھر پہلے ہوئی بات کو لیے بیٹھی ہے۔“

اب کے نرپا نے سرزنش کے ساتھ ڈانٹنے کا کام بھی کیا۔

”رجوع کر لیا.....؟ معافی مانگ لی.....؟ لیکن کیا اس سے سب کچھ پہلے جیسا ہو جائے گا.....؟ میرے دل میں خاور کے لیے پہلی جیسی عزت آجائے گی؟ اور کیا معافی اور رجوع کے بعد ایک طلاق واقع نہیں ہو گئی.....؟“

وہ بہت زیادہ پڑھی لکھی نہیں تھی..... چھوٹے سے گاؤں کی غریب، عام سی لڑکی تھی..... اردو لکھنا، پڑھنا جانتی تھی لیکن سمجھ اور فہم میں یکساں تھی۔ دو سال پہلے گاؤں کے ہی خاور سے شادی ہو گئی تو حیا کا پلہ لپٹے وہ خاور کے آگن میں آگئی..... دو سال میں اولاد نہیں ہوئی تھی..... لوگوں نے پوچھ، پوچھ کے مانتہ بند کر رکھا تھا۔ اور وہ اللہ کی مرضی کہہ کر چپ ہو جاتی۔

خاور ہٹا، کٹا، جتنی کسان تھا..... عمر میں چند سال بڑا تھا..... خاور کے گھر والے بھی اچھے ہی تھے۔ کچھ

ضرورت نہیں..... کس کا حلال ہے، کس کا حرام یہ اللہ اور بندہ جانتے..... تیرا نکاح سلامت ہے، بس چپ کر جا..... اور دیکھ میرے سامنے تو، تو نے ایک طلاق کی بات کر دی اب کسی اور کے سامنے نہ کرونا۔ خاور نے سنا تو بھر غصہ کرے گا..... اب اٹھ اور سالہا بھون کے ہانڈی بناتے..... تیرا غصہ، تجھے لینے کو آنے ہی والا ہوگا..... اب کیا بھوکا بھجھوں گی اسے۔“

ماں کی بات پر وہ بے دلی سے اٹھ کر مٹی سے لپے ہاورچی خانے میں گھس گئی تھی۔

”ماں ٹھیک ہی کہتی ہے، شاید میں زیادہ مجبلی ہو گئی ہوں..... خاور بھی انسان ہے..... غلطی سے منہ سے نکل گئی بات..... میں بھی جملہ پکڑ کر بیٹھ گئی..... اتنا تو خیال رکھتا ہے میرا.....“

☆☆☆

بھائی کی شادی طے ہو گئی تھی..... ایسے میں خاور نے شہر چاکر اس کے لیے خریداری کی اور جب ساری چیزوں کا ڈھیر اس کے سامنے رکھا تو وہ خوش ہوتی کتنی ہی دیر خود کو بہلاتی رہی۔

اگلے روز خوش ہاش ہو کر خاور کا من پسند کھانا بنا کر تیار ہو کر اس کی راہ نکلنے لگی..... خاور بھی اس کے والہانہ اعزاز دیکھ کر قند اہونے لگا۔

چونکہ اگلی بہن تھی..... اس لیے تیاری میں ماں اسے ہی ساتھ، ساتھ لگائے پھر رہی تھی۔ مٹی خاور چھوڑ جاتا تو بھی بھائی لینے آ جاتا۔

شادی کا دن بھی قریب آ گیا..... اور بھائی کو ماںوں بٹھا دیا گیا..... چھوٹے سے گاؤں کی رونق میں سکے چھوٹے سے گھر میں لگ گئی تھی۔ ہر چہرہ کھلا کھلا تھا۔

ہرے پیلے جوڑے میں بھر بھر ہری جلی چھڑکاتے پہنے پرانہ لہرائی، سالوئی، سلونی، عین خور خود کو ستوارے دوڑ، دوڑ کے کام کر رہی تھی..... سرانی بھی آگئے تھے تو اس کا سارا دھیان ان کی طرف ہی لگ گیا کہ کہیں کچھ برا نہ لگ جائے..... عجب بھر کا طعنہ نہ لگے پڑ جائے کہ بھائی کی مایوں میں بلا کر خاطر مدارات ٹھیک سے نہ کی۔

خاور سفید شلوار سوٹ میں بڑا اچھا لگ رہا تھا۔

کتنے ہی دن آئے جب اسے لگنے لگا کہ خاور اس کے دل سے اترنے لگا ہے..... اب اس کا کوئی عمل اسے خوشی نہیں دیتا تھا..... اس کی لائی ٹیلی، ہری چوڑیاں، جھمکے اسے بھانے میں ناکام ہو جاتے تھے۔

سر شام کھیتوں سے لوٹنے پہ اب وہ پہلے کی طرح اس کا راج سنو کر استقبال بھی نہیں کر پاتی تھی۔ راج سنو بھی جاتی تو جانے کیوں اپنی ہی مسکراہٹ بھونکی لگتی اب اس کے لیے کھانا بناتے اس میں وہ محبت نہیں بھول پاتی تھی۔ بس فرض کی طرح اس کا ہر کام معمول کی طرح انجام دینے لگی تھی۔ وہ جب قریب آتا تو ”چاچھے طلاق دی“ کچھ لسانا جملہ اس کی سانسیں بند کرنے لگتا۔

مینے بھر بعد ماں کے گھر آنا ہوا تو وہ اپنا درو بیان کر گئی..... ماں نے جتنی بے پروائی سے سارا ماجرا سن کر ”تو کیا ہوا“ کہا تو اسے حیرانی ہونے لگی۔

جب ساری دنیا کے لیے ایک طلاق بڑی بات نہیں تھی تو اس کے لیے کیوں تھی..... اس کے اندر عین کیوں ہونے لگے تھے؟ اس کے اندر کوئی کیوں بین کرنے لگا تھا۔

”زیادہ دماغ نہ چلا..... دو بھانتیں پڑھ کر تو خود کو استانی نہ سمجھ..... تو ایک طلاق پہ جانے کیا اتنا پ شناب بک رہی ہے، ایسی بھی عورتیں ہیں جو تین، تین طلاقیں سن کر بھی میاں کے ساتھ زندگی بسر کر رہی ہیں کہ مرد نے نشے میں، شے میں منہ سے نکال دیا اور پھر مکر کیا..... اب اکیلے کمرے میں عورت گواہ کہاں سے لائے..... اول تو عورت کسی سے کہتی نہیں..... مرد کی منت سماجت کر کے اولاد کی خاطر چپ ہو جاتی ہے اور جو شور کرتی ہیں تو مہو مکر جانتا ہے..... کرلو مگر جو کرنا ہے، کتنی ہی عورتیں بچوں کا آسرنہ چمن جائے اس ڈر سے مٹی ہوئی ہیں۔“

”لیکن اماں! تین طلاقیں کے بعد تو شوہر نا محرم ہو گیا ناں..... پھر اگر نا محرم کے ساتھ حرام رشتہ.....“

”شیا کی بات پر وہ حیرانی سے کہہ اٹھی تھی مگر شیا کو اس کی علیت ذرا نہ بھائی.....

”سب کی ضرورتوں کی پڑی ہوئی ہے۔ یہاں کی پروانہیں۔“ وہ بخور لگا ہوں سے دیکھنے لگا تو وہ لاجی لگی۔
 ”میں کہاں بھاگ رہی ہوں۔ نکاح سے واپس آ کر گھر چلوں گی ورنہ میرا آج سے یہاں رکنے کا پروگرام تھا۔۔۔۔۔ آپ نے خود ہی تواجازت دی تھی۔“
 وہ بکولت سے سمجھا کر ساتھ چلنے کی ہاں بھی بھر گئی۔
 ”بھلے رات کو رک جا لیکن انجی چل۔۔۔۔۔“

”خاور۔۔۔۔۔! بس دو کھنے کی بات ہے۔۔۔۔۔“
 نزدیک تو ہے بھائی کا گھر۔۔۔۔۔ جلدی آ جائیں گے۔
 چل میں وہیں سے تیرے ساتھ گھر چلی جاؤں گی۔
 اماں کی طرف بھی نہیں آؤں گی۔۔۔۔۔ وہ نرمی اور حلاوت سے اسے بہلا رہی تھی۔۔۔۔۔ اس کے تقاضوں کو سمجھتی مصروفیت بتا رہی تھی۔

”تو تو نہیں چل رہی؟“ خاور کو غصہ آنے لگا۔
 ”دیکھ تو سمجھ ناں۔۔۔۔۔ میں کب تیرے حکم سے نہیں چلتی۔۔۔۔۔ لیکن ابھی مجبوری دیکھو۔ نکاح کا ٹائم۔۔۔۔۔“
 ”(گالی) یہ سولہ سنگھاریاں کے لیے کیا ہے تو نے جو اسے دکھانے کو مری جا رہی ہے اور میرے ساتھ چلنے سے انکار کر رہی ہے۔۔۔۔۔ بھڑا میں جائے نکاح اور تو۔۔۔۔۔ اب تو ہمیں عمر بھر بیٹھی رہ۔۔۔۔۔ کبھی لے کر نہیں جاؤں گا تجھے گھر۔۔۔۔۔ جا تجھے طلاق دی۔“ اس کے نرمی سے کہے جملوں پہ خاور اس بری طرح دباڑا کہ کمرے میں موجود سب ہی ساکت ہو گئے۔۔۔۔۔ گانا، بھانا، ڈانس سب رک گیا۔

”جا تجھے طلاق دی۔“ یہ جملہ سن کر کتنی ہی عورتوں نے دل پر ہاتھ رکھ لیے تو کتنی ہائے کی صدا بلند کر کے ترم بھرئی نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔
 ”خاور! پاگل ہو گیا ہے کیا۔۔۔۔۔“ بھیڑ میں سے کوئی اسے کھینچ کر نکال لے گیا تھا کہ میا دادوہ مزید طلاق منہ سے نکال دے۔۔۔۔۔

کسی نے عمرین کے ہاتھ سے ٹرے کا بوجھ ہٹا لیا تھا اور اچھا ہی کیا تھا ورنہ اس کے ٹرے وجود کے ساتھ گرم چائے والی ٹرے اس کے جسم کو جلا ہی دیتی۔ کسی نے پکڑ کر بٹایا تھا تو کوئی بچھے کا رخ اس کی طرف کر گئی تھی۔

وہ بھی چیخ، چیخ تھا۔ اکلوتے داماد کے ناتے اسے بھی بڑی عزت ملتی تھی۔ عمرین کی تیاری دیکھ کر وہ بھی دل تھام کر رہ گیا تھا اور تحریکوں کے ڈنگرے برسا گیا تھا۔ اور عمرین شرمائی لالچی اس کی نظروں کے حصار میں آڑی، آڑی پھر رہی تھی۔

مایوں کی رسم کے بعد انہیں لڑکی والوں کی طرف بری لے کر جانا تھا اور آج ہی نکاح بھی ہونا تھا۔

عصر ہونے میں تھوڑی ہی دیر رہ گئی تھی۔ سب جلدی، جلدی مایوں کی رسم کر رہے تھے۔۔۔۔۔ عورتیں، گانا بجانا اور لڑکیاں لڑیاں ڈال رہی تھیں۔ گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ سب کے لیے ناشتے چائے پانی کا بھی انتظام کیا ہوا تھا۔

شریا کی خاص ہدایت تھی کہ عصر کے فوراً بعد لڑکی والوں کی طرف نکلتا ہے اس لیے وہ لڑکی اور اس کے گھر والوں کے کپڑے اور دوسرے سامان کے ساتھ نکاح کی ساری چیزیں بھی دیکھ لے۔ چونکہ نکاح میں چند لوگ ہی جانے والے تھے اس لیے وہ جلد سے جلد مہمانوں کو کھلا بلا کے رخصت کرنے کی نیت سے چک پھیری بنی ہوئی تھی۔

”گھر چل، اک گھنٹے بعد واپس آ جانا۔۔۔۔۔“ ٹرے میں چائے کے کپ سجانے وہ سب کو چائے پیش کر رہی تھی جب خاور نے چائے کا کپ اٹھانے کے بہانے دھیمے سے کہہ دیا۔۔۔۔۔ ارد گرد عورتیں ہی عورتیں تھیں۔ اس لیے چائے کا کپ اٹھانے کے بہانے وہ قریب آیا۔۔۔۔۔

”اوئے ہوئے۔۔۔۔۔ ذرا دور رہا نہیں جاتا ناں بیوی سے۔“

بھیڑ میں سے کسی نے آواز کسی تو وہ ڈھٹائی سے مسکرا کر کھڑے، کھڑے گھونٹ بھرنے لگا۔

”لیکن اس وقت تو بہت کام ہے۔۔۔۔۔ ابھی بری لے کر نکاح کے لیے لپکنا ہے۔“

اس کے تقاضے پر وہ حیران ہو کر بتانے لگی۔

”ہم جلدی آ جائیں گے۔۔۔۔۔“ وہ اڑا ہوا تھا۔

”لیکن کیوں جانا ہے۔۔۔۔۔ ابھی یہاں میری

ضرورت ہے۔“ وہ الجھ کے سلجھانے لگی۔

باتیں ڈالنے کے بعد وہ بھول گیا تھا کہ ایک نفس نامی شیطان اس کے اندر کا بھی ہے۔..... مہرین پھرائی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”ختم کرو اس بات کو!“ وہ پرچانے لگا۔
”تیسری طلاق دے اور فارغ کرو۔“ وہ جتنی سختی سے گویا ہوئی، ہر کوئی اپنی جگہ ٹھک گیا۔

”پاکل ہوگئی ہے۔ بیوی ہے تو میری، کیوں فارغ کروں۔۔۔۔۔ رجوع کا حق ہے میرے پاس۔۔۔۔۔“
خاور تھلا کر اپنے حقوق کی پٹاری کھولنے لگا۔ اس کا بدلہ، بدلہ انداز بے حد محسوس ہوا۔

”دو ماہ بعد تو پھر طلاق دے گا تب تین طلاق واقع ہو جائیں گی تب کون سا رجوع باقی رہے گا۔ تیرے پاس۔۔۔۔۔؟ اس وقت بھی تو کہے گا غصے میں دی۔۔۔۔۔ معافی مانگ کر مجھے حلالہ کے پل صراط پر دھکیلے گا، ہے ناں؟“

وہ غیظ و غضب سے دہاڑتی اسے تارے دکھا گئی۔ کتنی ہی عورتوں نے اسے روکنا چاہا تھا۔ مزاجی خدا (مجازی) سر کا تاج کہہ کر چپ کروانا چاہتا لیکن اسے خبر بھی اگر آج وہ چپ ہو جاتی تو اندر سے مرجاتی۔
”دیکھ مان جا۔۔۔۔۔ اب سے ایسا نہیں کروں گا۔“

کہا تو جو چور کی سزاوی میری۔۔۔۔۔ اللہ رسول کا وعدہ کرتا ہوں۔“ اسے اکڑتے دیکھ کر خاور دھیمپا پڑنے لگا۔
”پہلے بھی تو نے ساری قسمیں اٹھائی تھیں لیکن دو ماہ میں ہی بھول گیا۔“ وہ انکاری گئی۔

”طلاق ایک دھکار ہے جو مرد، عورت کے منہ پر مارتا ہے۔۔۔۔۔ دو ماہ پہلے بھی تو نے مجھے دھکارا تھا اور تب تجھ سے ایسی نفرت محسوس ہوئی کہ مہینہ لگ گیا خود کو تیری طرف راغب کرتے۔۔۔۔۔ اور آج پھر۔۔۔۔۔ اب تو کیا چاہتا ہے۔۔۔۔۔ میں تیرے رجوع پہ پھر ساتھ دوں۔۔۔۔۔؟ اور تیسری طلاق کی لکٹی تلوار اپنے سر پر محسوس کرتی رہوں؟ ہر لمحہ ڈر، ڈر کے جیتی رہوں کہ جانے پھر۔۔۔۔۔ کب تجھے غصہ آئے اور تیرے منہ سے تیسری طلاق نکل جائے۔۔۔۔۔؟ نہیں۔۔۔۔۔ اب نہیں۔۔۔۔۔ اب تو ٹھنڈے دل و دماغ سے تیسری طلاق دے کر

”کیا ہوا؟“

ثریا تک بھی یہ خبر پہنچی تو وہ بھی بھاگتی ہوئی اس تک آئی جس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگ چکا تھا۔ ہنسنے گاتے شادی کے گھر میں سناٹا چھا گیا تھا۔ عورتیں جو اونچی آواز میں کچھ دیر پہل قیقمہ لگاتی ڈھول پیٹ رہی تھیں اب چی، چی، چی کرنی کھسک پھرنے لگی تھیں۔

”دل پہ نہ لے۔۔۔۔۔ غصے میں کہہ گیا ہے۔۔۔۔۔ کچھ نہیں ہوتا۔۔۔۔۔ ایک طلاق دی ہے۔۔۔۔۔ خصم ہے، اب بھی تیرا۔۔۔۔۔ بیٹھ میں سے کوئی مای، چاچی قریب آ کر آنسو پونچھتے، دولا سا دے لگی تھیں۔
”خصم ہے اب بھی تیرا۔“ سن کر عورتوں میں جیسے خوشی کی کوئی لہر دوڑ گئی تھی۔

”ہاں ایک طلاق دی ہے۔۔۔۔۔ رجوع کر سکتا ہے۔۔۔۔۔ اچھا ہوا جو اسے بھیج کر لے گیا کوئی۔۔۔۔۔ غصہ اترے گا تب خود ہی پچھتا کے معافی مانگے گا تجھ سے۔۔۔۔۔ تو دل براندہ کر۔۔۔۔۔ ایک طلاق ہوئی ہے۔۔۔۔۔“
ایک عورت خود کو دانا سمجھتی اسے سمجھا رہی تھی۔

”دو ماہ پہلے ایک طلاق دے چکا ہے۔۔۔۔۔ آج دوسری تھی۔۔۔۔۔“ آنسو ٹھٹک گئے تھے، آواز صدے سے چور ہو کر لگی تھی۔

یہ سنا تھا کہ کمرے میں پھر افسوسناک جملوں کا تبادلہ اور کھسک پھرنے میں اضافہ ہوا۔
”خیر ہے۔۔۔۔۔! اب بھی تو اس کے نکاح میں ہے۔۔۔۔۔ ابھی ایک طلاق باقی ہے۔۔۔۔۔“ کسی نے بڑے سچے کی بات بتائی تھی۔

اسی وقت شور ساج گیا کہ خاور کو لایا جا رہا ہے۔ وہ شرمندہ ہے۔۔۔۔۔ چند مردوں کے ساتھ خاور اندر آیا تو عورتیں آنے کا راستہ دینے کے ساتھ مزید دلچسپی سے منظر دیکھنے لگیں۔

”معاف کرو۔۔۔۔۔ مجھ پر شیطان حاوی ہو گیا تھا۔ تو، تو جانتی ہے، مجھ سے زیادہ علم رکھتی ہے کہ شیطان کیسے میاں، بیوی کو جدا کرنے میں لگا ہوتا ہے؟“
خاور گھٹنے کے بل اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔ لہجہ بے حد شرمندہ اور بجرمانہ تھا، شیطان پہ ساری

سکتی..... اب کم از کم سکون تو ہے..... طلاق یافتہ ہوں..... سر سے چھت چھن گئی..... عدت میں ہوں..... پہلی دوسری طلاق میں عدت نہیں..... لیکن عورت کے اندر جو موت ہو جاتی ہے اس کا کوئی حساب نہیں؟..... اس موت کی کوئی تدفین نہیں.....؟ میں رجوع کروں گی اس سے.....“

خود فراموشی میں کبھی عزیرین اندر چلی گئی تھی۔ عورتوں کے آسوپہنے لگے تھے، ہند دروازے کے پیچھے رات کی تارکی میں خاموش دیواروں نے جانے کتنی آہ و بکا سنی تھی..... جانے کس، کس کو اپنا دکھ عزیرین کی صورت ملا گیا تھا۔ سب عورتیں تھیں..... سب کے دکھ سانچے ہی تو تھے.....

ثریا نے ایک بچکی کی صورت سانس خارج کی تھی۔ میاں کو مرے دو سال ہو گئے تھے اور سالوں سے دھڑکے کی سولی پر لگتی وہ میت کو دیکھ کر ہی بُسکون ہوئی تھیں۔ ہوتا تو یہ چاہیے تھا میاں کی میت دیکھ کر انہیں سکھتے ہو جاتا لیکن تجسے میں تو ساری زندگی نکل گئی تھی۔ جب شادی کے شروع دنوں میں میاں نے غصے میں دو طلاقیں دے دیں..... اور ڈر، ڈر کے شادی چلاتے وہ بوڑھی ہو گئیں..... میاں کے گھر میں داخل ہوتے ہی ان کا دل کبوتر کی طرح پھڑپھڑانے لگتا تھا۔ سمجھ نہیں آتی تھی کہاں جا چھیں کہ مبادا کسی لمحے وہ سیسہ پگھلا تا لفظ سن لیں..... مبادا کیا ناگوار گزر جائے..... کب تیسری طلاق دے دے۔

پھر کبھی میاں دل میں جم سکا نہ وہ زندگی میں خوش رہ سکیں..... اور اس راز یہ میاں کی میت پر وہ ڈال کر انہیں تماشا بننے سے بچا گئی..... اس دن انہیں سکون محسوس ہوا تھا..... دھڑکا ختم ہوا تھا۔

عزیرین نے شاید درست فیصلہ لیا تھا۔ اس نے دھڑکے کی زندگی قبول کر کے نفرت کو دل میں رکھے، میاں کے ساتھ گزارا نہ کرنے کا اچھا فیصلہ کیا تھا۔ رجوع کو کھیل سمجھنے والے کو اچھا سبق دیا تھا۔

مجھ سے ہر رشتہ ختم کر کے جاتا کہ تیرے پاس کوئی جھوٹی تاویل نہ ہو کہ غصے میں رشتہ ختم ہوا۔“ لہجہ اٹل تھا۔

”معاف کر دے..... کہاں غلطی ہو گئی..... تجھ سے بہت محبت کرتا ہوں۔“ خاور کھکھکیانے لگا۔

”لیکن مجھے اب تجھ سے نفرت ہو گئی ہے، بڑی مشکلوں سے خود کو تیری طرف لائی تھی اب نہیں..... ایک نہیں دو بار تو نے مجھے دھکا مارا ہے اور دھکاری ہوئی عورت کبھی پہلے جیسی نہیں رہتی..... میرے اندر تیرے لیے صرف نفرت بچی ہے۔“

”خالہ، تو ہی اسے سمجھا.....“

خاور چپ چاپ کھڑی ثریا کو کھینٹ گیا۔

”اماں! مجھ نہیں بولے گی کیونکہ میرا دل اب تیری طرف نہیں پھر سکا..... اور جب دل ہی نہیں تو میں کس طرح تجھے اپنے سر کا تاج بنا کر رکھوں گی..... تو طلاق نہیں دے گا تو میں خلع کے لیے درخواست دوں گی..... لیکن اب کسی قیمت پر تیرے ساتھ رہ کر دھڑکے والی زندگی نہیں گزاروں گی۔“

ثریا کے کچھ بولنے سے پہلے وہ ہاتھ اٹھا کر انہیں چپ کرا گئی۔ خاور بے بسی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ سسرالی منار ہے تھے لیکن عزیرین کے جذبات جیسے پتھر کے ہو گئے تھے۔

تھک ہار کے خاور تیسری طلاق دے کر نامراد لوٹ گیا۔

”رجوع کے چسکے میں عورت کو دھڑکے کی سولی پر چڑھا کر مرد نکاح کا خراج لیتا ہے..... کزوفر، انا، حمیت، خودی کو روندنے والے کو عورت کتنی پار رجوع کا موقع دے؟ جس رجوع کو مرد مفاہد کے طور پر استعمال کرے کھیل بنالے، کیا وہ اس کا حق دار ہے؟ اب..... میں ایسی عدالت میں رجوع کروں گی، جہاں مجھے کوئی دھڑکا نہیں ہوگا..... دھڑکا کا ڈر نہیں ہوگا..... میں اللہ کی عدالت میں رجوع کروں گی، مرد کو اتنا اختیار کیوں دیا کہ وہ طلاق کے نام پر عورت کو ڈراتا رہے..... روندتا رہے، مجھے دھڑکے والی زندگی نہیں چاہیے..... میں تیسری طلاق تک سولی پر نہیں لگ



دشیت میں آب فصح حبسو



آج پھر اس کی افسردہ عروج پر تھی۔ مگر کے
کام کاج بے دلی سے مناتے وہ مسلسل کسی گہری سوچ
میں متفرق تھی۔ ایک تلخ سوچ..... جواب اکثر ہی اس
کے ذہن کو بکڑے رکھتی۔

”اپنے دنیا میں آنے کا مقصد“ اس کو سمجھ میں
نہیں آتا تھا۔ کوئی ایسا مقصد جو اس کے اس کارزار
زندگی میں اس کے کردار کو واضح کرتا۔ اپنا وجود.....
بلے صرف دکھائی دینے لگا تھا۔

اجازت لے کر خود بھی پڑھو اور عفر اکو بھی لگاؤ پڑھائی پر۔“ اُدھر سے ایک اور مشورہ آیا۔

”بڑے بھاری وظیفے کیس ہیں بہن۔ جس مولوی نے جو بتایا میں نے اور عفرانے پڑھا پر نصیب کے تالے نہ کھلے۔“ انہوں نے مایوس انداز میں بچن سے جھلک دکھائی عفر اکو دیکھا۔

”بس اب تو اللہ ہی سبب پیدا کرے اس کا۔“ وہ گھٹنوں پر زور دیتی چار پائی سے انھیں تو پڑوسن خالہ نے بھی جانے کو پر تو لے۔

”بہن اب جب تک عفر اکا نصیب کھلے تم مفرا اور نقرہ کو نہ بٹھائے رکھو۔ ان کی شادی کروا کے اپنی ذمے داریاں اتارتی جاؤ۔“

چادر سر پر ڈالنی خالہ نے پتے کا مشورہ دیا تو اماں پُرسوج انداز میں سر ہلاتی رہ گئیں۔

☆☆☆

عفر اکہرے میں آئی تو مفرا مو بائل پر کسی سے گفتگو میں مگن تھی۔ تھوڑی، تھوڑی دیر بعد اس کی سُر ملی ہنسی بھی گونجتی تھی۔ عفرانے اس کے چہرے پر پھونتی خوشی کو دیکھا تھا۔ یقیناً وہ اسے مگھیترا اسید سے بات کر رہی تھی۔ یہ خوشی اسید کی محبت کی دین تھی۔

عفر اکا کافی دیر اس کے فون بند کرنے کا انتظار کرتی رہی لیکن وہ ہنوز سیل کان سے لگائے بیٹھی تھی۔

”مفرا میں نے سائن بتا لیا ہے آٹا بھی گوندھ دیا ہے تم جلدی سے روٹیاں ڈال دو۔ بابا آتے ہی ہوں گے۔“ عفرانے دھیمی آواز میں کہا تو اس نے ایک تیز نظر بڑی بہن پر ڈالی پھر باول ناخواستہ اسید کو خدا حافظ کہہ کر فون بند کیا۔

”عفر اکہم جب بھی مجھے اسید سے بات کرتے دیکھتی ہو تو مجھے ڈسٹرب کرنے آ جاتی ہو۔“ اس نے تیز لہجے میں کہا کہ کراٹھیں دکھائیں تو عفر اکا کی بات پر حیران رہ گئی۔

”میں نے کب جان کر تمہیں ڈسٹرب کیا ہے؟“ وہ حیران انداز سے چہل پہلی بہن کو دیکھنے لگی۔

شاید وہ دوسروں کی تفریح طبع کا سامان تھی یا پھر دل آزاری کا موجب۔

تفریح کا سامان ان خواتین کے لیے جو چولن کے ساتھ اسے اپنے کسی بھائی یا بیٹے کے لیے دیکھنے چلی آتی تھیں اور پھر خوب تو وضع سے لطف اندوز ہوتے اس کی ذات کو ہر، ہر زاویے سے اپنی نظروں سے توتلیں کچھ دیر کو ہنسی ٹھٹھا کر کے اپنا وقت خوشگوار گزار کر گھر جا کر وچولن کے ہاتھ کا سا جواب بھجوا دیتیں جو اس سادہ دل ماں کے لیے مزید دل آزاری کا باعث ہوتا جو ہر بار ہی رشتہ لے کر آنے والیوں سے امید باندھ لیتی تھیں۔ جو ہر انکار پر پہلے سے زیادہ دلبرداشتہ ہو جایا کرتی تھیں۔

وہ اٹھتے بیٹھتے عفر اکو دیکھ کر سر د آہیں بھرا کرتی تھیں۔ عفر اکا جسم ان کی خنکی سے برف ہو جایا کرتا تھا۔ برف جو بہ ظاہر بہت ٹھوس نظر آتی ہے لیکن ذرا سی تپش سے پگھل کر مائع بن کر بہنے لگتی ہے۔

”بہن دعا کرو میری عفر اکا رشتہ کہیں طے ہو جائے۔ دوسری دو کی تو فکر نہیں۔ مفرا اپنی پھوپھی زاد سے منسوب ہے اور نقرہ کے رشتے تو ابھی سے دھڑا دھڑ چلے آ رہے ہیں۔“

اماں کسی پڑوسن سے جو گفتگو تھیں۔ کچن میں کام کرتی عفر اکے کانوں میں ان کی باتیں یہ آسانی پہنچ رہی تھیں۔

وہ ہر آنے جانے والے سے عفر اکا کی شادی کے لیے دعا کا بیتیں یا کسی اچھے سے رشتے کا پوچھتی تھیں۔

”اس کا فرض پورا کرو تو ان دو کی شادیاں بھی کر دوں پھر عمرے پر جاؤں گی۔“ وہ مزید بولیں۔

”دیکھئے میں تو عفر اکا بھی اچھی ہے پھر کیا رکاوٹ ہے۔ کسی نے بندش تو نہیں کرا دی؟“ پڑوسن خالہ نے راز داری سے پوچھا۔

”ارے سمجھتا تو ڈر کرواتے بہن اس موٹی بندش کے سمجھو پیر پانی کی طرح بہا دیا اس کے توڑ پر مگر نتیجہ مفرا۔“ اماں نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔

”تو پھر شادی کے وظائف شروع کر کسی عالم کی

زندگی جینے کا اصول

زندگی جینے کے دو ہی راستے ہیں۔

بھول جاؤ انہیں جنہیں معاف نہیں کر سکتے

اور

معاف کر دو انہیں جنہیں بھلا نہیں سکتے۔

از: رضیہ رحیم، ملتان

دیکھوں۔“ وہ گلوگیر لہجے میں بولیں تو وہ ان کے گلے لگ گئی۔

”اماں، جس نے پیدا کیا ہے وہ خود سب بتائے گا۔ آپ فکر مند نہ ہوں۔“ وہ چہرے پر مسکان سجا کر بولی تو اماں نے اس کی پیشانی چوم لی۔

”اللہ تمہارا نصیب ستاروں سے زیادہ روشن کرے گا میری بچی۔“ وہ اس کا سر تھپتھا کر دیر تک دعائیں دیتی رہیں۔

☆☆☆

مفرا کی شادی بخیریت انجام پا گئی۔ اس کی شادی میں ہی نقرہ کے لیے رشتوں کی لائن لگ گئی جو بعد میں گھر تک بھی چلی آئی۔ وہ مڑکش بھی تو بلا کی تھی۔ اماں تو بولکلا کر رہ گئیں۔ گھر پر آنے والے رشتوں کے سامنے تو وہ عفرا کو ہی لاتی تھیں، باقی دو کے لیے بھانہ بنالیتی کہ گھر پر نہیں ہیں۔ اب تو ایسا کرنا ناممکن تھا کیونکہ نقرہ کے آگ چبے دیکتے حسن کو شادی میں دیکھ لیا گیا تھا اور کافی عورتیں بطور خاص یہ آگ اپنے چلی آئی تھیں۔

وہ کیا کہیں کتنے رشتے ٹکراتیں۔ ایک رشتہ تو ہر لحاظ سے دل کو بھا گیا تھا، لڑکا دعی میں جاب کرتا تھا شکل صورت بھی لاکھوں میں ایک..... ایک بیوہ ماں اور چھوٹی بہن۔ مختصر فیملی وضع دار لوگ لیکن انہیں عفرا کا خیال دامن گیر تھا۔

وہ خاتون بھی چوکھٹ سے چٹ ہی گئی تھیں۔ ہر دوسرے دن چلی آتیں۔

”بس اب بھولی مت بنو۔ خود کو کوئی نہیں ملتا تو مجھ سے جلیس ہوتی ہو۔“ مفرا نے ناک چڑھا کر کہا اور کمرے سے نکل گئی۔ پیچھے عفرا نے..... باہر جاتی بہن کو صدمے سے دیکھا۔

آج اس کا لہجہ زیادہ ہی تلخ محسوس ہوا۔ جب سے اسید کو کوکری ملی تھی پچھو مفرا کی رخصتی پر زور دے رہی تھیں اور اماں ٹالے جا رہی تھی کہ عفرا کا رشتہ کہیں طے ہو تو دونوں کو ساتھ نمٹایا جائے۔ اسید شادی کو بے صبر ہوا جا رہا تھا اور مفرا غصیلی..... اس کا رویہ بڑی بہن کے ساتھ تند ہوتا جا رہا تھا۔ اپنی شادی میں سب سے بڑی رکاوٹ وہ عفرا کو ہی سمجھنے لگی تھی۔

☆☆☆

”واصف آپا، آج مفرا اور اسید کی شادی کی تاریخ لینے آئی تھیں۔ میں نے بہتر اہات ٹالی مگر وہ جلد شادی چاہتی ہیں۔ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کی خوشیاں دیکھنے کی خواہشمند ہیں۔“

اس دن پچھو کے جانے کے بعد اماں، عفرا کے پاس آکر بتانے لگیں۔ جو ابھی ابھی اسکول سے آئی تھی۔

”تو اماں آپ عفرا کی شادی کر دیں ناں میری وجہ سے اسے کب تک بٹھائے رکھیں گی۔“

عفرا نے کہا تو اماں نے چونک کر اس کا چہرہ دیکھا۔ ”بنیا ایک بار چھوٹی کا بیاہ ہو جائے تو لوگ سوچتے ہیں بڑی میں کیا خرابی تھی کہ بیٹی رہ گئی۔“ اماں کے لہجے میں خدشے کر لانے لگے۔

”اماں، دنیا تو بس بولتی ہی رہے گی۔ آپ مفرا کی بھی عمر نکال رہی ہیں۔ اس کے بھی جذبے ہیں، انگلیں ہیں..... آپ ان کو مت روندیں۔ پچھو کو شادی کی تاریخ دے دیں۔“

عفرا نے بردباری کا مظاہرہ کیا تو اماں کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

”اور تمہارے جذبے تمہاری انگلیں ہاں ان کو نہ

نفرہ کا نکاح ہوا تو عفرانے اسے بھی کشادہ دلی سے قبول کیا۔ اس کی قسمت کے تالے اگر زمک آلود تھے تو وہ بہنوں کے نصیب کے کھلنے والے دروازے کیوں بند کرتی۔ ویسے بھی کافی دیری ہو چکی تھی۔ پانچ چھ سالوں سے عفرانے کے رشتے کی لا حاصل تک دو دو جاری تھی۔ اور اگلے کئی سال غالباً یہی صورت حال رہتی تو غالب گمان تھا کہ چھوٹی دونوں بہنیں بھی اس کی طرح بڑھتی عمر کی فہرست میں آجائیں۔ یہ عفرانے کی سوچ تھی لیکن لوگ اس سے کہیں تلخ سوچتے تھے۔ وہ عفرانے کے مستقبل سے قطعی مایوسی کا اظہار کرنے لگے تھے۔

”اب عفرانے کو ولی چڑھے گی۔ عمر بہت چڑھ گئی ہے بچاری کی۔“

”ہاں بہن دوہا جو بار دوا ہی مل جائے تو بہت ہے۔“

”ہائے چھوٹی دونوں کی کردی۔ اب بڑی کو کوں اٹھائے گا۔“

اس طرح کے کئی دل دکھاتے جملے اس کی سماعت سے ٹکراتے اور دل کو پاش، پاش کر جاتے۔ پھر وہ بابا، اماں کے چہرے دیکھتی جو دوڑتے داریوں سے سبکدوش ہو کر کچھ مطمئن نظر آتے تھے۔ ان کو دیکھ کر وہ اپنے دل کو تسلی دے لیا کرتی کہ والدین کا بوجھ تو ٹھوڑا ہلکا ہوا۔

☆☆☆

وقت پانی کے آبشار کی طرح بہتا ہی چلا جا رہا تھا۔ ڈیڑھ سال جیسے پلک جھپکتے میں گزر گیا۔ نفرہ کے سسرالی اس کی رخصتی پر زور دینے لگے۔ اماں بابا کے لیے پریشان کن صورت حال تھی۔ عفرانے کے بجائے دوسری چھوٹی بیٹی کو بیاہ دینا تکلیف دہ تھا۔ لیکن اب مجبوری تھی کہ رخصتی نہ کرتے تو نکاح والی کو کس تک بٹھائے رکھتے۔ یوں نفرہ بھی بیاہ کر پیا کو پیاری ہو گئی۔ عفرانے نے صبر کر لیا زندگی اگر یوں ہی گزرتی تھی تو یوں ہی کہی۔ ویسے بھی وہ اماں، بابا کے اکیلے رہ جانے کے خیال سے شادی کا خیال ترک کر چکی تھی۔ رشتے تو اب بھولے بھٹکے ہی آیا کرتے۔ وہ خود اب روز، روز کے تماشاوں سے... تنگ آ گئی تھی۔ آدھا دن اسکول میں

”بہن ابھی بڑی بیٹی کا فرض سانسوں پر باریک طرح دھرا ہے۔ مجھے اس کو نبھانے کی مہلت دیجیے۔“

وہ بس یہی ہو کر کہہ بیٹھیں۔

”بہن ہمیں ابھی صرف نکاح کرنا ہے بہرام چھٹیوں پر آیا ہوا ہے۔ روز تو نہیں آسکتا ناں۔ پھر کاغذات جب تک بننے ہیں دیر تو لگے گی۔ رخصتی سال دو پھر کر کر لیں گے جب تک آپ کی بڑی بیٹی کا فرض انشاء اللہ ادا ہو جائے گا۔“

خاتون نے راہ نکالی تو وہ سوچ میں پڑ گئیں۔ اتنا اچھا رشتہ ہاتھ سے نکالنا بے وقوفی تھی۔ رات کو میاں سے مشورہ کیا۔ وہ بھی نیم رضا مندر نظر آئے۔

”اللہ مسبب الاسباب ہے۔ عفرانے کا بھی سبب بنا دے گا۔ یہ رشتہ دل میں کسب گیا ہے پھر دل سے مانگ رہے ہیں وہ نفرہ کو۔“

وہ میاں کو دیکھ کر مزید بولیں تو وہ لمبی سانس کھینچ کر رہ گئے۔

”مجھے تو جب سے دل کا عارضہ لگا ہے اٹھانے خدشوں کا شکار ہو گیا ہوں۔ زندگی کا بھر و سابی اٹھ گیا ہے۔ بچیاں اپنے گھر کی کی ہوں تو سکون سے آنکھیں موند سکوں۔“ خاور حسن نے کمزوری آواز میں کہا تو وہ تڑپ اٹھیں۔

”خدا آپ کو لمبی عمر دے۔ ایسا کیوں سوچتے ہیں۔“

”سوچ آئی جاتی ہے بیگم۔“

وہ بوڑھی آنکھیں چھت کے پچھے پر جھکا کر بولے تو وہ بڑی دیر تک ان کے تھکے تھکے وجود کو دیکھتی رہیں۔ تین بچوں کو خوش دلی سے پال پوس کر جوان کرنے والا باپ اب عمر کے آخری حصے میں آ کر اپنی بیماری کی تکلیف دہ اور بیٹیوں کو اپنے گھریلو کارکن کی فکر میں بے بس سا نظر آ رہا تھا۔

”اللہ میری عفرانے کا مقدر بھی جلد کھولے تو دونوں کی رخصتی ساتھ کر دوں گی۔“

وہ جیسے فیصلہ کر کے اٹھی تھیں۔

☆☆☆

دنشت میں آب

منو جو تھی۔ عفر اے مل کر اس نے نھی عدن کو جھٹ سے گود میں اٹھالیا اور پیار کرنے لگی۔ عفر اس کی... بے تابی پر مسکرا دی۔ تین سال ہونے کو آئے تھے لیکن مفرا کی گود خالی تھی، پھپھو نے بڑی سے بڑی ڈاکٹر بھی نہ چھوڑی تھی جس سے علاج نہ کروایا ہو۔ حتیٰ کہ بیروں، فقیروں سے تعویذ گنڈے بھی کروائے پر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ ڈاکٹروں کے مطابق دونوں میاں بیوی نارمل تھے بس خدا کی طرف سے دیر تھی۔ مگر پھپھو اکلوتے بیٹے کی

چنگ اور پھر گھر کے کام کاج اور اماں، بابا کی خدمت..... وہ اپنے حال پر صبر کر کے مطمئن ہو گئی تھی کہ اچانک معظم کا رشتہ نہ جانے کہاں سے چلا آیا۔ پیشے کے اعتبار سے وہ اسٹنٹ پروفیسر تھا۔ چار بہنوں کا اکلوتا سب سے بڑا بھائی..... والدین کے انتقال کے بعد ان کا سرپرست بن کر اپنی جوانی بہنوں پر واردینے والا۔ اب چاروں بہنوں کے فرائض سے سبکدوش ہوا تب اپنی شادی کا سوچا۔

اماں کو یہ رشتہ ہر لحاظ سے پسند آیا۔ لڑکا عمر دار تھا تو عفر اکون ہی کم عمر تھی۔ پھر معظم کی بہنیں چاہے ہاتھ مانگ رہی تھیں۔ کچھ ضروری معلومات کرنے کے بعد مطمئن ہو کر یہ رشتہ قبول کر لیا گیا۔ اور یوں آٹا فانا عفر اخاور سے عفر معظم بن کر وہ معظم کے گھر چلی آئی۔

☆☆☆

زندگی یوں بھی کروٹ بدلتی ہے کہ دل کی بنجر زمین پر ٹھکان سا ابھرتا ہے۔ معظم، عفر کی توقع سے بڑھ کر اچھا شوہر ثابت ہوا۔ اس کی چاروں تہنیں اپنے بھائی کی قدر دان تھیں جس نے ان کے لیے اپنی عمر کا بڑا حصہ قربان کر دیا تھا سو اس لحاظ سے عفر اکو بھی اکلوتی اور بڑی بھابی کا مان و مرجہ دیتی تھیں۔

عفر ادلوں میں ہی تروتازہ اور مطمئن دکھائی دینے لگی۔ اماں بابا نے بھی اطمینان کی سانس لی تھی۔ خوشی اور سکون کے ہنڈولے میں جمولتے ایک سال پلک جھپکتے میں گزر گیا اور نھی عدن ان کی زندگی میں رنگ بھرنے دنیا میں آ گئی۔ معظم بیٹی کو باکر مسرور تھا۔ وہ کہتا میرے آٹھنک سے چار چڑیا اسنے گھروں کو لگئیں تو اللہ نے ایک اور چڑیا بھیج دی۔ عفر اکو وہ بابا کی طرح لگا کرتا جنہوں نے بیٹیوں کی پیدائش پر ہمیشہ خوشی کا اظہار کیا تھا۔

☆☆☆

اس دن وہ اماں کے گھر آئی تو مفرا پہلے سے

قارئین منوجہ سور

برجیا
نہیں ملتا

کچھ عرصے سے بعض مقامات سے یہ شکایات مل رہی ہیں کہ ذرا بھی تاخیر کی صورت میں قارئین کو پرچا نہیں ملتا۔ ایجنٹوں کی کارکردگی بہتر بنانے کے لیے ہماری گزارش ہے کہ ہر پرچا نہ ملنے کی صورت میں ادارے کو خط یا فون کے ذریعے مندرجہ ذیل معلومات ضرور فراہم کریں۔

☆ ملک اسمان کا نام جہاں پر چادرستاب نہ ہو۔

☆ شہر اور علاقے کا نام۔

☆ ممکن ہو تو بینک اسمان کا PTCL یا موبائل نمبر۔

ہوڈا اشور عباسی 0301-2454188

حاسوسى دانجسب بلسى كسبر

پنس جاسقن پاكيزه سوزش

0301-2454188

مندرجہ ذیل ٹیلی فون نمبروں پر بھی رابطہ کر سکتے ہیں

35802552-35386783-35804200

ای میل: jdpgroup@hotmail.com

ماہنامہ پاکیزہ - دسمبر 2018 - 53

اولاد دیکھنے کو بے صبری ہو رہی تھیں۔

”اماں اب تو اسید بھی مجھ سے اکھڑا اکھڑا سا رہتا ہے۔ پچھو نے اٹھتے بیٹھے اسے اتنا یاد کروایا ہے کہ وہ بچے کی محسوس کرنے لگا ہے۔“ مفرا نے عدن کے گال سہلاتے افسردگی سے ماں کو بتایا۔

”تو اس میں تمہارا کیا قصور۔ خدا جب چاہے جب بچہ ہوگا ناں۔“ اماں نے بیٹی کا اترا چہرہ دیکھ کر کہا۔
”اماں تم نے ساری دعاں عفر ا کے لیے کر دیں۔ اسے اچھا بر بھی مل گیا اور اولاد بھی۔ مجھے کبھی دل سے دعا نہیں دی۔ تین سال سے بچے کو ترس رہی ہوں۔“

اس کے شکوے پر جہاں اماں حیران ہوئیں وہیں عفر ا بھی ساکت رہ گئی۔

”خدا کو مانو عفر ا میری بیٹی بیاہ کی عمر سے آگے بڑھ گئی پھر بھی صبر سے بیٹھی رہی۔ تم دونوں کی شادیوں پر بھی دل براندہ کیا۔ اس کو صبر کا پھل خدا نے دیا ہے۔ باقی میرے لیے تو تم تینوں برابر ہو۔ سب کو ایک سی دعا میں دیتی ہوں۔“

اماں نے رساں سے کہا تو مفرا چپ سی ہو گئی مگر عفر ا کو افسردگی نے گھیر لیا۔ اس نے تو مفرا سے بھی کسی بات پر پیر نہ باندھا تھا پھر بھی وہ اکبر اس سے بدگمان رہا کرتی تھی۔ اس کی منگنی لڑکپن میں ہی اسید سے ہوئی تو اس کو لگا عفر ا اس سے جلتے لگی ہے حالانکہ ایسا کچھ نہ تھا۔

اپنے گھر آ کر بھی عفر ا اس رہی۔ معظم نے اس کی خاموشی محسوس کر لی اور بے چین سا ہو گیا۔ اس کے اصرار پر عفر ا نے بہن کی اسنے لیے بدگمانی کا قصہ کہہ سنایا۔ معظم نے اس کی بہت دلجوئی کی۔ وہ اپنے خدا کی ایک بار پھر شکر گزار ہو گئی جس نے اسے ایک محبت کرنے والا شریک حیات عطا کیا۔

☆☆☆

کچھ عرصے بعد عفر ا ایک بار پھر امید سے ہوئی اور اس بار مفرا کے آگن میں بھی امید کے دیے روشن

ہوئے۔ عفر ا کو اس بات کی بے حد خوشی ہوئی۔ وہ بہن کے پاس کیک اور مشائی لے کر پہنچی۔ پچھو بے حد خوش تھیں۔ وہ مفرا کا کسی گڑیا کی طرح خیال رکھ رہی تھیں۔ اس کو زمین پر پیر اتارنے کی بھی اجازت نہ تھیں۔ اسید بھی مطمئن نظر آیا۔ عفر ا کو دلی اطمینان حاصل ہوا۔ بہن کی خوشی ہی دراصل اس کی خوشی تھی۔

پھر تھوڑا وقت آگے بڑھا تو عفر ا کو معلوم ہوا کہ اس کے کپٹن میں دو بچے پل رہے ہیں۔ یہ مسرت کی خبر عفر ا نے حیرت آمیز خوشی سے سنی۔ معظم بھی اس کا بے حد خیال رکھ رہا تھا۔ ایک نند جو بڑوں میں رہتی تھی وہ بار بار آ کر عفر ا کا ہاتھ بیٹا جاتی۔ کبھی عدن زیادہ تر اپنی پھوپھی کے پاس ہی رہتی تھی۔

☆☆☆

زندگی اتفاقات کا مجموعہ ہے۔ عفر ا اور مفرا کو اتفاق سے ایک ہی دن اسپتال لے جایا گیا۔ اماں ہاتھوں میں بیچ اٹھائے خدا سے دونوں بیٹیوں کی خیر طلب کر رہی تھیں۔

عفر ا کو فخر کی اذانوں کے ساتھ ہی اپنے دو بیٹیوں کی روتی بسورتی آواز سنائی دی تو اس نے دل ہی دل میں سجدہ شکر ادا کیا پھر غنودگی میں چلی گئی۔

دوسری صبح اس نے اماں سے مفرا کے متعلق پوچھا تو وہ کچھ خاموش سی ہو گئیں۔ ان کی آنکھوں میں نمی دیکھ کر عفر ا بے آرام ہوئی۔

”اماں پلیز بتائیں مفرا خیریت سے تو ہے ناں؟“ اس نے بے قراری سے استفسار کیا تو انہوں نے دھیمی آواز میں جو خبر سنائی اس نے عفر ا کو شاکہ کڈ کر دیا۔

مفرا کا بچہ مردہ پیدا ہوا تھا اور بچے کی پیدائش پر کچھ پیچیدگیوں کے باعث وہ اب پھر بھی ماں نہیں بن سکے گی۔ پھوپھی صدے کے زپرائڈ اکثر پر الزام لگا رہی تھیں کہ ان کی کوتاہی کی وجہ سے ان کا بیٹا زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ مفرا سے یہ خبر چھپائی گئی لیکن ساس کے واو لے نے اس پر سب واضح کر دیا تھا۔ وہ گھر سے دکھ میں چلی گئی۔

معظم نے ہمیشہ اس کی خواہش کو اولیت دی تھی لیکن آج اتنے بڑے فیصلے میں بھی وہ اس کا مان بڑھا رہا تھا یہ بات عفر اکو نہال کر گئی۔

☆☆☆

پھر اسپتال سے ڈسچارج ہو کر وہ سیدھا پچھو کے گھر آئی۔ دو سنے فرشتے معظم اور اس کی بانہوں میں تھے۔ پچھو محبت سے ملیں۔ مفر اپنے کمرے میں غو حال پڑی تھی۔ ان دونوں کو اچانک سامنے دیکھ کر حیران ہوئی۔

عفرانے جاتے ہی ایک بچہ اس کی گود میں ڈال دیا۔ مفر کی حیرت دو چند ہوئی۔

”یہ آج سے تمہارا بیٹا ہے۔“

عفرانے کہا تو مفر کی آنکھیں بھر آئیں اور وہ بہن کے گلے لگ کر رو پڑی۔

”عفرابہت بڑا ایثار کر رہی ہو بیٹا۔“ پچھو بھی نرم لہجے میں بولیں تو عفرانے نفی میں سر ہلایا۔

”ایثار کیسا پچھو۔ میری بہن خوش رہے بس۔“

”عفراجھے معاف کر دو، میں نے تمہارا بہت دل دکھایا ہے۔“

مفرانے معظم اور پچھو کے سامنے اس کے آگے ہاتھ جھڑ دیے۔

”جانے دو مفر!..... پچھلی ساری باتیں بھلا دو اور اب بچے کے ساتھ خوش رہو، دیکھو اللہ نے تمہیں تمہارا بیٹا لوٹا دیا ہے۔“

عفرانے اس کے دونوں ہاتھ کھول کر اس کے گال پر پیار کیا۔

”میرا بچہ میری جان۔“ مفرانے بچے کو..... بے اختیار سینے سے لگا یا تو عفرانے مطمئن ہو کر اسے دیکھا اور مسکرا دی۔

اسے اپنی زندگی کا مقصد واضح نظر آ گیا تھا۔ وہ بہن کو شکر گزاری اور محبت کے طے جملے جذبات لیے دیکھ رہی تھی اور آنکھیں پھٹکی پڑ رہی تھیں۔

”اماں مجھے مفر اسے ابھی ملتا ہے۔“ وہ بہن کے دکھ پر تڑپ اٹھی۔

”وہ اب اسپتال سے گھر چلے گئے ہیں عفر!“

اماں نے گہری سانس لے کر بتایا تو وہ دل مسوس کر رہ گئی۔

☆☆☆

اس کی چاروں نندیں باری، باری آکر اسپتال میں اس کے ساتھ وقت گزار رہی تھیں۔ دونوں ننھے کنبھجے ان کے ہاتھوں میں تھے۔ عفر اکو وہ صرف فیڈ کروانے کو دیتی تھیں۔ اس کے کمرے میں رونق لگی ہوئی تھی۔ دور پاس کے عزیز مہارک بادیچنے آرہے تھے۔ عفر، معظم سے کچھ کہتا چاہتی تھی پر کہہ نہ پا رہی تھی۔ معظم نے اس کی کیفیت بھانپ لی۔ دو پہر کے وقت بہنوں کو گھر بھیج کر اس کے قریب چلا آیا۔

”کیا پڑیانی ہے عفر!..... کچھ کہتا چاہتی ہو؟“ وہ اس کا ڈرپ لگا ہاتھ احتیاط سے تمام کر پوچھنے لگا۔

”مجھے آپ سے ایک اجازت ملنی ہے۔“ عفرانے جھجکتے ہوئے کہا تو معظم نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

”کس بات کی اجازت؟“

”میں اپنا ایک بچہ اپنی بہن مفر اکو دینا چاہتی ہوں۔“ عفرانے دھڑکتے دل سے اپنی خواہش بیان کی اور معظم کا چہرہ بغور دیکھا۔ جہاں شجید کی چھائی تھی۔

”اپنی اولاد کسی کو دینا آسان نہیں ہوتا عفر!“

معظم نے کہنا شروع کیا۔ عفرانے بے ساختہ مایوسی کی سانس بھری۔

”میں اپنی بات نہیں کر رہا۔ تم مان ہو۔ اپنے دل کی مکمل آوازی سے یہ بات کہہ رہی ہو تو ٹھیک..... کل کو ایسا نہ ہو کہ تم بہن سے کسی بات پر خفا ہو جاؤ تو اپنی اولاد واپس لے لو۔“ اس کے بال سہلائے معظم نے بات مکمل کی۔

”میرا دل بالکل آمادہ ہے معظم۔ میں اپنی بہن کو دکھی نہیں دیکھ سکتی۔“ عفرانے زور دے کر کہا تو وہ مسکرا دیا۔

”ٹھیک ہے پھر۔“ اس نے کھلے دل سے اجازت دی تو عفرابے یقینی کی کیفیت میں گھر کر اسے دیکھنے لگی۔

URDU TUBE

تیرھواں حصہ

محبّت لفظ ہے لیکن.....

”ماں باپ کے سامنے بہت سوچ سمجھ کے بولا کرو کیونکہ کبھی کبھی ان کے سامنے بولا گیا کوئی بھی برایا اچھا کلام بھاری پوری قسمت پہ حاوی ہو جاتا ہے۔“

خوب صورت جذبوں کی باریکیاں بیان کرتی حسیا بھناری کی ایک دل نشیں تحریر

”بہت اچھے انسان ہیں۔ ہمارا ایڈیشن لیٹ ہوا

تو انہوں نے بہت مدد کی۔“

وہ بتانے لگی۔

”اور.....“ گئی پُر جوش سی ہو کر اس کے قریب ہوئیں۔

”وہ مجھے پسند کرتے ہیں اور مجھ سے شادی کرنا

چاہتے ہیں۔“

”اور تم؟“

”مجھے بھی اچھے لگتے ہیں وہ۔“ وہ ہاتھ چمڑا کر

”.....“

”گھبراؤ تمہیں، بتاؤ مجھے..... یہ لڑکا کون

ہے؟“ انہوں نے اسے تسلی دی۔ ایک پل کو سین کو

حیرت بھی ہوئی۔ لیکن اتنے دنوں بعد یوں نارمل ہو کے

بات کر رہی تھیں۔

”بتاؤ ناں چھوٹی..... کون ہے یہ لڑکا.....

جلدی بتاؤ۔“ انہوں نے سین کا کاندھا ہلایا۔ وہ بری

طرح چوکی۔

ماہنامہ پاکیزہ — دسمبر 2018ء — 56



۵۰۱۸۵۴ — عید الہول

اٹھ گئی۔ لیکن اس کے پیچھے ہی انھیں۔

”لیکن میں جانتی ہوں یہ ممکن نہیں ہے۔ ہمارا ذات برادری کا فرق اور پھر لالا..... کبھی اس کے لیے نہیں مانتے گے۔“

”ممکن ہے..... اور تم غلط کہہ رہی ہو، لالا مان جائیں گے، سہراب نہیں مانے گا۔“ لیکن نے لب کھلتے ہوئے کہا تھا۔ سہراب کے نام پر جو نفرت ان کے دلچے میں ابھری تھی اس نے سین کو کوشش کر دیا تھا۔

”کیا مطلب لگی..... آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں؟“
”ادھر آؤ میری بات غور سے سنو۔“ انہوں نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے بستر پہ اپنے قریب بٹھایا۔

”خبردار..... اس بات کی ہوا تک نہ جانے پائے اس کمرے سے باہر اور یہ کاغذ۔ ابھی کے ابھی اس سب کو چھالو۔ اور میری بات غور سے سنو۔ تم آج جاؤ گی تو دوبارہ اس حویلی میں نہیں آؤ گی۔“ انہوں نے شہادت کی انگلی دکھاتے ہوئے سخت لہجے میں کہا تھا۔

”یہ کیا کہہ رہی ہیں لگی آپ؟“ وہ دنگ رہ گئی۔
”بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ اس حویلی پہ آسب بیٹھ گیا ہے۔ وہ جب دل کرتا ہے اپنے خوفناک لہجے بچے بڑھا کے اپنا سن پسند شکار کر لیتا ہے۔ اس بار اس کی خونی غلیظ نظر تم پہ ہے۔“ وہ آنکھیں پھاڑے اسے بتاتے جاری تھیں۔ سین کا دل دھڑک اٹھا تھا۔

”یہ کیا کہہ رہی ہیں لگی..... کیوں مجھے پریشان کر رہی ہیں۔ آسب کب ہوتے ہیں بھلا.....؟“ وہ اٹھنے لگی جب لگی نے ہاتھ پکڑ کے اسے دوبارہ بٹھالیا۔

”آسب ہے..... سہراب نام ہے اس آسب کا۔“
”سہراب لالا.....!“ وہ مزید حیران ہوئی۔

”لالا نہیں ہے وہ کالا سانپ ہے، زہر سے بھرا ہوا جو عیسائی کو کھل گیا۔ اب اس کی نظریں تم پہ جمی ہیں۔“
”مجھ پہ.....؟“ وہ ساکت سی ہوئی۔

”ہاں سین تم پہ.....“
”کیا کہہ رہی ہیں لگی۔“ وہ الجھ گئی۔

”میں نے کبھی غلط کہا کچھ تم سے؟“ انہوں نے

پوچھا۔ وہ نفی میں سر ہلا گئی۔

”تو بس تم اس کے بعد کسی کو نہیں ملو گی۔ نہ ہی واپس آؤ گی۔ اس لڑکے کے ساتھ گھر بساؤ گی ورنہ یاد رکھنا سین بھٹی تو مر گیا تم مر بھی نہ سکو گی۔ حویلی کے لال کنویں کا تو تمہیں علم ہی ہے اب تو وہ بھی پتا نہیں دیتا۔“ انہوں نے بستر پہ لیٹتے ہوئے آنکھوں پہ بازو رکھ دیا۔ سین خوف سے بت بنی بیٹھی ان کی باتوں کو سوچتی رہی۔ واقعی کچھ دن پہلے لگی نے بھی خود کشی کی کوشش کی تھی لیکن انہیں بچایا گیا تھا۔

”تو کیا سہراب لالا..... اور مجھ پہ نظر.....؟“
سوچ، سوچ کے اس کی روح کانپ رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا واقعی اسے اب فیصلہ کرنا تھا..... اور اس بار حویلی سے نکلنے ہوئے وہ فیصلہ کر چکی تھی۔

☆☆☆

گھر واپس آتے وقت جس قدر اس کا موڈ خوشگوار ہوا تھا وہاں سے آفس کے لیے نکلنے وقت اسی قدر اس کا موڈ گڑبگڑ چکا تھا۔ امن اور اس کے باپ نے نہ صرف خود کا ٹریڈ ختم کر دیا تھا بلکہ دوسرے انویسٹرز نے بھی..... اور باریال کو اچھی طرح اندازہ تھا کہ یہ سب امن کے باپ کی ہی حرکت ہو سکتی تھی۔

وہ گاڑی بھگا تا سب سے پہلے انویسٹرز سے ملنے گیا تھا۔ انہوں نے اسی خوش دلی سے اس کا استقبال کیا تھا لیکن اس کے ساتھ آگے کام کرنے سے معذرت کر لی تھی۔ کافی دیر تک وہ ان سے بحث کرتا رہا لیکن لا حاصل۔ اپنے ہاتھوں کی دونوں پوائنٹنگ فنگرز ہوتوں پہ جمائے وہ اب مکمل طور پہ جیسے بات ختم کر چکا تھا۔

”او کے سرا“ وہ خود کو پکڑ کر اٹھ کھڑا ہوا.....
”جتنا بھی وقت آپ کے ساتھ کام کیا بہترین رہا۔“ اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

”انشاء اللہ ملتے رہیں گے۔“ ایم ڈی نے اٹھتے ہوئے اس سے ہاتھ ملایا..... وہ قائلز اٹھاتے ہوئے باہر نکل آیا۔ امن اسی وقت اندر آ رہی تھی۔ اسے دیکھ کے رکی اور گہری مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی۔

محبت لفظ ہے لیکن

سے بالکل مکمل اور کسی لحاظ سے بالکل ادھورا..... اور اب جا کے مجھے پتا چلا بہار کا موسم بھی تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ دھوپ، بارش، پھول اور زرد پتے ہر رنگ سینے ہوئے، مکمل سی بھی ادھوری رہتی ہے۔ اور میں مان گیا کہ..... محبت بہار کی طرح ہوتی ہے۔

اس کے رنگ دل کو درد سادیتے ہیں۔

اس کی بارش آنکھوں کو نم سا کر دیتی ہے۔

اور اس کا جانا بالکل خزاں کر دیتا ہے۔

میں آج سے دعا کروں گا ہر شے روٹھ جائے بس کبھی مجھ سے محبت نہ روٹھے..... "وہ اس کے ہم قدم ہوا تھا۔ بہت پیاری مسکان اس پر جیسی خان زادی کے لب چھوٹی تھی۔

☆☆☆

اس دن وہ واقعی نگین سے اور نگین اس سے یوں لپٹ لپٹ کے روئی تھیں جیسے وہ دونوں واقعی آخری دفعہ مل رہی ہوں۔ دونوں نے کتنے ہی مل ایک دوسرے کو خود میں سوئے رکھا تھا۔ ماں جانوں کی محبت بھی خشک سالی کے قریب ہو جانے والی اچانک بارش کی طرح مقدس ہوتی ہے۔ جس طرح وہ بارش ہر سوئی کو معطر کر دیتی ہے قلب و جان مہک سے اٹھتے ہیں۔ بالکل اسی طرح خون کے رشتوں کا احساس ہوتا ہے انگ، انگ سے پہچان لی جانے والی مہک اُشتی ہے اور روح تک کو معطر کر دیتی ہے..... وہ دونوں اس وقت اسی خوشبو کو چیسے ایک دوسرے میں منتقل کر رہے تھے۔ لب بالکل خاموش تھے۔ آنسو کلام کر رہے تھے اور دل دعا میں مصروف تھے۔ کیا سمجھنا تھا نگین کی دھڑکنیں اسے بتا رہیں تھیں اور کیا سمجھنا ہے بین سمجھ رہی تھی۔

خاموشی کی زبان میں کلام مکمل تھا..... سے نے سماعتوں کو کمزور کر دیا تھا کہ خاموشی کی طاقت ان کی پہنچ سے کہیں دور بھی لیکن کامل تھی۔

اور اس دن حویلی کی دہلیز پار کرتے ہوئے بین کے قدم واقعی من، من کے ہو گئے تھے۔ چند قدم کا فاصلہ اس نے تپتی ہی صدیوں میں طے کیا تھا۔

"میں نے کہا تھا ناں باری۔ میں تمہیں تباہ کر دوں گی۔" اس کے قریب آتے ہوئے وہ ایک غرور سے بولی تھی۔

باریال کے چہرے پہ بہت خوب صورت مسکراہٹ چل اُٹھی تھی۔

"تم خود کو سنبھال لو امن، میرے لیے یہی کافی ہے۔ اپنا خیال رکھنا۔" سادہ سے لہجے میں کہتا اس کی سائڈ سے نکلتا وہ اس کا دل دھڑکا گیا تھا۔ امن سکندر خان کو لگا تھا..... تباہ باریال نہیں، وہ ہوتی تھی۔ سب ختم ہو گیا تھا۔

سب کچھ..... وہ اندر جانے کے بجائے مرے، مرے قدموں سے باہر کی طرف مڑ گئی تھی۔

☆☆☆

سردی ابھی اپنے جوبن پہ نہیں آئی تھی۔ پھر بھی درختوں سے جھڑتے زرد پتوں نے ہر طرف دسمبر تان رکھا تھا۔ سوکے پتوں پہ چلتی جیسے ان کی آواز سننے کے لیے ہی وہ وہاں آئی تھی۔ ابراہیم حیات اس کے ساتھ، ساتھ چلتا بھی، بھی حیران سی نظر اس پہ ڈال بھی لیتا اور پھر فوراً نظر ہٹا لیتا۔

"خان زادی آج چپ کیوں ہیں؟" بالآخر اس نے پوچھنے کی ہمت کر لی تھی۔

"میں چاہتی تھی آج بات تم شروع کرو ابراہیم....." اس نے اگلے ہی لمحے جواب دیا تھا۔ وہ حیران ہوا تھا۔

"ہمیشہ صرف میں بولتی ہوں۔ تم بس سنتے ہو۔ میں دیکھتی ہوں تم نظر چرا لیتے ہو۔ آج میرا بھی دل کیا..... تم بولو تو دیکھو تو دیکھو..... میں نہ بولوں گی نہ دیکھوں گی۔" وہ اس سے آگے بڑھ گئی۔ ابراہیم رک گیا۔ وہ یونہی نرم قدموں سے پتوں پہ چلتی رہی۔ وہ کچھ دیر اس بہار جیسی لڑکی کو خزاں کے موسم سے انکھیلیاں کرتے دیکھتا رہا پھر دوڑ کے اس کے پاس آ گیا۔

"بھئی، کبھی میں سوچتا ہوں۔ محبت کیا ہوتی ہے؟ میں حیران بھی ہوتا ہوں چاہو نہ چاہو یہ کسی امر تیل کی طرح آپ کو لپٹتی چلی جاتی ہے۔ کوئی پناہ ہی نہیں۔ دل ایک ہی پل میں اداس بھی خوش بھی..... مطلب کسی لحاظ سے....."

میں حیران بھی ہوتا ہوں چاہو نہ چاہو یہ کسی امر تیل کی طرح آپ کو لپٹتی چلی جاتی ہے۔ کوئی پناہ ہی نہیں۔ دل ایک ہی پل میں اداس بھی خوش بھی..... مطلب کسی لحاظ سے.....

بے بسی سے دیکھتے ہوئے دونوں ہاتھوں کی انگشت شہادت ملاتے ہوئے یوں یہ جھا گیا۔ نظریں ہنوز لالہ کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔ کچھ دیر تک لالہ اس کے جواب کی منتظر رہی پھر اٹھ کر مڑنے لگی۔ جب باریال نے اچانک اس کا ہاتھ تمام کے اسے اپنے ساتھ بٹھالیا۔ وہ چپ چاپ زمین کو نگہتی بیٹھ گئی۔

”لالہ! آزمائش اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ اور اس میں پورا اترنے کے لیے فرمائیں دعا کی جاتی ہے۔ تم بس دعا کرو۔ اللہ پاک سبب بنا دے گا۔ اور پلیئر آئندہ اس بارے میں بات نہ کرنا۔ ہم لوگ بیٹیوں، عورتوں کا مال کھانا حرام سمجھتے ہیں۔ وہ تمہارا حق ہے۔“

”میری چیز آپ کی نہیں ہے؟“ وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے شکوہ کر گئی۔

”بالکل ہے۔ لیکن تم میری ہو میرے لیے بس یہی کافی ہے۔“ اس نے لالہ کی کمر میں بازو جا مل کر تے ہوئے استحقاق سے کہا۔ لالہ اس بار کچھ نہ بول سکی تھی۔

”اور اب دعا کرو تم میرے لیے۔ تم اور دیدے میرے ساتھ ہونا، انشاء اللہ میں کبھی نہیں ہار سکتا۔ یہ چھوٹی پریشانیاں تو کچھ بھی نہیں بڑے، بڑے پہاڑ سر کر جاؤں میں۔“ وہ مسکرایا تھا۔ لالہ نے روشنی سی جاروں اور بکھری محسوس کی تھی۔ خلوص بھرے لوگوں کی مسکراہٹ کتنی پُر نور ہوتی ہے اس نے دل سے تسلیم کیا تھا۔

☆☆☆

”تم.....؟“

وہ اس سے جتنی بار بھی ملا تھا حادثاتی طور پر ملا تھا لیکن پھر بھی اس کی آنکھوں اور اس کے چہرے میں ایسا کچھ تھا کہ باریال اسے دیکھتے ہی پہچان گیا تھا۔ دروازہ کھولتے ہی جب وہ اس کے سامنے آیا تو بے اختیار وہ یکا کر بیٹھا تھا۔ سامنے والے کے چہرے پر بہت پیاری مسکراہٹ چل اٹھی تھی۔

”دیکھ لیں۔ آپ تو ہمیشہ مجھے غلط جگہ پہنکراتے ہیں۔ میں نے آپ کو صبح جگہ ڈھونڈ لیا۔“ اس کے کال کی لمبی سی لکیر کافی گہری ہوئی۔ باریال کو اس سے عجیب سی

حویلی کے بڑے سے پھاٹک سے دور ہوتی گاڑی کے شیشے سے باہر دیکھتی بین یوں محبت سے اس بڑے سے پھاٹک کو کھتی رہی تھی جیسے وہ واقعی اسے بھی آخری بار دیکھ رہی تھی۔

اور لال حویلی نے سر جھکاتے ہوئے گواہی دی تھی۔

”ماں باپ کی دلہیز پار کر جانے والی ہر لڑکی۔۔۔ بدکردار نہیں ہوتی۔ کچھ گھر کے اہلیوں سے پناہ کے لیے باہر کے مردوں پر بھروسہ کر لیتی ہیں۔ آگے ان کی قسمت.....“ اور اس لال حویلی نے اپنی اس بیٹی کی اچھی قسمت کی دعا کی تھی۔

حویلی کے نظروں سے اوجھل ہوتے ہی بین چادر میں منہ چھپا کے رو دی تھی.....

☆☆☆

وہ ہمیشہ اللہ پاک پر یقین رکھنے والوں میں رہا تھا لیکن برنس میں یہ دوسری بار تھا جب اچانک ہی اسے سخت پریشانی نے آگھیرا تھا۔ وہ ہر قسم کے حالات سے لڑنا جانتا تھا لیکن پھر بھی تھا تو ایک انسان ہی ناں۔ اپنے تاثرات وہ بہر حال نہیں چھپا پایا تھا۔ لالہ اسے پریشان دیکھ کر عجیب سی شرمندگی میں گھرنے لگی تھی۔

”آپ میرا مکان بچ دیں۔“ رات کو وہ تھکا ہارا گھر آیا تو لالہ نے فوراً اسے صلاح دی۔

”پاگل ہو، ایسا نہیں سوچتے۔ اللہ پاک خیر کرے گا۔“ باریال نے بیڈ پہ بیٹھتے ہوئے اسے تسلی دی اور جوتے اتارنے لگا۔

”مجھے ویسے بھی اب اس کی ضرورت نہیں۔ امی لوگ بھی پتا نہیں کہاں چلے گئے۔ اس وقت میں وہ بہترین کام آ سکتا ہے۔“

”لالہ..... پلیئر.....؟“ اس بار اس نے قطعی لہجے میں اسے ٹوک دیا تھا۔ وہ اس بارے میں مزید بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس کے سامنے زمین پہ بیٹھ گئی۔ باریال کی نظریں اس کے خوب صورت چہرے پر جمی گئیں۔

”میں نے آپ کی زندگی مشکل کر دی۔“ اس کی کنورا آنکھیں پانیوں سے بھرنے لگیں۔ باریال اسے

جب انہیں دورہ پڑتا۔ گاؤں میں کسی کی شادی کا دخول
ہوتا۔ شادیانے کی تال گونجتی۔ یا کوئی فائر پانے کی
آواز سنائی دے جاتی۔

وہ آہستہ، آہستہ شعور کو کہیں پیچھے چھوڑ رہی تھی۔
حال کہیں پیچھے رہ گیا۔

اُدھر تین اس دفعہ ایسی لگی کہ پھر مڑ کے نہ دیکھا
تھا۔ کافی دن بعد جب اس سے رابطہ نہ ہوا تو سہراب کو
بھجوا گیا لیکن وہاں جا کے اسے پتا چلا کہ وہ تو ان چھٹیوں
کے بعد یہاں آئی ہی نہیں۔ نہ صرف ادارے کی انتظامیہ
بلکہ اس کی تمام دوستوں نے بھی یہی بتایا کہ وہ چھٹیوں
کے بعد آئی ہی نہیں۔

سہراب حویلی آیا تو غصے سے اس کا برا حال تھا۔
لال حویلی پہ پیچھے ایک اور قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔
سب دور رہے تھے اور تین خوب تالیاں مار، مار کے ہنسی۔
خوب ہنسی خوب روٹی۔

نہ جانے کیوں سہراب کو وہ کچھ محکوک سی لگی لیکن۔۔۔
فی الحال وہ اس کے سمجھوت میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ اسے ساری
توجہ سین پر رکھنی تھی۔ اسے دھوڑنا تھا۔ اس پر عزتی کا
بدلہ لینا تھا۔ جو وہ اس کے دامن پہ لگا گئی تھی۔ ڈرائیور کے
مطابق ہمیشہ کی طرح وہ اسے اسی جامعہ کے سامنے ہی چھوڑ
گیا تھا۔ لیکن وہ اس کے بعد کہاں گئی۔ وہ نہیں جانتا تھا۔

”اور دیں لڑکی ذات کو ڈھیل۔۔۔ کہا بھی تھا
لیکن نہیں۔“ سہراب دھواں، دھواں ہو رہا تھا۔ لیکن کھا
جانے والی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ اس کا دل کر
رہا تھا اسے ہاتھوں سے اس وحشی انسان کا کلیجا نکال
کے چھیننے۔ زریاب لالا کا اب خیال نہ ہوتا تو وہ کر
بھی لیتی لیکن بہر حال اسے خوش تھی وہ سین کو ان کے
چنگل سے بچا چکی تھی۔ اسے پورا یقین تھا وہ اس کی
خاک کو بھی نہیں پہنچ سکتا تھا اور یہ چیز ویسے بھی اسے تاؤ
دلا رہی تھی۔ ایسے میں تین کی چھوٹی سی غلطی زریاب
لالا کو کوئی بھی نقصان پہنچا سکتی تھی۔

”سارا گاؤں تھوٹھو کرے گا اب ہم یہ۔“ سہراب
لب کہتے ہوئے دے ڈاڑا۔

شہنائی محسوس ہوتی تھی۔

”اصل میں آپ کے آفس گیا تھا۔ کچھ کام کے
سلسلے میں۔ وہاں سے یہاں کا ایڈریس ملا لیکن مجھے یہ پتا
نہیں تھا کہ یہ آپ ہوں گے۔“ اس نے نفسی بات کی۔

”اچھا اندر آ جاؤ۔“ باریال نے اسے راستہ دیا۔
ضیاعلی خان نے بس ایک لمحہ سوچا تھا اور قدم اندر دھریا
تھا۔ دل کی دھڑکن جیسے محسوس ہوئی۔ عجیب سی خوشی اس
کے اندر سرایت کرنے لگی۔ ایک خوشبو سی اس کا حصار
کرنے لگی تھی۔ وہ کہیں آس پاس تھی۔ یقیناً کال تھا۔۔۔۔۔
باریال اسے لیے لاؤنج میں آ گیا۔ وہ گہری
نظروں سے اور گرد کا جائزہ لے رہا تھا۔

”کس سلسلے میں ملنا چاہتے تھے؟“ وہ لیکن کے
قریب رکھی کرسی سنبھال گیا۔ باریال لیکن کی طرف
جاتے ہوئے بولا۔

”یڈریس۔۔۔۔۔ ضیاسکرایا۔
”میں دراصل کہیں الویسٹ کرنا چاہتا تھا۔ کسی
دوست نے آپ کا بتایا۔ لیکن مجھے قطعی علم نہیں تھا کہ آپ
وہی ہیں۔ میرے محسن۔“ ضیاعلی کے چہرے پہ وہی دوستانہ
مسکراہٹ تھی جو اس کی شخصیت کا خاصہ تھی۔

”محسن مطلب۔۔۔۔۔ دوست کہو۔۔۔۔۔ بھائی کہو۔
قسمت میں ملنا ہی ایسے لکھا تھا۔ خیر کیا لو گے۔“

”اپنا گھر ہے اب تو کھانا کھا کے ہی جاؤں گا۔“ وہ
بے تکلفی سے مسکرایا تھا۔ باریال کو اس کا انداز بے حد اچھا
لگتا تھا وہ بھی خلوص سے مسکرایا تھا۔

”وائے ٹائٹ شیور۔“ وہ کندھے اُچکا گیا۔

”ابھی تو پھر جانے بتا لیتا ہوں۔“ باریال نے پوچھا۔

”میں بھی مدد کر دیتا ہوں۔“ وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

ضیاعلی خان کو اس گھر کا حصہ بننے میں صرف پل لگانے
تھے اور وہ کامیاب رہا تھا۔

☆☆☆

تین سب گھر والوں سے بالکل الگ سی ہو گئی تھی۔
زریاب لالا کی اسے زندگی کی طرف موڑنے کی ساری
کوششیں بیکار گئی تھیں۔ وہ اب صرف تب بولتی یا جتنی تھی

”میرا تو جو ہوگا دیکھ لوں گا۔ پہلے اس آفتاب خان کا بیچ تو ختم کرلوں۔“ اس کے لہجے میں کینٹکی درا آئی۔
 ”کرتا ہوں کچھ۔ بس دیکھنے کے لیے ہوش میں رہتا۔“ زہر بھرے لہجے میں کہتا وہ اٹلے قدم پیچھے جانے لگا۔ ٹنگن کے چہرے پہ وحشت سی لہرائی تھی اور وہ کینٹکی سے قہقہے مارنے لگا تھا۔
 وہ ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کرتا اور زیادہ زور سے ہنستا ہر نکل گیا تھا۔ اور ٹنگن پھر بھی اس کی بات کے معنی تلاش ہی رہی۔۔۔۔۔

☆☆☆

”خیریت اتنے پیسوں کی تمہیں کیا ضرورت پڑ گئی وہ بھی اس قدر راجا کھ؟“
 فون پہ باء کا نام جگمگاتا دیکھ کر اس نے بدولی سے کال اٹینڈ کی تھی اور فوراً ہی ان کی بات نے اسے مزید تپا دیا تھا۔ وہ ضبط سے لب کھل گیا۔
 ”آپ جانتے ہیں باء۔۔۔۔۔ ضیاء علی خان کو عادت نہیں وضاحت دیتے کی، آپ بے شک نہ دیں پیسے۔“ اس کی آواز میں عجب سی سرد مہری تھی۔ ان کی جان ابھی تک ناراض تھی ان سے۔ سہراب علی خان کے دل کو کچھ نہ ہوا۔
 ”صبح تک تمہارے اکاؤنٹ میں سیسے پہنچ جائیں گے اور کچھ۔۔۔۔۔؟“ اس بار ان کا لہجہ مکمل طور پہ مفتوح تھا۔

”نہیں۔۔۔۔۔ اور یہ اپنے آدمیوں کو ذرا سمجھ سے دور رکھیں۔ ورنہ اب میرے اختیار میں صرف میں ہوں۔ یاد رکھا کریں باء۔“ اس نے نئی سے کہتے ہوئے کال کاٹ دی تھی۔ جہاں اسے پیسے کا سن کے اطمینان ہوا تھا دوسری طرف سہراب علی خان کو اس کے لہجے کی سرد مہری پریشان کر گئی تھی۔ جتنا ضیاء علی خان کو وہ جانتے تھے وہ جو چاہتا، وہ کر کے رہتا تھا۔ اور اس بار جتنے پیسوں کی ڈیمانڈ اس نے کی تھی وہ کافی زیادہ تھی۔ انہیں اب جلد از جلد معلوم کروانا تھا کہ وہ کیا کرنے لگا تھا۔

”اس لڑکی نے تو دماغ ہی خراب کر دیا ہے اس لڑکے کا پھر اس کے چکر میں نہ ہو۔“ انہیں لالہ بری طرح

”سہراب، برداشت سے کام لو۔ تم ڈرائیور سے کہو تیار کرے گاؤں۔ میں خود جاؤں گا شہر۔ لڑکی کا معاملہ ہے کسی بھی قسم کی جلد بازی معاملہ بگاڑ سکتی ہے۔ حوصلہ رکھو۔ میں سب سنبھال لوں گا۔“ انہوں نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے تسلی دی اور اندر چلے گئے۔ سہراب لب لکھتا ٹنگن پہ نظر جما گیا۔ ٹنگن کے مرجھائے لبوں پہ مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔ سہراب کی آنکھوں میں اب محض بڑھی تھی۔ کچھ تو تھا اس اجڑی خانزادی کے دل میں لیکن کیا۔۔۔۔۔ وہ الجھتا چلا گیا تھا۔۔۔۔۔

☆☆☆

سین کا پتا چلنا تھا نہ چلا۔ زریاب نے ہر طرح سے اسے تلاش کیا تھا۔ اپنے آدمیوں کے ذریعے بھی اور ہر طرح کا اثر رسوخ بھی استعمال کر کے دیکھ لیا تھا لیکن سب بے کار۔ کچھ بھی کارآمد ثابت نہیں ہوا تھا۔
 آدھر سہراب نے زریاب لالا کے جاتے ہی ٹنگن کو جالیا تھا۔

”کہاں ہے سین؟“ اس نے ٹنگن کے بال کھینچتے ہوئے پوچھا تھا۔
 ٹنگن دروے ٹف کرنے کے بجائے قہقہہ لگا گئی۔
 ”اس کا مطلب کچھ تو کالا ہے وال میں؟“ وہ اس قدر بری طرح اپنا الجھلا بکھل گیا کہ اس میں سے خون رسنے لگا تھا۔ ٹنگن کے دل کو نہ جانے کیوں عجیب سی خوشی ملی۔

”بول۔۔۔۔۔ کہاں ہے سین؟“
 ”تھو“ ٹنگن نے اس کے منہ پہ تھوک دیا تھا۔
 سہراب نے ایک جھٹکے سے اس کے بال چھوڑے تھے پھر قہر بار نظروں سے اسے گھورتے ہوئے آستین سے چہرہ صاف کیا۔

”تو زمین کھود لے آسمان کو چالے لیکن سین کو نہیں ڈھونڈ پائے گا۔ ساری عمر تیرے اس گورے چہرے پہ کالک رہے گی۔ باہا باہا۔۔۔۔۔ آئے گا وقت جب مہلت پوری ہوگی۔ تیرا کیا ہوگا سوچ تیرا کیا ہوگا۔“ وہ بے ڈھنگے پن سے ہنسنے لگی تھی۔

کے لالہ کی طرف دیکھا۔ وہ سو رہی تھی اور اس کا ہاتھ باریال کے سینے پہ دھرا تھا۔ نیند میں وہ اس کے بے حد قریب آ گئی تھی۔ وہ چپ چاپ اس کا چہرہ دیکھنے گیا۔ اس کے چہرے کی گلابی رنگت زردیوں کی پناہ میں تھی۔ وہ مرجھاسی گئی تھی۔ اس کے گلابی ہونٹ عجیب بے رنگ سے ہو گئے تھے۔ وہ برنس کی ٹینشن میں رہتا تھا اور دیدے بچاری اپنے کاموں میں، ایسے میں ان میں سے کوئی بھی شاید اسے دھیان نہیں دے پایا تھا اور اپنے لیے تو وہ جیسے مر ہی چکی تھی۔ باریال کو افسوس ہونے لگا۔

اس نے نہایت آہستہ سے سینے پہ دھرا لالہ کا ہاتھ تھام لیا۔ اور اگلے ہی لمحے وہ پریشان ہو کر اٹھ بیٹھا تھا۔ لالہ کا ہاتھ بے حد سرد تھا۔ اس کے اس طرح جھٹکالے کے اٹھنے پہ بھی وہ بے حس و حرکت رہی تھی۔

”لالہ.....“ باریال نے فوراً اس کے گال تھپتھپاتے ہوئے اسے پکارا تھا۔ وہ کسمسا کے چہرہ اس کے پہلو میں چھپا گئی۔

”لالہ، آج تمہیں کھولو یار۔“ وہ پریشان ہو گیا تھا۔ اسے یوں بے حس و حرکت دیکھ کر وہ فوراً دیدے کے پاس بھاگا۔ وہ مجھدا نہیں، مگر جیسی لالہ کی حالت تھی وہ بہتر سمجھ سکتی تھیں۔ انہوں نے آتے ہی باریال کو اس کے پاؤں اوپر کرنے کو کہا تھا۔ باریال نے ٹیکے اٹھا کے اس کے پاؤں کے نیچے رکھ دیے۔ دیدے نے لالہ کے سر کے نیچے سے ٹکیہ نکال دیا۔ اور اس کا ہاتھ سہلانے لگیں۔ باریال نے انہیں دیکھا تو دوسرا ہاتھ خود تھام لیا۔

”تم جاؤ دو وہ لے آؤ۔“ نیم گرم ہو اور چینی بھی ڈالنا تاکہ کچھ طاقت آئے اس میں۔“ دیدے نے اسے ہدایت کی۔ وہ فوراً اٹھ گیا۔

وہ واپس آیا تو لالہ مکمل جاگ چکی تھی۔ اس کی رنگت بھی کچھ بحال تھی۔ باریال اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

”تم اسے یہ پورا گلاس ختم کرواؤ۔ جب یہ سو جائے تب تم سونا۔“ انہوں نے اٹھتے ہوئے باریال کو ہدایت کی وہ سر ہلا گیا۔

”اور لالہ..... خود کو اور تکلیف نہ دو بیچے۔“ انہوں

یاد آئی تھی۔ سوچ، سوچ کے دماغ ماؤف ہونے لگا تھا.....

☆☆☆

”گاؤں والوں کی نظریں دیکھو ذرا، ایک، ایک، آنکھ میں نشتر ہے۔ اس بد ذات نے ہمیں کہیں منہ دکھانے کے لائق نہیں چھوڑا۔“ ابھی، ابھی وہ زمینوں کا چکر لگا کے ڈیرے پہ پہنچے تھے۔ اور سہراب خان کو سارے راستے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ہر کوئی اس کی طرف ہی انگلی اٹھائے اشارہ اور سرگوشیاں کرنے میں مصروف ہے۔

”کیا کر سکتے ہیں اب خان؟“ دوران مگن صاف کرنے بیٹھ گیا۔

”کچھ تو کرنا پڑے گا دوران کہ لاشی بھی چاہے ٹوٹ ہی جائے اور سانپ بھی مر جائے۔“ اس کی بات پہ دوران چونکا۔

”کیا مطلب خان؟“

”مطلب صاف ہے دوران۔ کوئی ایسا درد جس سے لالہ حویلی کے ماتھے پہ لگا یہ دھما بھی مدغم پڑ جائے اور ہماری راہ بھی آسان تر ہو جائے۔“

”یہ کیسے ہو سکتا ہے خان؟“ دوران واقعی نہیں سمجھ پا رہا تھا۔ سہراب خان کی سبز ہریلی آنکھوں میں خون سا چھلکنے لگا تھا۔

”بس یوں سمجھو لوگ ہمارے داغ کو بھول کر ہمارے درد میں شریک ہو جائیں گے۔“ انہوں نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔

”بہن بھاگ گئی تو غیرت مند بھائی نے خودکشی کر لی۔ کس منہ سے واپس گاؤں آتا.....“ انہوں نے جیسے پلان بتایا تھا۔ دوران کی آنکھوں کی چمک بتا رہی تھی کہ وہ بات سمجھ گیا تھا۔ مسکراہٹ نے اس کے لبوں کا بھی احاطہ کیا تھا۔ دونوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں جیسے سارا پلان ترتیب دے ڈالا تھا۔

☆☆☆

رات کے نہ جانے کون سے پہر عجیب سے احساس سے اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اس نے چہرہ موڑ

خوب صورت مکان پھیل گئی۔

”میں جھوٹ نہیں بولتا۔ چلو اب جلدی سے یہ خالی کرو پھر سوئیں گے تو صبح آنکھ کھلے گی نہیں۔“ اور اس بار لالہ نے تیزی سے گلاس لیوں سے لگا لیا تھا۔ جیسے اسے ڈر ہو باریال اپنی بات سے پھر نہ جائے۔ اس کی پھرتی دیکھ کر وہ واقعی حیران ہوا تھا۔ زندگی سے بھرپور اس لڑکی کے دکھ نے ایک بار پھر اس کے اندر تاسف بھرنا شروع کیا تھا۔ وہ سر جھٹک گیا۔

☆☆☆

وہ سب کچھ پلان کر چکے تھے۔ ہر طرح سے تیاری مکمل تھی۔ ایک دوسرے دوسم اوپر سے ان علاقوں میں دریا کے قریب ہونے کی وجہ سے دھند بھی زیادہ پڑتی تھی۔ سب کچھ بآسانی ہونے والا تھا۔ بقول سہراب علی خان انہیں اب اس ساری جاگیر کا واحد وارث بننے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ انہیں نہ کسی کا ڈر تھا نہ کوئی شرمندگی۔ قسمت اس سے اچھا موقع پھر کب دیتی.....؟

سین کا اقتدار بھی تازہ، تازہ تھا۔ لوگوں کے ذہن میں ایسے وقت میں زیرِ آب لالہ کی خودکشی کو یہ آسانی بٹھایا جاسکتا تھا۔ ہر بندہ مان لیتا۔ کسی بھی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ اور وہ اس موقع کو بالکل بھی ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے۔ یہ موقع انہیں قدرت نے دیا تھا اور وہ فائدہ اٹھانے والوں میں سے تھے۔ ان کے خیال کے مطابق خدا ان کا ساتھ دے رہا تھا۔

انسان کی سب سے بڑی بھول یہی ہے۔ شیطان کی راہ پہ چل پڑنے کے باوجود خود کو خدا کی پناہ میں محسوس کرتا ہے جبکہ خدا دراصل اچھے لوگوں کو ان ظالموں سے اپنی پناہ میں لے لیتا ہے۔ کبھی جلد کسی دیر..... لیکن وہ کامیاب ہوتے ہیں۔ اور دھوکا کھانے والے یہ لوگ خسارہ ہی خسارہ پاتے ہیں۔ رسی لمبی ضرور ہوتی ہے لیکن فقط اسی لیے کہ انہیں پھر راہ نہ ملے۔ یہ وعید کیے گئے ہیں اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔

سہراب علی خان بھی اپنے محسنوں کی قبر کھودتے وقت قدرت کا ہر قانون بھلا بیٹھا تھا۔ وہ پلان کر رہا تھا

نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اسے سمجھایا۔ وہ سر جھکانے گود میں رکھے ہاتھوں کو دیکھتی رہی۔

”لالہ.....“ باریال نے دودھ کا گلاس اس کے قریب لاتے ہوئے اسے پکارا۔

”مجھے نہیں پتا پلینز۔“ اس نے ہاتھ سے گلاس پرے کرتے ہوئے کہا۔

”لالہ، تنگ نہ کرو۔ تم جانتی ہو اس جبریل میں تمہیں کتنی طاقت کی ضرورت ہے۔ اس طرح قطرہ، قطرہ مرنا بھی تو خودکشی ہے۔“ وہ اس کے سامنے آ بیٹھا۔

”ولی قسم سے میرا دل نہیں کرتا کچھ بھی کھانے کو پیئے کو۔“ اس کی آواز بھٹکنے لگی۔

”اچھا، آج سے پھر تمہیں کھلانے پلانے کی ڈنٹ داری میری۔ دیکھتا ہوں کیسے نہیں کھایا پیا جاتا۔“ اس نے آہستگی سے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔ لالہ کی آنکھیں بے بسی سے چمک اٹھی تھیں۔ اس نے نرمی سے ہاتھ کھینچ لیا۔

”ولی، نہ چھو کر میں مجھے۔ میرا جسم آپ کا وجود بھی ناپاک کر دے گا۔“

”اتنا غلط کیسے سوچ لیتی ہو بار۔“ باریال کو انہوں ہوا۔ ”تم کیا سمجھتی ہو ساری عمر اپنے دامن کو پاک رکھنے والا مرد گلی کا گند آسانی سے اٹھا لیتا؟“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

”مجھے تم پہ یقین ہے لالہ، تم اب بھی ویسی ہی ہو پاک اور معصوم..... میں مانتا ہوں تمہارے ساتھ حادثہ ہوا ہے لیکن حادثوں پہ ہمارا اختیار کہاں ہوتا ہے بار۔ اس پہ ممبر کر لو تو پھل ہے اور اجر ہے۔ ہر شئی کے بعد کشائش ہے۔“ وہ کسی بزرگ کی طرح اسے سمجھا رہا تھا۔

”اچھا اب دودھ ہی لو، صبح نہر کنارے لے جاؤں گا۔“ کبھی اس نے شادیز سے سنا تھا۔ سر دیوں میں لالہ کو صبح سویرے دھند میں کم نہر کنارے سے عشق ہے اور اس کے لیے وہ کچھ بھی کر سکتی ہے۔ نہ جانے کیسے یہ بات اس کے ذہن میں رہ گئی تھی۔

”ج میں۔“ وہ فوراً چمکی تھی۔ باریال کے لبوں پہ

پانچ سوال

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ”قیامت کے دن ابن آدم کے پاؤں (اپنی جگہ سے) نہیں ٹھیں گے تا وقتیکہ اس سے پانچ چیزوں کے بارے میں سوال نہ کیا جائے..... اول اس کی عمر کے بارے میں کہ اس کو کس چیز میں گنویا؟ دوم اس کی جوانی کے بارے میں کہ کس چیز میں ضائع کیا؟ سوم و چہارم اس کے مال کے بارے میں اسے کہاں سے کمایا اور کس چیز میں خرچ کیا؟ اور پنجم یہ کہ اسے جو علم حاصل ہوا اس پر کتنا عمل کیا؟“ پروردگار سے دعا گو ہیں کہ اس دن کے لیے زاہد راہ اکٹھا کرنے میں ہماری مدد فرمائے..... آمین۔

مرسلہ: شمیمہ کو کب، جہلم

اس وقت اپنا لیا جب گئے بھی میرے وجود سے خار کھانے لگے تھے۔“ اس کے لہجے میں چٹائی تھی۔

”تم مجھے باری کہیں تب بھی مجھے اچھا لگتا لیکن.....“ باریال نے اس کے لبوں کے قریب لگی بریڈ انگلی پہ اٹھالی۔

”لیکن.....؟“ آپ کو ولی اچھا نہیں لگتا.....“ وہ اداس ہوئی۔

”لیکن.....“ مجھے تمہارا ولی کہتا بہت اچھا لگتا ہے..... سب سے الگ بھی کوئی نکارتا ہے مجھے۔ اور تمہیں الگ ہی ہونا چاہیے تھا۔“ اس نے مسکراتے ہوئے بات مکمل کی تھی۔ لالہ بھی مسکرا دی تھی۔ ابھرتے سورج نے اس مسکراتے کپل کی بلایں لے لی تھیں.....

☆☆☆

رات کے آخری پہر میں بے حد سکون ہوتا ہے۔ یہی وقت ہوتا ہے جب خوش قسمت دل رب سے گفتگو

☆☆☆

صبح وہ وعدے کے مطابق لالہ کو نہر کنارے لے گیا تھا۔ ٹھنڈی تازہ ہوائ نے واقعی اس کے اعصاب پہ اچھا اثر ڈالا تھا۔ گلابی شال اوڑھے وہ اس زرد خزاں منظر میں بہاری معلوم ہو رہی تھی۔ باریال نے پہلی بار اس کی ڈھیروں تصویریں لیں اور اس سے بار بار مختلف پوز بنواتا رہا۔ کبھی، کبھی وہ ہنس، ہنس کے پائل ہو جاتی۔ کبھی چپ چاپ ویسے ٹھہر جاتی جیسا وہ کہتا۔

وہ تھک گئی تو باریال نے اسے نہر کے کنارے ساتھ نیچے جاتی بیڑیوں پہ بٹھا دیا۔

آٹھ بیجے کے قریب دھند چھٹنے لگی تھی۔ پانی اور سورج کی کرنوں کا میل ہوا تو ہر سوسونا سا جینے لگا تھا۔

باریال اب اس کے قریب بیٹھا پنج ہا کس سے سینڈ ویج نکال رہا تھا۔

”مجھے یہاں کبھی اتنی خوشی نہیں ملی جتنی آج ملی۔“ لالہ نے دورا بھرتے سورج کو کھتے ہوئے اعتراف کیا تھا۔

”تب میں ساتھ نہیں تھا۔“ باریال نے مسکراتے ہوئے سینڈ ویج اس کی طرف بڑھایا۔ وہ ہاتھ بڑھا کے لینے لگی۔

”میں کھلا رہا ہوں ناں۔“ اس نے منع کر دیا۔ لالہ کو بائٹ ہی لیتا پڑا۔

”تم خود کھاتی ہو تو آدھا چھوڑ دیتی ہو اور یہ میں نے صبح سویرے اتنی محنت سے بنائے ہیں۔ ذرا سی ناقدری بھی برداشت نہیں کروں گا۔“ اس نے مصنوعی خفگی سے کہا۔ لالہ مسکرا دی۔

”ایک بات تو بتاؤ لالہ..... تم مجھے ولی کیوں کہتی ہو۔“ اس نے خود بھی نوالہ لیتے ہوئے اچانک پوچھا۔

لالہ نے نظریں اس کے چہرے پہ جمادیں۔

”عورت کا ولی وہی ہوتا ہے ناں جو اسے عزت دے، اس کو مان دے، اس کی حفاظت کرے۔ اس کے سر پہ ہاتھ رکھے۔ میرے جیسی لڑکی کو ہر طرح سے پناہ دینے والے کو میں ولی نہ کہوں تو کیا کہوں۔ آپ نے تو

”خان بہت ظالم ہو گئے ہیں۔ اپنی ہر حد بھول چکے ہیں۔“ ان کی آنکھیں بیگم رہی تھیں اور نوالہ کھلاتے ہاتھ کپکپا رہے تھے اور سہراب خان کا دل دھک سے بیٹھا تھا۔ یہ کس حد تک بات کر رہی تھیں منورہ.....

”انہوں نے لا لا کو بھی نہیں چھوڑا۔ اور ولی کو بھی نہ چھوڑتے۔ مجھے معاف کر دیں اللہ لوک۔ میرے پاس اور کوئی چارہ نہ تھا کہ ولی اور بی بی کو یہاں سے بھگا دیتی۔ مجھے معاف کر دیں، میں آفتاب کا کا کے خاندان کو در بدر ہونے سے نہ بچا سکی۔“ وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کے رو دی تھیں.....

اور اسی رات ان کا کمر ان کی چیخوں سے گونج اٹھا تھا۔ ملازم دوڑتے آئے تھے لیکن کسی کی ہمت نہ تھی کوئی آواز دیتا اور اسی رات ہی ان کی قسمت کا بھی فیصلہ سنایا گیا۔ بیوی کا مرتبہ لے لیا گیا اور انہیں ایک لوٹری کا درجہ دے دیا گیا۔ جہاں وہ ہمیشہ رہیں گی..... اپنی موت تک..... اور اس بات کو کوئی نہیں جان پائے گا.....

”مورے زندہ ہیں۔“ اس کے رونے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ ڈائری میں آگے سین کے ملنے اور اس کی بیٹی کی عمر اور اس کی دوسری ہر معلومات کافی تفصیل سے دی گئی تھیں ساتھ اور اٹھا پلان بھی.....

اسے ایک دم ہی اس سرخ ڈائری سے خون کی بدبو آنے لگی اور ساتھ زور کی ایکاکی بھی۔ اس نے جھپکے سے ڈائری دور اچھال دی۔ دل میں درد سا اٹھا تھا۔ وہ پھوٹ، پھوٹ، پھوٹ کے رو دی تھی.....

☆☆☆

زندگی نے کیا بری طرح ہر بات ان کے سامنے لا کے رکھ دی تھی کہ نہ تو وہ اس سے منہ پھیر سکتی تھیں نہ اپنی کسی بھی بات سے مکر سکتی تھیں۔ خمیر پہ بس خلش اور کسک کی دستک رہتی..... سکون نہیں تھا۔

لالہ کو وہ کتنا سناں تھیں اور سین بھائی خاموش سی سننے جاتیں۔ ادھر ان کی بہوش راجو بھائی بھی تھی اور اب حمزہ کی بیوی نے شادی کے بعد آتے ہی رنگ دکھانا شروع کر دیا تھا۔ اسے ہر چیز میں اپنی مرضی کرنا آتا تھا۔

کرتے ہیں۔ لیکن اس روز فجر کے قریب لالہ حویلی میں قیامت جاگ اٹھی تھی۔

زریاب ولی خان کی اچانک موت کی خبر سارے گاؤں پہ قیامت بن کے ٹوٹی تھی۔ سہراب خان لاش لینے خود شہر نکل گئے تھے اور صبح جب وہ میت لے کے نکلے تو ایک اور بڑی خبر ان کی منتظر تھی۔ زریاب ولی خان کی بیوی اور بچہ غائب تھے۔ ادھر جنازہ اور دوسری طرف بالکل اچانک ان دونوں کا غائب ہو جانا..... وہ لوگوں کو تو دشمن کی کارروائی کا کہہ دیتے لیکن اندر سے بیچ و تاب کھائے بیٹھے رہے۔

ان کے چہچہ کیا ہوا تھا..... سوچ، سوچ کے پاگل ہو گئے تھے وہ..... پہلے سین اور اب اس طرح جنت بی بی ضرور کچھ تو تھا جو انہیں اندر سے تنگ کر رہا تھا۔ لیکن کا تو اب حال برا تھا۔ زریاب کی لاش کو بھی وہ نہ پہچان پائی تھی۔ تو اور کون تھا جو اس طرح ان کا پلان خراب کر سکتا تھا۔ بی بی عورت تھیں اور ولی بچہ لیکن پھر بھی وارث زندہ رہا تو کبھی نہ کسی ان کے لیے خطرہ بن سکتا تھا۔ انہیں اب سین کے ساتھ، ساتھ انہیں بھی ہر حال میں ڈھونڈنا تھا۔

پھر صرف دو ماہ بعد ضیاع علی خان ان کی زندگی میں آیا تو انہیں لگا واقعی ان کے سامنے آنے والا سب ختم ہو چکا تھا۔ بس اس سب کا کوئی وارث تھا تو ضیاع علی خان ہی تھا۔ وہ کامیاب ٹھہرے تھے اللہ نے ان کی مدد کی تھی اور انہیں سرخ رو کر دیا تھا اور واللہ..... ظالم واقعی سخت دھوکے میں ہے.....

اور صرف تین ماہ کا وقت ہی گزرا تھا جب بیج ان کے سامنے آ گیا تھا۔

اپریل کی ایک نیم چتر دوپہر میں اللہ لوک کو کھانا کھلاتی..... وہ منورہ تھیں جو ان کے ساتھ، ساتھ بات بھی کیے جا رہی تھیں۔ سہراب علی خان کسی کام کے لیے انہیں ڈھونڈتے ہوئے وہاں آئے تو ان کی بات نے ان کے قدم جکڑ لیے تھے۔ وہ اللہ لوک کو بتا رہی تھیں۔

”اندر آ جاؤ یار۔“ باریال نے وہیں سے پکارا تو وہ سر ہلاتا اندر آ گیا۔

”اندر انتظار کر لیتے۔ اس طرح باہر رکنا مناسب نہیں لگتا۔“

”ماں اکیلی تھیں گھر پہ تو..... خیر میں چاہتا ہوں ہم فاضل بات کر لیں۔ آفس میں کہو تو وہیں آ جاتا ہوں۔“

ضیاء نے ہوشیاری سے بات بتائی۔

”نہیں یار تم سے تو نہ جانے کون سا روح کا رشتہ ہے۔ کسی وقت بھی گھر آ سکتے ہو۔“ وہ مسکرایا تھا۔

”اصل میں، میں چاہتا ہوں کہ میں صرف انویسٹ کروں۔ اور پھر آپ کے ساتھ رہ کر یہ سب سیکھوں۔ مجھے کام کرنا نہیں آتا لیکن لگن بہت ہے۔ ویسے کام کی ضرورت تو نہیں ہے مجھے لیکن بس یہ ایڈ وچر..... میں کچھ نہ کچھ کرنا چاہتا ہوں سو.....“ اس نے تفصیل بتائی۔

”مجھے خود خوش ہوگی اگر تم میرے ساتھ کام کی شروعات کرو۔ مجھے خود بھی مدد کی ضرورت پڑتی ہے۔ ویسے بھی ان دنوں لالہ کے لیے وقت نکالنا مشکل ہو جاتا ہے تمہارے آنے سے یہ بھی ہینڈل ہو جائے گا۔“ اس نے خوش دلی سے کہا اور دوسرا لالہ کے نام پہ ضیا کا دل ڈوب سا گیا۔ وہ کتنے حق سے اس کا نام لے رہا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے یہ حق گنوا دیا تھا پھر بھی اس وقت اسے باریال کا لالہ کا نام لینا اچھا نہیں لگتا تھا۔

”خیریت.....؟ لالہ.....؟ آپ کی.....؟“ وہ جانتا تھا پھر بھی انجان بنا۔

”بیوی ہے میری..... طبیعت ذرا سمجھ نہیں ہے اس کی۔“ باریال کا لہجہ محبت سے بھرا ہوا تھا۔ ضیا بے ساختہ تھلا ب تھلا گیا۔ بھی اس کی نگاہ اٹھی تھی۔ گلابی شال میں لپٹی وہ لڑکی بلاشبہ لالہ ہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں وہی چمک اور بے ساختگی ابھر آئی تھی جو لالہ کے سامنے آتے ہی اس کی آنکھوں میں آ جاتی تھی۔

لالہ کی نگاہ بھی اس پر پڑ چکی تھی۔ اس کا کچھ دیر

وہ سننے والوں میں سے نہیں تھی۔ سنانے والوں میں سے تھی اور اس بار زریں بیگم جیسی عورت بھی چپ ہو کے رہ گئی تھیں۔ ایک دو بار حمزہ سے شکایت کی تو اس نے صاف جواب دیا۔

”امی پلیز آپ کی اپنی پسند ہے، آپ ہی ہینڈل کریں۔ میں نے آپ کا مان رکھ لیا کافی ہے۔“ اس کے بعد تو اسے کچھ کہنے کی جرأت بھی نہیں ہوئی۔ صبح کا ٹکٹا رات گئے واپس آتا۔ خوش تو جیسے اس کے چہرے سے روٹھ کی گئی تھی۔ زریں اسے دیکھ، دیکھ کے کڑھیں اور لالہ کو یاد کرتیں۔

انسان بھی کتنا عجیب ہے۔ احساس ہمیشہ اس وقت کرتا ہے جب وقت ہاتھ سے نکل جاتا ہے یہی تو بچھتاوا ہوتا ہے۔

ادھر اتر اچھی ٹھکھلاتی ہر جگہ آزادی سے گھومنے والی لڑکی چار دیواری میں قید ہو کے رہ گئی تھی۔ دروازہ بھی کسی کے لیے کھول دیتی تو قیامت آ جاتی۔ آغا سے روئی کی طرح دھنک دیتا تھا۔ ہر وقت اس کی کردار کشی کرتا اور اس پہ شک کی تیرنگہ ڈالے اس کی روح چھلنی کر دیتا.....

”لالہ کے پاس جاؤں گی۔ وہ معاف کر دے تو شاید خدا بھی میرے بچوں پہ رحم کر دے۔“ انہوں نے دور آسمان کو دیکھتے ہوئے کہا تھا اور ایک بے بس سا آنسو ان کے گال پہ لڑھکتا چلا گیا.....

☆☆☆

وہ گھر واپس آئے تو بیک کرولا دروازے پہ کھڑی تھی۔ باریال سمجھ گیا ضیا آیا ہوگا۔ لالہ کو کمرے میں چھوڑ کے دیدے کے کمرے میں آ گیا۔

”کوئی آیا ہے دیدے۔“

”تمہارا دوست آیا تھا۔ میں نے کہا بھی کہ اندر انتظار کر لے۔ لیکن اس نے مناسب نہیں سمجھا۔“ دیدے نے بتایا تو وہ واپس باہر آ گیا۔ اب کی بار ضیا گاڑی کے قریب ہی کھڑا تھا۔ مگر جب وہ آیا تھا تو ضیا جب شاید کسی آڑ میں تھا۔

پہلے خوشی سے دمکتا بھلا، بھلا چہرہ ایک دم فنی ہوا تھا۔ خوف سے اس کی آنکھیں پٹپٹنے لگی تھیں۔ اسے زور کا چکر آیا تھا۔ لالہ نے گرل اور ضیا ایک دم اٹھا تھا۔

باریال نے اسے اٹھاتا دیکھ کر حیرت سے مڑ کر دیکھا۔ ”ولی.....“ وہ چلائی گئی۔ باریال نے بھاگ کے لالہ کو قہقہہ لیا تھا اور خود سے لگائے اندر لے گیا تھا۔ ضیا نے ایک زبردست مکا دیوار میں جڑ دیا تھا۔ وہاں اس کا مزید رکنا محال تھا۔ وہ پلٹ گیا تھا۔

☆☆☆

ابھی کچھ سکون محسوس ہوا تھا۔ اسے لگنے لگا تھا کہ وہ اب اس حادثے کو بھول کے آگے بڑھنے لگی ہے تو قسمت ایک بار پھر ضیا علی خان کو یوں سامنے لے آئی تھی۔

باریال نے اسے خوش خبری دی تھی کہ کسی بھی قسم کی مشکل سے پہلے ہی حل نکل آیا تھا۔ ضیا علی خان ایک مضبوط پارٹنر کے طور پر اس کے پاس چلا آیا تھا۔ ضیا کا تعارف اس نے بہترین دوست کے حوالے سے کروایا تھا۔ لالہ بالکل خاموش سی ہو گئی تھی۔ اس کی وجہ سے پہلے بھی باریال پریشانی میں گھرا تھا۔ اب اگر وہ اسے بتا دیتی کہ ضیا ہی وہی آدمی ہے تو وہ برنس کی پریشانی کے ساتھ، ساتھ جی انتہا کار کا بھی شکار ہو جاتا۔ اور وہ اب اسے مزید پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن یہ بھی چاہتی تھی کہ ضیا کم از کم گھر نہ آئے۔

اس نے باریال سے درخواست کی تھی کہ کم از کم دفتر کے لوگوں کو گھر سے باہر ہی رکھے اسے اب اجنبی لوگوں سے ڈر لگتا ہے۔

”کم آن بار..... ضیا بہت اچھا انسان ہے، دوست ہے میرا۔ بانی کسی کو لایا ہوں کبھی گھر؟“ اس نے مسکرا کے ٹالا تھا۔ لالہ کے دل میں ایک میس سی ابھی۔ کاش وہ ضیا کی اچھائیاں اسے بتا سکتی۔ لیکن فی الحال اسے خاموش رہنا تھا۔ وہ باریال کو مزید دکھ نہیں دے سکتی تھی۔

”اچھا جب تک میری یہ حالت ہے پلیز جب تک کوشش کریں زیادہ گھر نہ لائیں اسے۔“ سچ میں میری

حالت عجیب ہو جاتی ہے۔“

باریال اٹھ کر اس کے پاس آگیا۔ ”بالکل خیال رکھوں گا اور کوئی حکم۔“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرایا..... وہ پُر سکون ہو کے نفی میں سر ہلا گئی تھی.....

☆☆☆

سب سے پہلے وہ ابراہیم کو لے کر سیدھا فارم ہاؤس پہنچی تھی۔ ابراہیم پہلے تو ہچکچا رہا تھا پھر اوڑھل کی حالت دیکھ کر اسے مجبوراً ماننا پڑا۔ فارم ہاؤس کے رہائشی حصے میں آتے ہی اس نے ابراہیم کو وہ ہیں انتظار کرنے کا کہا تھا اور خود اندر آگئی تھی۔ باہر آئی کل بی بی اسے دیکھتے ہی خوشی سے آگے بڑھی تھیں.....

”اوڑھل بچیا.....“

”کل بی بی..... ضیا یہاں کسی لڑکی کو لایا ہے؟“ وہ ان کا استقبال نظر انداز کرتے ہوئے تیزی سے بولی۔

”ہاں لیکن.....“

”کہاں ہے..... جلدی بتائیں وہ ٹھیک تو ہے۔“

”ہاں، اوپر کمرے میں ہے۔“ انہوں نے حیرت سے بتایا۔ وہ انہیں حیران چھوڑ کے تیزی سے اوپر بھاگی۔

کمرے کا دروازہ کھولتے ہی وہ سامنے ہی اسے نظر آئی تھی۔ لمبے سیاہ بالوں میں برش کرتی لڑکی اسے بے حد مطمئن لگی۔ اسے دیکھ کر اس کی خوب صورت آنکھوں میں حیرت سی جاگ اُٹھی۔ اوڑھل اندر آگئی۔

”تم.....“

اس نے بال سمیٹ لیے تھے اور اوڑھل کو دیکھنے لگی۔

”کون ہو تم.....؟“ نہ جانے کیوں اسے لگا وہ لالہ نہیں ہے۔ کوئی اور ہے۔

”میں زمرہ..... خان لایا ہے یہاں مجھے۔“ اس نے ڈرتے، ڈرتے جواب دیا۔

”اوہ..... سوری میں کچھ بھی یہاں کوئی اور..... خیر سوری۔“ زمرہ نے اطمینان سا اس کے چہرے پہ لہراتے دیکھا تھا۔ وہ پلٹ چکی تھی۔

محبت لفظ ہے لیکن

نہیں فرعون کے ساتھ جینے مرنے کی قسم کھانے والی آپس
اس کا رنگ لگا ہی جیے۔ قسم صرف جینے مرنے کی ہوتی
ہے اس کے رنگ میں رنگنے کی نہیں..... اور الحمد للہ ہم
سب پانی ہاں کا رنگ گہرا ہے۔ وہ بے حد مضبوطی سے
کہتی پلٹ گئی تھی۔

”اللہ پاک اس شیطان کے شر سے تم سب کی
حفاظت فرمائے، آمین۔“ زمزمہ نے دل سے دعا کی تھی۔

☆☆☆

تین دن سے مسلسل ہونے والی بارش سے سردی
میں ایک دم سے ہی تیزی آئی تھی۔ دیدے کو بخار تھا کل
سے۔ وہ ان کے لیے بجتی بتاری بھی جب باریاں، ضیا کو
لے گھر آیا۔ دونوں کے کپڑے بھیکے ہوئے تھے۔ باریاں
اسے لے کر اندر ہی چلا گیا۔ وہ چپ چاپ انہیں نظر
انداز کیے کام میں مصروف رہی۔

”مقدر ہے ناں، میرا حصہ بن جانے کے باوجود
تم مجھ سے کتنی دور ہو۔“ مسکراتی اداس سی آواز یہ وہ جھٹکا
کھا کے پلٹی تھی۔ ضیا سلیب سے ٹپک لگائے کھڑا تھا۔
”ولی کہاں ہیں؟“ لالہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔
”پہنچ کر رہا ہے۔“ ضیا نے توجہ سے اسے دیکھتے
ہوئے جواب دیا۔

وہ وہاں سے نکلے گی۔ ضیا اس کے سامنے آگیا۔
”اس دن کا انتظار کرو لالہ۔ جب میں تمہیں
دوبارہ پالوں۔“

”مومن ایک سوراخ سے پار، ہار نہیں ڈسا جا سکتا
ضیا علی خان۔“ لالہ کی آواز زخم، زخم زخم۔
”دیکھ لو گھر کے اندر تک تو آگیا ہوں۔ تمہارے
اندر بھی سانس لے رہا ہوں بس اب تم تک پہنچنے کا راستہ
ڈھونڈنا ہے، مل جائے گا وہ بھی۔“ اس کی آواز میں مسرت
سی کھلی تھی۔

”تمہیں کیا لگتا ہے میں وہ سب بھول جاؤں گی۔“
”میں بھی یہی کہہ رہا ہوں، میں بھی نہیں بھولا پا
رہا۔“ اس کا ڈھچکا گہرا ہوا۔

”تم کبھی بھول بھی نہیں پاؤ گے ضیا..... توبہ،

”آپ لالہ کو ڈھونڈنے آئی تھیں۔“ اس نے کہا
اور اوزگل کے قدموں کے ساتھ جیسے دل بھی رکھا تھا۔ وہ
تیزی سے پلٹی تھی۔

”لالہ کو بھی یہاں لایا گیا تھا۔“ زمزمہ اب چٹیا بنا
رہی تھی ساتھ بول بھی رہی تھی۔ اس کی آواز میں دکھ تھا۔
”لیکن اسے واپس بھیج دیا گیا.....“ اس نے نظر
اٹھا کے اوزگل کو دیکھا۔

”پوری طرح براؤ کر کے بعد۔“
”کیا مطلب؟“ وہ لرز گئی۔

”مطلب تو مجھے خود آج تک سمجھ نہیں آیا۔ میں
ایک طوائف جسے ضیا علی خان نے یہاں پناہ دی اور مجھ پر
آج تک ایک بری نگاہ تک نہ ڈالی اور لالہ ایک پارسا
لڑکی اور خان نے اسے تار، تار کر ڈالا.....“

”ضیا ایسا نہیں کر سکتا۔ کبھی نہیں۔ وہ میرا بھائی ہے۔
میں جانتی ہوں اسے۔“ اس کا دل درد سے بھٹکتا تھا۔

”بالکل۔“ خان ایسا بالکل بھی نہیں کر سکتے۔ میں
اس کی زندہ مثال ہوں لیکن یہ سب خان نے نہیں خان
کے باپ نے کیا۔ خان کو نشے میں دھت اس حد کو پار
کرنے سے مجبور کر دیا لیکن خیر اب تو سب تباہ ہو چکا وقت
پلٹ نہیں سکتا..... یا شاید پلٹ ہی آئے۔“ بے فکری سے
بُنی چوٹی پیچھے اچھالتے اس نے کہا تھا۔

”آپ کی تعریف پوچھ سکتی ہوں۔“
”ضیا کی بہن ہوں میں لیکن مجھے بہت دیر ہو
گئی۔“ اس کی آواز کمزور تھی۔

”اب بھی دیر نہیں ہوتی..... مقدر ساری بازی
مات کبھی نہیں کرتا..... کچھ نہ کچھ شے بھی بچا کے رکھتا
ہے۔ اب زندگی کا داؤ کھیلنے والے پہ ہے وہ کیسا داؤ کھیلتا
ہے۔“ وہ مسکراتی تھی۔

”ویسے ایک بچ کہوں گی۔ پہلے خان کو اور اب
آپ کو دیکھ کر مجھے واقعی حیرت ہو رہی ہے۔ سہرا ب علی
خان جیسا شیطان اتنے اچھے بچے کیسے جنم دے سکتا ہے۔“
”ماں بھی بہت بڑی طاقت ہے۔ باپ کی برائی پہ
ماں کی اچھائی غالب آجائے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ ضروری

ترب کے مرو گئے تم۔“ اس نے بد دعا دی۔۔۔۔۔

”چلو“ وہ دو قدم آگے آیا۔

”مروت جاؤں گا ناں۔“ مسکراتی نظریں لالہ کے

چہرے پہ جمادیں۔

”بس یہ بھی کافی ہے۔“ وہ ویسے ہی سکون سے

بولتا تھا جو اس کے وجود پہ طاری رہتا تھا۔ لالہ کو اس کی۔۔۔۔۔

جسے کسی پہ غصہ آیا وہ تیزی سے اس کے پہلو سے نکلتی چلی گئی۔

ضیاء علی خان نے پلکیں موند کے جیسے اس کا گلانی عکس

آنکھوں میں قید کیا تھا۔۔۔۔۔

وہ آج بے حد خوش تھا۔ اتنے عرصے بعد اس نے

نہ صرف لالہ کو اپنے سامنے دیکھا تھا۔ بلکہ اس سے بات

بھی ہوئی تھی۔ اس حالت میں وہ کس قدر معصوم اور ادا اس

لگ رہی تھی۔ یہ رنگ اسے اور بھی خوب صورت بنا گئے

تھے۔ اسے لگ رہا تھا یہ سب رنگ اس کی بدولت ہیں۔

ضیاء علی خان کی بدولت۔۔۔۔۔ اس کی خوب صورتی پہ حق

صرف اس کا تھا۔ باریال اس کے سامنے بہت کمزور تھا۔

ایک دفعہ وہ اسے مکمل اعتماد میں لے لیتا پھر کسی بھی طرح

وہ لالہ کو حاصل کر سکتا تھا اور اس وقت تک کسی نہ کی طرح

لالہ سے ملاقات ہو جانا اس کے لیے بہت معنی رکھتا تھا۔

☆☆☆

وہ لاؤنج میں داخل ہوا تو اوزگل اس کی منتظر تھی۔

”لالہ کے گھر سے آرہے ہو؟“ سوال اس قدر

اچانک تھا کہ وہ ساکت رہ گیا تھا۔

”کون لالہ؟“ اگلے ہی پل وہ ہمیشہ کی طرح اپنا

اعتماد بحال کر چکا تھا۔

”سین پمپو کی بیٹی۔۔۔۔۔ سزباریال۔“ اوزگل کے

لہجے میں سختی بھراتی۔ سزباریال پہ ضیا کی پیشانی سلوٹ

زدہ ہوئی۔

”یہ شادی نہیں۔ بس لالہ کی مجبوری ہے۔“ اسے

لگا اب کوئی بات بنانا فضول ہے۔

”تو کیوں کیا اتنا مجبور؟“ اسے شاکد لگا اور

شرمندگی بھی۔ بی بی اس کا گناہ جان چکی تھیں۔ وہ اس بار

نظریں جھکا گیا۔

”اور اتنا گھٹاؤنا کام کرنے کے بعد اب جب وہ

اپنے گھر میں بس گئی ہے تو وہاں بھی تم پہنچ گئے۔ کیوں خود

کو سہراب علی خان کا خون ثابت کرنے پہ تلے ہونیا۔“

”میں انہی کا خون ہوں۔“ وہ اپنے کمرے کی

طرف بڑھا۔۔۔۔۔

”ہا۔۔۔۔۔ واقعی میں بھول گئی تھی کہ تم اسی شخص کے

بیٹے ہو جس نے اپنی بیوی کو طلاق دے کر مردہ قرار دے

دیا۔“ ضیا کے بڑھتے قدم رکے۔

”اور پھر لوٹتی بنا کے اسے بڑی شان سے

استعمال بھی کرتا رہا۔“

”مطلب کیا ہے آپ کا بی بی۔۔۔۔۔“ وہ غصے سے پلٹا۔

”مورے زندہ ہے ضیا۔۔۔۔۔ اور جو کچھ تم نے لالہ

کے ساتھ کیا، اتنے سالوں سے سہراب علی خان، مورے

کے ساتھ کر رہے ہیں۔ کتنا آسان ہے ناں تم باپ بیٹے

کے لیے عورت سے کھیلنا۔“ اس کے لہجے میں نفرت

پھٹکا رہی تھی۔

”میں نے جو کچھ کیا اس میں میرا قصور نہیں۔۔۔۔۔

اور مورے زندہ ہے آپ کو کیسے پتا؟ وہ اب اس کی

آنکھوں میں دیکھتا اس کے سامنے کھڑا تھا۔

”یہ پڑھ لو۔۔۔۔۔ سہراب علی خان کا اعمال نامہ۔

اپنے ہاتھوں سے لکھا۔ پھر بھی یقین نہ آئے تو حویلی جا

کے پرانے حصے کے زیر زمین زندان کو کھلو لیتا۔۔۔۔۔ اللہ

لوگ بھی زندہ ہیں اور ان سے میں مل بھی چکی ہوں۔“

نفرت سے سرخ ڈائری اس پہ اچھاتی وہ باہر نکل گئی تھی۔

ضیا نے حیرت سے اسے باہر جاتے دیکھا تھا پھر جھک کر

وہ بد نما رنگ والی ڈائری اٹھائی تھی۔ جو دیکھنے میں بھی

خون سے تھری محسوس ہو رہی تھی۔۔۔۔۔

☆☆☆

جول، جول وہ سرخ لفظ پڑھتا جا رہا تھا۔ اسے خود

اپنی ذات سے نفرت ہوتی جا رہی تھی۔ کوئی انتقام نہ تھا۔۔۔۔۔

کوئی ذاتی خار نہ تھی۔۔۔۔۔

نہی کوئی زیادتی۔۔۔۔۔

صرف ذاتی لالچ تھا۔ طبع تھا۔۔۔۔۔

بھرے سفید گال بھگونے لگے تھے درود شید تر تھا۔۔۔۔۔

☆☆☆

بچ کہا تھا کسی نے ایک در بند ہوتا ہے اللہ پاک دس دروازے اور کھول دیتا ہے۔ اسے ابھی کوئی مسئلہ ہوا نہیں تھا اور اللہ پاک نے فیاضی خان کی صورت اسے ایک اچھے دوست کی صورت نواز دیا تھا۔ وہ بڑس کی سمجھ بوجھ میں بہترین تھا۔ باریال اس کی ذہانت کا دل سے قائل ہو چکا تھا۔ صرف چھ ماہ کے مختصر عرصے میں وہ دونوں دروازے علاقوں میں بھی باریال کے خوابوں کے مطابق ایک مختصر لیکن بہترین ہوٹل چمین بنانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔۔۔۔۔ اور اس میں زیادہ کریڈٹ بلاشبہ فیاضی خان کو ہی جاتا تھا۔ اس نے دن رات ایک کر دیا تھا۔ اور اس کے تعاون کی وجہ یہ تھی کہ باریال، لالہ کو مکمل وقت دے پاتا تھا ان چھ ماہ میں فیادو بارہ ان کے گھر نہیں گیا تھا۔ باریال کے بے حد اصرار پہ بھی اس نے منع کر دیا تھا۔ لالہ پہلے تو کچھ دن اس کے نہ آنے پہ بھی دلالتی ہی رہی۔ پھر ایک دم سے باریال کو اتنا مصروف اور مطمئن دیکھ کر وہ بھی مطمئن ہو گئی تھی۔ پھر فیادو بارہ گھر نہیں آیا تھا، یہ بھی اس کے لیے اطمینان بخش بات تھی۔ اس کی صحت کافی اچھی ہو گئی تھی۔ اداسی کی جگہ عجیب سی خوشی اس کا احاطہ کرنے لگی تھی۔ دیدے اور باریال اس کا بہت خیال رکھتے وہ آہستہ آہستہ درود کو بھول کر شکر اہنانے لگی تھی۔ زندگی نے جیسے بہت کچھ لے کر بے حد نواز بھی دیا تھا۔ بس کبھی، کبھی ماں کی یاد اس کی دے جاتی تھی۔ وہ لالہ کا ان سے خوار تھی لیکن وہ تو ماں تھیں۔ اس نے تو یہی سنا تھا ماں اپنی اولاد سے بھی نہیں روتی تھی۔ اور اس کی ماں نے تو یوں منہ پھیرا تھا جیسے وہ واقعی ان کے لیے ہمیشہ کے لیے مر گئی تھی۔ شادیں انہیں ہمیشہ اس سے زیادہ عزیز رہا تھا لیکن اتنا عزیز تھا کہ وہ اس کے لیے خود اسے بھی چھوڑ سکتی ہیں یہ اندازہ اسے اب ہوا تھا۔ پھر بھی وہ اب خود کو سنبھالنا سکھ چکی تھی۔ اس حادثے نے جو سب سے بڑی چیز اسے سکھائی تھی۔ وہ شکر تھا۔۔۔۔۔ وہ شکر کرنا سکھ گئی تھی۔

☆☆☆

مخمسوں سے نفرت تھی۔۔۔۔۔

اور جانکد ادکی ہوس۔۔۔۔۔

کیا کچھ ڈاؤن لگایا گیا۔۔۔۔۔

کتنے رشتے، کتنے اعتبار ڈاؤن لگائے گئے تھے۔

اور وہ، اس کا تو کردار تک غلیظ کر دیا گیا تھا جسے

ساری عمر کوٹھے کی چوٹ سے بھی وہ پورے قد سے بچا

لایا تھا اور سہراب علی خان نے۔۔۔۔۔

سب سے تکلیف دہ تحریر اس کتاب میں اس کی

ماں تھی۔

اس عورت کا ہر درد، ہر اذیت کس قدر لذت

سے تحریر کیا گیا تھا۔۔۔۔۔ اور آخری صفحے ابھی بہت کچھ

پانے کی حسرت دکھا رہے تھے اور بھی سخت ڈپریشن

کے عالم میں آخری کچھ صفحات پلٹتے ایک نام نے اسے

چونکا یا تھا۔۔۔۔۔

”باریال ولی خان۔۔۔۔۔ زیباب ولی خان۔۔۔۔۔ کی

آخری نشانی۔۔۔۔۔ ایک آخری خطرہ۔۔۔۔۔“ اور نیچے پھر اس کی

کچھ تفصیل تھی۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے اس

ایگریمنٹ کی کاپی نکالی جو اس کے اور باریال کے مابین

ہوا تھا لیکن اسے اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ یہی وہ اسے

ایک دروازے میں ڈال کر بھول گیا تھا۔ اس وقت صرف وہی تھا

جو اس کے خدشے کی تصدیق یا نفی کر سکتا تھا اور جیسے ہی اس

نے وہ ایگریمنٹ کھول کے باریال کے آئی ڈی کارڈ کی

فوٹو کاپی چیک کی۔ اس کا خدشہ صحیح نکلا تھا۔ وہ باریال تھا۔

اس کا چچا زاد بھائی۔ آفتاب ولی خان کا صحیح وارث۔۔۔۔۔

اس نے تھک ہار کے سر بیڈ کے کراؤن پہ گرا دیا تھا۔۔۔۔۔

پہلی بار اس کی ہر خواہش دم توڑتی جا رہی تھی۔۔۔۔۔

دولت نہیں چاہیے۔۔۔۔۔

جائیدادیں چاہیے۔۔۔۔۔

لالہ بھی نہیں چاہیے۔۔۔۔۔ وہ مجھے ڈیزور نہیں کرتی۔

سانپ کا بچہ بھی سانپ ہی ہوتا۔

وہ باریال کو ہی ڈیزور کرتی ہے۔۔۔۔۔

فیصلے ہوتے گئے تھے۔

اس کی بند آنکھوں سے بہتے آنسو اس کے بھرے،

پچھلے سات ماہ کی انکشن کمپن نے انہیں اتنا نہیں تھکا یا تھا جتنا ضیا کی ان چند ماہ میں ان سے دوری نے انہیں بوڑھا کر دیا تھا۔ ان چند ماہ میں ایسا کیا ہو گیا تھا اٹوٹھا کہ وہ ان سے اس قدر دور ہو گیا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پائے تھے۔ جہاں تک لالہ والے معاملے کا تعلق تھا اس کے بعد سے وہ ذرا ناراض تھا لیکن بہر حال ان سے رابطے میں تھا لیکن اب تو وہ ان کی کال اٹھا تا تھا نہ ہی ان سے ملتا تھا۔ کئی بار وہ بتاتا ہے اس سے ملنے کے لیے اچانک فارم ہاؤس بھی گئے لیکن نہ جانے اسے کیسے خبر ہوئی اور وہ ان سے پہلے ہی وہاں سے نکل گیا تھا۔ ان چند ماہ میں اس سے نہ مل کر انہیں اپنی جان نکلتی محسوس ہوتی تھی۔

انہی دنوں مینے کے سپر فٹم ہوئے تو باء نے انہیں گاؤں بلا لیا۔ ایک سیاسی دوست کی طرف سے گل مینہ کے لیے رشتہ بیجا گیا تو یہ پہلی بار تھا جب سہرا علی خان نے بالکل الگ سوچا۔ گل مینہ میں ان کی جان بستی تھی۔ اور اس خاندان میں اس کی شادی ہونے سے نہ صرف خود مینہ کی زندگی سنور جاتی بلکہ ضیا کو بھی بہترین پارٹنر مل جاتے۔ ان کی زندگی ہر لحاظ سے مکمل تھی اب وقت آ گیا تھا وہ بچوں کے لیے بروقت مضبوط فیصلہ لے لیتے۔

اس بات سے انجان کہ کچھ فیصلے قدرت بس اپنے اختیار میں رکھتی ہے۔ ان میں انسان کی ایک ذرے جتنی بھی مرضی کی منجائش نہیں رہتی۔

☆☆☆

دروازے پہ ہونے والی دستک سن کر نہ جانے کیوں اسے عجیب سا احساس ہوا۔ دیوے نماز پڑھ رہی تھیں۔ وہ خود کو بڑی سی چادر میں چھپاتی دروازے کی طرف آگئی۔

”کون؟“ اس نے دھیرے سے پوچھا۔

”لالہ.....“ آواز نے گویا اس کا دل جھڑکا دیا تھا۔

اتنے دن بعد کسی اپنے کی آواز..... اس نے فوراً دروازہ کھول دیا تھا اور سائے ٹھڑی پچھو سے لپٹ گئی تھی۔ انہوں نے بھی اس کا بھرا، بھرا وجود خود میں سولیا تھا۔ وہ دونوں کتنی

ہی دیر ایک دوسرے سے یونہی لپٹے روتی رہیں۔

”لالہ..... بری بات بیٹا..... اندر آنے دو انہیں۔“ دیدے انہیں نہیں جانتی تھیں لیکن جان گئی تھیں مدت بعد کسی اپنے کو لالہ کی یاد آئی تھی۔ انہوں نے محبت سے لالہ کو ہدایت کی۔ وہ شرمندہ سی پچھو کو لے کر اندر اپنے کمرے میں آگئی۔

”کیسی ہولالہ؟“ پچھو نے اس کا خوب صورت گلابی چہرہ چھوتے ہوئے پوچھا۔

”میں ٹھیک ہوں بالکل..... آپ کیسی ہیں پچھو..... حمزہ، اقرا، اقرار..... خوش تو ہے ناں؟“ وہ سوال پہ سوال پوچھنے لگی۔

”چشمیں کیا لگتا ہے لالہ، زرینہ کی فطرت بدل سکتی ہے۔“ انہوں نے اپنا نام لے کر اداسی سے کہا۔

”کیا مطلب پچھو.....؟“ وہ جی بھر کے حیران ہوئی۔

”بیٹا لالہ کے کب میں تمہارے یا تمہارے باپ کے در پہ آئی ہوں بیٹا.....“

”ایسا نہ کہیں پچھو..... وہ گھر بھی آپ کا تھا یہ بھی آپ کا، جب دل کرے آپ آجایا کریں۔“ وہ خوش تھی..... بے حد خوش.....

”اقرا کی زندگی خارے خار ہے بیٹا..... وہی خار جو کبھی میں تمہاری راہ میں بہت خوبی سے بچھائی تھی وہ سب نہ جانے کیسے اقرار کے راستے میں بچھ گئے۔“

”اللہ نہ کرے پچھو۔“ وہ کانپ گئی۔

”اللہ پاک تو بار، بار ہمیں روکتے ہیں کہ ہم ایسا نہ کریں۔ لیکن ہم کر جاتے ہیں..... اور یہ بھول جاتے ہیں کہ رب نے عید کی ہے سب پلٹ کے آتا ہے اچھایا برا..... ہر عمل..... اور دیکھو لالہ..... میرا سب کچھ کیا کرایا میری اقرار کے آگے آگیا..... مجھے معاف کر دو لالہ..... میری اقرار کی زندگی آسان ہو جائے گی۔“ وہ دونوں ہاتھ جوڑے رو دی تھیں۔ لالہ بے بس سی انہیں دیکھنے لگی۔ لب جیسے سل گئے تھے۔ آنسو ابدہ اب بھی آنکھوں سے رواں تھے۔

(باقی آئندہ)

والی تھیں کہ عابد میاں سے اپنی نسبت ہونے کا سن کر
زار و قطار روٹی انھیں اور بچپا کے گلے لگ کر پولیس۔
”بچیاں سر جاؤں گی۔“ ابھی کل ہی کی تو بات
تھی وہ اپنی سہیلیوں میں بیٹھی سارے خاندان کے
لوگوں پر تھمرے کر رہی تھیں۔ عابد میاں کے ذکر پر
انہوں نے ہنستے، ہنستے کہا تھا۔
”بھئی آدی بے شک بیوقوف ہو کر شکل سے تو۔۔۔
بیوقوف نہ لگے۔ یہ عابد بھائی تو ایمان سے شکل سے ہی
بیوقوف لگتے ہیں۔“ اس پر شوخ و چٹیل نسرین نے کہا۔

”بس، بس۔۔۔۔۔ ہم نے فیصلہ کر دیا ہے اور ہم
اس فیصلے کے خلاف ایک لفظ بھی سننا گوارا نہیں کر
سکتے۔“ خان بہادر صاحب نے آخری فیصلہ سنا کر گویا
اس کی بد قسمتی پر آخری مہر ثبت کر دی۔ ایک تو لڑکیاں
چاہے جس دور کی ہوں ویسے ہی بچاری مجبور ہوا کرتی
ہیں اور پھر اس دور کی لڑکیوں کا اونچی آواز سے بولنا تو
کجا باپ کے سامنے کھلے سر آنا بھی گناہ تھا۔ بھلا وہ
شادی بیاہ کے اہم معاملوں میں لب کشائی کی جرأت
کیسے کر سکتی تھیں۔۔۔۔۔ یہ تو نجمہ خانم ہی اتنے دل گردے

پنڈا میں اپنی آگ

ثریا منرخ



”بی بی! اتنی برائی نہ کرو، کیا پتا یہ ہی تمہاری قسمت میں لکھے ہوں۔“

”اللہ نہ کرے۔“ نجمہ خانم دہل کر پولیس۔۔۔۔۔
 ”ان سے بھلا کون شادی کرے گا۔“ بھیگی کی کہی بات کس انداز میں پوری ہوتی ہے کسی کو نہیں معلوم۔۔۔۔۔

تقدیر نے انہی ”بیوقوف“ عابد میاں کو ان کا شریک زندگی بننے کا ”شرف“ بخش دیا۔

ہونی شدنی ہو کر رہتی ہے۔ یہاں تو نجمہ بی کی آہ و زاریاں کام آئیں نہ ان کی اور بیجا کی مشترکہ دعائیں۔ اسی سال شوال کی سات تاریخ کو وہ آہوں اور سسکیوں میں بیگم عابد بن کر رخصت ہوئیں۔ تقدیر کی اس۔۔۔ نا انصافی نے ان کے ہونٹوں پر وہ مہر خاموشی لگا دی۔ جس نے انہیں کم سخن اور خاموش دہن جیسے خطاب کا مستحق ٹھہرا دیا۔ نجمہ خانم نے اپنا دل مار لیا۔ جو بندہ انہیں ایک آنکھ نہ بھابھا تھا اس کے لیے جتنا سنوڑنا کیسا؟ انہیں عمدہ لباس سے دلچسپی رہی نہ زیور سے۔ نہ گھونٹنے پھرنے سے اور نہ ہی ملنے جلنے سے۔۔۔۔۔ بس ایک زندہ لاش کی طرح عابد میاں کے ساتھ زندگی گزار رہی تھیں۔

نفرت خواہ کتنی ہی کیوں نہ ہو۔۔۔۔۔ عورت نفرت کا اظہار اس طرح بر ملا بھی نہیں کر سکتی کہ شوہر کو اپنے قریب ہی نہ آنے دے۔ نجمہ خانم بھی طوعاً و کرہاً عابد میاں کے ساتھ گزرے لمحات میں چار بچوں کی ماں بن گئیں۔ سب سے بڑے شاہد میاں پھر شاہدہ و عذرا اور پھر سب سے چھوٹے انور میاں۔۔۔۔۔ شاہد میاں ان کی آنکھوں کا نور تھے، وہ بی وہ واحد ہستی تھے جنہوں نے اپنی معصوم شرارتوں سے نجمہ خانم میں جینے کی امنگ پیدا کر دی تھی۔ وقت کا گزر گیا۔۔۔۔۔ وقت کا کام ہی گزرتا ہے، بچے بڑے ہو گئے۔ نجمہ خانم کو عابد میاں کی ہر اہمی اور پھر بیوی کے غم نے وقت سے پہلے بوڑھا کر دیا۔۔۔۔۔ کمزور و حان پان جسم۔ سفید بالوں اور مدقوق چہرے کو دیکھ کر کوئی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ بھیگی اتنی حسین بھی ہوں گی۔۔۔۔۔ ان کے حسن کا صحیح پرتو شاہدہ اور شاہد تھے۔ شاہد میاں کو دیکھ کر لگتا کہ کوئی یونانی شہزادہ

بھٹک کر ان کے یہاں آ گیا ہے۔ اتنی اچھی شکل صورت، اس پر بھر پور ذہانت، سونے پر سہاگا۔۔۔۔۔ دونوں خویوں نے انہیں تھوڑا سا مغرور بنا دیا تھا۔ مگر وہ دل کے اچھے تھے۔ اب وہ عمر کے اس دور میں تھے کہ جب کائنات خواہ خواہ ہی حسین لگتی ہے۔ معمولی باتیں بھی اہم لگتی ہیں، کائنات کے اس حسین لگنے میں ”نکمہ“ کا بھی ہاتھ تھا۔ نکمہ وہ حسین لڑکی جو بہت لیے دیے رہتی۔۔۔۔۔ نہ جانے کب اور کیسے ان کے من میں سائی اور ایسے سائی کہ اس کے سوا اور کوئی بھی انہیں حسین نہ لگتا۔ وہ چپ چاپ اسے چاہے جارہے تھے۔ اس بات سے بے نیاز کہ یہ آگ اس طرف بھی لگی ہے یا نہیں۔۔۔۔۔ نکمہ۔۔۔۔۔ ان کی بہن شاہدہ کی بہت گہری سبکی تھی۔ دونوں بی اے میں ساتھ، ساتھ داخل ہوئیں۔ شاہدہ اور نکمہ کے مضامین بھی ایک تھے اور طبیعت بھی۔۔۔۔۔ جلد ہی دونوں کے گھروں میں میل جول شروع ہو گیا۔ اکثر وہ شاہدہ کے ساتھ اس کے گھر آتی اور دونوں مل کر اسٹڈی کرتیں۔

شاہدہ پر یہ راز بھی نہ نکلتا۔۔۔۔۔ کہ جو آگ اُدھر لگی ہے وہ بی اُدھر بھی ہے۔ اگر اچانک وہ اس دن بہن کے کمرے میں نہ چلے جاتے۔

یہ ایک گرم دوپہر تھی۔۔۔۔۔ سخت غیر شاعرانہ موسم تھا۔۔۔۔۔ وہ انتہائی پوریت محسوس کر رہے۔ بھیجی انہوں نے بہن سے کوئی اچھی سی کتاب لینے کا سوچا۔ یہ بی سوچ کر وہ اس کے کمرے میں آئے۔ مگر یہ کیا میز پر پاؤں دھرے بیوی ادا سے گود میں رکھی وہ ان کی تصویر کو دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

شاہدہ کمرے میں نہیں تھی۔ ذرا آگے بڑھے تو گھبراہٹ میں نکمہ کے ہاتھ سے تصویر گر پڑی۔ شاہدہ کا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔ وہ خوشی سے جموم اٹھے۔

”سوری۔۔۔۔۔“ وہ کہہ کر ذرا سا پیچھے ہٹے اور سرخ ہوتی نکمہ کو دیکھ کر بولے۔ ”نکمہ۔۔۔۔۔! میں بہت خوش نصیب ہوں۔“ جذبات کا طوفان آنکھوں میں لیے وہ جلدی سے پلٹ آئے۔ کتاب کا کسے ہوش تھا، گرم



آسیہ عامر کراچی

کی کیونکہ دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک، پھونک کر پیتا ہے، بھلا وہ شاہدہ کی مرضی کیسے نہ پوچھتیں..... وہ اپنی بیٹی کو اس صلیب پر کیسے لٹکا دیتیں..... جس پر وہ خود ساری زندگی لٹکتی رہی تھیں..... یعنی ایسے شخص کے ساتھ زندگی گزارنا جو آپ کو پسند ہی نہیں ہو..... انہیں ایسے شخص کے ساتھ زندگی گزرونی پڑی جس سے انہیں چڑھتی..... پھر بھی انہوں نے صبر شکر سے وقت گزار دیا..... ”اے مجبوری کیا تیرا ہی نام عورت ہے؟“ بچوں کی خاطر، باپ کی عزت کی خاطر اور دنیا داری کی خاطر انہوں نے اس صلیب پر لٹکتا گوارا کیا اور زندگی بتا دی..... شاہدہ کی ہاں نے ان کے حوصلے بلند کر دیے اور انہوں نے خوشی، خوشی شاہدہ کو فہیم کے ساتھ رخصت کر دیا۔

اس کی شادی والے دن ننگہ نے عتابی ستاروں والی حیدر آبادی فراک اور چوڑی دارپا جامہ پہنا..... ہلکا،

موسم اب ان کے لیے مہکتی بہار بن چکا تھا..... وہ بہار جو اچانک ہی ان کی خزاؤں کو مہکتی فضاؤں میں بدل چکی تھی..... گرم لو انہیں مست ہوا کے جھوکے محسوس ہو رہے تھے، جس سے ان کی روح تک ٹھنڈک محسوس کر رہی تھی۔ ”ننگہ، ننگہ، ننگہ.....“ دل کی دھڑکن ایک ہی نام الاپ رہی تھی۔ نظر میں ابھی تک وہ سرخ ہوتا شرمیلا چہرہ گھوم رہا تھا۔ گھبراہٹ اور شرم جس پر ساتھ، ساتھ آئی تھیں..... دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو رہی تھیں۔ روح گنگنا رہی تھی..... ”ننگہ تم میری ہو، تم میری ہو.....“ پھر انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ شاہدہ کی شادی ہوتے ہی وہ ننگہ کو مانگ لیں گے۔ امی، وہ تو اپنے بیٹے کی پسند پر ہزار جان سے فدا ہو جائیں گی..... امی جنہوں نے ان کی کوئی بات بھی کبھی نہ ٹالی..... انہیں خود پر اعتماد تھا اور امی پر یقین.....

اور ایک دن انہوں نے ننگہ سے اس کا اقرار بھی کر دیا۔

”ننگہ.....! تم میری بڑی.....؟“ ننگہ کی جھکی پلکوں اور شرمیلی مسکراہٹ سے انہیں جواب مل گیا۔ امی سے ابھی کچھ کہنا قبل از وقت تھا۔ ننگہ کے لی اے ہونے کے بعد ہی اس چاند کو ان کے گھر کے گنگن میں اترتا تھا۔ شاہدہ جانتے تھے..... وہ خوش شکل بھی وہیں خوش اطوار بھی..... اچھا خاندان، اچھی تعلیم اور اچھی نوکری..... بھلا ان کے لیے انکار کا کسی کے پاس کیا جواز ہوگا..... ایسے لڑکے کو کون داماد بنانا پسند نہ کرے گا..... پھر وہ جذبہ جواں کے دل میں ننگہ کے لیے تھا..... وہ سب پر بھاری تھا۔ شاہدہ مطمئن تھے اور ننگہ..... وہ تو جیسے بادلوں میں اوپر ہی اوپر اڑتی جا رہی تھی..... اس کا محبوب اسے اتنا چاہتا ہے..... اسے دیا میں اور کیا چاہیے۔

ابھی دنوں نجمہ خانم کے بھائی نجم الحسن نے اپنے بڑے بیٹے فہیم کا رشتہ شاہدہ کے لیے مانگ لیا..... فہیم ڈاکٹر تھا، اپنے سگے بھائی کا بیٹا، نیک چلن، نیک اطوار نجمہ خانم نے اللہ کا نام لیا..... بیٹے سے مشورہ کر کے رشتہ طے کر دیا البتہ انہوں نے بیٹی کی مرضی ضرور معلوم

بیٹے کی آنکھوں کی وہ چمک نظر آ رہی تھی جو مکہ کو دیکھتے ہی آ جاتی تھی..... انہیں فہیم کی صورت بھی نظر آ رہی تھی جو نظریں جھکائے رکھتی یوں اس کی آنکھوں کا عیب نظر نہ آتا اور وہ ٹھیک ٹھاک لگتی..... مگر یہ صورتوں کا معاملہ نہ تھا، یہ تو دلوں کا معاملہ تھا..... ان دونوں صورتوں کے درمیان انہیں اپنی بیٹی شاہدہ کی صورت سب سے نمایاں نظر آتی جس کے ہاتھوں کی مہندی، سہاگ کی چوڑیاں اور ماتھے پر چاڑھا جھللاتا..... کہیں ان کا فیصلہ اس نیلے کو اتار کر اس کے رنگین آنکھوں کو سفید آنکھوں میں بدل دیتا..... یہ فیصلہ ان کی بیٹی کی آنکھوں کی جوت کو بھاد دیتا اور یہی فیصلہ بیٹے کی آنکھوں کی چمک کو بھی بجھا سکتا تھا۔

”شاہدہ کو دیکھو یا شاہدہ کو؟“ ساری رات نجمہ خانم انگاروں پر لپکتی رہیں ان کی اپنی زندگی ان کی آنکھوں کے سامنے پھرتی رہی..... کیا شاہدہ بھی ساری زندگی وہی عذاب سہے گا جو انہوں نے سہا..... کیا..... کیا ناپسندیدہ لڑکی سے شادی اس کی ساری زندگی برباد کر دے گی.....

”نہیں، نہیں میں اس آگ میں اپنے بچے کو جلنے نہیں دوں گی مگر شاہدہ.....؟“ کئی سوالیہ نشان ان کے سامنے آن کھڑے ہوئے۔

صبح ہوتے ہی انہوں نے فیصلہ کر لیا..... اگر شاہدہ خود راضی ہو تو وہ بیٹی کی خوشیاں بچالیں گی..... ورنہ خود سے وہ کبھی فہیم کے لیے رشتہ نہیں دیں گی۔

”شاہدہ بیٹے.....“ اگلی صبح ساری صورت حال بتانے کے بعد انہوں نے سترم آنکھوں سے امید و بیم کی کیفیت میں بیٹے کو دیکھا..... ”بیٹا..... تمہارا کیا فیصلہ ہے؟“

”ہاں، امی میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں فہیم سے ہی شادی کروں گا..... شاہدہ کا سہاگ بچالوں گا.....“ شاہدہ نے پختہ لہجے میں کہا اس نے اپنی ساری عمر آگ میں جلنے کی قیمت دے کر بہن کا سہاگ بچالیا۔

ہلکا میک اپ کیے وہ کوئی حور لگ رہی تھی جو بھگ کر دنیا میں آ گئی ہو..... نیوی بلیو سوٹ میں بلیوس جب شاہدہ اندر آئے تو مکہ کو دیکھ کر مہوت ہو گئے۔

”ذرا سے بننے سنورنے سے تو یہ اتنی حسین لگ رہی ہے دلہن بن کر تو کیا قیامت ڈھائے گی.....“ انہوں نے بڑے خلوص سے دعا مانگی..... ”یا اللہ اس کو میرا مقدر بنادے۔“ پھر انہوں نے اس کے حسن کو اپنے کمرے میں ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے قید کر لیا..... وہ ساری رات جاگتے رہے اور مکہ کے خواب بنے رہے، بہن کی رخصت کا غم تو جلد ہی رخصت ہو گیا مگر مکہ کا خیال دل سے نہ نکل سکا۔ ”شاہدہ، تمہیں کیا ہو گیا ہے۔“ انہوں نے اپنے آپ کو سبھایا..... مگر بھلا جذبات کے دھارے کسی کے روکنے سے رکے ہیں؟ عشق کی سرمستیاں کسی سے کھٹی ہیں؟ یہ تو ہوتی ہی چلی جاتی ہیں۔ پھر محبوب کا دیدار ان چنگاریوں کو شعلے میں بدل ڈالتا ہے، جوں میں ہلکے، ہلکے سلگتی ہیں۔

شاہدہ نے شادی کے پانچویں روز آکر وہ دھاکا کیا کہ نجمہ خانم کے ہوش و حواس معطل ہو گئے.....

”امی، ممانی جان نے کہا ہے کہ شاہدہ کا رشتہ فہیم (نند) کے لیے بیچ دینیجے، ورنہ مجھے ہمیشہ کے لیے گھر میں بٹھالیجیے.....“

اللہ! یہ کیسی قیامت تھی جو بھادج نے ان پر ڈھائی..... بھائی کی لڑکی جس کی ایک آنکھ پتھر لگنے سے ضائع ہو گئی..... ڈاکٹر نے اس احتیاط سے اس کی پتلی جوڑی کہ دیکھنے میں واضح نقص معلوم نہ ہوتا تھا۔ البتہ فہیم کو اس آنکھ سے نظر نہ آتا تھا..... اس کو اپنے ہیرے جیسے بیٹے سے کیسے بیاہ لائیں؟

”یا اللہ! یہ بھائی بھادج کیسی چال چل گئے فہیم کے بیاہ کے لیے ہی انہوں نے شاہدہ کو مانگا تھا، خیر!“ نجمہ بیگم پھر بھی یہ سوچ کر فہیم کو بیاہ کر لائیں کہ بھائی کی بیٹی کو میں نہ سیمٹوں گی تو دوسرا کوئی کیوں سیمٹے گا..... مگر..... کیا شاہدہ بھی راضی ہو جائے گا..... نجمہ خانم ساری رات جاگتی رہیں..... سوچتی رہیں..... انہیں

خوش قسمت کون؟

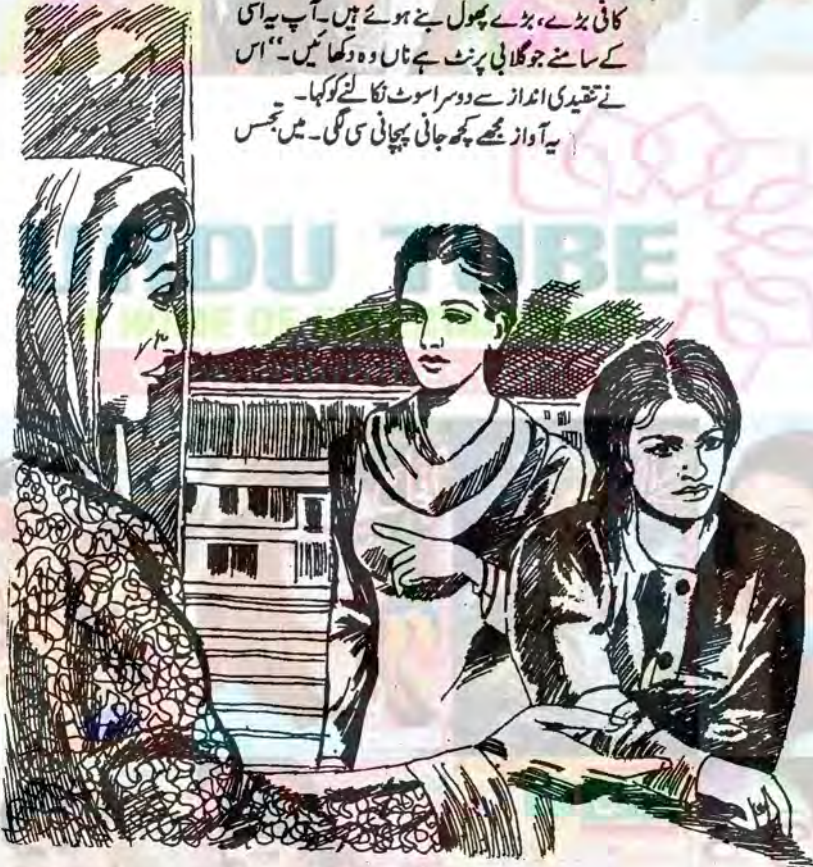
حناد احمد

”بھائی صاحب ذرا وہ نیلا والا سوٹ نکالے
مگا۔ جی، جی یہی والا۔“ خاتون نے دکاندار سے اپنی
پسند کا سوٹ نکالنے کو کہا۔

”نہیں یہ والا نہیں اس کا پرنٹ مرے کا نہیں،

کافی بڑے، بڑے پھول بنے ہوئے ہیں۔ آپ یہ اسی
کے سامنے جو گلابی پرنٹ ہے ناں وہ دکھائیں۔“ اس

نے تنقیدی انداز سے دوسرا سوٹ نکالنے کو کہا۔
یہ آواز مجھے کچھ جانی پہچانی سی لگی۔ میں تجسس



ہوتا تھا۔“ منزہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ جس پر شاملہ دھیرے سے مسکادی۔

”یار کول کا کچھ پتا ہے، اس سے کوئی رابطہ ہے تمہارا؟“ کالج کے ذکر پر منزہ کو اپنے گروپ کی تیسری دوست کول کا خیال آیا۔ ان تینوں کی trio تھی۔

”نہیں تو..... جب سے شادی ہوئی ہے سمجھو وہ بے فکری کے دن گئے کسی سے رابطہ ہی نہیں رہا۔“ منزہ نے کالج کے دن یاد کرتے ہوئے کہا۔

”صحیح کہا! وہ بھی کیا دن تھے۔“ شاملہ نے بھی آزر دگی سے کہا۔

”اگر کول بھی یہاں ہوتی تو آج پھر سے ہم تینوں دوستوں کا گروپ مکمل ہو جاتا اور وہ دن تازہ ہو جاتے۔“ منزہ نے بھی اپنی تیسری دوست کو یاد کرتے ہوئے کہا۔

”تمہارے محلے کے تو قریب ہی رہتی تھی ناں وہ منزہ، کبھی وہاں جانا ہو تمہارا تو پتا کرتا۔ جیسے آج ہم ملے ہیں، مجھے یقین ہے کول بھی ہمیں مل جائے گی۔“ شاملہ نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

”اچھا شاملہ اب میں چلتی ہوں، بچوں کو اسکول سے لینے کا وقت ہو گیا ہے۔ چلو تم اپنا نمبر دے دو پھر کسی دن آرام سے بیٹھ کر بات کریں گے۔“ منزہ نے شاملہ سے نمبر لیا اور دونوں فوڈ کورٹ سے نکل گئیں۔

☆☆☆

شاملہ، منزہ اور کول تینوں دوستوں کا گروپ پورے کالج میں اچھی شہرت رکھتا تھا۔ کول اور منزہ ایک وین میں آنے کی وجہ سے دوست بنیں جبکہ شاملہ کو اس کا بھائی چھوڑنے آتا تھا۔ ان تینوں کی دوستی میں زیادہ ہاتھ شاملہ کی طبیعت کا تھا۔ چار سالوں کی کالج کی زندگی میں یہ تینوں ایک دوسرے کی پکی دوست بن گئی تھیں۔ کول کی منگنی تیسرے سال میں ہی اپنے تایا زادے سے ہو گئی تھی جس میں دونوں کی پسند ناپسند تھی۔ ارحم..... کول کا منگیترا ایم بی اے کر چکا تھا اور نوکری کی تلاش میں تھا۔ کول کا تعلق ایک متوسط گھرانے سے تھا جبکہ شاملہ

سے مجبور ہو کر دکان کے اس کاؤنٹر پر آگئی جہاں وہ عورت دوسرا سوٹ نکالنے کا کہہ رہی تھی اور مجھے اسے دیکھ کر اپنا یقین میں بدلتا نظر آیا۔ یہ آواز میری کالج کی عزیز ترین سہیلی شاملہ کی تھی۔

”ارے شاملہ تم!“ اسے دیکھ کر میں نے خوشی سے چیخ ماری تھی۔

”منزہ یہ تم ہو؟“ شاملہ کی بھی مجھے دیکھ کے کم و بیش میرے جیسی ہی حالت تھی۔

”جی بالکل، یہ میں ہی ہوں۔“ میں نے مسکراتے ہوئے اسے یقین دہانی کرائی دکاندار بیچارے نے ہم دونوں کو آپس میں کم دیکھا تو شاملہ کے نکلوانے پر نٹ سیسٹنہ لگا اور پھر پوچھا۔

”آپ کے لیے کون سا سوٹ پیک کرواؤں؟“ شاملہ جواب مجھ سے حال احوال پوچھ رہی تھی، دکاندار کی بات پر اسے یاد آیا کہ وہ یہاں اپنے لیے سوٹ دیکھنے آئی تھی۔

”اوہ ہاں سوٹ ایسا کروا بھی رہے دو پھر کسی دن آ کے دیکھوں گی۔“ شاملہ کا جواب سن کر دکاندار بیچارے کا منہ اتر گیا۔

”چلو منزہ کہیں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔“ میں نے بھی اس کی تقلید کی اور ہم دونوں دکان سے نکل کر سامنے بنے فوڈ کورٹ میں داخل ہو گئے۔

صبح کا وقت تھا اس لیے وہاں کم ہی لوگ تھے۔

”اُف منزہ مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا کہ پورے پانچ سال بعد آج ہم پھر سے مل رہے ہیں۔“ شاملہ نے والہانہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”صحیح کہا، یقین تو مجھے بھی نہیں آ رہا ہے لیکن جب تم دکاندار سے سوٹ نکالنے کا کہہ رہی تھیں ناں تو مجھے اسی وقت تمہاری آواز سے لگا کہ کہیں یہ اپنی شاملہ تو نہیں؟ اوپر سے تمہاری چوڑی طبیعت، جس کا ہم سب کالج میں مذاق اڑایا کرتے تھے کہ تم پسند کرنے کے معاملے میں بہت سوچتی ہو۔ تمہیں ہمیشہ بہترین چیزیں چاہیے ہوتی تھیں۔ تمہیں کسی بھی چیز میں نقص پسند نہیں

مارکیٹ سے نکل کر رہائشی علاقے میں آگئی۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد منترہ کو اک چورنگی نظر آئی اور اس چورنگی کو دیکھ کر منترہ کے دماغ میں جھماکا سا ہوا کیونکہ یہ چورنگی تو کول کے گھر کو جانی تھی، جب وہ اور کول وین میں آتی تھیں تو یہی چورنگی تو کول کے گھر کی نشانی ہوتی تھی۔ اس چورنگی سے بائیں طرف مرکز تیسری گلی میں کول کا گھر ہوتا تھا۔ وہ لوگ وین میں آتے تھے اس لیے منترہ کو اندازہ نہیں تھا کہ یہ مارکیٹ کا راستہ آگے چل کر اسی رہائشی علاقے سے جڑ جائے گا۔

”ارے اب یہاں تک آگئی ہوں تو کیوں نہ آگے چل کر کول کے گھر جا کے دیکھا جائے۔“ منترہ نے خود سے ہم کلامی کرتے ہوئے کہا۔ اور اسی جانب پیدل ہی چل دی۔ جیسے ہی اسے کول کے گھر کا دروازہ نظر آیا اس نے گھٹی بجا دی۔

”جی کون؟“ دروازے سے ایک بچہ برآمد ہوا۔
”بیٹا آپ کی امی یا دادو گھر پر ہیں؟ مجھے کچھ پوچھتا ہے۔“
”حاضر کون ہے بیٹا؟“ بچے سے ایک عورت دروازے پر آئی۔

”جی میں منترہ ہوں، کول کی دوست۔ یہ کول کا گھر ہے ناں؟ میرا مطلب ہے کول کے امی ابو کا گھر ہے ناں کول نیاز۔ میں اس کی کالج کی دوست ہوں۔ جب سے اس کی شادی ہوئی ہے اس سے تو مجھے رابطہ ہی ختم ہو گیا۔ آج ذرا آگے پردوں کی مارکیٹ تک سامان لینے آئی تو سوچا کول کے بارے میں پوچھ لوں۔ اس کا کوئی اتنا پتا یا فون نمبر.....؟“ منترہ نے سامنے کھڑی عورت کو تفصیل سے بتاتے ہوئے کہا۔
”جی کول میری نند ہے، آپ مجھ سے بڑے بھائی ہیں۔ آئیے اندر آئیے میری ساس اندر ہیں، میں کول کی بھابی ہوں۔“

رفت نے منترہ کو اندر آنے کی دعوت دی، جس پر منترہ شکر یہ ادا کرتے ہوئے گھر میں داخل ہو گئی۔
”آنٹی السلام علیکم! کیسی ہیں آپ؟ میں منترہ.....“

ان تینوں دوستوں میں ایک امیر گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ منترہ کا تعلق بھی مڈل کلاس گھرانے سے تھا، ان تینوں کی دوستی میں کون کتنا امیر ہے؟ اس بات کا ذکر کبھی نہیں آیا تھا۔

☆☆☆

کالج کے بعد سب سے پہلے کول کی شادی ہوئی تھی اور دونوں دوستوں نے مل کر کول کی شادی میں خوب رونق لگائی۔ منترہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد اک کالج میں نوکری کرنے لگی جبکہ شائلہ نے تعلیم کے بعد گھر میں آرام کرنے کو ترجیح دی۔
کچھ وقت گزار، ترجیحات بدلیں اور تینوں اپنی اپنی زندگیوں میں مصروف ہو گئیں۔ جو رابطہ موبائل پر تھا شادی کے بعد جیسے اب وہ ختم ہو گیا تھا کسی نے نمبر بدلا تو کسی نے رستہ۔

☆☆☆

”باجی اس کے آگے گاڑی نہیں چا پائے گی اس کے آگے آپ کو پیدل جانا ہوگا۔“ ٹیکسی ڈرائیور نے منترہ کو کہا۔

”اچھا اور مارکیٹ اس سے کتنی آگے ہے؟“ منترہ نے ٹیکسی سے اترتے ہوئے ڈرائیور سے پوچھا۔
”بس باجی سیدھا جا کے آگے دائیں طرف مڑ جائیں آپ کو۔ پردوں کی مارکیٹ نظر آجائے گی۔“ ٹیکسی ڈرائیور نے منترہ کو راستہ سمجھاتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے بس یہاں لو اپنا کرایہ۔“ منترہ آج بچوں کے کمرے کے لیے پردے لینے اس مارکیٹ میں آئی تھی جس کا اس کی پردوں نے بتایا تھا کہ یہاں مناسب قیمت میں اچھے پردے مل جاتے ہیں، آج کے منہ بکائی کے دور میں جہاں پر پیسہ جوڑنا اچھا ہی مشکل کام ہے۔ وہاں پیسہ بچانا اور اخراجات کو کنٹرول کرنا ہر خاتون خانہ کی کوشش ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے منترہ اپنی پردوں کے کہنے پر آج یہاں آئی تھی۔ تھوڑی جگہ دود کے بعد آخر اسے مناسب دام میں پردے مل گئے اور وہ واپسی کے لیے رکشا، ٹیکسی، ڈھوڑنے کے لیے چلنے، چلنے

.....

تھیں کہ تو ہم ہیں جنہوں نے آخر تمہیں ڈھونڈ نکالا۔“
منزہ نے شرارتی انداز میں کہا۔

”یار بس کیا باتوں، زندگی نے کچھ گھن چکر بنا کر رکھ دیا ہے۔“ کوئل نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔
”اچھا بس، بس پتا ہے مجھے یہ سب بہانے ہیں ڈھونڈنے والے ڈھونڈ لیتے ہیں جناب!“ منزہ نے کوئل کی بات کا منٹے ہوئے کہا۔ جولہاؤ کھلکھلا اٹھی۔

”اچھا میری بات سنو تمہیں پتا ہے کچھ دن پہلے مجھے شامکے بھی ٹی ٹی ایک شاپنگ مال میں۔ اور اب بس اس ہفتے تم۔ میں، تم اور شامکے تینوں ملے کا پروگرام طے کرتے ہیں اور کوئی بہانہ نہیں ملے گا ٹھیک ہے نا؟“
”ہاں ٹھیک ہے لیکن یہ تو بتاؤ کہ ملتا کہاں ہے؟“

”بھئی میرے گھر پر تا کہ سکون سے ڈھیر ساری باتیں کر سکیں۔ میں تمہیں اپنے گھر کا ایڈریس بھیجتی ہوں۔ آف کتنا حرا آئے گا تم تینوں ایک ساتھ اتنے دنوں بعد۔ میں شامکے کو ابھی تمہارا نہیں بتاتی اسے سر پرانز دیں گے وہ تو حیران ہی رہ جائے گی۔“ منزہ، شامکے کا راز ایکشن سوچ کر ایکسائٹڈ ہو رہی تھی جس پر کوئل بھی مسکرا اٹھی۔

”تو بس اس ہفتے کی شام تم دونوں میرے گھر آ رہی ہو، باقی باتیں اسی دن ہوں گی۔“ یہ کہہ کر منزہ نے فون بند کر دیا۔

☆☆☆

آج ہفتے کا دن تھا۔ منزہ رات سے ہی تیاری میں لگی ہوئی تھی۔ پہلے شامکے آئی منزہ گرم جوش سے بلی اور ساتھ ہی بولی۔ ”اس دن مال میں ٹھیک سے بات نہیں ہو پائی تھی اس لیے میں نے سوچا آج گھر میں آرام سے بیٹھے ہیں خوب ساری باتیں کریں گے۔“

منزہ نے شامکے کو ڈرائنگ روم بٹھاتے ہوئے کہا۔
”صحیح کہا اس دن واقعی ٹھیک سے بات نہیں ہو پائی تھی۔“ شامکے نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
اتنے میں ٹھنڈی بجی۔ منزہ ”میں دیکھتی ہوں“ کہہ کر ڈرائنگ روم سے باہر چلی گئی۔ شامکے تب تک ڈرائنگ

کوئل کی دوست یاد ہے آپ کو..... میں اور شامکے، کوئل کی شادی میں آئی تھیں۔“ منزہ نے کوئل کی امی کے ساتھ بیٹھے ہوئے کہا۔

”ہاں، ہاں بیٹی یاد ہے بالکل! کوئل کی شادی پر اس کی تم دوستوں نے ہی تو خوب رونق لگائی تھی۔“
آئی کی بات سن کر وہ مسکرا دی۔

”آئی کوئل کہاں ہے آج کل، اس کا کوئی فون نمبر مل سکتا ہے؟“ منزہ نے بے چینی سے استفسار کیا۔
”ہاں بالکل..... میں رفعت کو کہتی ہوں کہ تمہیں کوئل کا نمبر دے دے۔“ اتنے میں رفعت، منزہ کے لیے شربت سے بھر اگلاس لے آئی۔

”بیٹی تم منزہ کوئل کا موبائل نمبر دے دو۔“ جس پر رفعت نے جھٹ سے اندر جا کر کاغذ پر کوئل کا نمبر لکھ کر دے دیا جس کو منزہ نے مسکراتے ہوئے اپنے پرس میں رکھ لیا اور خدا حافظ کہتے ہوئے چل دی۔

☆☆☆

آج منزہ نے سب کاموں سے فراغت پا کر کوئل کو فون کرنے کا ارادہ کیا۔ دو دن گزر چکے تھے اس کو نمبر لیے ہوئے لیکن اب تک اسے موقع نہیں ملا تھا کہ وہ کوئل سے بات کر سکے۔ منزہ نے اب تک شامکے کو بھی اس بارے میں نہیں بتایا تھا کہ وہ اسے سر پرانز دینا چاہتی تھی۔ آخر آج ناؤ نکال کے اس نے کوئل کو فون ملایا۔
”ہیلو کوئل بات کر رہی ہیں۔“ منزہ نے ہیلو کے آواز کے جواب میں سوال کیا۔

”جی ہاں، میں کوئل بات کر رہی ہوں لیکن آپ کون؟“ کوئل نے حیرانی سے انجان نمبر سے کال کرنے والی سے پوچھا۔

”کوئل میں منزہ بات کر رہی ہوں۔ منزہ ایراجیم تمہاری کالج کی دوست۔“ منزہ نے خوشی سے کہا۔
”سچ منزہ یہ تم ہو؟ اپنی منزہ؟ تمہیں میرا نمبر کیسے ملا اور تم ہو کہاں آج کل۔“ کوئل نے بھی فرط جذبات سے پوچھا۔

”جناب تم تو ہمیں شادی کے بعد بھول ہی گئی

راحیلہ آپنی سے بات کی۔ راحیلہ آپنی تصویر لے کر امی کے پاس آگئیں اور جب میں نے تصویر دیکھی تو جھٹ سے ہاں کر دی۔ تو سمجھو یہ شادی لوہاس ارنج میرج ہوئی۔ اب تو شادی کو تین سال ہو چکے ہیں، احمر لوگ دو بھائی ایک بہن ہیں، بھائی کویت میں رہتے ہیں اور بہن اسلام آباد میں۔ ساس اور سرسیرے ساتھ رہتے ہیں اور دونوں بہت اچھی طبیعت کے ہیں اچھی زندگی گزر رہی ہے ایک بیٹا بھی ہے دو سال کا۔ ابھی تو دادا، دادی کے ساتھ پارک گیا تھا۔“ شملہ نے اپنی زندگی کا احوال بتایا۔

”اور تم سناؤ منظرہ تمہارے کتنے بچے ہیں؟“ شملہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”میری دو بیٹیاں ہیں ایک تین سال کی وہ اسکول جاتی ہے اور دوسری ڈیڑھ سال کی۔ ساس سر نوابہ میں رہتے ہیں اس لیے یہ چھوٹا سا قلیٹ ہماری فیملی کے لیے کافی ہے۔ عاشر سے میری ارنج میرج ہوئی ہے۔ ایک رشتہ لے کر آنے والی بوا کی مدد سے۔“ منظرہ نے بھی اپنے بارے بتایا۔

”اور کون تم؟ تم بناؤ ارحم بھائی کے ساتھ کیسی گزر رہی ہے؟ اور کتنے بچے ہیں، ویسے تمہارے تو بہت سارے بچے ہوں گے کیونکہ تمہیں بچے پسند ہوا کرتے تھے۔“ شملہ نے کول کو چھیڑتے ہوئے کہا۔ دونوں نے ہی اب کول سے پوچھا جواب تک خاموشی سے دونوں کون رہی تھیں۔

”میں کیا بولوں! کچھ بولنے کو ہے ہی نہیں، ہماری ابھی کوئی اولاد نہیں۔“ کول نے نظریں جراتے ہوئے کہا۔

”اولاد نہیں ہے کیوں؟ میرا مطلب ہے تمہاری شادی تو ہم سے پہلے ہوئی تھی ناں؟ پھر کیا وجہ، کیا کوئی مسئلہ؟“ منظرہ نے الفاظ ادھرے چھوڑ کر سوالیہ انداز میں سے کول کو دیکھا۔

”نہیں کوئی مسئلہ نہیں بس ارحم ابھی اولاد نہیں چاہتا۔“ کول نے جھکی مسکراہٹ لبوں پر لاتے ہوئے کہا۔

روم کا جائزہ لینے لگی۔ منظرہ کا قلیٹ تھا لیکن کافی اچھے طریقے سے سیٹ کیا گیا تھا۔ ابھی شملہ دیکھ رہی تھی کہ اچانک سے اسے پیچھے سے اپنا نام لینے کی آواز آئی۔ جس پر شملہ نے پیچھے مڑ کر تو حیران رہ گئی ہے۔ اس کے پیچھے اس کی دوست کول کھڑی تھی۔

”ارے کول تم جہ یہاں کیسے؟“ شملہ نے آگے بڑھ کر کول کو گلے سے لگایا۔

”سر پرانزا!“ اس سے پہلے کہ کول کوئی جواب دیتی منظرہ نے کہا۔

”واہ منظرہ تو تم نے آخر کول کو بھی ڈھونڈ ہی نکالا۔ زبردست!“ شملہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”جی بالکل! اور اب مکمل ہوئی ناں ہماری محفل، چلو اب تم دونوں بیٹھو۔ میں جلدی سے چائے پانی کا بندوبست کرتی ہوں پھر آرام سے بیٹھ کر خوب، خوب ساری باتیں کریں گے۔“ یہ کہہ کر منظرہ نے مسکراتے ہوئے کچن کا رخ کیا۔

”اور تم سناؤ شملہ! کیا حال ہیں؟“ کچھ ہی دیر میں سینئر ٹیبل مختلف لوازمات سے پر مچی۔ تینوں دوستیں باتیں کرنے کے ساتھ، ساتھ ان چیزوں سے بھی لطف اندوز ہو رہی تھیں۔ احمر بھائی کیسے پسند آگئے؟ تمہاری پسند تو شروع سے ہی بہت مشکل تھی پھر احمر بھائی آرام سے پسند آگئے یا پاؤں بیلنے پڑے انہیں؟“ منظرہ نے مسکوکہ کھاتے ہوئے شرارت سے کہا۔

”ہا ہا ہا نہیں پاؤں، ہم دونوں میں سے کسی کو نہیں بیلنے پڑے۔ تم لوگوں کو یاد ہے ناں میں ہمیشہ کتنی تھی میں پسند کی شادی کروں گی؟“

”ہا ہا جی جناب بالکل یاد ہے کہ کیسے تم غرے دکھاتی تھیں۔ اپنے لائف پارٹنر کے بارے میں۔“ منظرہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

”تو بس سمجھو احمر جیسے پہلی نظر میں ہی اچھا لگا، ہم دونوں راحیلہ آپنی کی زندگی شادی میں ملے تھے لیکن اسے میری خوش قسمتی سمجھو کہ احمر کے والدین کو کبھی میں اسی شادی میں احمر کے لیے پسند آگئی اور انہوں نے

”اولاد نہیں چاہتا لیکن کیوں؟“ منزه نے
 اچنبھے سے کہا۔ جس پر کول کی آنکھیں نم ہو گئیں۔
 ”کیا بات ہے کول تم خوش تو ہوتا؟“ شاملہ
 نے کول کا ہاتھ پکڑتے ہوئے پوچھا کیونکہ دونوں کو اب
 محسوس ہوا کہ کول بھی، جیسی سی ہے۔
 دوستوں کا سہارا پا کر، کول کی آنکھوں میں لگا بند
 ٹوٹ گیا اور آنکھیں جھلک پڑیں۔

”کول بتاؤ تو کیا ہوا ہے۔“ منزه نے اسے گلے
 لگاتے ہوئے پوچھا۔ کول جو پہلے غم سے غڑھال سی
 دوستوں کا ساتھ پا کر اپنے دل کا غبار نکالنے لگی۔
 ”تم لوگ تو جانتے ہو کہ ارحم اور میرا رشتہ ہماری
 جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی طے ہو گیا تھا جس کی خبر
 ہمارے والدین نے ہم دونوں کو دے دی تھی اور ہم
 دونوں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے تھے۔ جیسے ہی
 میری تعلیم مکمل ہوئی تو ہماری شادی ہو گئی کیونکہ اس
 دوران ارحم کو بھی اچھی نوکری مل گئی تھی۔ ارحم سے چھوٹا
 ایک بھائی اور دو بہنیں ہیں۔ اپنے گھر میں سب سے
 بڑے ہونے کی وجہ سے ان پر کافی ذمے داریاں تھیں
 اور میں نے ان کی ذمے داریوں میں ان کا بھرپور ساتھ
 دیا۔۔۔۔۔ اور وہ لوگ کوئی غیر معمولی تھے میرے اپنے تایا کا
 گھرانہ تھا۔ شادی کا پہلا سال بہت اچھا گزرا اولاد اس
 وقت اللہ کی طرف سے دی گئی اس لیے نہیں ہو رہی تھی اور
 پھر ابھی شادی کو خالی ایک سال ہی ہوا تھا اس لیے ہم
 بھی زیادہ پریشان نہیں تھے۔ شادی کے ڈیڑھ سال بعد
 ارحم کی نوکری چلی گئی کیونکہ جس پرائیویٹ فرم میں وہ
 جاب کرتا تھا وہ کمپنی فراہنگی اور جب پکڑی گئی تو مالک
 ملک چھوڑ کر فرم بند کر کے چلا گیا۔ تایا اب کی پیشین اور
 ارحم کی نوکری سے ہی گھر کا خرچہ چل رہا تھا۔ اوپر سے
 انہی دنوں منہ چانیہ کے سسرال والوں نے تاریخ مانگی لی
 جس کو تائی تایا انکار نہ کر سکے اور یوں قرضہ لے کر ہم
 نے چانیہ کی شادی کر دی۔ ارحم نے بچوں کو شیخو دینا
 شروع کر دی تھیں کہ گھر کی گاڑی چلتی رہے۔ چھ مہینے کی
 بیروزگاری کے بعد آخر ارحم کو ایک نوکری مل گئی۔ ہماری

زندگی میں جیسے خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ اس نوکری سے
 زیادہ خوش نہیں تھا کیونکہ اسے لگتا تھا کہ یہ نوکری اس کے
 تجربے اور تعلیم کے معیار کے مطابق نہیں ہے لیکن میں
 اور تائی ایسی پیچھے تھے کہ جب تک کوئی اور نوکری
 نہیں مل جاتی ایسی نوکری کو جاری رکھنا چاہیے۔۔۔۔۔ اس
 دوران جب میں ارحم سے اپنی فیملی مکمل کرنے کا بھتی تو
 یہی کہتا کہ انہی مناسب نہیں ہے۔ اس کے اوپر پہلے سے
 ہی اتنی ذمے داریاں ہیں اوپر سے اس کی خواہ اپنی پہلی
 نوکری سے بھی کم ہے تو ابھی کچھ وقت کے بعد اس
 بارے میں ہمیں سوچنا ہو گا۔ اسی دوران ارحم کے دوست
 نے اسے ابھٹسی جا کے قسمت آزمائے کا مشورہ دیا جس پر
 ارحم نے ضد باندھ لی کہ وہ اب باہر جا کر کمائیں وہ تو پہلے
 سے ہی اس نوکری سے چھٹکارا چاہتا تھا۔ ایسے میں جب
 ایک دوست نے مشورہ دیا تو ارحم جھٹ سے راضی ہو گیا۔
 مدت پوچھو کیا دن تھے وہ۔ ارحم نے پھر قرضہ لے کے رقم
 اکٹھی کی اور باہر جانے کی کوشش میں لگ گیا لیکن افسوس
 وہ جس ایجنٹ کے پاس گیا وہ بھی ارحم کے ساتھ فراڈ
 کر کے بھاگ گیا اور ہماری جو بھی جمع پونجی تھی وہ سب
 برباد ہو گئی۔“ آنسو اب کول کے گالوں پر بہنے لگے۔

”باہر جانے کے چکر میں ارحم نے اپنی نوکری بھی
 چھوڑ دی تھی۔ زندگی میں پھر مشکل دن آ گئے۔ شادی کو
 تین سال ہو چکے تھے لیکن ایسا لگتا تھا کہ۔۔۔ اک لمبی
 مسافت ہے جو ختم ہی نہیں ہو رہی۔ ارحم کا چھوٹا بھائی
 بھی اب اس کے ساتھ شیخو دینے لگا تھا۔ ایسے میں
 جب بھی میں نے نوکری کرنے کی بات کی تو ارحم نے
 مجھے منع کر دیا کہا کہ وہ مجھے زمانے کی سرد گرم سے بچانا
 چاہتا ہے لیکن میں اسے کیا بتاتی کہ جب غربت کی سنگی
 تنگ کر لی ہے تو محبت بھی کھوکھلی لگنے لگتی ہے پھر نہ ہی
 محبت اچھی لگتی ہے اور نہ ہی اس کی خواہش ہوتی ہے۔
 اماں اب پہلے سے سفید پوش تھے ان سے جا کے بھی کیا
 مدد مانگی۔ انہی مشکل دنوں میں ہم پر ایک اور آفت
 ٹوٹی اور وہ تھی تایا ابو کی وفات۔ انہیں اچانک دل کا
 دورہ پڑا جسے وہ برداشت نہ کر پائے اور خاموشی سے

جسے دیکھو... سب اپنی زندگی میں خوش اور مطمئن ہیں۔ کیا میں نے شادی صرف ارحم کے گھر والوں کی ذمہ داری نبھانے کے لیے کی تھی؟ شاید تم لوگ مجھے خود غرض سمجھ رہے ہو گے لیکن اللہ نہ کرے ایسا وقت کسی پر آئے تب اُسے احساس ہوگا کہ غربت کتنی ظالم شے ہے۔“ کوئل نے روتے ہوئے کہا۔

”کوئل مانا کہ غربت بہت ظالم ہے لیکن اس سے بڑی دولت تمہارے پاس ہے اور وہ ہے ارحم بھائی کا پیار جو تمہارے لیے سب سے بڑی دولت اور نعمت ہے اور یہ نعمت بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے خوش قسمت ہوتے ہیں وہ لوگ جن کو یہ نعمت ملتی ہے۔“ شائلہ نے افسردہ لہجے میں کہا۔

”لیکن بعض لوگوں کو تو محبت کے ساتھ، ساتھ دولت اور لادب کچھل جاتا ہے میں زندگی سے زیادہ تو نہیں بس اچھی اور بہتر زندگی ہی تو چاہتی ہوں کچھ زیادہ تو نہیں مانگ رہی میں بھی۔“ کوئل نے نچی سے کہا۔

”اچھا چلو؟ اب اس بات کو چھوڑو میں گرامرم چائے لانی ہوں۔ ہم سب چائے پیتے ہیں اور کوئل تم ابھی ارحم بھائی سے ایسی کوئی بات نہیں کرو گی۔ مرد کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا کہ اس کے دل میں چھوٹی سی بات کی وجہ سے دراڑ آ جائے اور وہ اسے اپنی انا کا مسئلہ بنائے میری جان تم ابھی صبر و حوصلے سے کام لو اور پریشان نہ ہو۔“ یہ کہہ کر منظرہ بکن میں چلی گئی۔

☆☆☆

آج چندہ دن بعد پھر وہ تینوں دوستیں ایک ساتھ جمع ہوئی تھیں لیکن آج تینوں شائلہ کے وسیع و عریض بنگلے میں اس کے ڈرائنگ روم میں بیٹھی تھیں۔ لیکن آج وہ تینوں بالکل خاموش تھیں۔ تینوں کے پاس الفاظ نہیں تھے۔

”کوئل میں جانتی ہوں تم میرا کھردکھ کر میرے اس دن والے الفاظ کے بارے میں سوچ رہی ہو گی جب میں نے کہا تھا کہ شوہر کی محبت سب سے بڑی دولت ہے شاید تم سوچ رہی ہو گی کہ میرے لیے یہ کہنا آسان ہے کیونکہ بظاہر میرے پاس دنیا کی ہر چیز

ملے گئے۔ ایسے میں ارحم بالکل ٹوٹ سا گیا۔ اب تو فیصلہ بیچارہ اپنا خرچہ خود اپنی ٹوشن سے بہ مشکل سے نکالتا ہے تا یا ابوی دقات کے بعد تائی بھی بیمار رہنے لگی ہیں ان کی دوائیوں کا خرچہ۔ گھر کے اخراجات..... چھوٹی تند ہانیہ کی تعلیم، سب ارحم کی ذمہ داریاں ہیں۔ اللہ، اللہ کہ ارحم کو اب ایک سلازمین کی جاب ملی ہے وہ دن میں جاب کرتے ہیں اور شام میں ٹیوشن دیتے ہیں۔ میں بھی اب گھر میں بچوں کو ٹیوشن پڑھاتی ہوں۔ بائیک بھی جو ارحم نے بیچ دی، ارحم دن کا ٹکڑا رات کو گھر آتا ہے۔ اس کے پاس میرے لیے وقت ہی نہیں ہے یا شاید زندگی کے استحقاقوں نے ہمیں اس قدر خاموش کر دیا ہے کہ اب ہمارے پاس بات کرنے کو الفاظ ہی نہیں ہوتے۔ وہ محبت تو جیسے اب کم ہو کر رہ گئی ہے۔ کبھی، کبھی میں سوچتی ہوں کہ کیا میں ارحم کی زندگی میں خالی اس بے جان چیز کی طرح ہوں جس کے احساسات و جذبات کچھ معنی نہیں رکھتے۔ ارحم کو میرے ہونے یا نہ ہونے سے لگتا ہے اب کوئی فرق ہی نہیں پڑتا اس لیے اب میں بہت کفعلش کا شکار ہوں۔ اپنے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا چاہتی ہوں۔“ کوئل نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

”کون سا فیصلہ؟“ شائلہ نے پریشانی سے پوچھا۔
”میں جاہ رہی ہوں کہ ارحم سے علیحدگی لے لوں۔ آخر میں کب تک اس کی ذمہ داریوں میں اس کا ساتھ دیتی رہوں گی؟ کیا مجھے زندگی سے خوشیاں حاصل کرنے کا کوئی حق نہیں... جب ارحم اپنی ذمہ داریاں نبھاتے، نبھاتے اس قابل ہو جائے کہ اپنی بیوی کو دو گھنٹی وقت اور خوشی دے سکے تب تک میں اسی ابو کے گھر رہوں گی۔“ کوئل نے آنکھوں کی نمی چھپاتے ہوئے کہا۔

”کیا تم ارحم بھائی کے بغیر رہ پاؤ گی؟ ان کے کڑے وقت میں ان کا ساتھ چھوڑ کر کیا تم مطمئن رہ پاؤ گی؟“ شائلہ نے طنزیہ لہجے میں اس سے پوچھا۔
”تو میں کیا کروں؟ تم ہی بتاؤ میں کہاں جاؤں۔“

موجود ہے اولاد، شوہر، بڑا گھر لیکن میری جان ان سب چیزوں کے باوجود میں پھر بھی سبکی کیوں کر شوہر کی محبت کے آگے یہ سب چیزیں بے معنی ہیں۔ آج میں تم دونوں پر اپنی ازدواجی زندگی کا وہ پہلو ظاہر کر رہی ہوں جسے میں نے شروع سے ہی اپنے دل میں دبا کر رکھا ہے۔ میں نے بتایا تھا تاں کہ اگر کو پہلی نظر دیکھ کے ہی میں اپنا دل ہار گئی تھی اور قسمت تھی کہ میرا جوڑا ہر کے ساتھ لکھا ہوا تھا لیکن تم نہیں جانتی ہو کہ اگر نے شادی کی پہلی رات مجھ سے کیا کہا تھا۔ اُس نے پہلی رات ہی مجھے بتا دیا تھا کہ میں اس کے ماں باپ کی پسند ہوں۔ اس کی پسند کوئی اور ہے اور اس سے وہ پندرہ دن پہلے شادی کر چکا ہے۔ کیا ایک لڑکی کے لیے یہ سب سنا آسان ہوتا ہے کہ شادی کی پہلی رات جب وہ اپنے شوہر سے اپنی تعریف یا اقرار محبت سنا چاہتی ہو اسی دن اس کی ذات کی نفی کی جائے؟ نہیں میری جان یہ آسان نہیں۔ جب آپ کے سپنوں میں کالج چھ جائے اور وہ سب چھنا کے سے ٹوٹ جائے اور وہ کرچیاں آپ کو خود ہی سیٹھا پڑیں تو کیا گزرتی ہے۔ اگر کے والدین اپنے سے کم حیثیت سمجھ لانا نہیں چاہتے تھے اس لیے انہوں نے اگر کی پسند کو منع کیا اور بدلے میں اگر نے ان سب سے چھپ کر شادی کر لی۔“ ٹائلر کے اس انکشاف پر دونوں کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

”اب فیصلہ میرے ہاتھ میں تھا کہ میں دوسری بیوی بن کر رہتی یا اپنے ماں باپ کے گھر چلی جاتی۔ جانتی ہو میں نے ویسا ہی سوچا تھا جیسا کہ تم سوچ رہی ہو کہ کیا میرا زندگی کی خوشیوں پر کوئی حق نہیں؟ کیا میں شوہر کی محبت پانے کا حق نہیں رکھتی؟ ایسی ہی سوچیں لے کر میں اپنے گھر گئی تھی۔ تم تو میرے گھر کو جانتی ہو کھاتے پیتے گھرانے سے ہمارا حلق ہے۔ آزاد قسم کی سوچ کے حامل تھے گھروالے لیکن تم جانتی ہو کوئل! صرف ایک ہفتہ رہنے سے وہاں یعنی میرے اپنے ماں، باپ کے گھر میں، میرے گھر والوں کو میری فکر ہونے لگی کہ میں وہاں اب تک کیوں رہ رہی ہوں.....

کیا وجہ ہے، کہیں کوئی مسئلہ تو نہیں؟ کہیں میں اگر سے لڑ کر تو نہیں آئی؟ اور اگر ایسا ہے تو میرے گھروالے اگر سے معافی مانگتے تک کو تیار تھے۔ تم سوچو میرے گھرانے میں جہاں روپے پیسے کی کوئی تنگی نہیں تھی۔ صرف ایک ہفتے میں ہی سب مجھے پریشان دکھنے لگے اور جب میں نے اپنی ماں سے اس بات کا ذکر کیا تو انہوں نے مجھے مبرو محل کا مظاہرہ کرنے کو کہا۔ سچ کہتے ہیں بیٹیوں کی شادی کے بعد اور سہو کے گھر آجانے کے بعد ماں، باپ بہت مجبور ہو جاتے ہیں ایسے میں اگر شادی شدہ بیٹی چاہے وہ شادی کے ایک ماہ بعد یا پانچ سال بعد... ان کے گھر آ بیٹھے تو اس کا مقام اپنے ماں باپ کے گھر ویسا نہیں رہتا جیسا شادی سے پہلے ہوتا ہے۔ کیونکہ اب وہ آپ کا نہیں بلکہ آپ کی بھابیوں کا گھر ہوتا ہے جن کے آگے کبھی، کبھی ماں، باپ بھی مجبور ہو جاتے ہیں۔ میں مانتی ہوں کہ مجھے روپے پیسے کی کوئی تنگی نہیں ہے میں پیسے چاہوں خرچ کروں کوئی حساب لینے والا نہیں۔ میرے ساس سراب اگر کی پہلی شادی کو جان چکے ہیں۔ وہ بھی اب میرا پہلے سے زیادہ خیال رکھتے ہیں کہ میں نے ان کے خاندان کی عزت بچائی اور اگر کا پردہ رکھا ہوا ہے معاشرے میں۔ اگر کو مجھ سے کوئی غرض نہیں ہماری اولاد بھی مجموعاً ذاتی طور پر ہو گئی جو کہ مرد کے کسی کمزور لمحے کی وجہ سے میری زندگی میں جینے کی ایک رقت لے آئی۔ اگر ہفتے کے دو دن یہاں ہوتے ہیں باقی کے پانچ دن وہ اپنی دوسری بیوی کے پاس ہوتے ہیں اور جو دو دن یہاں ہوتے ہیں وہ اپنی اسٹڈی میں ہی گزارتے ہیں۔ یہ ہے میری زندگی۔“ ٹائلر کے مکمل کی سکرابٹ چہرے پر لاتے ہوئے کہا۔ کوئل اور منزہ دم سادھے ٹائلر کی باتیں سن رہی تھیں۔

”آہ سچ ہے کہ زندگی کسی کے لیے بھی مکمل پھولوں کی سچ نہیں۔“ منزہ بولی تھی۔ ”تمہیں یہ تو یقین ہے ناں ٹائلر کہ اگر آج تمہارا شوہر تمہارے پاس نہیں تو کس کے پاس ہے۔ اور مجھے دیکھو جس کو یہ تک پتا نہیں ہوتا

موجود ہے اولاد، شوہر، بڑا گھر لیکن میری جان ان سب چیزوں کے باوجود میں پھر بھی سبکی کیوں کر شوہر کی محبت کے آگے یہ سب چیزیں بے معنی ہیں۔ آج میں تم دونوں پر اپنی ازدواجی زندگی کا وہ پہلو ظاہر کر رہی ہوں جسے میں نے شروع سے ہی اپنے دل میں دبا کر رکھا ہے۔ میں نے بتایا تھا تاں کہ اگر کو پہلی نظر دیکھ کے ہی میں اپنا دل ہار گئی تھی اور قسمت تھی کہ میرا جوڑا ہر کے ساتھ لکھا ہوا تھا لیکن تم نہیں جانتی ہو کہ اگر نے شادی کی پہلی رات مجھ سے کیا کہا تھا۔ اُس نے پہلی رات ہی مجھے بتا دیا تھا کہ میں اس کے ماں باپ کی پسند ہوں۔ اس کی پسند کوئی اور ہے اور اس سے وہ پندرہ دن پہلے شادی کر چکا ہے۔ کیا ایک لڑکی کے لیے یہ سب سنا آسان ہوتا ہے کہ شادی کی پہلی رات جب وہ اپنے شوہر سے اپنی تعریف یا اقرار محبت سنا چاہتی ہو اسی دن اس کی ذات کی نفی کی جائے؟ نہیں میری جان یہ آسان نہیں۔ جب آپ کے سپنوں میں کالج چھ جائے اور وہ سب چھنا کے سے ٹوٹ جائے اور وہ کرچیاں آپ کو خود ہی سیٹھا پڑیں تو کیا گزرتی ہے۔ اگر کے والدین اپنے سے کم حیثیت سمجھ لانا نہیں چاہتے تھے اس لیے انہوں نے اگر کی پسند کو منع کیا اور بدلے میں اگر نے ان سب سے چھپ کر شادی کر لی۔“ ٹائلر کے اس انکشاف پر دونوں کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

”اب فیصلہ میرے ہاتھ میں تھا کہ میں دوسری بیوی بن کر رہتی یا اپنے ماں باپ کے گھر چلی جاتی۔ جانتی ہو میں نے ویسا ہی سوچا تھا جیسا کہ تم سوچ رہی ہو کہ کیا میرا زندگی کی خوشیوں پر کوئی حق نہیں؟ کیا میں شوہر کی محبت پانے کا حق نہیں رکھتی؟ ایسی ہی سوچیں لے کر میں اپنے گھر گئی تھی۔ تم تو میرے گھر کو جانتی ہو کھاتے پیتے گھرانے سے ہمارا حلق ہے۔ آزاد قسم کی سوچ کے حامل تھے گھروالے لیکن تم جانتی ہو کوئل! صرف ایک ہفتہ رہنے سے وہاں یعنی میرے اپنے ماں، باپ کے گھر میں، میرے گھر والوں کو میری فکر ہونے لگی کہ میں وہاں اب تک کیوں رہ رہی ہوں.....

والہی پر رکشے میں بیٹھی کول مطمئن تھی۔ اس نے جان لیا تھا کہ وہ کتنی خوش قسمت ہے واقعی روپے میسے سے بڑی دولت اس کے لیے ارحم کی خالص محبت تھی۔ پیسہ وقتی خوشی تو دے سکتا ہے لیکن اگر اس میں محبت اور خلوص نہ ہو تو یہ پیسہ بے معنی ہو جاتا ہے۔ وہ واقعی شائلہ اور منظرہ سے زیادہ خوش قسمت تھی کیونکہ نہ تو ارحم کے دل میں کوئی اور تھا اور نہ ہی وہ منظرہ کے شوہر کی طرح اس کے حقوق کی حق تلفی کرتا تھا۔ اُدھر گھر آ کر منظرہ اپنے آپ کو خوش قسمت گردان رہی تھی کہ اشتر جیسا بھی تھا پلٹ کر گھر ہی آتا تھا۔ کبھی بے جا حد سے تجاؤ نہیں کرتا تھا۔ اس کی زندگی میں اس کی بیوی اور اس کے بچوں کی ماں صرف منظرہ تھی کوئی اور نہیں۔ نہ تو اشتر کی زندگی میں شائلہ کے شوہر کی طرح کوئی دوسری عورت تھی اور نہ ہی کول جیسی تنگی تھی۔ بے شک وہ ایک خوش قسمت عورت تھی جس کا شوہر لوٹ کر اسی کے پاس آتا تھا۔

اُدھر ارحم کو آج گھر آتا دیکھ شائلہ نے بے ساختہ اپنے رب کا شکر ادا کیا اور خود کو خوش قسمت محسوس کیا کہ بلاشبہ اس کا شوہر نہ تو منظرہ کے شوہر کی طرح بے وقار اور خائن ہے اور نہ ہی اس کی زندگی کول کی طرح کسی معاشی تنگی کا شکار تھی۔ بلاشبہ اس نے پہلی رات ہی ایمان داری کے ساتھ شائلہ پر ساری حقیقت واضح کر دی تھی اور جو دوسری عورت اس کی زندگی میں تھی وہ ایک جائز اور حلال طریقے سے اس کی زندگی میں شامل ہے۔ اپنے رب کا شکر ادا کرتے ہوئے مسکراتے ہوئے شائلہ، ارحم کے لیے جائے کے ساتھ اس کی پسند کے اسٹیکس بنانے کچن میں چلی گئی۔

بے شک ہم انسان اپنے لحاظ سے ہر طریقے سے خوش قسمت ہوتے ہیں بس ضرورت ہوتی ہے محسوس کرنے کی۔ اور اپنے حالات پر مطمئن رہنے کی اور اس کا احساس کرنے کی۔ اب آپ فیصلہ کریں کہ ان تینوں میں سے خوش قسمت کون ہے؟

کہ آج اس کا شوہر کس کے ساتھ گھوم رہا ہے، کس کے ساتھ ہنس کر بات کر رہا ہے یا کس کے ساتھ کھانا کھا رہا ہے۔ منظرہ کی آواز پر شائلہ اور کول نے چونک کر اسے دیکھا۔ بظاہر خوش باش کھل زندگی گزارنے والی منظرہ بھی اپنے اندر کون کون سے راز چھپائے بیٹھی تھی یہ کسی کو پتا نہیں تھا۔ ”اشتر بہت اچھے ہیں، میرا خیال بھی رکھتے ہیں اور محبت بھی کرتے ہیں یا شاید وہ محبت کا دھوکا اچھا دیتے ہیں اور میں کبھی بے خیالی میں اور کبھی خود سے جان بوجھ کے اس دھوکے میں آ جاتی ہوں۔ کم از کم دل ہی بہل جاتا ہے۔ شادی کے ایک ہفتے بعد ہی مجھے پتا چل گیا تھا کہ اشتر کولڑکیوں سے دوستی کرنے کا شوق ہے اور اس کی کافی لڑکیوں سے دوستی ہے جو کبھی فون کا لڑکھی تھے تھکے تھکے اور کبھی، کبھی کھانے تک چلی آتی ہیں۔ میں نے جب کبھی شکایت کرنا چاہی تو یہ کہہ کر خاموش کر دیا گیا کہ ”شوہر ہمیشہ تمہارا ہی رہوں گا۔ یہ تو وقتی دل بہلاوا ہے۔“ اشتر کے لیے تو یہ شاید وقتی دل بہلاوا ہے لیکن جو عورت اس کے نکاح میں ہے۔ وہ اس کا اور اس کے گھر والوں کا اور اس کے بچوں کا خیال کر رہی ہے کاش وہ بھی اس عورت کے خالص جذبات کا ویسے ہی خیال کرے۔ وفاداری دونوں طرف سے شرط ہوتی ہے لیکن ایک شخص آپ کے ساتھ بے وفائی کرے اور دوسرا جانتے ہوئے بھی اس سے وفا کرے۔ یہ کیسا ہوتا ہے یہ کوئی مجھ سے پوچھے کہ جب آپ کا شوہر وہ کمائی جس پر آپ کا حق ہے دوسروں پر لٹاتا ہے، دوسری عورت کی تعریف کرتا ہے تو کیسے دل چھلنی ہوتا ہے۔ یہ کوئی میرے دل سے پوچھے.....“ منظرہ اب خاموش ہو گئی تھی یا شاید بول، بول کے تھک گئی تھی۔ تینوں اپنی، اپنی جگہ خاموش تھیں۔ تینوں نے اپنی ذات کے راز ایک دوسرے پر کھول دیے تھے اور اب ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے دلاسا بھی دے رہی تھیں اور ساتھ ہی نظریں بھی چراہی تھیں۔



ناولٹ

ہلوہ رہنما

نقیبہ سعید

”نقصان بھی پہنچ سکتا ہے جودل میں آئے کرگزرتا ہے۔“
 ”کیا بات ہے منم..... کیوں اتنے غصے میں ہو؟
 آرام سے بیٹھو..... پھر مجھے بتاؤ اس نے آخر کیا کیا ہے؟“
 ”میزہ نے فرخ سے ٹھنڈے پانی کی بوتل نکال کر پانی گلاس میں اٹھایا اور منم کی جانب بڑھا دیا جسے اس نے خاموشی سے تمام کر لیوں سے لگایا اور غٹا لپیٹ لیا۔“

”کیا بتاؤں بھابی اس نے رومان کو کمرے میں بند کر کے باہر سے کنڈی لگا دی اور بھاگ گیا، وہ تو میں اتفاق سے اس طرف چلی گئی ورنہ بچی تو رو، برو کر بے ہوش ہو جاتی۔“

”آہم رومان، منم کی دس سالہ بیٹی کا نام تھا جو زوہان سے تقریباً چار، پانچ سال چھوٹی تھی مگر جانتے کیوں وہ اس بچی سے چڑتا تھا اکثر ہی وہ زوہان کی شرارتوں کی زد میں آ جاتا کرتی جس پر منم سے زیادہ میزہ کو غصہ آتا اور اسی بات پر وہ سزا کے طور پر زوہان کا پسندیدہ کارٹون چینل بند کر دیتی یا کبھی اس کا کیم

”بھابی زوہان کہاں ہے؟“ تیزی سے بیڑھیاں چڑھتی منم دغنائی ہوئی کچن میں داخل ہوئی۔ انہوں نے پلٹ کر دیکھا منم کے ہاتھ پر پڑی تیوریاں اور سرخ رنگت اس بات کی غماز تھی کہ وہ سخت غصے میں ہے۔ میزہ بتا پوچھے ہی جان گئیں کہ زوہان ضرور کوئی ایسی شرارت کر کے آیا ہے جس نے منم کے موڈ کو بری طرح آف کر دیا ہے ورنہ عام طور پر وہ زوہان کی اکثر شرارتوں کو نظر انداز کر جایا کرتی تھی۔

”چتا نہیں، دیکھو شاید اندر کمرے میں ہوگا۔“
 میزہ نے سالن میں جھج چلائے ہوئے دھیرے سے جواب دیا۔

”رہتے دیں، وہاں یقیناً وہ لی لی جان کے پاس ہوگا اور ان کے سامنے اسے بھلا کوئی کچھ کہہ سکتا ہے؟“
 وہ مسلسل تیوری چڑھاتے ہوئے تیز لہجے میں بولی۔

”ان کے ہی لاڈلیار نے تو اسے اتنا بگاڑ دیا ہے کہ جیسے، جیسے عرصہ رہ رہی ہے شرارتیں کم ہونے کے بجائے مزید بڑھتی جا رہی ہیں، بتائیے سوچے کہ کسی کو کوئی

© 2009 by All Rights Reserved



خاموشی سے تمام لیا۔

”آپ نے کھانے میں کیا بنایا ہے؟“ حصہ ختم ہوتے ہی کچن میں پھیلی خوشبو منم کے نعتوں سے نگرانی

اور وہ فوراً پوچھ بیٹھی۔

”قیمہ قیمتی.....“ جواب کے ساتھ ہی انہوں نے سالن باؤل میں نکال کر منم کی جانب بڑھا دیا۔

”اور ہاں اب آپ زد وہاں سے کچھ مت کہیے گا۔“ سالن تھا جتے ہوئے اس نے ایک بار پھر سے ہدایت کی۔

”اچھا.....“ مختصر جواب دے کر میز پر واپس کچن میں چلی گئی۔ اتنی دیر میں ہدایت اللہ روٹیاں اور سلاوا کا سامان لے کر آ گیا تھا۔

”جلدی سے سلاوا اور رائے بنا کر کھانا لگاؤ، میں نما کر آ رہی ہوں، ویسے بھی دو سے زیادہ ٹائم ہو گیا ہے اور

بی بی جان کو ہموک لگ رہی ہوگی۔“ ملازم کو ہدایت دیتی وہ کمرے میں چلی گئی، جاتی تھی کہ اب ہانی کے کام وہ بہت اچھی طرح کرے گا کیونکہ پچھلے کئی سالوں سے وہ

.....

چھین کر لاک کر دیا کرتی جس کے باعث کچھ دن تو وہ بازو ہٹا کر پھر فوراً ہی پرانی روٹین پر واپس آ جاتا۔

”اچھا..... بس پھر آج سزا کے طور پر اس کا دو پیر کا کھانا بند اور نہ ہی وہ آج اپنے پسندیدہ کارٹون دیکھ پائے گا۔“ منم کی بات کے دوران میز پر

دروازے سے جھانکنا کلاسرو دیکھ چکی تھی جو یقیناً زد وہاں کا ہی تھا۔ اسی لیے وہ بد آواز بلند ہوئی تاکہ آواز زد وہاں

کے کانوں تک پہنچ جائے جو یقیناً چھپ کر ان دونوں کی باتیں سن رہا تھا۔

”ارے نہیں بھالی، پلیز کھانا بند مت کریں البتہ کارٹون چینل بند کر دیجیے گا۔ بس اتنی سزا ہی کافی

ہے۔“ زد وہاں کے بھوکے رہنے کے احساس نے منم کو بے چین کر دیا اور وہ جلدی سے بول اٹھی۔

”تم یہ چاکلیٹ لو اور میری طرف سے اُتر ومان کو بے دینا۔“

میز پر فربح کھول کر زد وہاں کی پسندیدہ چاکلیٹ باڈل نکال کر منم کی جانب بڑھا جیسا اس نے

”کیا تھا پتر اگر تو اسے لٹچ کرنے دیتی جو ان ہوتا بچہ ہے کئی بار سمجھایا اس کے ساتھ خدا اور مقابلہ نہ کیا کرو..... مگر تم سختی ہی نہیں ہو اب کل کلاں کو بچہ خراب ہو گیا تو پھر مت کہتا۔“

منیزہ خاموشی سے کھانا کھاتی رہی، جانتی تھی ان کے ساتھ بحث کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ زوہان ان کا اکلوتا پوتا تھا۔ ان کے بانی دونوں بیٹوں کے گھر اولاد میں صرف بیٹیاں تھیں یہ ہی وجہ تھی جو صنم بھی زوہان کی ہر شرارت کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرتی ماسوائے اس کے کہ جب تک وہ اپنی شرارت میں حد سے زیادہ نہ بڑھ جاتا۔ اور بی بی جان بھی زوہان کے معاملے میں بہت زیادہ حساس تھیں۔ اب بھی انہیں منیزہ کی بات بے حد بری لگی تھی کہ اس نے بچے کو کھانے سے اٹھا کر واش روم بھیج دیا اور اس کا اندازہ بی بی جان کے چہرے پر چھائی تھکی دیکھ کر بخوبی لگایا جاسکتا تھا جسے قطعی نظر انداز کیے منیزہ چپ چاپ کھانا کھاتی رہی۔ ☆☆☆

”آپ لوگ کلاس میں موبائل فون لے کر آتے ہیں؟“ مسز رحمان نے حاضری رجسٹر بند کرتے ہی ایک دم جو پوری کلاس کو مخاطب کیا تو مسود فوراً ہی گھبرا اٹھا اور ایک نگاہ زوہان کے چہرے پر ڈالی جو بڑی سنجیدگی سے اپنے سامنے کھلی انگلیش کی کتاب میں کچھ ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا تھا بظاہر ایسے جیسے اس نے ٹیچر کی بات سنی ہی نہ ہو..... مسز رحمان کی بات کا جواب کسی لڑکے نے نہ دیا۔ انہوں نے کھڑے ہو کر پوری کلاس کا طائرانہ جائزہ لیا..... کمر پر ہاتھ رکھ کر وہ پوری کلاس کا ایک راؤنڈ بھی لے آئیں اور پھر پلٹ کر اپنی ٹیبل کے قریب واپس آن کھڑی ہوئیں۔

”جس کے پاس بھی سیل فون ہو وہ فوراً نکال کر یہاں رکھ دے کیونکہ ابھی کچھ ہی دیر میں سر قاسم یہاں آنے والے ہیں اور وہ آپ سب کی سختی سے چیکنگ کریں گے۔“

سر قاسم ریٹائرڈ آری آفیسر تھے اور ان سے تقریباً تمام... طلبہ ڈرتے تھے۔ یہ ہی وجہ تھی کہ مسز

ان کے ساتھ تھا اور ہر کام نہ صرف بہت تیزی سے بلکہ نہایت صفائی سے کرتا۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ دو گھر چھوڑ کر تیسرے گھر والے کرل ہمدانی صاحب کی بیگم نے کئی بار کوشش کی کہ ہدایت اللہ انہیں مل جائے مگر وہ ہمیشہ اپنی اس کوشش میں ناکام رہیں کیونکہ ہدایت اللہ کبھی انہیں چھوڑ کر جانے پر آمادہ نہیں ہوتا تھا۔ جب وہ شاور لے کر باہر نکلی تو ہدایت اللہ کھانا لگا چکا تھا، بی بی جان اور بسہ دونوں ٹیبل پر موجود تھیں جبکہ زوہان شاید ابھی تک ساتھ والی چھت پر ہی چھپا ہوا تھا۔ جسے انہوں نے قطعی نظر انداز کر دیا لیکن اس سے قبل کہ وہ سب کھانا شروع کرتے ڈائننگ روم کا دروازہ دھیرے سے کھولا پیٹ، پیٹ زوہان خاموشی سے اندر داخل ہوا، ٹیبل پر بیٹھے تمام افراد کے چہرے پر باری باری نظر ڈالی اور کرسی ہٹچ کر بیٹھ گیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ سالن کے ڈسک کی جانب ہاتھ بڑھاتا، منیزہ نے سالن اس کے سامنے سے سرکا کر پرے کر دیا۔

”پہلے فریش ہو کر آؤ..... اچھی طرح شاور لیٹر کھانا کھانا۔“ لہجے میں سختی لیے وہ اسے گھورتے ہوئے بولی۔
”ارے اسکول سے آکر تو بچہ نہایا دھویا ہے اب کھانا کھانے دوائے بھوک سے دیکھو کیا چھوٹا سامنہ نکل آیا ہے میرے بچے کا۔“

زوہان کے برابر والی کرسی پر بیٹھی بی بی جان نے اپنے سفید دوپٹے سے اس کے منہ پر آیا پیسینہ پونچھا اور اسے چمکارتے ہوئے لاڈ سے بولیں۔

”پلیز بی بی جان آپ اسے دوبارہ شاور لینے دیں ورنہ میں آج اسے لٹچ نہیں کرنے دوں گی۔“

”اُم رومان والا غصہ اب بھی اس کے لہجے میں... برقرار تھا جسے سمجھتے ہوئے زوہان فوراً سے بیشر سے اٹھ کھڑا ہوا۔

”بی بی جان آپ میرا انتظار کریں، میں ابھی پانچ منٹ میں فریش ہو کر آتا ہوں۔“ ماں کے غصے کو قطعی نظر انداز کرتا وہ بی بی جان کا منہ جو چستے ہوئے بولا اور پھر ان کا جواب سنے بغیر ہی اندر کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا۔

ٹکالا اور ان کے حوالے کر دیا..... جانتا تھا کہ اس کا فون ضبط ہو جائے گا اور اسے اسی وقت ملے گا جب وہ اس ادارے سے اپنی تعلیم مکمل کر کے باہر نکلے گا مگر اب اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا اور وہ جو یہ سمجھا تھا کہ سر قاسم کو فون تمہارے ہی اس کی گلو خلاصی ہو جائے گی تو ایسا نہ ہوا فوراً ہی اس کی پیشی پر ٹیکل آفس میں ہو گئی تھی۔

”اسکول میں تو فون لانے کی اجازت نہیں ہے اور آپ کسے والا فون لے کر آئے۔“ پر ٹیکل اسے خشکیں نکالنے سے گھورتے ہوئے بولیں۔

”اس کے گھر فون کریں.....“ اگلی ہدایت سر قاسم کے لیے تھی۔

”سوری میم، پلیز اس دفعہ معاف کر دیں آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔“

اب معافی مانگنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا وہ ایک دم گھبرا اٹھا۔ ورنہ اسے فون پر ہی اپنے بابا سے ذیل ہوتا پڑتا۔ ویسے یہ فون دو ماہ قبل ہی اسے منم چاچی نے گفٹ کیا تھا ورنہ باہا تو اسے سیل فون لے کر دینے کے بھی سخت خلاف تھے۔

”کیا نام ہے آپ کا؟“ پر ٹیکل کا غصہ ذرا بھی کم نہ ہوا۔

”ز وہان علی باسط.....“ وہ دھیرے سے بولا۔
 ”اوہ تم میجر باسط کے بیٹے ہو؟“ پر ٹیکل نے حیرت انگیز لہجے میں سوال کیا۔
 ”نہیں میم.....“

”حیرت ہے اتنے نائس شخص کا بیٹا تم جیسا..... مجھے یقین نہیں آ رہا۔“ لہجہ اور انداز بیاں دونوں ہی حیرت سے بھرے تھے۔

”ٹھیک ہے پہلی دفعہ کی بات ہے تو میں تمہیں چھوڑ دیتی ہوں مگر آئندہ ایسا ہوا تو تمہارا نام اسکول سے خارج کر دیا جائے گا۔“

پر ٹیکل وارننگ کے ساتھ ہی وہ آفس سے باہر نکل آیا۔ سامنے ہی گراؤنڈ میں فاران کھڑا سر قاسم سے باتیں کر رہا تھا۔ بڑی مشکل سے اسے نظر انداز کرتا وہ اپنی کلاس کی جانب آ گیا۔ اب صرف مسئلہ یہ تھا کہ

رحمان کا جملہ ختم ہوتے ہی کلاس میں موجود دو تین طلبا نے جلدی سے پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر سیل فون نکالے اور کلاس میں موجود بڑی سی ٹیکل پر رکھ دیے۔ جنہیں سسر رحمان نے اٹھا کر دراز میں ڈال دیا۔

”اور کس کے پاس فون ہے؟ ہری اپ جلدی سے لے آئیں۔“

ابھی ان کا جملہ ختم ہی ہو رہا تھا کہ سر قاسم کلاس میں داخل ہوئے۔ انہیں دیکھتے ہی تمام لڑکوں نے اپنے بیگ اٹھا کر سامنے ڈیک پر رکھ دیے، وہ ہاتھ میں چٹری لیے آہستہ آہستہ آگے بڑھے اور ایک دم ہی زدہان کے پاس جا کر کے وہ زدہان کو جس نظروں سے دیکھ رہے تھے مسود کو ایک دم اپنی سانسیں بند ہوتی ہوئی محسوس ہوئیں اور اسی دوران اس نے بھی جلدی سے ڈیک میں ہاتھ ڈال کر اپنا فون نکالا اور فوراً جا کر سسر رحمان کے سامنے رکھ دیا۔ سسر قاسم نے اس پر کوئی توجہ نہ دی۔ وہ مسلسل زدہان کو ہی گھور رہے تھے جو سر نیچے کیے کھڑا تھا۔

”تم اسکول میں کسے والا فون لاتے ہو۔“ ان کا سوال اس قدر اچانک تھا کہ زدہان نے بوکھلا کر ان کے چہرے پر ایک نظر ڈالی۔

”نوسر.....“ بوکھلاہٹ میں اس کے منہ سے صرف اتنا ہی نکلا تھا کہ یک دم سر قاسم نے اسے کار سے پکڑ کر باہر کھینچ لیا وہ سمجھ گیا کہ انہیں لینے والی اطلاع مصدقہ ہے اور یہ اطلاع انہیں کس نے دی تھی یہ بھی زدہان جانتا تھا۔ آج بھی بریک میں اسے تصویریں کھینچنے سے ہیڈ ہوائے فاران خان نے منع کیا تھا جس کی اس نے ایک نہ سنی تھی۔ اب یہ اسی کا نتیجہ تھا جو وہ پوری کلاس میں سر قاسم کے ہاتھوں اس بری طرح ذلیل ہو رہا تھا، اسے دل کھول کر فاران پر غصہ آیا اس کا بس نہیں چلا ورنہ شاید وہ اسی وقت جا کر اس کا منہ توڑ دیتا مگر جانتا تھا کہ اس کے نتیجے میں وہ اسکول سے معطل کر دیا جاتا یہی سوچ کر وہ خون کے گھونٹ بھر کر رہ گیا تھا۔

”فون دو مجھے اپنا ہری اپ.....“ سر قاسم کے دھاڑتے ہی زدہان نے جبکہ کمزور سے اپنا فون

جانا ہمارے لیے بالکل ناممکن ہے، تم دعا کرو ہم جلد ہی کامیاب ہوں اور اپنے گھروں کو واپس لوٹیں۔“

بچھلے چھ ماہ سے وہ ایک ہی بات سن رہا تھا اس لیے بنا جواب دیے اس نے خاموشی سے فون ماں کو تھما دیا۔ ویسے تو اس کے بچپن کا زیادہ حصہ باپ سے دور ہی گزرا تھا مگر اب بچھلے کچھ سالوں سے باسط صاحب کی ہوسٹنگ کونڈے اور پھر پنڈی ہونے کے باعث وہ اپنے گھروالوں کے ساتھ رہے جس وجہ سے زوہان ان کا عادی ہو گیا تھا کہ اچانک ہی آپریشن ضرب عضب نے انہیں اپنے گھروالوں سے دور کر دیا اور اس دو سالہ عرصے میں وہ صرف دو یا تین بار ہی چند دنوں کے لیے گھر آئے تھے۔ اور اب تو چھ ماہ سے اس نے اپنے، باپ کی شکل نہیں دیکھی تھی اور یہی بات اکثر غصے کی صورت میں اس کے دل میں آکر اسے تپا دیا کرتی تھی۔

”تم نے اپنے بابا سے صحیح طرح بات کیوں نہیں کی زوہان جانتے ہو وہ کسی قدر پریشان ہوئے بار، بار مجھ سے یہ ہی سوال کر رہے تھے کہ کہیں خدا خواستہ تمہاری طبیعت تو خراب نہیں۔“ میزہ فون بند کر کے اس کے قریب آتے ہوئے بولی۔

”آپ جانتی ہیں، بابا اب بھی گھر واپس نہیں آ رہے۔“

غصے کے ساتھ، ساتھ اس کے لہجے میں باپ سے ملنے کی امنگ بھی بکھر رہی تھی جسے میزہ محسوس کیے، پناہ نہ کی۔

”ہاں بیٹا، میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ اس وقت ہم سے زیادہ ہمارے وطن کو ان کی ضرورت ہے اور ویسے بھی اس محاذ پر نہ وہ تہا سپاہی ہیں اور نہ ہی ان کے پیچھے ان کی یاد میں آنسو بہانے والے تم تہا بیٹے ہو، تمہارے جیسے کئی بچے اور باسط جیسے کئی جوان اپنے گھر والوں سے دور دشمن کے خلاف نبرد آزما ہیں اور بجائے اس کے کہ تم یہاں اس طرح بیٹھ کر شکوے کرو بہتر ہوگا کہ دعا کیا کرو، اللہ ہمارے ملک کو ان دہشت گردوں سے پاک کر دے جنہیں ختم کرنے کے لیے جانے ہم اب تک کتنی قربانیاں دے چکے ہیں۔“ میزہ کا انداز

گھر جا کر امی کو کس طرح بتائے کہ وہ فون اسکول..... لے کر گیا تھا، جانتا تھا کہ پرنسپل کے بعد اب اسے اپنے گھر میں بھی ذلیل ہونا پڑے گا۔ جس کے لیے چھٹی تک وہ خود کو دہشتی طور پر تیار کر چکا تھا۔

☆☆☆

”زوہان تمہارے بابا کا فون ہے۔“ وہ سو رہا تھا جب امی نے اسے جگا کر فون اس کے کان سے لگا دیا۔ جانتا تھا کہ بابا کو مصر کے بعد دیر تک سونا قطعی پسند نہیں اس لیے وہ یہ مشکل اپنی مندی آپکھیں کھول کر سیدھا ہو بیٹھا۔

”السلام علیکم بابا جان.....“ باب سے بات کرنے کی خوشی اس کے لہجے سے قطعی مفقود تھی۔

”وعلیکم السلام..... مائی سن کیسے ہو؟“ انہوں نے شاید اس کے تھکے ہوئے لہجے پر توجہ نہ دی۔

”ٹھیک ہوں.....“ جواب دے کر وہ پھر سے خاموش ہو گیا میزہ کو محسوس ہوا وہ شاید فون پر اپنے بابا سے بات بھی نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔

”تمہاری اسٹڈیز کسی جا رہی ہیں؟“ اس کی خاموشی محسوس کرتے ہی انہوں نے دوبارہ سوال کیا۔

”ٹھیک.....!“ جواب پھر وہ ہی مختصر سا۔ جسے دوسری طرف لائن پر موجود باسط صاحب نے بھی شاید محسوس کر لیا۔

”تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟“ انہیں لگا شاید زوہان کی طبیعت خراب ہے۔

”جی میں بالکل ٹھیک ہوں بابا.....“

”میں نے تمہیں فون اس لیے کیا ہے کہ اپنے ایگزامز کی تیاری اچھی طرح کرنا کیونکہ تمہیں ایرو ٹائیکل انجینئرنگ کے لیے ٹیسٹ دینا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم سلیکٹ ہو جاؤ، جو اس صورت میں ہی ممکن ہے۔ جب تم ایف سی کا امتحان بہت اچھے نمبروں سے پاس کرو۔“

”آپ کب آ رہے ہیں؟“ ان کی ساری باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ سوالیہ انداز میں بولا۔

”دیکھو ابھی تو شاید ایک ماہ مزید لگ جائے ہم جس جگہ موجود ہیں وہاں سے آپریشن مکمل کیے جتا واپس

محرم الحرام 1443ھ 2021ء

ہلکا سا نسیں دیں۔

”بلا وجہ گھبرا یا نہ کرو پتر، مجھے ہر عمر میں مختلف سوچ رکھتا ہے وہ بات جو کل اسے اچھی لگتی تھی آج بری لگ سکتی ہے اور جو آج اچھا ہے وہ کل برا لگ سکتا ہے، یہ سب بچکانہ سوچ ہے جو وقت کے ساتھ بدل سکتی ہے، دیکھ لیتا آج اتنی باتیں بتانے والا زوہان کل خود ہی جا کر اپنا انٹری ٹیسٹ دے گا اور پاس ہو کر آری بھی جو ان کرے گا..... پریشان نہ ہو۔“ صبح کے دانے گراتے ہوئے انہوں نے بھوک بھجایا ان کے لہجے میں بھرپور یقین اور مان بھلک رہا تھا۔

”کیسے پریشان نہ ہوں بی بی جان، جانتی ہیں اس کے میڈیا سائنس بڑھنے کی خبر سننے ہی باسط نے مجھے ایسا آڑے ہاتھوں لیتا ہے کہ بس.....“ وہ براسا منہ بتاتے ہوئے بولی۔

”ہر بات کو دل سے نہ لگایا کرو، کچھ باتیں بھول بھی جایا کرتے ہیں اور ایسی باتیں وقت کے لیے چھوڑ دیتے ہیں۔ تم بھی چھوڑ دو ابھی تو اسے ٹیسٹ دینے کے لیے پورے دو سال درکار ہیں اور تم آج سے ہی پریشان ہو گئیں۔“

بات تو ان کی ٹھیک تھی یہ ہی سوچ کر میزہ کو کچھ تسلی ہوئی تھی۔

☆☆☆

”اوئے پیچھے دھیان رکھنا کوئی آنہ جائے۔“ سرکارمان کی موٹر ہائیک کے قریب بیٹھتے ہوئے اس نے مسعود کو ہدایت کی اور ساتھ ہی ہاتھ میں پکڑی کیل ان کی ہائیک کے پیچھے والے ٹائر میں بری طرح کھسا دی سوں کی آواز کے ساتھ ہی ٹائر سے ہوا نکل گئی اور وہ فوراً سے بیٹھ اٹھ کھڑا ہوا۔

”جلدی نکل، کام ہو گیا اپنا۔“ مسعود کو ساتھ لیے وہ آگے بڑھ گیا، سامنے ہی عینات چاچا گاڑی لیے کھڑے تھے، وہ زوہان کو سب کرتا دیکھ چکے تھے لیکن ہمیشہ سے ہی وہ اس کی اس طرح کی تمام حرکتوں پر پردہ ڈالنے کے عادی تھے۔ اب بھی وہ زوہان کو یہ

بتا رہا تھا کہ اسے زوہان کا اپنے باپ سے اس طرح بات کرنا سخت ناگوار گزرا ہے۔

☆☆☆

”بیٹا تمہارے باپا تمہاری پڑھائی کی وجہ سے فکر مند ہیں۔ تمہیں اچھے نمبروں سے کامیاب ہونا ہے اور پھر آری جو ان کرنی ہے۔“

”مجھے آری جو ان نہیں کرنی..... کیونکہ مجھے یہ فیلڈ پسند نہیں۔“ زوہان قطعی لہجہ میں بولا۔

”دامخ خراب ہے تمہارا..... جانتے ہو تمہارے دادا آری کے آفیسر تھے، تمہارے تایا ریٹائرڈ کرل، تمہارے بابا منیجر اور چاچا آری ڈاکٹر یہاں تک کہ تمہارے تایا کی بیٹی بھی آری اسکول میں پیچھے ہے ہم فورسز کے لوگ ہیں بیٹا اور بغیر فورس کے ہماری کوئی زندگی نہیں۔ ابھی تم پیچھے ہو اور تمہیں اس سب کا اندازہ نہیں، وقت گزرنے دو تمہیں خود ہی پتا چل جائے گا۔“ میزہ نے اسے سمجھایا۔

”ضروری نہیں کہ اگر میرے دادا یا والد آری میں ہوں تو میں بھی آری ہی جو ان کروں، ویسے بھی مجھے قوم کی خاطر کوئی قربانی دینے کا شوق نہیں اور معاف کیجیے گا ای قوم بھی وہ جسے خود اپنی حالت بدلنے کا کوئی خیال نہ ہو، ایسے لوگوں کی فٹے داری پوری کرنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں۔ میں نے سوچ لیا ہے کہ مجھے میڈیا سائنس پڑھنی ہے اور یہ بات آپ بابا کو بھی بتا دیں۔“ فریج سے بوتل نکال کر اس نے ڈھکن کھول کر منہ سے لگایا اور ایک ہی سانس میں غٹا غٹ لی گیا۔

”تمہیں کتنی ہارنچ کیا ہے کہ بوتل کو منہ لگا کر پانی مت پیا کرو، وہ بھی ایک ہی سانس میں۔“ میزہ چڑتے ہوئے بولی جبکہ زوہان کوئی جواب دے بنا خاموشی سے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا، وہ مستقبل میں میڈیا سائنس پڑھنا چاہتا تھا یہ خبر میزہ کو سخت ناگوار گزری، شوہر سے تو فی الحال اس کا ذکر کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا مگر وہ بی بی جان سے شکایت کرنے سے خود کو باز نہ رکھ سکی اور اس کی یہ شکایت سننے ہی بی بی جان

لیے وہ صوفے پر آن بیٹھے۔

”اس طرف تھوڑا کام تھا تو سوچا کیوں نہ گھر سے بھی ہوتا جاؤں۔“ وہ اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولے۔

”مطلب آپ ابھی واپس چلے جائیں گے؟“
کچھ دیر قبل اچانک ملنے والی خوشی ایک دم غائب ہوئی۔

”ہاں بیٹا، میں انشاء اللہ اگلے ہفتے آؤں گا اور

پورے دس دن تمہارے ساتھ رہوں گا اور پھر ہم اسلام آباد بھی گھومنے جائیں گے۔“ وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔

”اوکے بابا، مجھے نیند آرہی ہے پھر شام میں اٹھ کر آپ سے ملوں گا۔ اللہ حافظ۔“ کہتا ہوا ہنا کسی کی کوئی بات سننے سے وہ تیز چلتا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا یقیناً اس کا دل بھرا آیا تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی آنکھ میں آئے آنسو کسی کی نظر میں آئیں مگر باسط صاحب اس کی کیلی آنکھیں دیکھ چکے تھے۔

”یہ دوپہر میں کھانا نہیں کھاتا؟“ ماحول میں ایک دم پھیل جانے والی سنجیدگی کو انہوں نے اپنے سوال کے ذریعے کم کرنے کی کوشش کی۔

”کھاتا ہے، بپا کھائے تو آپ جانتے ہیں یہ دوپہر میں سو بھی نہیں سکتا بس ابھی ہدایت اللہ ٹیبل لگا دے پھر اسے لی بی جان لے آئیں گی، آپ فکر نہ کریں۔“

اتنے دنوں بعد گھر آنے والے اپنے مجازی خدا کو وہ کسی بھی طرح پریشان نہ دیکھ سکتی تھی اس لیے جلدی سے انہیں تسلی دیتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”میزبہ.....!“ بچن کی جانب بڑھتی میزبہ کو انہوں نے ایک دم ہی آواز دے کر روک لیا، جانے کیوں وہ میزبہ کو اب بھی پریشان ہی دکھائی دیے۔

”اس پر بہت توجہ دیا کرو۔“ یقیناً ان کا اشارہ

زوہان کی جانب تھا وہ مسکرا دی۔ ”اس کی بڑھائی چیک کرنی رہا کرو..... پرپسل سے بھی وقتاً فوقتاً مکر اور اسے کسی ایسی اکیڈمی میں داخل کروادو جہاں آری کمیشن کے لیے ہونے والے انٹری ٹیسٹ کی تیاری

کروائی جاتی ہو کیونکہ میں چاہتا ہوں اس کا سلیکشن پہلے

کرتا دیکھ چکے تھے جس کا اندازہ ان کے چہرے پر کھلتی مسکراہٹ دیکھ کر بخوبی لگایا جاسکتا تھا۔ زوہان نے پچھلا دروازہ کھول کر بیک انڈریسٹ پر پھینکا ہی تھا کہ ایک دم نگاہ پہلے سے اندر موجود اُم رومان پر پڑی جو یقیناً زوہان کی کچھ دیر قبل والی حرکت دیکھ چکی تھی جس کا یقین اس کے منہ سے نکلنے والے جملے نے زوہان کو دلایا۔

”آپ نے سر کامران کی موٹر سائیکل کا تائر کیوں پچس کیا؟“ وہ زوہان کو دیکھتے ہوئے مسکرا دی۔ ایسی مسکراہٹ جس نے اس کے تن بدن میں آگ لگادی، ذرا سی چھٹانک بھری لڑکی اس کے ہر عمل پر نگاہ رکھے ہوئے تھی۔ یہ سوچ ہی اسے سلگانے کے لیے کافی تھی۔ اس کا دل چاہا ایک زوردار چھیناس کے منہ پر لگا دے مگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا۔

”افو بھائی، گھبرا نہیں مت، مجھے راستے سے آنسکریم کھلا دیں میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔“ وہ شرارت سے مسکراتی تھی۔ زوہان کے پاس کوئی چارہ نہیں تھا سوائے اس کی بات ماننے کے۔ اسے خشکیں لگا ہوں سے گھورتا ہوا وہ گاڑی میں بیٹھ گیا۔ عنایت چاچا کے گاڑی ریلورس کرتے ہی اس کے ساتھ دوسری گاڑی بھی چل دی جس میں ان کی سکیورٹی..... گاڑوں جو آتے اور جاتے، راستے میں اس نے اُم رومان کو اس کے پسندیدہ فلیور کی آنسکریم لے کر دی مگر وہ پھر بھی مشکوک تھا جانے وہ اپنی زبان بند رکھے یا پھر کسی دن سب کو بتادے مگر اب اس کی رشوت پوری کرنے کے سوا کوئی دوسرا چارہ بھی نہیں تھا۔

☆☆☆

وہ جیسے ہی گھر میں داخل ہوا سامنے یونیفارم میں لمبوس باپ کو دیکھ کر خوشگوار حیرت میں گھر گیا۔

”السلام علیکم بابا جان، آپ کب آئے؟“ خوشی سے ان کے گلے ملنے ہوئے اس نے دریافت کیا۔

”تقریباً گھنٹا ہو گیا ہے۔“ اسے اپنے ساتھ

دل میں اتر جانے والا تھا پھر کیسے نہ بیٹے کی سمجھ میں کوئی بات آتی۔ وہ اپنی محبت وطن اماں کی ہر بات سمجھ گئے تھے اس لیے بنا کچھ کہے اثبات میں سر ہلائے گئے اور بی بی جان مطمئن ہو گئیں۔

☆☆☆

گراؤنڈ میں فٹ بال کی پریکٹس جاری تھی۔ زوہان سستانے کی خاطر وہیں موجود چھوٹی سی میزمری پر بیٹھ گیا، مسعود بھی اس کے قریب ہی آن بیٹھا جب اچانک اس کی نظر فاران پر پڑی جو بڑی تیز رفتاری سے بال لیے ان کی طرف آ رہا تھا اسے ایک دم شرارت سمجھی اور اس نے تقریباً لیٹے ہوئے قریب سے گزرتے فاران کے سامنے اپنی دائیں ٹانگ کر دی وہ اتنی بے خیالی میں تھا کہ زوہان کی ٹانگ سے الجھتے ہوئے اوندھے مندر میں پر آن گرا۔

”ارے ارے کیا ہوا؟“ اسے گرتا دیکھتے ہی زوہان اٹھ کر تیزی سے اس کی جانب بڑھتے ہوئے بولا۔

زوہان کے وہاں پہنچنے سے قبل فٹ بال کے کوچ سر رضوان بھاگتے ہوئے آ گئے، زمین پر گرا فاران ابھی تک نہیں اٹھا تھا شاید اسے پہنچنے والی جوش کچھ زیادہ ہی شدید تھی۔ زوہان دل دل میں گھبرا اٹھا، سر کے ساتھ مل کر اس نے فاران کو سیدھا کیا اس کا منہ خون سے بھر گیا تھا۔

”اوہ..... اوہ.....“ فاران کا بہتا خون دیکھتے ہی مارے گھبراہٹ اس کے منہ سے بھی یہی لفظ نکل پایا۔ اسی دم ڈاکٹر اکل اپنا فرسٹ ایڈ باکس لیے بھاگتے ہوئے گراؤنڈ میں پہنچ گئے۔ انہیں شاید کسی نے فاران کے گرنے کی اطلاع دے دی تھی اور پھر چہرے پر آیا بلڈ صاف کر کے دو لڑکوں کی مدد سے اسے اٹھا کر اسکول کے پچھلے حصے میں بنے اپنے چھوٹے سے کلینک لے گئے۔

”تم نے ٹانگ کیوں پھنسا لی تھی زوہان.....؟“ سب کے وہاں سے جاتے ہی مسعود اس کی جانب پلٹا۔

”میں میزمری سے سلب ہو گیا تھا..... میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا۔“ مسعود سے نظریں جراتے

سال ہی ہو جائے اور اس کا مزید ناگم ضائع نہ ہو میری بات سمجھ رہی ہوں تم.....“

انہوں نے خاموش کھڑی میزمرہ سے تصدیق چاہی جو پہلے ہی گھبرا رہی تھی کہ اب باسٹ صاحب کو کس طرح بتائے کہ ان کا صاحبزادہ میڈیا پر ڈھنسا چاہ رہا ہے۔

”جی.....“ میزمرہ نے بے شکل صحن میں آیا تھوک نکلا۔

”ویسے مجھے ایسا لگتا ہے جیسے ہم نے زوہان کی پرورش صحیح خطوط پر نہیں کی، کہیں نہ کہیں ہم سے غلطی ہوئی ہے۔“ انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے بیوی کی جانب نکلا۔

”میں آپ کی بات سمجھتی نہیں۔“ ان کے انداز گفتگو نے میزمرہ کو کھوڑا سا حیران کر دیا۔

”پتا نہیں کیوں کبھی، کبھی مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ حب الوطنی جو ایک فوجی کا پائنا ہونے کے ناتے اس کے دل میں ہونی چاہیے، وہ نہیں ہے بلکہ مجھے تو وہ اپنے وطن اور اس کے لوگوں سے بھی اکھڑا، اکھڑا محسوس ہوتا ہے۔“ زوہان کے رویے نے انہیں ایسا سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

”نہیں بیٹا، تمہاری سوچ بالکل غلط ہے۔“ میزمرہ کے کچھ جواب دینے سے قبل ہی قریبی تخت پر بیٹھی بی بی جان نے انہیں مخاطب کیا۔

”ہماری یہ نسل بھی اپنے وطن سے اتنا ہی پیار کرتی ہے جتنا میں اور میرے بعد تم لوگ، فرق صرف اتنا ہے کہ ان کے دل میں چھپی حب الوطنی ضرورت پڑنے پر ابھر کر سامنے آتی ہے جبکہ ہم وہ لوگ تھے جو ہمیشہ سے

وطن کی خاطر اپنے ہر مفاد کو پس پشت ڈالتے رہے ہیں ویسے بھی شاید آج کل کے حالات نے ہمارے بچوں کو بدظن کر دیا ہے، ہمارا زمانہ تو بڑے سکون کا زمانہ تھا اور یہ

بیچاری نئی نسل ہم دھماکوں اور دہشت گردی سے گھبراتی ہوئی نسل ہے، ہر دن ہونے والی ایک نئی دہشت گردی انہیں شاید یہ احساس دلاتی ہے کہ اس ملک میں رہ کر یہ

کبھی محفوظ نہیں ہو سکتے اسی لیے یہ لوگ فرار میں نجات ڈھونڈتے ہیں سو قصور ان کا بھی نہیں.....“ وہ دھیرے،

دھیرے بیٹے کو سمجھاتے ہوئے بولیں ماں کا انداز بیان

ہوئے وہ دھیرے سے بولا۔

”کم از کم میرے ساتھ تو جھوٹ مت بولو۔“ اتنا کہہ کر مسعود تیزی سے اس جھے کی جانب بڑھ گیا۔ جہاں اکثر انگل کا کلیک واقع تھا۔ وہ شاید پہلا دن تھا جس دن زوہان کو اپنی شرارت پر اس قدر افسوس ہوا کہ اس نے گھر جا کر کھانا بھی نہیں کھایا وہ تو شاید رات میں بھی کچھ نہ کھانا اگر مسعود اسے فون کر کے فاران کے ٹھیک ہونے کی اطلاع نہ دیتا۔

☆☆☆

”نہیں میڈم میں اپنا پاؤں مڑنے کے سبب گرا تھا، اس میں زوہان کا کوئی تصور نہیں۔“

ایمنشن حالت میں کھڑے فاران کے جواب نے اس کے قریب ہی موجود زوہان کو ایک دم حیران کر دیا۔ اس نے پلٹ کر اپنے قریب موجود اس دہلے پتلے لڑکے پر ایک نظر ڈالی جسے تنگ کرنے کا کوئی موقع وہ کبھی اپنے ہاتھ سے نہ جانے دیتا تھا مگر آج اس لڑکے کے صرف ایک جملے نے زوہان کو شاید گھرے پا تال میں پھینک دیا، وہ دل کھول کر شرمندہ ہوا اور اس کی پیشانی تم ہو گئی۔

”مگر سر رضوان نے خود دیکھا ہے۔“ پرنسپل حیران تھیں۔

”نہیں میڈم انہیں شاید کوئی غلط فہمی ہوئی ہے، ایسا بالکل بھی نہیں ہوا۔“ فاران نے نہایت اطمینان سے اپنا جملہ دہرایا۔

”اُس اوکے لیکن میں جانتی ہوں کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔“ میڈم اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑی ہوئیں اور فاران کے قریب آ کر بولیں۔

”اور میں داد دوں گی کہ تم ایک ایسے لڑکے کو بچانے کی کوشش کر رہے ہو جس کی وجہ سے تم کل کسی بھی بڑے نقصان سے دوچار ہو سکتے تھے لیکن آج تمہارے ایک بے ضرر جھوٹ نے اسے معطل ہونے سے بچالیا، ورنہ میں ابھی کچھ دیر میں میجر باسط کو فون کرنے کی والی تھی کہ وہ خود یہاں آئیں اور آکر اپنا بیٹا لے جائیں

لیکن پھر مجھے یاد آ گیا یہ اس عظیم سپاہی کا بیٹا ہے جو اپنے گھر والوں سے دور دشمنوں سے نبرد آزما ہے اور آج تمہارے جھوٹ نے ہمارے قومی ہیرو کو شرمسار ہونے سے بچالیا۔ ویل ڈن مائی ن ملک کو تمہارے جیسے بچوں کی ہی ضرورت ہے۔“

فاران کے جھوٹ کے بعد میڈم کے الفاظ سب نے مل کر زوہان کو روج کے شرمندہ کیا پرنسپل کی بات کے جواب میں فاران بالکل سیدھا کھڑا رہا۔

”ٹھیک ہے، جائیں آپ لوگ اور زوہان علی باسط آئندہ مجھے آپ کی کوئی شکایت نہ ملے تو بہتر ہوگا۔“

اسے وارن کرتے ہوئے پرنسپل اپنی سیٹ کی جانب واپس پلٹ گئیں جبکہ وہ فاران کے ساتھ چلتا ہوا خاموشی سے پرنسپل آفس سے باہر آ گیا۔ اس کی کچھ میں وہ الفاظ نہیں آرہے تھے جس کی مدد سے فاران کا شکریہ ادا کرتا جس نے آج خود جھوٹ بول کر اسے شرمندگی سے بچالیا تھا۔

”سوری فاران، میں نہیں جانتا تھا کہ تمہیں اتنی زیادہ چوٹ لگ جائے گی۔“ فاران کی ناک پر بندھی پٹی دیکھتے ہوئے وہ شرمندگی سے بولا۔

”اُس اوکے یار، یہ تو بڑی معمولی چوٹ ہے ہمارا تعلق جس خاندان سے ہے، وہاں ایسی چھوٹی چھوٹی ٹکلیوں کو اہمیت نہیں دی جاتی اور پھر کل آنے والے وقتوں میں ہم جیسے نوجوانوں نے ہی اس قوم کی حفاظت کے لیے سرحدوں پر ڈیوٹی دینی ہے جہاں جانے ایسے ہی ذمہ ہمارے منتظر ہوں گے تو اچھا ہے ناں کہ ابھی سے عادت ڈال لی جائے۔“ اس نے زوہان کے کندھوں پر اپنے ہاتھ کا دباؤ ڈال کر مسکرانے کی کوشش کی جس میں وہ اپنی ناک کی تکلیف کے باعث کامیاب نہ ہو سکا۔

”جو کچھ بھی تمہا کر تم نے آج پرنسپل اور ایچ ایم کے سامنے جس طرح جھوٹ بول کر مجھے بچایا ہے، میں تمہارا وہ احسان کبھی نہیں بھول سکا، اس لیے ہو سکے تو اب مجھے میری شرارت پر دل سے معاف بھی

اعزازہ اس کے ہر، ہر عمل سے ہو رہا تھا۔ اسی سبب زوہان نے اپنا آج کا فٹ بال بیج بھی چھوڑ دیا کیونکہ وہ زیادہ ٹائم اپنے بابا کے ساتھ گزارنا چاہتا تھا۔ شام میں جب وہ سو کر اٹھا تو باسط صاحب اسے اپنے ساتھ واک پر لے گئے تھے۔ ان کے ساتھ کی جانے والی آدمی سمجھنے کی واک نے اسے تھکا دیا جبکہ اس عمر میں بھی اس کے بابا خاصے ہشاش بشاش نظر آرہے تھے۔ اب بھی وہ ٹریک کا ایک پکڑکٹ کر واپس پلٹے تو زوہان گھٹنوں پر ہاتھ رکھے وہیں رک گیا۔

”کیا بات ہے جو ان تھک گئے ہو؟“ واک کا عمل روک کر انہوں نے وہیں کھڑے، کھڑے جا گھٹک اشارت کرتے ہوئے زوہان سے سوال کیا۔

”بابا دراصل مجھے اتنا چلنے کی عادت نہیں ہے۔“ پھولی، پھولی سانسوں کے دوران اس نے جواب دیا۔ ”اچھا آؤ پھر کچھ دیر کہیں بیٹھ جاتے ہیں۔“ وہ اسے اپنے ساتھ لیے ایک قریبی بیج پر چاہٹھے۔ زوہان سامنے سے تازہ جوس کے دو گلاس لے آیا جو ایک اس نے بابا کے ہاتھ میں تھما دیا۔

”جانتے ہو آج میں تمہیں اپنے ساتھ واک پر کیوں لایا ہوں؟“ آہستہ، آہستہ جوس کے سپ لیتے ہوئے انہوں نے زوہان سے پوچھا۔

”تمہیں.....“ جواب کے ساتھ، ساتھ اس نے نفی میں اپنا سر ہلادیا۔

”میں کل تمہارے کالج گیا تھا۔“

زوہان کا اسکول انٹرمیڈیٹ تھا اور وہ میٹرک کے بعد وہیں زیر تعلیم تھا۔

”اوہ.....“ زوہان کے لیے یہ خبر خاصی حیران کن تھی کہ کل بابا اس کے کالج گئے اور اسے ابھی تک کسی نے بتایا بھی نہیں۔

”تمہاری پرنسپل میری پرانی جاننے والی ہیں، ایک وقت میں ان کے شوہر کینٹن عاقل میرے ساتھ، ہوا کرتے تھے۔“

”جی.....“ وہ جلد از جلد جانا چاہتا تھا کہ بابا

کر دینا۔“ فاران کے چہرے پر پھیلی تکلیف اور اذیت کی کیفیت زوہان کے دلی رنج کا باعث بھی رہی تھی۔ جس کا اندازہ اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر بخوبی لگایا جاسکتا تھا۔

”میرا ایک بے ضرر جھوٹ اگر تمہیں سیدھے راستہ پر لے آئے تو مجھو اس سے بڑی کامیابی میرے لیے کوئی اور نہیں ہو سکتی ویسے تمہیں شاید علم نہیں میرے آقا جی صوبیدار حیدر خان پچھلے ایک سال سے تمہارے بابا کے ساتھ وزیرستان میں ڈیوٹی سرانجام دے رہے ہیں، پچھلے دنوں جب وہ گھر آئے تو انہوں نے تمہارے بابا کی اتنی تعریف کی کہ میرے لیے وہ ایک رول ماڈل کی حیثیت اختیار کر گئے اور پتا دیکھے، بنا جانے میرے دل میں ان کی عزت اور احترام کی گنا بڑھ گیا، یہ بھی وجہ تھی کہ آج میں نے جھوٹ بول کر تمہیں بچایا کیونکہ میں کسی طرح بھی تمہارے بابا کو، تمہاری ایک چھوٹی سی شرارت کے نتیجے میں شرمندہ ہوتا نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس لیے تمہیں بھی یہ مشورہ دوں گا کہ ہمیشہ زندگی میں ایسے کام کرو جو ہر دم حالت جنگ میں رہنے والے ہمارے باپوں کے سرخرو سے بلند رکھے۔“ یہ سب کہنے کے بعد فاران وہاں رکنا نہیں بلکہ تیز، تیز چلتا کارڈیور کے دوسرے سرے پر غائب ہو گیا مگر اسے پیچھے رہ جانے والے زوہان کو ہر لحاظ سے شرمندہ کر گیا اور پھر اگلی شرمندگی زوہان کو اس وقت ہوئی جب اسکول کی فٹ بال ٹیم فاران کے بغیر کھیل جانے والا آل اسکول فٹ بال مقابلہ ہار کر آگئی۔ زوہان کو لگا ان سب کا ذمے دار وہ ہی ہے جس کے باعث وہ کافی عرصے تک ایک گھٹکی کیفیت میں مبتلا رہا۔

☆☆☆

باسط صاحب کافی عرصے بعد ایک طویل چٹھی پر گھر واپس آئے تھے۔ وہ آپریشن کلین اپ کے سلسلے میں جس علاقے کے مگران تھے وہاں کام تقریباً ختم ہو گیا تھا۔ یہی سبب تھا جو وہ کچھ وقت ایٹوں کے ساتھ گزارنے گھر لوٹ آئے۔ زوہان بہت خوش تھا جس کا

اس سے کیا بات کرنا چاہ رہے ہیں۔

”انہوں نے بتایا کہ تمہاری اب تک کی رپورٹ کچھ خاص نہیں ہے، میٹرک میں بھی تمہارے نمبر خاص کم تھے جبکہ فرسٹ ایئر کے حالیہ ہونے والے مڈ ٹرم میں تم مشکلوں سے پاس ہوئے ہو اور تمہارا امتحان بھی خاصا خراب ہے۔“

ان کا بیان کردہ تجزیہ بالکل درست تھا زوہان سمجھ نہ پایا کہ انہیں کیا جواب دے۔

”میں نے تمہیں ہمیشہ سمجھایا ہے بیٹا کہ تمہیں کیشن کا امتحان پاس کرنے کے لیے بہت محنت کرنی ہے خاص طور پر تمہارا حساب بہترین ہونا چاہیے۔ مگر کل تمہارے کانٹ جا کر میں خاصا مایوس ہوا اور مجھے ایسا لگا کہ اس طرح تو تم کبھی میری خواہش کے مطابق کسی اچھی فیلڈ میں جانے کے قابل نہیں ہو گے اور یہ بات مجھے کل سے ہی پریشان کر رہی ہے اور میں نے بہتر سمجھا کہ تمہیں یہاں اکیلے میں لاکر بات کی جائے۔“

”دراصل بابا میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ مجھے آری میں نہیں جانا۔“ آج اسے قدرت نے یہ بہترین موقع فراہم کیا تھا کہ وہ اپنے بابا سے مکمل کروہ بات کرے جو اس کے دل میں موجود تھی۔ یہی سوچ کر وہ قطعی لہجہ اختیار کرتے ہوئے بولا۔

”واٹ!.....!“ اس کی بات سن کر باسط صاحب کو جیسے جھٹکا لگا۔

”تم جانتے ہو تمہارے خاندان کے تم واحد وارث ہو جس سے ہر شخص کی امیدیں وابستہ ہیں اس حوالے سے کئی بار بھائی صاحب بھی مجھ سے دریافت کر چکے ہیں کہ اب تمہارا آگے کا کیا پلان ہے؟“

”خاندان کا واحد وارث ہونے کے ناتے ہی تو میں آری جوان کرنا نہیں چاہتا، آپ جانتے ہیں ناں کہ میں پانچ بہنوں کا اکلوتا بھائی ہوں۔“ اس کی اپنی تو ایک ہی بہن تھی بسمہ جبکہ تایا کی تین بیٹیاں اور ایک منم چانچ کی آتم رومان وہ سب اس کے لیے سگی بہنوں جیسی تھیں اس کے باوجود کہ وہ آتم رومان سے سخت چڑتا تھا

مگر تھی تو وہ اس کی بہن ہی ناں.....

”اور بہن کے لیے اس کے سر پر بھائی کا سایہ ضروری ہے، اس لیے بابا جان میں کسی ایسی فیلڈ کو اپنے لیے پسند کروں گا جہاں میں ہمیشہ اپنے سے وابستہ رہ رہتے کے ساتھ رہ کر زندگی گزار سکوں، ان کی خوشیوں اور غم میں شریک ہو سکوں، یہ نہ ہو کہ جب انہیں میری ضرورت ہو تو میں ان سے اتنا دور ہوں کہ میرا ان تک پہنچنا ہی مشکل ہو جائے، سوری بابا جان میں بچپن میں گندھے ان رشتوں کے ساتھ رہنے کا عادی ہو چکا ہوں۔ میں انہیں چھوڑ کر ایک دن کبھی کہیں نہیں جاسکتا۔“

”تمہارا جذبہ بے حد قابل تحسین ہے زوہان..... مگر سوچو اگر ہر جوان تمہاری طرح اپنے گھر اور رشتوں سے جڑ کر زندگی گزارنے کا سوچنے لگے تو پھر ہماری سرحدوں کی حفاظت کون لوگ کریں گے ہم تو آج ہیں کل نہیں ہوں گے، آنے والی کل تو تمہاری ہے بیٹا اور اگر اس وقت تم بھی نہ ہوئے تو پھر اس وطن کو کون سنبھالے گا؟“ باسط صاحب نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے سمجھانا چاہا۔

”بہت سے ایسے جوان ہیں بابا جن کی رگوں میں وطن کی محبت اور اس کی حفاظت کا جذبہ کوٹ، کوٹ کر بھرا ہے، اس وطن کا ہر جوان زوہان نہیں بلکہ یہاں فاران جیسے لوگ بھی موجود ہیں۔ جو پیدا ہوتے ہی اپنے دل میں سرحدوں کی حفاظت کا جذبہ رکھتے ہیں۔“ اس کا لہجہ پُر سکون لیکن اعلیٰ تھا۔

”اتھما فرض کر لیا تم نے آری جوان نہیں کرنی تو پھر تمہاری اعلیٰ منزل کیا ہے۔ کم از کم مجھے اتنا تو بتاؤ۔“ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ان کا بیٹا ان کی کسی بات سے اس طرح صاف انکار کر سکتا ہے۔

”میں میڈیا سائنس پڑھنا چاہتا ہوں بابا اور یہ ہی میرا شوق ہے۔“ وہ آہستہ سے ڈرتے، ڈرتے بولا۔

”مجھے تمہارے ایچ ایم کا مران صاحب نے صحیح کہا تھا کہ تم ہاتھوں سے نکل رہے ہو۔“ وہ میڈیا

دوں.....“ وہ ایڈمٹ کارڈ کے حصول کے لیے لائن میں کھڑا تھا جبکہ سرکارمان بالکل سامنے موجود کرسی پر بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے ٹیبل پر تمام طلبہ کا مڈٹرم رزلٹ رکھا تھا جسے دیکھنے کے بعد سب کو ایڈمٹ کارڈ جاری کیے جا رہے تھے۔ وہ طلبہ جو مڈٹرم میں فیل یا کم نمبروں سے پاس ہوئے تھے۔ ان کے ایڈمٹ کارڈ لینے والدین کو بلوایا گیا تھا خلاف توقع زوہان پاس ہو گیا تھا اس لیے وہ بڑی بے فکری سے لائن میں کھڑا بلاوجہ ہی سرکارمان کو دیکھ کر کڑھ رہا تھا۔

”جانے دو یار، اب تو ہم ویسے ہی جا رہے ہیں پھر بلاوجہ کیوں خون جلاتا.....“ پیچھے کھڑے مسعود نے زوہان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر سمجھایا۔

”ویسے ایک بات ہے میں جس دن اپنا... سرٹیفیکیٹ لینے آخری بار اس اسکول آیا، دو لوگوں کو ضرور یاد رکھوں گا..... ایک سرکارمان اور دوسری اپنی پرنسپل صاحبہ..... اور واپس جانے سے قبل ان دونوں کو کوئی ایسا سبق ضرور دوں گا کہ تاحیات یہ میرا نام یاد رکھیں۔“ وہ بظاہر ہنستے ہوئے مسعود سے مخاطب ہوا۔

”سرکارمان تو پھر بہتر ہیں یار، وہ سامنے دیکھ کر ان بیچاروں کو۔“

مسعود کے ساتھ کھڑے اشتہام نے ٹھوکا دے کر زوہان کی توجہ گراؤنڈ کے دوسری جانب والے کاؤنٹر کی طرف مبذول کر دوائی جہاں طالبات کی لائن لگی ہوئی تھی اور وہاں مڈٹرم رزلٹ خراٹ سی ایچ ایم منز صابرہ ہمدانی کے ساتھ پرنسپل بھی موجود تھیں۔ ان کے ادارے..... میں طالبات کا سیکشن بالکل جدا تھا۔

”یہ بیچاریاں تو واقعی بری طرح پھنسی ہوئی ہیں۔ ایک طرف منز ہمدانی اوپر سے سونے پر سہا گاٹھاری پرنسپل صاحبہ.....“ زوہان کے ریمارکس پر مسعود اور اشتہام دونوں کھلکھلا کر ہنس دیے۔ ان کے ہنسنے کی آواز سن کر سرکارمان نے ایک نظر ان کے چہروں پر ڈالی اور پھر سے اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ زوہان اپنا ایڈمٹ کارڈ لے کر اسکول کے سینٹر سیکشن کی جانب

ساتس پڑھے گا یہ خبر باسط صاحب کے لیے کسی صدمے سے کم نہیں تھی۔

”وہ مجھ سے بلاوجہ چڑتے ہیں۔“ سرکارمان کے تصور کے ساتھ ہی زوہان کا انداز تبدیل ہو گیا۔

”کوئی استاد اپنے شاگرد سے بلاوجہ نہیں چڑتا، اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے۔“ بابا کا کہنا درست تھا اسے یاد آیا وہ بھی اتم رومان سے بلاوجہ نہیں چڑتا تھا بلکہ اس کی ایک ٹھوس وجہ یہ تھی کہ وہ ہمیشہ زوہان کی تاک میں رہتی اور امی کو رپورٹ پیش کر دیتی جس آتی فوراً منم چاچی اور امی کو رپورٹ پیش کر دیتی جس پر ہمیشہ اسے ڈانٹ پڑا کرتی۔

”گھر چلیں مغرب ہونے والی ہے۔“ بابا کی بات کا کوئی جواب نہ تھا اس لیے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

”کیوں تم مسجد نماز پڑھنے نہیں جاتے؟“ باسط صاحب آج اس کی طرف سے بہت زیادہ مشکوک تھے.....

”بابا کئی بار تو آپ کے ساتھ مسجد نماز پڑھنے گیا ہوں۔“ زوہان زنج ہوتے ہوئے بولا۔

”اور اب بھی انشاء اللہ کھر جا کر بیچ کر کے مسجد بھی جاتا ہے اسی لیے کہہ رہا ہوں کہ چلیں پھر نماز کو دیر ہو جائے گی۔“ باسط صاحب کو کھڑا ہوتا دیکھ کر وہ

آہستہ آہستہ آگے کی جانب بڑھتا ہوا بولا۔

”تمہیں جو بھی کرتا ہے اس کا فیصلہ رزلٹ آنے کے بعد ہو گا کافی الحال اپنی بھرپور توجہ پڑھائی پر رکھو اگر تمہارا رزلٹ اچھا نہ آیا تو پھر میرے کہنے پر عمل کرنا ہو گا اور وہ بی فیئلہ سلیکٹ کرنا ہو گی۔ جو میں چاہوں گا۔“ باسط صاحب اس کے قریب آتے ہوئے بولے۔

”ڈن.....“

زوہان نے اپنا ہاتھ ان کی جانب بڑھایا جسے انہوں نے تمام کر کچھ دیر قبل ہونے والے عہد کی تصدیق کر دی۔

☆☆☆

”جانتے ہو مجھے سرکارمان اتنے برے لگتے ہیں کہ اگر میرا بس چلے تو انہیں اوپر سے نیچے پھینک

آگیا۔ جہاں اُمّ رومان کا آج فیملی ٹیٹ تھا کیونکہ وہ پری میڈیکل پڑھنا چاہتی تھی اور اس کے لیے اسے ایک چھوٹا سائینٹ پاس کرنا ضروری تھا۔ زوہان اس طرف آیا تو وہ ہمسہ کو ساتھ لیے کینٹین کے باہر کھڑی تھی..... ہمسہ بھی اسی اسکول میں ساتویں جماعت کی طالبہ تھی اور اُمّ رومان کے مقابلے میں کافی سیدی اور چپ چاپ رہنے والی لڑکی تھی..... زوہان کو دیکھتے ہی وہ دونوں لپک کر اس کی طرف آگئیں۔

”اتنی دیر.....؟“ اُمّ رومان نے براہِ سامہ بتایا۔

”ہم تو گرمی میں انتظار کر کے مر ہی گئے، وہ تو اچھا ہوا راتہ باجی کا جو ہمیں مل گئیں اور کینٹین سے ٹھنڈی کوک پلائی ورنہ آج تو ہم نے چپٹا نہیں تھا۔“ اُمّ رومان کی زبان جو ایک دفعہ چلی تو رکنا مشکل تھا، راتہ ان کے دونوں کے تابیاجی کی بیٹی تھی جو اسی اسکول میں جونیئر سیکشن کو حساب پڑھاتی تھی۔

”کیوں تمہارے پاس پیسے نہیں تھے کوک پینے کے؟“ زوہان نے اسے چڑاتے ہوئے پوچھا۔

”اپنے پیسوں کی کوک تو میں نے پہلے ہی پی لی تھی یہ تو پتہ ہی جو آپ کے انتظار کے نتیجے میں باجی نے ہم دونوں کو پلائی۔“

اس کے ساتھ چلتی اُمّ رومان نے اپنے سر کے اسکارف کو ٹھیک کر کے اچھی طرح پٹن لگاتے ہوئے جواب دیا۔

”بھوکی لڑکی.....“ زوہان اسے مزید چڑاتا ہوا گیٹ کی جانب بھاگ گیا، جہاں بالکل سامنے چاچا عتایت گاڑی لیے ان کے منتظر تھے مگر گاڑی میں بیٹھنے سے قبل وہ پچھلا دروازہ کھول کر ہمسہ اور اُمّ رومان کو بٹھانا نہ بھولا اور جب وہ واپس پلٹے تو تابیاجی کا ڈرائیور بھی راتہ باجی کو لینے آیا ہوا تھا ورنہ زوہان کا ارادہ اندر جا کر انہیں بھی اپنے ساتھ لے جانے کا تھا۔

☆☆☆

زوہان کا داخلہ اسلام آباد کی اچھی یونیورسٹی میں ہو گیا کیونکہ ان کے علاقے کی کسی بھی یونیورسٹی

ماہنامہ پیکیزہ — دسمبر 2018ء 102

میں میڈیسا سائنس کا مضمون نہیں پڑھایا جاتا تھا جس دن اس کا داخلہ ہوا وہ بے حد خوش تھا جبکہ باسط صاحب کو اس کا یہ فیصلہ بالکل پسند نہیں آیا تھا مگر بی بی جان اور پھر صنم چاچی کے ساتھ، ساتھ تابیاجی نے بھی زوہان ہی کا ساتھ دیا تو مجبوراً باپا کو ان کی بات ماننی پڑی اور جس دن وہ اپنا فارم جمع کروا کر داخلہ ٹیسٹ کی تاریخ لے کر آیا اسی شام باسط صاحب کو ایک بار پھر انہیں چھوڑ کر جانا پڑا۔ اب انہیں آپریشن کلین اپ کے سلسلے میں کوئی دوسرا علاقہ مل گیا تھا جانے سے قبل وہ اسے بتانا نہ بھولے کہ صوبیدار حیدر خان کا بیٹا کینٹین کے امتحان میں امتیازی نمبروں سے پاس ہو کر منتخب ہو گیا ہے۔ یہ خبر سن کر زوہان کو دلی مسرت ہوئی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ آری، فاران کا ایک ایسا خواب ہے جسے پورا کرنے کے لیے وہ دن رات محنت کر رہا ہے۔ اسی لمحے اس نے اپنا فون نکال کر فاران کو مبارک باد دی جو اسی ماہ کے آخر تک اپنی ٹریننگ کے سلسلے میں کا کول جا رہا تھا۔

”واہ، یار، سنا ہے کا کول تو بڑی خوب صورت جگہ ہے۔ اب ہم وہاں تم سے ملنے کے بہانے ضرور آئیں گے۔“ زوہان نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

”ضرور آنا یار، میں تم سب کا منتظر رہوں گا۔“ اور پھر فاران کا کول جانے سے قبل اس سے ملنے آیا اور دونوں بہت دیر تک اسکول اور کالج کی باتیں یاد کر کے ہنستے رہے۔ زوہان بھی پاس ہو گیا اور اگلے ہفتے ہی یونیورسٹی میں اس کا پہلا سمسٹر شروع تھا جس کے لیے دو دن بعد وہ اسلام آباد آ جا جانے والا تھا۔ مسود کا داخلہ آری میڈیکل میں ہو گیا جبکہ احتشام حرید تعلیم حاصل کرنے لندن چلا گیا۔ اس طرح یہ تمام دوست مختلف ستوں کے مسافر ہو گئے مگر فون پر ان سب کا آپس میں رابطہ ہمیشہ برقرار رہا۔ وقت گزرتا گیا زوہان اپنا فرسٹ سمسٹر مکمل کر کے گھر واپس آیا تو گھر کا ہر فرد اس سے اتنی محبت سے ملا جیسے وہ پانچ ماہ نہیں بلکہ پانچ سال بعد واپس آیا ہو۔

☆☆☆

باؤل لے کر باہر نکل گئی۔

”میں پراٹھوں کے ساتھ اچار کھاتا ہوں یا پھر رائیہ، املی کی چٹنی تو مجھے بالکل بھی پسند نہیں، اسے تم اکیلے ہی چٹ کر جاؤ، ہمیں نہیں چاہیے۔“ وہ ہنستے ہوئے اسے تپا رہا تھا۔ ٹیکل پر کھانا لگاتے ہوئے ہدایت اللہ کے ساتھ منم چاچی بھی ہنس دیں۔

”مذاق کر رہا ہے بیٹا اسے املی کی چٹنی بہت پسند ہے۔“ منم چاچی کی بات سو فیصد درست تھی۔ اُمِّ رومان نے ماں کی بات کا جواب دیے بنا چٹنی کا باؤل زوہان کے سامنے رکھ دیا۔

”بہی بات ہے زوہان ہر وقت تک نہیں کرتے۔“ بی بی جان نے رومان کے پھولے ہوئے منہ کو دیکھ کر زوہان کو آہستہ سے تنبیہ کی جواباً..... زوہان صرف مسکراتا رہا۔

☆☆☆

”میں صبح تمہارے ساتھ اسکول جاؤں گا، تم کتنے بچے جاتی ہو؟“ ہوم ورک کرتی ہمسہ کی جانب دیکھتے ہوئے زوہان نے سوال کیا۔

”7:30 پر“ مختصر سا جواب دے کر وہ پھر سے اپنے ہوم ورک میں مصروف ہو گئی۔

”تم کل اسلام آباد واپس نہیں جا رہے؟“ منیزہ نے حیرت سے دریافت کیا جبکہ زوہان اپنا سامان شام سے ہی پیک کر چکا تھا۔

”وہ تو مجھے دو بجے جانا ہے، صبح تو مسعود اور فاران اسکول آ رہے ہیں اپنے سرٹیفکیٹ لینے کے لیے تو میں نے سوچا کیوں نہ میں بھی چلا جاؤں، اس طرح ہم سب دوست آپس میں مل لیں گے۔“ اس نے ماں کو اپنا پورا پروگرام تفصیل سے بتایا۔

”لیکن صبح ساڑھے سات بجے جا کر کیا کرو گے؟“ منیزہ کی بات بالکل درست تھی۔ دراصل فاران کا بھائی بھی صبح اسکول آتا ہے تو وہ بھی یہ چاہ رہا تھا کہ گاڑی ایک ہی بار آئے پھر واپسی میں ہم لوگ شاید خود ہی واپس آجائیں ورنہ مسعود کا ڈرائیور اس

وہ اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکلا تو سامنے ہی اُمِّ رومان کھڑی تھی جو زوہان کو دیکھتے ہی خوش ہو گئی۔

”نیچے آجائیں، ممانے آپ کی پسند کے لمبے دار پراٹھے بنائے ہیں۔“ پراٹھوں کا ذائقہ اپنے منہ میں محسوس کرتے ہوئے اُمِّ رومان نے جیسے ہتھارہ لیتے ہوئے کہا۔

”اچھا تو تم ابھی تک ویسی ہی ہو، بنا سلام دعا والی لڑکی.....“ زوہان اسے چڑاتا ہوا بی بی جان کے پیٹ پر جا بیٹھا جو نماز کے بعد اپنا کوئی مخصوص وظیفہ کرنے میں مشغول تھیں۔

”بی بی جان ماما کہہ رہی ہیں آپ بھی نیچے آجائیں۔ زوہان بھائی اور منیزہ آنٹی کے ساتھ آج ہم سب ناشتا ایک ساتھ کریں گے۔“ اُمِّ رومان نے زوہان کی بات کو قطعی نظر انداز کرتے ہوئے بی بی جان کو مخاطب کیا۔

”ہاں بچے تو چل ہم آ رہے ہیں۔“ بی بی جان نے بیچ پر پڑھ کر لپیٹ لی اور زوہان پر پھونک مار کر کچھ کو اپنے کمرے کی جیب میں ڈال لیا۔

پورے ڈائننگ ہال میں پراٹھوں کی سوندمی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ منم چاچی شروع سے ہی پراٹھے بہت اچھے بناتی تھیں اور ان کے ہاتھ کے پراٹھے زوہان ہمیشہ بہت شوق سے کھاتا۔

”یہ ساری محنت تو منم چاچی کر رہی ہیں، تم یہ بتاؤ کہ تم نے اپنے بھائی کے لیے ایسا کیا خاص بنایا ہے جو اسے نیچے بلانے کے لیے پگل رہی تھیں۔“ زوہان نے اس کی پوٹی کھینچتے ہوئے پوچھا۔ وہ جانتا تھا کہ رومان اپنے بال کھینچنے پر بری طرح چڑتی ہے اور اس وقت بھی ایسا ہی ہوا۔

”افوہ..... زوہان بھائی میرے بال تو مت کھینچیں۔“ حسب توقع وہ فرامی چڑ گئی۔ زوہان ہنس دیا۔ ”میں نے آپ کے لیے بہت اچھی املی کی چٹنی بنائی تھی مگر اب نہیں دوں گی۔“ وہ فریج سے چٹنی کا

کے ساتھ ہی رکے گا۔“ زدہان نے اپنا پروگرام بتایا۔
 ”ٹھیک ہے، تم صبح سویرے بسد کے ساتھ ہی
 چلے جانا۔“ میزہ جواب دے کر کچن کی جانب بڑھ
 گئی، جب دوسرے ہی لمبے زدہان کچن کے دروازے
 کے عین درمیان آن کھڑا ہوا۔

”امی آپ کے پاس اگر بابا کا نمبر ہو تو پلزمیری
 بات کروادیں، مجھے لگتا ہے کہ میرا میڈیا سائنس پڑھنے
 والا فیصلہ انہیں پسند نہیں آیا اور وہ مجھ سے اب بھی
 ناراض ہیں۔“ زدہان کے لہجہ میں چھپے درد نے میزہ
 کو بے چین کر دیا۔

”ارے پائل ہو گئے ہو، ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔
 بہر حال میں باہر آ کر تمہاری ان سے بات کروادیتی
 ہوں۔ ہدایت اللہ، بی بی جان کو ایک کپ تہوہ بنا دو۔“
 زدہان کے ساتھ، ساتھ انہوں نے ہدایت اللہ کو بھی
 مخاطب کیا اور پھر فوراً ہی کچن سے باہر نکل کر باسط
 صاحب کا نمبر ملایا مگر انہوں نے فون ریسیو نہ کیا وہ
 شاید کہیں مصروف تھے۔

”چلیں کوئی بات نہیں رہنے دیں، میں تایاجی
 کے گھر جا رہا ہوں، رائےہ باجی اور نور محمد آپ کا فون آیا
 تھا کہہ رہی تھیں کہ جانے سے پہلے مل کر جانا واپس آ کر
 پھر بابا سے بات کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔“ ماں کو
 مسلسل کوئی چھٹی بار فون ملا تا دیکھ کر منع کرتا ہوا وہ باہر
 نکل آیا۔ ویسے بھی زدہان کے اس سمسٹر کے بعد رائےہ
 باجی کی شادی ہونے والی تھی اور انہوں نے انگلینڈ چلے
 جانا تھا اور اسی بات کی وجہ سے آج کل وہ حاسمی اداس
 تھیں۔ اسی لیے جب سے زدہان آیا تھا کئی بار ان سے
 ملنے جا چکا تھا۔ وہ تینوں بینش زدہان کو دیکھ کر بے حد
 خوش ہوئیں اور پھر کپ شپ میں کب رات کے نو بجے
 اسے بتا ہی نہیں چلا۔ کھانا بھی اس نے تایا کے گھر ہی
 کھایا اور پھر واپس آتا ہوا صم چاچی کے ہاتھ کی کافی پی
 کر اوپر آ گیا۔ بی بی جان لاؤنج میں بیٹھ کر سامنے
 کیبل اوڈھے بیٹھی تھیں۔ وہ بھی ان کے کبل میں ہی
 گھس کر بیٹھ گیا۔

”بی بی جان بھڑے والی کہانی سنائیں۔“ اپنے
 بچپن میں کئی بار سنی ہوئی کہانی کی فرمائش آج جانے
 اس نے کتنے سالوں بعد کی تھی۔

”لو، میں تو وہ کہانی اب بھول بھی گئی۔“ بی بی
 جان نے اس کی فرمائش سن کر ہنستے ہوئے کہا۔

”جتنی یاد ہے میں وہ ہی سادیں۔“ وہ بی بی
 جان کی گود میں ہی سر رکھ کر لیٹ گیا اور ساتھ ہی ہدایت
 اللہ کو آواز دے کر وہیں بلا لیا۔

”آ جاؤ بھی، آج ہماری بی بی جان کہانی سنانے
 لگی ہیں۔“

”تم میری کہانی چھوڑو اور ہدایت اللہ سے نغہ
 سنو یہ بہت اچھا گاتا ہے۔“

بی بی جان واقعی اس عمر میں کہانی بھول چکی تھیں
 یا شاید ان کا سامنے کا موڈ نہیں ہو رہا تھا۔ اسی لیے وہ
 ٹالتے ہوئے بولیں۔

”اچھا تو چلو پھر ہدایت اللہ تم ہمیں کوئی اچھا سا
 گیت سناؤ۔“

”گیت تو نہیں بی بی، البتہ میں آپ کو ایک قومی
 نغہ ضرور سناؤں گا۔“ اس کے ساتھ ہی اس کی پاٹ
 دار آواز پورے لاؤنج میں گونج اٹھی۔

”اے راہ حق کے شہیدوں

دفا کی تصویروں

جسمیں وطن کی ہوائیں سلام کہتی ہیں

اے راہ حق کے شہیدوں

لگانے آگ جو آئے تھے آشیانے کو

وہ شعلے اپنے لبہو سے بھجادیے تم نے

بچا لیا ہے جیسی سے کتنے بچوں کو

سہاگ کئی بہادری کے رکھ لیے تم نے

جسمیں وطن کی فضا میں سلام کہتی ہیں“

ہدایت اللہ کی آواز میں جانے ایسا کہتا تھا کہ زدہان

ایک دم اٹھ بیٹھا۔ اس کی آنکھیں پانی سے بھر گئیں۔

”جاؤ ہدایت اللہ، میرے لیے ایک کپ کافی بنا
 لاؤ۔“ آنکھیں بند کیے ایک عالم جذب میں ڈوبے

غزل

ہو نہیں بس تو کیا کرے کوئی
کیسے حد میں رہا کرے کوئی
دار ہرگز نہیں کرے چھپ کر
دشمنی بر ملا کرے کوئی
دل پہ ڈھایا ہے دوستوں نے ستم
غیر سے کیا گلہ کرے کوئی
پھر سے دستک ہوئی ہے آنگن میں
کون آیا پتا کرے کوئی
کس قدر تیرگی دالان میں ہے
گھر میں روشن دیا کرے کوئی
راستہ خود ہی بنتا جاتا ہے
فیصلہ چلنے کا کرے کوئی
میرے چاروں طرف منافق ہیں
کس طرح پھر وفا کرے کوئی
دردِ دل کا علاج مل جائے
اس کے حق میں دعا کرے کوئی

شاعرہ: شگفتہ شفیق، کراچی

خوشی، ہر غم کو قربان کیے بیٹھے ہیں کیونکہ ان کی ساری
خوشیاں اسی وطن سے وابستہ ہیں۔ "خلاف توقع آج
باسط صاحب کا انداز اور لہجہ دونوں ہی خاصے نرم تھے
ایسے جیسے انہوں نے واقعی زوہان کے میڈیا سائنس
پڑھنے والے ناگوار عمل کو بالکل بھلا دیا تھا ورنہ شروع
شروع میں تو وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ فیلڈ شریف لوگوں کے
لئے ہے ہی نہیں مگر آج ان کے بدلے خیالات نے
زوہان کے دل و دماغ کو ہلکا کر دیا۔

"حقینک یو بابا.....!" وہ دھیرے سے
بولی۔ "اب آپ آرام کریں میں نے اتنی رات کو آپ
کو ڈسٹرب کیا۔" وہ جانتا تھا کہ باسط صاحب جن

ہدایت اللہ کو اس نے ایک دم روک دیا۔..... اس نے دیکھا
ہدایت اللہ کی آنکھیں بھی مارے ضبط کے سرخ ہو گئی
تھیں۔ زوہان کی آواز سنتے ہی وہ خاموشی سے اٹھ کھڑا
ہوا۔ زوہان کو امید نہ تھی کہ کوئی ایسا نغمہ اس کے دل کو بھی
چھو سکتا ہے، اپنے احساسات کی تبدیلی اسے حیران کر
گئی۔ وہ ان ہی احساسات میں جانے کب تک کھویا رہتا
اگر میز پر اسے آواز دے کر اپنی جانب متوجہ نہ کرتی۔

"تمہارے بابا کا فون ہے بات کرو۔"

ہاتھ میں پکڑا اسل فون اس نے زوہان کی جانب بڑھایا
جسے آہستہ سے تمام کر زوہان نے اپنے کان سے لگایا۔
"السلام علیکم بابا جان!" اس کی آواز بھی گئی تھی
جسے اتنی دور بیٹھے باسط صاحب نے فوراً محسوس کر لیا۔

"کیا بات ہے زوہان تم رورہے ہو؟" انہوں
نے بے قراری سے سوال کیا۔

"نہیں بابا، ویسے ہی لپٹے ہوئے آنکھ لگ گئی تھی
جس کے باعث آواز خراب ہو گئی ہے۔" اس نے فوراً
اپنی بھرائی ہوئی آواز کا سبب بیان کیا، وہ نہیں چاہتا تھا
کہ گھر سے دور دشمنوں میں گھر اس کا باپ کسی بھی وجہ
سے پریشان ہو۔

"تمہاری امی نے بتایا کہ تم مجھ سے بات کرنا چاہ
رہے تھے، خیریت تو ہے بیٹا، یہ آج تمہیں اپنا باپ کیسے
یاد آ گیا۔" اتنی دور محسوس حالات میں گھرے اس کے
باپ کا لہجہ ہمیشہ کی طرح نرم اور ہشاش بشاش تھا۔

"سوری بابا میں آپ کی خواہش پوری نہ کر سکا۔"

"کون سی خواہش.....؟" اس کا جملہ اتنا.....

بلحاظ اختیار تھا کہ باسط صاحب حیران رہ گئے۔

"آرمی جو ان کرنے کی....." وہ آہستہ سے بولا۔

"کم آن مائی سن، بھول جاؤ مجھے امید ہے کہ
میری خواہش تم رومان اور بسمہ ضرور پوری کریں گی
اور تم تو شاید آنے والے چند سالوں میں بڑی اسکرین
پر جھگکانے والی کسی فلم کے حوالے سے جانے جاؤ گے،
تو کوشش کرنا تو ایک فلم ہم جیسے جوانوں پر بھی بنانا جو
اس وطن کی حفاظت کے لیے اپنے پیاروں سے دور ہر

پھاڑی علاقوں میں رہتے ہیں وہاں رات کے اس سے شدید سردی ہوتی ہے۔

”آرام.....!“ وہ آہستہ سے ہنس دیے۔ ”میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ پہاڑوں کے اندر واقع کسی ٹھکانے کی طرف جا رہا ہوں، جہاں ہماری اطلاع کے مطابق دس سے زیادہ دہشت گرد چھپے ہوئے ہیں میں نے سنا ہے کہ وہ اپنے علاقے کی عورتوں کو یا تو مار دیتے ہیں یا زنجیروں میں باندھ کر رکھتے ہیں انہیں خدشہ ہے کہ کہیں کوئی دشمن ان عورتوں کو استعمال کر کے ان تک نہ پہنچ جائے۔ ویسے تو یہ بھی سنا ہے کہ وہ جس غار میں پناہ گزین ہیں وہاں بے تحاشا اسلحہ بھی موجود ہے۔“

”اوہ.....“ اپنے باپ کا رات کے اس سے کسی مشن پر جانے کا سن کر ہی اسے جھرجھری آگئی۔

”اللہ حافظ بابا جان، اپنا خیال رکھیے گا۔“

”اللہ حافظ، میرے بچے.....“ باسط صاحب کے الفاظ کان سے ٹکراتے ہی اس نے فون بند کر دیا اور اس سے اپنے باپ کی تکلیف اور بے آرامی کا احساس اس کے دل کے اندر تک اتر گیا۔ سچ تھا کہ یہ لوگ اپنی راتوں کی نیند حرام کر کے اپنے ہم وطنوں کو سکون کی نیند دیتے ہیں، پہلی بار اس کے دل میں ایک ایسا خیال آیا جس نے باپ کے ساتھ، ساتھ ہر آدمی والے کی عزت اس کی نظروں میں کئی گنا بڑھا دی۔

”شکر ہے میرے باپ کا تعلق اس طبقے سے ہے جسے قوم کی حفاظت کے لیے چنا گیا۔“ وہ ان ہی احساسات میں گم تھا کہ اچانک اس کے فون پر میسج ٹوٹ سنائی دی۔ زوہان نے دیکھا مسعود کا میسج تھا۔ اس نے کھول کر پڑھا اور مسکرا دیا۔ مسعود نے لکھا تھا۔

”یاد ہے ناں تم نے کل سرکاران اور پرنسپل صاحبہ کو ایسا سبق دینا ہے کہ وہ جب تک زندہ رہیں ہمیشہ تمہیں یاد رکھیں۔“ اپنے الفاظ وہ خود بھول چکا تھا مگر مسعود کو یاد تھے جبکہ اس کا اب ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا اس لیے اس نے مسعود کو پلائی کی نا ضروری نہ سمجھا اور فون بند کر کے سائڈ پر رکھ دیا ہدایت اللہ کے ہاتھ کی بنی

کافی پی کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ بی بی جان کو اٹھایا اور ان کے کمرے میں جا کر بستر پر لٹا کر وہ اپنے کمرے میں آگیا اور آج شاید پہلی بار بستر پر لیٹتے ہی اس کے ذہن میں باپ کا تصور رہا جسے یاد کر کے اسے اپنے نرم و نازک بستر پر سونا دشوار محسوس ہونے لگا۔ سچ تو یہ تھا کہ نہ صرف ان کے بلکہ پوری قوم کے آرام میں اس کے باپ کی قربانیاں شامل تھیں۔ اس کا دل چاہا وہ ابھی جائے اور جا کر اپنے بابا سے معافی مانگے۔ ان تمام باتوں کی جن کے ذریعے اس نے آج تک اپنے عظیم باپ کا دل دکھایا۔ اس کا بس نہیں مل رہا تھا کہ وہ رات کے اس پہر ان پہاڑوں پر چلا جائے، جانے کیوں اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ ابھی اور اسی وقت اپنے بابا سے ملے ان کے سامنے کھڑا ہو کر ان سے معافی مانگے۔ ان ہی سوچوں میں گم اسے کب نیند آئی پتا ہی نہیں چلا۔ لیکن اچانک چھ بجے اس کی آنکھ کھل گئی۔ اسے گھبراہٹ ہو رہی تھی کیوں؟ وہ وجہ نہ سمجھ پایا۔ اس نے اپنے بستر سے اٹھ کر پانی پیا اور کھڑکی کا پردہ ہٹا کر باہر جھانکا جہاں اب بھی اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ دمبرو پشاور میں ہمیشہ سے ہی بہت سرد تھا کہ فجر بھی دوسرے شہروں کے مقابلے میں تاخیر سے ہوتی اب بھی شاید فجر کی اذان نہ ہوئی تھی۔ زوہان اتھاروم میں جا کر وضو کر کے باہر نکلا ہی تھا کہ فجر کی اذان شروع ہوگئی۔ اس نے نہایت خضوع و خشوع سے نماز پڑھی اور پھر سجدے میں گر کر گزرتا کر دیا۔ اپنے باپ کی زندگی کی سلامتی کی دعا مانگتے ہوئے بے اختیار یہ آواز بلند ہوئی اسے لگا شاید وہ اب باسط صاحب کو کبھی نہ دیکھے سکے گا، یہ خیال دل میں آتے ہی وہ کانپ اٹھا۔ اور پھر نماز کے بعد کپڑے تبدیل کر کے وہ باہر آگیا جہاں ہمسہ ناشتا کر رہی تھی۔ اس نے صرف جوس کا ایک گلاس پیا یہاں وہاں دیکھا، نیزہ دکھائی نہیں دی البتہ بی بی جان تخت پر بیٹھی قرآن پاک پڑھ رہی تھیں جب زوہان ان کے قریب جا کھڑا ہوا۔

”قرآن شریف پڑھ کر مجھ پر بھی پھونک مار

کیوں اس کی نظریں الفاظ پر ٹپک ہی نہیں رہی تھیں۔ سامنے کیا لکھا ہے اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا میزہ نے اخبار بند کر کے سائڈ پر رکھ دیا۔ بی بی جان تخت پر سیدھی ہو کر سو گئی تھیں۔ وہ خاموشی سے ان کے پاس سے انہی جگہں میں دیکھا ہدایت اللہ ناشتا بنا رہا تھا، وہ کچھ دیر باہر کھڑی اسے خاموشی سے دیکھتی رہی اور پھر آہستہ سے اسے پکارتے ہوئے پوچھا۔

”ہدایت اللہ آج کھانے میں کیا بنا رہے ہو؟“
”ابھی تو کچھ نہیں سوچا۔“ ہدایت اللہ نے اندر بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔

”ایسا کرو ہریرہ اور افغانی پلاؤ بنا لو، زوہان کو بہت پسند ہے اور منم سے بھی کہنا آج لچج یہاں ہی کر لے۔“ اس کے ساتھ ہی اس کا دل ایک دم گھبرا اٹھا شاید بلڈ پریشر کا مسئلہ ہو گیا تھا، یہ سوچ کر وہ ایک بار پھر سے لالچ میں آئی اور ریموٹ اٹھا کر ٹی وی کھول لیا، ہر چینل پر شور مچاتے مارنگ شو کا راج تھا جو اسے بالکل پسند نہیں تھے۔ چینل سرچنگ کرتے ہوئے وہ چپے ہی ٹی وی بند کرنے لگی نیوز چینل پر چلنے والی ایک خبر نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کر دالی۔ میزہ نے ٹی وی بند کرنے کا اپنا ارادہ فوری طور پر ملتوی کر دیا۔ بریکنگ نیوز تھی۔

”پشاور کے ایک اسکول میں دہشت گرد داخل ہو گئے ہیں اور انہوں نے اسکول کی عمارت پر قبضہ کر لیا ہے۔“ میزہ نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ریموٹ کے ذریعے جلدی، جلدی دوسرے نیوز چینل سرچ کیے کہیں بھی اسکول کا نام یا عمارت نہیں دکھائی جا رہی تھی صرف مسلسل چلنے والی بریکنگ نیوز کی سلائیڈ میسجیانی وی ہسکر کے الفاظ جو بار بار اس بات کو واضح کر رہے تھے کہ پشاور کے کسی اسکول میں دہشت گرد داخل ہو گئے ہیں۔ میزہ کا دل مزید گھبرا ایا اور اسی دم اس کی نگاہ سامنے اسکرین پر نظر آنے والے اسکول کی عمارت پر پڑی جو اس کی دیکھی بھائی تھی اور پھر اسکول کے باہر لگا بورڈ واضح کر رکھا تھا کہ یہ بلڈنگ آرمی پبلک اسکول کی ہے مارے

دیں بی بی جان.....“ انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا اور پھر کچھ آیات پڑھ کر زوہان پر پھونک مار دی۔ اب مزید کوئی بات کیے بنا وہ پلٹ آیا اس سے قبل کہ وہ میزہ کو خدا حافظ کرتا باہر سے گاڑی کا تیز ہارن سنائی دیا۔ زوہان نے دیکھا ساڑھے سات سے اوپر کا وقت ہو گیا تھا۔ وہ تیز، تیز چلتی سیڑھیاں اتر گیا۔ باہر گاڑی میں بسہ کے ساتھ اُم رومان بھی اس کی منتظر تھی جو اسے دیکھتے ہی خوشی سے بولی۔

”آپ کو پتا ہے آج ہمارے اسکول میں پارٹی بھی ہے۔“

”اچھا مگر میں نے تو سنا تھا کہ چیپز ہو رہے ہیں۔ شاید فاران کے بھائی کا تو آج چیپز تھا۔“
”ہاں لیکن ہمارا چیپس نہیں ہے۔“ اُم رومان نے اطمینان سے جواب دیا، عنایت چا جانے گاڑی اسٹارٹ کر کے روڈ پر ڈال دی۔ جب میزہ واٹس روم سے باہر نکلی تو بسہ اور زوہان چاچکے تھے۔ وہ خدا حافظ کہنے کے لیے میزہ کی جانب لپکی تب تک نیچے کے کھلے گیٹ سے گاڑی باہر نکل گئی۔ جہاں فرنٹ سیٹ پر عنایت کے ساتھ بیٹھا زوہان انہیں دکھائی دیا اور پھر انہوں نے اوپر دیوار پر کھڑے ہو کر اس وقت تک گاڑی کو دیکھا جب تک وہ ان کی نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی..... ایسا اس سے پہلے اس نے کبھی نہ کیا تھا، آج جانے کیوں اس کا دل چاہا وہ زوہان کو اس وقت دیکھیں جب تک وہ نظر آتا رہے پھر گاڑی کے کھلی مڑ کر بڑی روڈ پر جاتے ہی وہ نیچے اتر آئی اور ہدایت اللہ کو آواز لگائی۔

”ہدایت اللہ ایک کپ چائے بنا دو۔“

”جی ہاں ابھی لایا۔“ میزہ کی بات سنتے ہی وہ کچن میں کھس گیا اور میزہ لالچ میں بی بی جان کے پاس جا بیٹھی، ہدایت اللہ چائے بنا لایا، اس کا دل چاہا باسط سے بات کرے مگر اتنی صبح وہ انہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی کیونکہ یہ وقت ان کے کبھی ناشتا کرنے کا ہوتا تھا۔ چائے پی کر میزہ نے اخبار اٹھایا مگر جانے

گھبراہٹ کے میزہ کے طلق سے ایک جج کی آواز برآمد ہوئی جسے سنتے ہی بی بی جان ہڑا کر اٹھ بیٹھیں۔

”کیا ہوا میزہ.....؟“ وہ میزہ کے زرد چہرے پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولیں۔ اس سے ٹل کے میزہ کوئی جواب دیتی نیچے سے منم بھاگتی ہوئی اوپر آگئی۔

”بھابی..... بھابی.....“ وہ زور، زور سے چلا رہی تھی۔

”بھابی پلیز زوہان کو فون کریں، آری پبلک میں دہشت گرد مہس گئے ہیں، پلیز آپ پتا کریں وہ کہاں ہے جلدی کریں بھابی۔“ منم آواز کے ساتھ رو رہی تھی۔ یاس ہی موجود میزہ کا فون بھی بج رہا تھا۔

جیسے اٹھانے کی اس میں ہمت نہیں تھی، وہ وہیں زمین پر نیچے ہی بیٹھ گئی۔ سرحد پر جنگ کے لیے جانے والے جوانوں کو مائیں خود تیار کر کے محاذ پر بھیجتی ہیں لیکن کوئی ماں اسکول جانے والے اپنے بچوں کو اس طرح دہشت گردوں کے نرٹے میں بھرا دیکھ کر سب کچھ بھول جاتی ہے یہاں تک کہ سانس لینا بھی اور ایسا ہی وقت منم اور میزہ پر آیا تھا۔ دونوں کو لگا کہ وہ اب حزیہ جی نہ پائیں گی، بی بی وی میں کیا آ رہا تھا ان کے کان کچھ بھی سننے اور سمجھنے سے قاصر ہو چکے تھے۔ ایک بی بی جان تھیں جن کی کچھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ تنہا بوڑھی عورت کیا کریں۔

☆☆☆

گاڑی اسکول کے گیٹ پر برک گئی زوہان بھی ہمسہ اور آتم رومان کے ساتھ باہر نکل آیا لیکن اسے گیٹ کے اندر داخل ہونے سے ٹل ہی سکیورٹی گاڑ نے روک دیا۔

”آپ کا کارڈ کہاں ہے؟“ اس نے اشارہ کالج کارڈ کی جانب کیا۔

”نسر میں اپنا اسکول سرٹیفکیٹ لینے آیا ہوں، ہمیں سرکارمان نے بلوایا تھا۔“

”مگر اس کا ٹائم تو نو سے گیارہ ہے لہذا آپ اس وقت اسکول کے اندر داخل نہیں ہو سکتے۔“ گاڑ کا لہجہ

سخت تھا، آتم رومان اور ہمسہ اندر چلی گئیں، وہ وہیں گیٹ کے قریب کھڑا تھا جب مسعود اور فاران بھی وہاں پہنچ گئے مگر گاڑ کسی کو بھی اندر جانے نہیں دے رہا تھا کیونکہ ان کے پاس کالج کارڈ نہیں تھے اور نہ ہی کوئی اپنا قومی شناختی کارڈ لایا تھا۔

”اب کیا کریں، لگتا ہے آج کا سارا دن ضائع ہو گیا۔“ مسعود نے زوہان کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

”رکو، میرے پاس سرکارمان کا نمبر ہے میں ان سے بات کرتا ہوں۔“ فاران نے یہ کہہ کر ان کا نمبر ملا کر فون اپنے کان سے لگا لیا اور پھر تقریباً پندرہ منٹ میں انہیں سرکارمان اپنے ساتھ اندر لے گئے ویسے بھی فاران کی گاڑی میں اس کا شناختی کارڈ موجود تھا جو اس نے گیٹ کے پاس موجود ہلکا کو جمع کروا دیا تھا اور اس طرح تینوں اندر آ گئے اسکول کی عمارت اب بھی اندر سے دیکھی ہی تھی۔

”ویسے ایک بات ہے مجھے ابھی تک یقین نہیں آ رہا کہ سرکارمان بھی ہماری کوئی مدد کر سکتے ہیں، یہ تو سمجھو آج معجزہ ہی ہو گیا۔“ اندر داخل ہوتے ہی زوہان نے ہنستے ہوئے کہا۔

”وہ بہت اچھے سر ہیں، تم تو بلاوجہ ہی ان سے چرتے رہے ہو۔“ یہ فاران تھا جس کی بات کا جواب دونوں میں سے کسی نے نہ دیا اور خاموشی سے چلتے ہوئے ایڈمن سیکشن کی جانب آ گئے۔

”تم دونوں یہاں رکو، میں ڈارپر ہیل صلیب سے ٹل کر آتا ہوں۔“ زوہان انہیں یہ کہتا ہوا پر ہیل آفس کی جانب آ گیا جبکہ وہ دونوں ایڈمن سیکشن کے اندر وینٹک روم میں جا بیٹھے، پر ہیل آفس کے باہر موجود مس خالدہ نے اسے وہیں روک لیا۔

”جی بیٹا کس سے ملنا ہے آپ کو؟“ کمپیوٹر پر تیزی سے انگلیاں چلاتی وہ مس زوہان سے مخاطب ہوئی۔

”پر ہیل صلیب سے.....“ وہ اطمینان سے بولا۔

”آپ کی کوئی مینٹنگ ہے اُن سے؟“ اس نے فوراً ہی اگلا سوال کیا۔

ز وہاں گھبرا کر پیچھے ہو گیا کیونکہ اس کے ہاتھ میں جدید اسلحہ موجود تھا۔

”کون ہو تم.....؟“ پرنسپل فوراً اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ”وہ جوان نے ہٹا کوئی جواب دیے آگے بڑھ کر ان کے سامنے رکھے ٹیلی فون کے تار کو کھینچ دیا اور پھر ان کے سامنے رکھا موبائل اٹھا کر اپنی جیب میں ڈال لیا ساتھ ہی اس نے پورے آفس کا ایک راؤنڈ بڑی خاموشی سے لپا اس دوران وہ ز وہاں کو قتل نظر انداز کیے ہوئے تھا بالکل ایسے جیسے وہ وہاں موجود ہی نہیں ہو۔

”یہ کیا بد تیزی ہے کون ہو تم؟“ اسے تمام کھڑکیاں اور دروازے بند کرنا دیکھ کر پرنسپل زور سے چلائیں جواباً اس شخص نے پلٹ کر ایک زوردار دھکے کے ساتھ انہیں کرسی پر گرا دیا۔

”اوئے ہاتھ مت لگاؤ انہیں۔“ پرنسپل کے ساتھ کسی اجنبی شخص کے اس سلوک نے ز وہاں کے تن بدن میں آگ لگا دی اور وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ چاہتا تھا کہ اس شخص کو دھکا دے کر پرنسپل کے پاس سے ہٹا دے مگر اس کے قریب جاتے ہی اس دہشت گرد نے اٹے ہاتھ کا ایک زوردار تھپڑ ز وہاں کے منہ پر مارا اور وہ سامنے دیوار سے جا لگا۔

”اپنی جگہ کھڑے رہو ذرا سا آگے بڑھے تو بھون کے رکھ دوں گا۔“ سفاکی اس شخص کے لہجے کے ساتھ ہی آنکھوں سے بھی جھلک رہی تھی، اتنی دیر میں باہر سے ایک باہر تیز فائرنگ کی آواز سنائی دی، اسے یاد آیا کہ اندر کلاسز میں آتم رومان، سلمہ اور رائے جیسی کئی لڑکیاں موجود ہیں پھر یاد آیا اس کے ساتھ مسعود، فاران اور فاران کا چھوٹا بھائی زمر خان بھی اسی عمارت کے اندر تھے اور بھی جانے کتنے بچے، کتنی ماؤں کے لعل اس وقت اس بلڈنگ کے اندر موجود دہشت گردوں کی زد میں تھے..... کوئی ماں یہ نہیں سوچ سکتی تھی کہ اس کا تخت جگر ایک درس گاہ کے اندر بھی محفوظ نہیں۔ ز وہاں کے اندر موجود خوف کی جگہ غصے نے

”نہیں مس، میں آج آخری بار یہاں آیا ہوں اس لیے چاہتا ہوں میڈم سے مل کر اپنی ان تمام غلطیوں کی معافی مانگ لوں جو اس ادارے میں پڑھنے کے دوران مجھ سے سرزد ہوئیں۔“

اس کی بات سن کر مس خالده نے مسکراتے ہوئے اس کی جانب دیکھا اور سامنے رکھا انٹرکام اٹھا کر اپنے کان سے لگا لیا۔

”میم آپ سے کوئی ایکس طالب علم ملنا چاہتے ہیں۔“ دوسری طرف سے شاید نام پوچھا گیا تھا۔

”آپ کا نام.....؟“ ریسورکان سے ہٹا کر مس خالده ایک بار پھر اس سے مخاطب ہوئیں۔

”ز وہاں علی باسط سن آف میجر باسط علی عباسی.....“ ایک مکمل تعارف، ویسے اسے یقین تھا کہ میڈم اسے صرف نام سے ہی پہچان گئی ہوں گی اور پھر اگلے دس منٹ میں وہ پرنسپل آفس کے اندر تھا۔

”السلام علیکم میڈم.....!“ سلام کے بعد اس نے ان سے اپنے سابقہ رویے کی معافی طلب کی۔

”انٹس اوکے، اب آگے کیا پڑھ رہے ہو تم؟“ ز وہاں نے انہیں اپنا پورا پلان بتایا ساتھ ہی اس یونیورسٹی کا نام جس میں اس نے داخلہ لیا تھا۔

”حیرت ہے، تمہیں میجر صاحب نے میڈیا پڑھنے کی اجازت دے دی؟“ پرنسپل نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھا، اسی پہلے باہر کہیں کچھ کرنے کی آواز آئی ز وہاں کو لگا کہ باہر ایک دم ٹراسر اس سناٹا پھیل گیا ہے۔ اس سے قبل کہ وہ پرنسپل کو ان کی بات کا جواب دیتا ایک دم باہر کہیں قریب ہی فائرنگ کی آواز سنائی دی بالکل ایسے جیسے یہ فائرنگ اسکول کے اندر ہوئی ہو، اس نے گھبرا کر پرنسپل کی جانب دیکھا۔ وہ بھی شاید کچھ گھبرا سی گئی تھیں اس لیے ز وہاں کے کچھ کہنے سے مل ہی سامنے رکھی کھنٹی بجادی۔ جس کے جواب میں باہر کھڑا خان چاچا تو اندر نہ آیا البتہ دروازے کو دھکیلتا ہوا ایک اونچا لمبا جوان جو ملائیشیا رنگ کی شلوار قمیص میں ملبوس تھا اندر داخل ہو گیا جسے دیکھتے ہی

رائہ باہمی موجودگی جس حالت میں بھی اپنے ساتھ چھوٹے، چھوٹے بچوں کو لیے ہوئے تھیں۔ زوہان نے دیکھا وہ بالکل مطمئن تھیں کسی طرح کا کوئی خوف ان کے چہرے یا آنکھوں میں نہیں تھا۔ کمرے میں اسلحہ لیے ایک دہشت گرد موجود تھا تمام بچے گھنٹوں کے بل بیٹھے تھے، اس نے تمام بچوں کے پاس سے ایک چکر لگایا اور پھر سامنے آن کھڑا ہوا۔

”تم میں سے صوبیدار حیات خان کا بیٹا کون ہے؟“ اس کے سوال کرتے ہی تمام بچے اٹھ کھڑے ہوئے۔

”ہم سب حیات خان کے بیٹے ہیں۔“ ہر بچے کی زبان سے ایک ہی جواب نکلا۔ زوہان نے چونک کر ان معصوم بچوں کے چہروں پر نظر ڈالی جو بتا کسی خوف کے اس دہشت گرد کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑے تھے اور اس لمحے اس کا دل خوشی سے جموم اٹھا۔

”میں ہوں صوبیدار حیات خان کا بیٹا۔“ زوہان ان سب سے دو قدم آگے نکل کر کھڑا ہو گیا۔

”جلدی بتاؤ حیات خان کا بیٹا کون ہے، ورنہ میں پہلے تمہاری نیچر کو ماروں گا اور پھر ایک، ایک کر کے تم سب کو کیونکہ ہم جانتے ہیں وہ بارہ سال کا ہے۔“ وہ دہشت گرد پاٹلوں کی طرح چلاتے ہوئے بولا۔

”مار دو۔۔۔۔۔“ رائہ باہمی دو قدم آگے آئیں ان کے چہرے پر نور کا ہالہ سا کھرا ہوا تھا۔

”تم اس کے علاوہ اور کبھی کیا سکتے ہو کہ زور، بزدل اور ڈر پوک لوگ جو معصوم بچوں سے مقابلہ کرنے آئے ہو، وہ بھی اتنا اسلحہ لے کر لعنت ہے تم جیسے لوگوں پر۔“ ان الفاظ کے ساتھ انہوں نے زمین پر نفرت سے ٹھوک بھی پھینک دیا اس شخص نے اشتعال میں آ کر انہیں گولیوں سے بھون کر رکھ دیا تمام بچے چیختے ہوئے پیچھے دوچار سے جا لگے۔

”عورت اور بچوں پر ظلم کرنے والے کبھی بہادر نہیں ہو سکتے۔“ زوہان نے پیچھے مڑ کر اس جگہ کو نہیں دیکھا جہاں کچھ درہل اس کی بڑی بہن زندہ کھڑی تھی وہ اب بھی اس دہشت گرد کی آنکھوں میں آنکھیں

لے لی، اس کا بس چلتا تو وہ سامنے کھڑے اس شخص کو جان سے مار دیتا جو ایک عورت کو اپنے اسلحے کی زد پر لیے کھڑا خود کو بہت بہادر تصور کر رہا تھا۔

”تمہیں جو چاہیے مجھے بتاؤ مگر پلیز میرے بچوں کو نقصان نہ پہنچاؤ۔۔۔۔۔“ پرنس کی روہائی آواز زوہان کے کانوں سے ٹکرائی۔

”ذرو مت تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا، ہماری جنگ کسی اور سے ہے۔۔۔۔۔“ اور بھی جانے وہ کیا، کیا کچھ کہہ رہا تھا۔ غصہ، نفرت، حقارت سب کچھ اس کے لہجے میں بھرا ہوا تھا۔ زوہان کو لگا وہ شخص پرنس کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا مگر اندر موجود بچے اس کے ساتھیوں کی دہشت گردی کی زد میں تھے کیونکہ ان میں سے اکثریت کا تعلق ان جوانوں کے خاندان سے تھا جو اپنے گھروں سے دور، علاقہ غیر میں موجود، اپنے وطن کو ان دہشت گردوں سے پاک کر رہے تھے۔ زوہان کو صرف ایک ہل لگا سوچنے کے لیے اور دوسرے ہی ہل اس نے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور کھلے دروازے سے باہر نکل گیا۔ اس کا رخ سیدھا اندر عمارت کی جانب تھا، وہ اندھا دھند بھاگ رہا تھا اس نے دیکھا جو نیشنل سیکشن کے بچے گراؤنڈ کے پچھلے حصے کی جانب بھاگ رہے ہیں شاید وہاں ہماری پاک فوج کے جوان پہنچ چکے تھے مگر سیشنل سیکشن کے کلاس رومز کے تمام دروازے بند تھے، اس نے ایک، ایک دروازہ کھولنے کی کوشش کی جو اندر سے بند تھا۔ مطلب اندر ضرور کوئی موجود تھا، فاران اور مسعود کا دور، دور تک نام و نشان نہ تھا۔ اس کے بس میں نہیں تھا کہ وہ ان دروازوں کو توڑ کر اندر داخل ہو جاتا۔ کئی کلاسوں سے باہر بہتا خون اندر برہا ہونے والی سفاکی کی داستان بنا رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ واپس جا کر اپنی پرنس کو بچانا چاہیے، یہی سوچ لے کر وہ واپس پلٹا جب ایک دم کسی نے اسے دھکا دے کر اندر کمرے میں پھینک دیا یہ بھی غالباً کوئی کلاس تھی جس میں کئی طلبہ و طالبات ایک ہی جگہ جمع تھے خوف ان کے چہروں پر کنداں تھا۔ سامنے کرسی پر

ایک ماہ اور شاید کچھ دن اوپر کا منظر وہی اسکول اور وہی اسکول کا گیٹ، جس سے داخل ہونے والے وہ تمام طلباء جو سولہ دسمبر کی دہشت گردی کا شکار ہونے سے محفوظ رہ گئے تھے، ان میں سے کئی ایسے تھے جو اپنے بہن اور بھائیوں کو کھو چکے تھے۔ کئی اپنے جسم کا کوئی حصہ گنوا چکے تھے مگر ایک چیز ان میں آج بھی باقی تھی اور وہ ہمت، حوصلہ اور وطن کی محبت کا جنون جو آج ان کے چہروں پر پہلے سے کئی گنا زیادہ نظر آ رہا تھا۔ وہ بچے جو صبح، صبح تھکے ہوتے، نیند کے ستارے روتے، دھوتے اسکول کے گیٹ سے اندر داخل ہوتے تھے، آج ہشاش بشاش تھے اور ان کا ہر اشتا قدم دہشت گردوں کو لاکار رہا تھا کہ.....

”آؤ آ کر دیکھو ہم اس قوم کے پھول ہیں جو سرد ہواؤں کے جھوکوں سے کبھی مر جھاتے نہیں۔ ہم وہ دیا ہیں جو وقت کی آندھی کی زد میں کبھی آتے نہیں۔“

سرکاران بیساکھی کے سہارے بڑے سے اسمبلی ہال میں موجود تھے جہاں بالکل سانسے والی دیوار پر شہید پرنس صاحبہ کی تصویر آویزاں تھی۔ اسمبلی ہال آج پہلے دن ہی بچوں سے بھرا ہوا تھا۔ جن کے چہرے پر عزم تھے اور جنہیں کوئی بھی راستہ اس درس گاہ میں آنے سے نہیں روک سکا۔ ہمسہ اور اُم رومان بھی ان بچوں میں شامل اپنے بھائی کے لیے دعائے خیر کر رہی تھیں۔ مکران کی آنکھوں میں ایک پانی کا قطرہ نہ تھا اور ان کے سر فخر سے بلند تھے کیونکہ ان کا بھائی شہید تھا، اسی پل قومی ترانے کی آواز اسمبلی میں پھیل گئی جو اسکول کا ہر بچہ ایک جذبہ و جوش اور ولولے سے پڑھ رہا تھا۔

پاک سرزمین شاد باد
مکشور حسین شاد باد
ٹو نشان عزم عالی شان
ارض پاکستان!
مرکز یقین شاد باد

دہشت گردوں سے پاک کر دیا۔ اس خبر کے سنتے ہی میزہ نے خاموشی سے اٹھ کر دو نفل شکرانے کے پڑھے اس کا دل جیسے ٹھہر سا گیا تھا۔ اسے یقین ہو چلا تھا کہ زوہان اب اس دنیا میں نہیں اور پھر اس کے اس خیال کی جلد ہی تصدیق بھی ہوگئی۔ وہ بنا ڈرے بے خوف و خطر جام شہادت نوش کر گیا۔ وہ زوہان جو وطن کی خاطر جان دینے والوں سے ناراض تھا جس کا کہنا تھا کہ اس قوم کے لیے کوئی قربانی کیوں دی جائے جو قوم اپنی حالت خود نہیں بدلتی، وہ زوہان آج اس قوم کے بچوں پر قربان ہو گیا۔ جس وقت ان دہشت گردوں نے زوہان کو اپنی بربریت کا نشانہ بنایا اسی وقت ہمارے جوانوں نے وہاں پہنچ کر کھلے دروازے سے اندر داخل ہو کر نہ صرف ان دہشت گردوں کو نیست و نابود کیا بلکہ وہ ان تمام بچوں کو بھی بچا لائے جو اس کلاس میں تھے کیونکہ فاران کی تلاش میں جو دہشت گرد آیا تھا وہ اپنے پیچھے دروازہ بند کرنا بھول گیا تھا یا شاید ہمارے جوانوں کی دہشت ایسی تھی کہ اس نا پاک شخص میں دروازہ بند کرنے کی ہمت بھی نہیں رہی ورنہ زیادہ نقصان بند دروازوں کے پیچھے ہوا تھا اور اس کھلے دروازے کی وجہ سے اندر موجود پچاس بچوں کو بچالیا گیا جو شاید زوہان کی وجہ سے ممکن ہوا اور میزہ کو یقین تھا کہ زوہان ہر پل اور ہر لمحہ اس کے ساتھ موجود ہے کیونکہ وہ شہید تھا اور شہید کبھی مرا نہیں کرتے۔

اسے راہ حق کے شہیدوں.....

چلے جو ہو گئے شہادت کا جام پی کر تم
رسول پاکؐ نے ہاتھوں میں لے لیا ہوگا
علیؑ تمہاری شجاعت پر چھوٹے ہوں گے
حسینؑ پاکؐ نے ارشاد یہ کیا ہوگا
تمہیں خدا کی رضا کی سلام بکتی ہیں

اسے راہ حق کے شہیدوں

جناب فاطمہؑ بیکر رسولؐ کے آگے

شہید ہو کے کیا ماں کو سرخرو تم نے

☆☆☆

بدلا عنوان اسماء اداری

عزیز قارئین! اس کہانی کا عنوان کیا ہو سکتا ہے..... یہ آپ کو منتخب کرنا ہے۔ بہترین عنوان پر آپ کو انعام سے نوازا جائے گا۔



سانولی رنگت اور مونے بھدے نقوش والا قدرے پست
قامت جوان تھا لیکن رعنا کے گھر والوں نے اس کے ظاہر
سے زیادہ دیگر خصوصیات کو نظر رکھا تھا۔
بدر کے والد اس وقت انتقال کر گئے تھے جب

بدر حسن کی دلہن کو جس نے دیکھا، دیکھتا رہ
گیا..... بگھالی رنگت، نازک نین نقوش، سانچے میں ڈھلا
بدن اور گھنے براؤن ہال..... جو نظر ایک بار اس پر اٹھتی
واپس پلٹنا بھول جاتی۔ اس کے مقابلے میں بدر حسن گہری

ماہنامہ پاکیزہ — دسمبر 2018ء — 113

چنانچہ اسے اپنے اخراجات پورے کرنے کے لیے ماں اور بھائی کی طرف نہیں دیکھتا پڑتا تھا۔ مہر النساء شکل صورت میں بھائی کے مقابلے میں کافی بہتر تھی۔ اس نے ایم اے کیا تو اس کی قابلیت اور سلیقہ مندی سے متاثر ہو کر محلے ہی کی ایک خاتون نے جہت اپنے بیٹے کا رشتہ پیش کر دیا۔ لڑکا شریف اور مقبول آمدن والا تھا اس لیے رشتہ قبول کر لیا گیا۔ شادی کے لیے البتہ ایک سال کی مہلت درکار ہوئی۔ اس مہلت میں نفیسہ خاتون نے ایک طرف بیٹی کا جہیز جوڑا تو دوسری طرف بیٹے کے لیے چاندی دھن ڈھونڈ کر اس کی بری بھی تیار کر ڈالی۔ اس موقع پر مرحوم شوہر کے چھکے سے ملی ہوئی سینت کر گھی گئی کر بھو بیٹی فنڈ کی رقم بھی کام میں لائی گئی اور یوں خیر سے دونوں بہن، بھائی اپنے اپنے گھر بار والے ہوئے۔

بدر کی دلہن رعنا بھی ان ہی کی طرح سفید پوش طبقے سے تعلق رکھتی تھی۔ رعنا کی والدہ نے تو پھر بھی شکل صورت کے فرق پر ہلکا سا اعتراض کیا تھا لیکن والد، بدر کی شخصیت کے اسیر ہو گئے تھے۔ وہ گھر سے باہر نکلنے تھے اور دنیا کا چلن بہت اچھی طرح ان کے علم میں تھا۔۔۔۔۔ ایسے میں بدر جیسے شریف، قابل اور برسر روزگار لڑکے کا رشتہ انہیں ایک نعمت ہی محسوس ہوا تھا۔ انہوں نے پوری طرح تحقیق کر کے اور اس کے کردار کے بارے میں شکوک بجا کر معلوم کرنے کے بعد ہی بیٹی دینے کی ہامی بھری تھی۔ ان کا نظریہ تھا کہ جولا کا کم عمری میں ہی اتنا ذاتے دار اور پردہ پار ثابت ہوا ہے وہ آگے چل کر بھی فرائض و حقوق کی ادائیگی میں اسی رویے کا مظاہرہ کرے گا اور اسی رویے میں وہ اپنی بیٹی کے لیے زندگی بھر کا سکون دیکھ رہے تھے اسی لیے شکل صورت کے تفاوت کو قطعی اہمیت نہیں دی۔ کہنے والوں کے مطابق رعنا کی صورت بدر کی لاٹری نکل آئی تھی۔ بدر بھی حسین و جمیل دلہن پا کر بہت خوش نظر آتا تھا البتہ رعنا کے دل کا حال کوئی نہیں جانتا تھا۔ وہ خاموش مزاج، سنجیدہ اور قدرے لیے دیے رہنے والی لڑکی تھی۔ اس

اس نے محض میٹرک کا امتحان پاس کیا تھا۔ فرسٹ ایئر سے لے کر ایم ایس سی تک تعلیم اس نے اپنی ذاتی جدوجہد سے حاصل کی تھی اور ٹیوشن پڑھا، پڑھا کر اپنے تعلیمی اخراجات پورے کرتا رہا۔ گھر کے دیگر اخراجات اس کی ماں کو باپ کے چھکے کی طرف سے ملنے والی مختصر پینشن اور ماں کی سلائی مشین سے پورے ہوتے رہے۔ ان اخراجات میں بدر سے بچا رسالہ چھوٹی بہن کے تعلیمی اخراجات بھی شامل تھے۔ حتیٰ کہ یہ چند سال کسی نہ کسی طرح گزر ہی گئے۔ بدر نے ماسٹرز کے بعد کمیشن کا امتحان دیا اور سیدہ حاستر حویں گریڈ میں پیکچر ریموٹی ہو گیا۔۔۔۔۔ محض چوبیس سال کی عمر میں ملنے والی اس قابل عزت ملازمت نے اسے سب کی نظروں میں سرخ رو کر دیا۔ ایسے ماحول میں جہاں بچے تمام تر سہولیات کے باوجود پڑھ کر نہیں دیتے بدر کا باپ کے سامنے کے بغیر اپنے بل بوتے پر یہ کامیابی حاصل کر لیتا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ اس کی ماں تو بیٹے کی اس کامیابی پر پھولے نہیں سماتی اور بہن کی زبان پر ہر مل اپنے بھائی کی تعریفوں کے پھول جھڑتے رہتے۔۔۔۔۔ اس کی ملازمت شروع ہوئی تو ماں (نفیسہ خاتون) نے سلیقہ شعاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے گھر کی حالت بہتر کرنے اور جوان بیٹی کا جہیز جوڑنے کے کام تربیتی بنیاد پر شروع کر دیے۔

بدر نے ماں کا مزید بہتر طور پر ساتھ دینے کے لیے شام میں ایک اکیڑی بھی جوائن کر لی۔۔۔۔۔ اس اضافی آمدنی نے ان کے مشن کو تیزی سے تکمیل تک پہنچانے میں۔۔۔۔۔ بڑی معاونت کی۔ یوں دو سال کے عرصے میں وہ لوگ گھر کی پرانی عمارت ڈھا کر دو منزلہ نئی خوب صورت اور جدید عمارت بنانے میں کامیاب ہو گئے۔۔۔۔۔ اس مقصد کے حصول کے لیے گھر کے ہر فرد نے تعاون کیا اور سادہ غذا اور لباس میں خوش دلی سے بسر کرتے رہے۔ بدر سے چھوٹی بہن مہر النساء بھی بھائی کی روش پر چلتے ہوئے شام کے اوقات میں محلے کے بچوں کو ٹیوشن پڑھانے کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا

بات کے آگے نفیسہ کچھ نہیں بولیں لیکن وہ ذرا الجھ مکی
تھیں کہ یہ بات کہتے ہوئے بدراداس تھا یا انہیں اداس
محسوس ہوا تھا۔

شادی کے دو چار دنوں کے بعد ہی سے انہیں
لگنے لگا تھا کہ بدراب خوش نظر نہیں آتا اور کچھ الجھا،
الجھا سا ہے۔ اپنی بیٹی مہرالنسا سے بھی انہوں نے اس
بات کا تذکرہ کیا تھا لیکن مہر نے اس بات کو نفیسہ کا وہم
قرار دیا تھا۔ اس کے مطابق بدراب تو شروع سے ہی سنجیدہ

مزاج اور سو پر لڑکا تھا اور اب ڈتے داریاں بڑھنے پر
مزید بردباری آگئی تھی۔ نفیسہ قائل تو نہیں ہوئیں لیکن
بیٹی کی دلیل کو رد بھی نہیں کیا۔ ویسے بھی شادی کے
دوسرے مہینے ہی مہر کا پاؤں بھاری ہو گیا تھا اور ان
دنوں وہ کافی غڑحال، غڑحالی رہتی تھی۔ ایسے میں
نفیسہ کو اسے زیادہ پریشان کرنا بھی مناسب نہیں لگا تھا
لیکن دل میں ایک ہوک سی بھی آگئی تھی۔ انہیں بھی
اپنے آگن میں پوتا، پوتی کھلتے دیکھنے کا بڑا ارمان تھا
لیکن بہو بیٹے کی زندگی کا جو چلن دیکھ رہی تھیں انہیں اپنی
یہ خواہش جلد پوری ہوتی نظر نہیں آ رہی تھی۔ ابھی تو بہو
بیم کی پڑھائیاں چل رہی تھیں..... ان پڑھائیوں کے
چکر میں ان کے پاس گھر کو گھر سمجھنے کی فرصت نہیں تھی تو
بچے پیدا کرنے اور پالنے کی فرصت کہاں سے نکالتیں
سوئی الحال تو نفیسہ کو ہی اپنے دل پر پتھر رکھنا تھا۔

☆☆☆

بدرحسن کی شادی میں دلہن کی حسین صورت دیکھ
کر دنگ رہ جانے والے اس شادی کے چوتھے مہینے ہی
رعنا کی طرف سے طلاق کا مطالبہ سن کر انگشت پندھناں
رہ گئے۔ نہ میاں بیوی میں کوئی کھٹ پٹ ہوئی تھی، نہ
ساس ہند کا کوئی جھگڑا تھا۔ رعنا معمول کے مطابق میکے
والوں سے ملنے اور ان کے ساتھ دو دن گزارنے کا کہہ
کر اپنے مختصر سامان کے ساتھ وہاں گئی تھی اور پھر اس
کے بجائے اس کی جانب سے طلاق کا مطالبہ آگیا تھا۔
اس مطالبے کی وجہ جاننے کے لیے نفیسہ، رعنا کی ماں
سے ملنے گئیں تو ان کے انکشاف نے ان پر گھڑوں پانی

کی حسین صورت پر فریفتہ نفیسہ خاتون کو پوری امید تھی
کہ آہستہ، آہستہ بہو اس گھر کے ماحول میں رچ بس
جائے گی ان کے حساب سے اتنے ہاسولت گھر میں
جہاں سرسالی رشتوں کے نام پر ایک اکیلی ساس کے
علاوہ کوئی تھا ہی نہیں بہو کو بھلا کیا پریشان ہو سکتی تھی۔
بہو نے کسی پریشانی کا اظہار کیا بھی نہیں لیکن جب
شادی کے محض پچھتے مہر بعد اس نے بیونورسٹی جانا
شروع کر دیا تو نفیسہ یکم کو پریشانی لاحق ہوئی.....

بہو صبح کی گئی تین ساڑھے تین بجے گھر لوٹی اور
پھر اپنے کمرے میں جو لمبی تان کر سوتی تو مغرب کے
قریب ہی برآمد ہوئی۔ نفیسہ خاتون خود بڑی پھر تلی
عورت تھیں اور انہیں کام کاج کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔
ماضی کی طرح اب بھی انہوں نے کچن سنیکال رکھا تھا
جبکہ اوپر کے کاموں کے لیے ایک ماسی آئی تھی۔ ان کا
مسئلہ یہ تھا کہ وہ بہو کی آمد کے ساتھ جس رونق کی امید
باندھے بیٹھی تھیں اس کا کوئی نام و نشان نظر نہیں آتا تھا۔
بیٹا صبح کا گھر سے نکلا کالج اور اکیڈمی جگمگاتے کے بعد
عشاء کے قریب آتا تھا اور ادھر بہو بھی ہاتھ نہیں لگتی تھی کہ
لمبی نیند لے کر اٹھنے کے بعد یا تو وہ کتابوں میں سر
گھسائے بیٹھی رہتی یا اس کی انگلیاں اسماٹ فون کی
اسکرین پر متحرک رہتیں۔ کچن سے اس کا بس اتنا واسطہ
تھا کہ رات کے کھانے کے لیے چار پانچ پھلکے ڈال
دیتی تھی اور کھانے کے بعد تین پیالی چائے تیار کر دیتی
تھی۔ نفیسہ کو بہو سے کام لینے کا اتنا ارمان نہیں تھا جتنا
وہ اپنے لیے دوسرا ہٹ کی خواہش مند تھیں، بیٹے سے
اپنی اس تنہائی ذکر کیا تو وہ بولا۔

”امی، رعنا کی خواہش ہے کہ وہ ایم اے کر لے
اور یہ اتنی ناجائز خواہش نہیں ہے۔ آج کل خواتین کا
بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے اس لیے میں نے
اس کا ایڈمیشن کروا دیا ہے۔ ویسے بھی سوچے ناں کہ اگر
میں اس کی بات نہیں مانتا تو اسے اپنا دل مارنا پڑتا اور
میں اس بات کو اپنے لیے بڑا بوجھ محسوس کرتا ہوں کہ
کوئی اپنا دل مار کر میرے ساتھ رہے۔“ بدر کی اس

”میاں صاحب زادے مجھے افسوس ہے کہ میں نے جسے ہیرا سمجھ کر اپنی بیٹی کے لیے منتخب کیا تھا وہ ایک بچھا ہوا کوئلہ نکلا..... اب شرافت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ سیدھے سچاؤ بیچی کو طلاق نامہ بھجوادیں تاکہ آپ کا اور ہمارا مزید تماشہ نہ بنے.....“ رعنا کے ابا کے اس ٹھنڈے لہجے نے بدر کے سارے بدن کو برف کی سل بنا دیا اور وہ چاہنے کے باوجود کچھ نہ بول سکا لیکن اس کے نہ بولنے سے کیا ہوتا تھا۔ زبان خلق تو بولنے کے لیے پوری طرح آزاد تھی۔ نفیسہ خاتون پر رعنا کے گھر والوں کی طرف سے مختلف ذرائع سے دباؤ ڈالا جا رہا تھا کہ وہ بیٹے کو رعنا کو آزاد کرنے پر آمادہ کریں۔ دل میں اپنے ارنالوں کی قبر لیے نفیسہ کے تو بیٹے سے بات کرنے کی ہمت نہیں ہوئی اس لیے انہوں نے داماد کو یہ ذمے داری سونپی..... وہ بدر ہی کا ہم عمر تھا اور رشتے سے قبل، محلے داری کے سبب بھی آپس میں اچھے تعلقات تھے اس لیے دل میں ڈیروں دھردی لیے اس سے ملا اور ادھر ادھر کی چند باتوں کے بعد بولا۔

”تم نے رعنا بھائی کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے یار..... اگر بہتری کی کوئی امید ہے تو ہم ان کے گھر والوں سے بات کرنے کی کوشش کرتے ہیں، میں نے چند ایسے ڈاکٹروں کے بارے میں سن رکھا ہے کہ جو اس قسم کے مسائل حل کر دیتے ہیں۔ تم میرے ساتھ ڈاکٹر کے پاس چلو..... اگر وہاں سے کوئی پوزیٹو رپاس ملتا ہے تو ہم رعنا بھائی کے گھر والوں سے تھوڑی مہلت لے لیں گے لیکن اگر کوئی امید نہیں ہے تو ایک شریف لڑکی کو یوں لٹکائے رکھنا کوئی انسانیت نہیں ہے۔“

”مجھے رعنا کا یہ مطالبہ ماننے سے انکار نہیں ہے لیکن اس سے پہلے ایک بار اس سے بات کرنے کا خواہشمند ہوں، رومیو نہ سہی ایک بار فون پر ہی سہی..... مجھ سے بات کر لے پھر میں اسے آزاد کر دوں گا۔“ اسے بہنوئی جاوید کی یہ باتیں سن کر بدر کا چہرہ سرخ ہو گیا لیکن اس نے خود پر قابو رکھا اور جیسے لہجے میں بولا..... اس کی بات سن کر جاوید نے ایک

اظہار کیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ معاملہ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ ساری گتیاں خود ہی سلجھ گئیں کہ رعنا کیوں سسرال کے گھر کو گھر سمجھ کر نہیں رہتی اور کیوں بدر اُلجھا اُلجھا اور اداں رہتا ہے، رعنا کی ماں نے صاف کہہ دیا۔

”معاف کیجیے گا نفیسہ بیگم، آپ کا بیٹا اس بات کا اہل ہی نہیں ہے کہ بیوی رکھ سکے۔ میری معصوم بیٹی تین ماہ تک اس نامرد کے ساتھ گھٹ، گھٹ کر رہتی رہی لیکن شرم کی وجہ سے زبان سے اُف نہ نکالی۔ وہ تو اس کی بڑی بھالہ نے باتوں، باتوں میں کھوج لیا کہ کوئی... کرپڑ ہے اور رعنا میں شادی شدہ لڑکیوں والی کوئی بات ہی محسوس نہیں ہوتی۔ اسی نے رعنا کے پیچھے لگ کر حقیقت اگلوئی اور ہم تک پہنچائی۔ اب آپ ہی بتائیں کہ ان حالات میں ہمارے پاس بیٹی کو طلاق دلوانے کے سوا کیا چارہ رہ جاتا ہے۔“ اتنی بڑی بات سن کر نفیسہ کی تو بولتی ہی بند ہو گئی اور وہ حیران پریشان گھر واپس لوٹ آئیں۔ ادھر طلاق کا نوٹس ملنے پر اس نوٹس کی وجہ معلوم کرنے پر بدر کو بھی ایسی ہی باتیں سننے کو ملی تھیں اور اس کا یہ حال ہو گیا تھا کہ کاتو تو بدن میں لہو نہیں..... رعنا سے ایسی امید نہیں تھی۔ وہ اولین شب سے اس دلربا کی ہر بات اس لیے تو نہیں مانتا آ رہا تھا کہ وہ یوں بدنامی کا طوق اس کے گلے میں ڈال دے گی۔ ایسی باتیں بھی بھلا نہیں سمجھتی ہیں، سب کو خبر ہو گئی کہ کیوں بدر حسن سے اس کی بیوی نے طلاق کا مطالبہ کر دیا۔ اس ساری صورت حال پر ہر اسان وہ اس کوشش میں تھا کہ کسی طرح رعنا سے اس کی بات ہو جائے لیکن وہ اس کی کوئی کال ریسیو نہیں کرتی تھی۔ ایک بار اس کی بھابی نے کال ریسیو کر لی تھی اور اسے سخت باتیں سناتے ہوئے کہا تھا کہ ”اگر تم میں ذرا بھی غیرت ہے تو سیدھی طرح رعنا کو طلاق دے دو اور یہ قصہ ختم کر دو لیکن بدراتنی خاموشی سے قصہ ختم کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ وہ ایک بار رعنا سے بات کرنا چاہتا تھا۔ اس سے بات نہ ہو سکی لیکن ایک روز اس کے ابا نے فون اٹھایا اور نہایت ٹھنڈے لہجے میں بولے۔

ماہنامہ سوسائٹی



2018ء کے آخری

شارے کی یادگار کہانیاں

اولین صفحات

ایک محتاط شخص کی شاندار منسوبہ بندی جس کی معمولی بداحتیاطی نے بازی پلٹ دی۔ دوستی... اغزش اور طبع کے شرارے... اسما قادری کے قلم سے

انگاریے

دشمنوں کے ٹکٹے میں آسانی اعصاب کے مالک جیمپین کا استحقاق۔ محبت اور جنگ کی نصف میں آگے بڑھتا طاہر جاوید مغل کے یادگار سلسلے کی ایک اور کڑی

آوارہ گرد

چلچلاتی دھوپ میں ہر دم ایک نئی مصیبت سے برسر پر کارنو جوان کی سرگزشت... عبدالرب بھٹنی کی سلسلے دار کہانی

سردق کے رنگ

زندگی کی رنگینی کو بے رنگ کر دینے والی ٹیکسی کہانی... اس لڑکے کی کتنا جیسے معاش نے بے حال کر دیا تھا...

چینی ٹکٹہ چینی

آپ کے تہرے... مشورے... محبتیں... شکایتیں... اور نئی نئی دلچسپ باتیں... کتنا حسین

ٹھنڈی سانس بھری۔

”اصولاً تو تمہارے اس مطالبے کی کوئی تک نہیں بنتی ہے۔“ وہ بولا۔

”ان کی طرف سے ایک بالکل جینون ریزن کے ساتھ طلاق کا مطالبہ کیا جا رہا ہے لیکن پھر بھی میں کوشش کرتا ہوں کہ تمہاری یہ خواہش پوری ہو جائے۔“ اب یہ جاوید کی کوششوں کا نتیجہ تھا یا رعنا کو ہی اس پر رحم آ گیا تھا کہ ایک رات اچانک ہی بدر کے موہاگل پر اس کی کال آ گئی۔

”تم نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا رعنا؟“ بدر یہ سوال کرتے ہوئے رنج و غصے سے اتنا مغلوب تھا کہ اس سے ڈھنگ سے بولا بھی نہیں جا رہا تھا۔

”میں نے کچھ نہیں کیا بدر صاحب... حالات نے مجھے ایسا کرنے پر مجبور کر دیا۔“ رعنا کے لہجے میں بڑا ٹھہراؤ تھا۔

”کیسے حالات...؟ یہی تو میں جاننا چاہتا ہوں، تم بیوی کے بجائے ایک پہیلی کی صورت میں مجھے ملی تھیں اور اب تک میرے لیے ایک پہیلی ہی ہو... میں نے کسی کے سامنے اپنے حق میں کوئی صفائی نہیں دی لیکن تم بھی جانتی ہو کہ صرف ایک میڈیکل رپورٹ مجھے ہر الزام سے بری کر سکتی ہے۔“ وہ جھنجھنے لگا۔

”یہ اتنی پہل بات بھی نہیں ہے بدر صاحب... رپورٹ کے بعد بھی لوگ سوال اٹھائیں گے کہ جب کوئی مسئلہ نہیں تھا تو پھر کیوں ایسی نوبت آئی...؟ آپ جواب میں مجھ پر الزام دھریں گے تو مشکل ہی سے کوئی اعتبار کرے گا کہ ایک مرد کیسے اتنا بے بس ہو گیا تھا۔ میں شور مچاؤں گی کہ رپورٹ جعلی ہے اور آپ نے پیسے دے کر بنوائی ہے، چاہے کچھ لوگ مجھے جھوٹا مان بھی لیں لیکن آپ کی ذات ہمیشہ شک کی زد میں رہے گی اور آپ کے لیے دوسری شادی مسئلہ بن جائے گی۔ اس لیے میرا مشورہ ہے کہ آپ مجھے طلاق دے کر اپنی جان چھڑا دیں تاکہ بات جن چند لوگوں کے درمیان ہے ان کے درمیان ہی رہے اور آپ دوبارہ ایک نئی

زندگی شروع کر سکیں۔“ وہ جو پہلے گن، گن کر الفاظ منہ سے نکالتی تھی اس وقت خوب چپک رہی تھی۔

”مشورے کا شکریہ..... لیکن میں اصل وجہ جانے بغیر اتنی آسانی سے تمہیں طلاق نہیں دے سکتا۔ تم نے میرے ساتھ تین مہینے گزارے ہیں اور جانتی ہو کہ میں کس کردار کا آدمی ہوں، تم میرے اس وعدے پر اعتبار کرو کہ سچ جانے کے بعد میں کسی جیل و جنت سے کام نہیں لوں گا اور تمہیں فوراً طلاق دے دوں گا لیکن تمہیں مجھے سچ بتانا ہوگا۔“ اس نے اٹل لہجے میں رعنا کو اپنا فیصلہ سنایا تو وہ بے باکی سے بولی۔

”وجہ آپ خود بھی سمجھ گئے ہوں گے لیکن میری زبان سے ہی سننا چاہتے ہیں تو سنئے“ میں کسی اور سے محبت کرتی ہوں اور صرف اسی سے شادی کرنا چاہتی ہوں لیکن اس کی بد قسمتی یہ ہے کہ وہ تعلیمی میدان میں پیچھے رہ گیا ہے اور اب خود کو میرے قابل بنانے کے لیے پریس کاٹ رہا ہے۔ میں اس کے کسی قابل ہونے تک اس کا انتظار کرنا چاہتی تھی لیکن آپ کا رشتہ آیا تو اب اس رشتے پر اتنی بری طرح فریفتہ ہوئے کہ کسی کی ایک نئی حالانکہ بھائی نے دہلی زبان میں ان سے کہا بھی کہ وہ اپنے بھائی کے لیے خواہشمند ہیں اور چاہتی ہیں کہ بھائی معاشی طور پر مستحکم ہو جائے تو ہمارا رشتہ طے ہو جائے لیکن ابانے اسے غیر ذمے دار شخص قرار دیتے ہوئے آپ کا رشتہ قبول کر لیا۔ وہ پڑھے لکھے، بردبار اور ذمے دار داماد کے لیے ایسے اتاذ لے ہوئے جارہے تھے کہ انہوں نے یہ بھی نہیں سوچا کہ وہ پہلوئے حور میں لنگور کو جگہ دے رہے ہیں..... میں بھی اب کی ہی بیٹی ہوں اس لیے میں نے ضد باندھ لی کہ جس کو چاہتی ہوں اس کے سوا کسی کی نہ ہوں گی..... اتفاق سے آپ کا کافی شریف آدمی نکل آئے، اس لیے مجھے اپنے ارادے پر عمل کرنے میں زیادہ مشکل بھی پیش نہیں آئی۔ میرا ارادہ تھا کہ ڈیڑھ دو سال ایسے ہی آرام سے نکال لوں گی لیکن اسے وہاں چھن نہیں آ رہا تھا۔ ہر وقت اس بات سے ڈرتا رہتا تھا

کہ کہیں آپ اپنے وعدے سے نہ پھر جائیں۔ کبھی، کبھی یہ شک بھی کرتا تھا کہ میں اس سے جموت تو نہیں بول رہی۔ اصل میں کسی کے لیے بھی اس بات پر یقین کرنا مشکل ہوتا ہے کہ ایک خوب صورت عورت کی مرد کے ساتھ نکاح میں بندھ کر رہ رہی ہے اور اب تک ان چھوٹی ہے۔ میں نے اس کے دل سے یہ کائنات نکالنے کا فیصلہ کیا اور ایسی ٹھوس وجہ کے ساتھ طلاق کا مطالبہ کر دیا کہ اب آپ پر لاکھ فریفتہ ہونے کے باوجود مجھوتے کی راہ نہیں دکھا سکتے تھے۔ امید ہے کہ اب آپ ساری بات سمجھ گئے ہوں گے اور اپنے وعدے کے مطابق جلد طلاق بھجوا دیں گے۔“

”تم بے فکر رہو ایسا ہی ہوگا۔“ بدر نے اسے یقین دہانی کروائی اور خود کو یہ یاد کرواتے ہوئے کہ بعض اوقات خوب صورت چہروں کے پیچھے بڑے بد نما لوگوں سے واسطہ پڑ جاتا ہے طلاق نامے پر دستخط کر دیے۔ اس بل اسے رعنا کا اس گھر میں آنا بڑی شدت سے یاد آیا۔ وہ اس حسین پری کو اپنے نام لکھوا کر کتنا خوش تھا لیکن اول شب ہی اس کے اراٹوں پر اس پڑ گئی تھی۔ رعنا نے بڑے سلیقے سے اس کے اور اپنے درمیان دیوار کھڑی کر دی تھی..... اس کا کہنا تھا کہ وہ بچی طور پر ابھی شادی کے لیے تیار نہیں تھی اور چاہتی تھی کہ پہلے ایم اے کر لے لیکن گھر والوں نے اچھا رشتہ دیکھ کر اس کی ایک نئی..... بدر نے فوراً ہی اسے پیشکش کر دی کہ وہ اس گھر میں رہ کر بھی اپنی خواہش پوری کر سکتی ہے۔ بدر کی اس پیشکش پر اس نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا لیکن ساتھ ہی اس سے یہ درخواست بھی کی کہ اسے تھوڑی سی سہلت دی جائے تاکہ وہ اس رشتے کو ذہنی طور پر قبول کر سکے..... بغیر رضا اور رغبت کے تعلق بنانا بدر کے نزدیک غیر مہذبانہ فعل تھا اس لیے پیچھے ہٹ گیا لیکن رعنا کی تھوڑی سی سہلت نے قسم ہونے کا نام ہی نہیں لیا۔ الٹا وہ آنے بھانے احساس دلانے لگی کہ وہ جتنی خوب صورت تھی اپنے لیے جیون ساتھی بھی اتنا ہی

”چھوڑیں امی..... اللہ نے چاہا تو وہ اپنا کیا خود بھگتے گی۔ اس کے ہوتے آپ کو اور بھائی کو کون سا سکون تھا۔ اب آپ بھائی کے لیے کوئی دوسری اچھی لڑکی تلاش کریں اور صورت سے زیادہ سیرت پر دھیان دیں۔“ مہر انسانے ماں کو صحت کی۔

”ہاں بیٹا، اس بار میں ایسا ہی کروں گی۔“ نفیسہ نے اس کی تائید کی۔ بدر نے اس گفتگو میں کوئی دلچسپی نہیں لی اور خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ جاوید نے اسے یوں جاتا دیکھا تو ساس اور بیوی کو تنبیہ کرنے کے انداز میں بولا۔

”جو ہو گیا سو ہو گیا..... اب آپ لوگ بدر کے سامنے اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے احتیاط برتا کریں..... وہ ظاہر نہیں کر رہا لیکن اس کی انا کو زبردست شہیں لگی ہے اور جہاں تک میرا اندازہ ہے آگے بھی اسے بہت کچھ سہتا پڑے گا۔ میرے خیال میں تو موجودہ حالات میں آپ کو اس کی دوسری شادی کرنے میں بھی بڑی دشواری پیش آئے گی۔“ جاوید کی یہ بات غلط ثابت نہیں ہوئی۔ جس بات کو چند لوگوں تک محدود سمجھا گیا تھا وہ ہنوں نگی کوشوں چڑھی کے مصداق ہر طرف پھیل گئی تھی۔ نفیسہ نے سب سے پہلے محلے کی وچولن سے بدر کے لیے رشتہ دیکھنے کی بات کی تو جواب میں وہ اسے یوں گھورنے لگی جیسے اس کے سر پر سینگ نکل آئے ہوں.....

”میں نے کیا انوکھی بات کر دی جو تم مجھے ایسے دیکھ رہی ہو.....؟“ نفیسہ اس کے یوں دیکھنے پر چڑ گئی۔

”بات تو انوکھی ہی ہے..... میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم اپنے پیٹ میں بیٹی رکھ کر ایسی بات کرو گی۔ کیسی عورت ہو تم، اپنے بیٹے سے شادی کر کے ایک لڑکی کو داغ لگا دیا اور اب پھر دوسری کی تلاش میں ہو..... جب تمہارا بیٹا اس لائق ہی نہیں ہے تو بھر کا ہے کوان چکروں میں پڑی ہو۔“ وچولن نے بغیر کسی لپٹی کے نفیسہ کو کھری، کھری سنا دیں۔

”منہ سنہیال کر بات کرو شکو بوا.....! اللہ نہ

خوب صورت و وجہہ چاہتی تھی نیز یہ کہ بد صورت لوگوں کی قربت میں تو اس کا جی ہی مٹلانے لگتا تھا۔ ایسی باتوں کے بعد بدر پیش رفت کی کوشش کرتا بھی تو کیسے..... لیکن وہ الجھ سا گیا تھا اور اسے سمجھ نہیں آتی تھی کہ یہ تیل کیسے منڈھے چڑھے گی۔ رعنا نے خود ہی اس مسئلے کا حل تلاش کر لیا تھا اور ان کے درمیان قائم ہونے والا کاغذی رشتہ ایک جھکے سے ٹوٹ گیا تھا۔

☆☆☆

”تمہارے پاس اتنا بڑا اثبوت تھا پھر بھی تم چپ رہے اور اس چلی عورت کو اتنی آسانی سے آزاد کر دیا۔ اس آڈیو ریکارڈنگ کے سہارے تو تم اسے ناکوں چنے چہوا سکتے تھے اور کچھ نہیں تو اس کے باپ کو سنا تے یہ ریکارڈنگ پھر دیکھتے کیسے وہ شخص اپنی بیٹی اور بہو کی لگا میں کتا..... غضب خدا کا دو عورتوں نے مل کر ایسی گھٹیا پلاننگ کی اور تم اپنا ہی تماشا دیکھتے رہے.....“ رعنا کو طلاق دینے کے بعد اس نے اپنے فون میں کی جانے والی ریکارڈنگ گھروالوں کو سنوائی تو جاوید سن کر بھڑک اٹھا۔

”میں نے رعنا سے ایک بار بات کرنے کی شرط ہی اس لیے رکھی تھی کہ اس سے یہ سچ اگلو اسکوں لیکن میں نے یہ ریکارڈنگ صرف آپ لوگوں کے لیے حاصل کی تھی۔ اس کے گھروالوں کو یہ سب سنا کر میں کیا کرتا..... ایسی عورت جو میرے ساتھ رہنا ہی نہیں چاہتی تھی اس کے لیے کوئی تردد کرنا بیکار تھا اور طلاق ہی اس مسئلے کا سب سے بہتر حل تھا جو میں نے اسے دے کر اپنی جان چھڑالی۔“ بدر پر طوفان کے بعد والی کیفیت طاری تھی۔ جو ہوتا تھا وہ ہو چکا تھا اور سب ہونے کے بعد اس نے خود کو بالکل نارمل و سکون کر لیا تھا۔

”خدا غارت کرے ایسی بد ذات عورت کو..... ایسی عورتیں تو لفظ عورت کی ہی تو ہیں ہیں۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ جس کی معصوم صورت پر دیکھ کر میں ہوں وہ اندر سے ایسی چال باز اور بد کردار نکلتی گی۔“ نفیسہ، رعنا کو کونے دینے لگیں۔

سب جھوٹ ہے اور تمہارے پاس کوئی ثبوت و دلیلی نہیں ہے۔ نفیسہ لاکھ جلتے کے باوجود اس مسکراہٹ پر کوئی رد عمل نہیں دے سکیں اور اپنی جگہ کلس کر رہ گئیں۔

بچے کی دوسری شادی کروانے کا عزم بہر حال ان کے دل سے نہیں نکلا..... لکھا بھی کیسے؟ وہ دیکھ رہی تھیں پینار روز بروز پہلے سے زیادہ خاموش اور تہائی پسند ہوتا جا رہا ہے۔ اس بار علاقے سے ہٹ کر ایک میرج بیورو سے رابطہ کیا گیا۔ بدر کے جملہ کوائف قابل توجہ تھے اس لیے جلد ہی ایک ایچ جے گھرانے کی قبول صورت لڑکی کا ریشٹل گیا۔ بات چلی، دونوں طرف سے باہمی ملاقاتیں کی گئیں لیکن پھر اچانک لڑکی والوں کی طرف سے انکار ہو گیا..... وجہ بھی میرج بیورو والوں کے ذریعے سامنے آ گئی۔ لڑکی کے بھائیوں نے بدر کے متعلق تحقیقات کی تھیں اور انہیں اس کی پہلی شادی اور طلاق کی وجہ معلوم ہو گئی تھی۔ ایسے میں لڑکی دینے کا کیا سوال پیدا ہوتا تھا۔ نفیسہ نے لاکھ صفائیاں پیش کیں اور رعنا کی چال کے بارے میں بتایا لیکن میرج بیورو والوں نے معذرت کر لی کہ ہم ایسے مشکوک رشتے نہیں کر دیا کرتے۔ بدر کو بھی یہ ساری باتیں معلوم ہو رہی تھیں اور اس کی ذہنی اذیت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ بات ہوتے ہوتے اس کے کانچ اور اکیڈمی تک بھی پہنچ گئی تھی اور لوگ دینی زبانوں میں ہی کہی اس سے استفسار کرنے لگے تھے۔ اس ساری صورت حال سے نمٹنے کا

نفیسہ کے نزدیک ایک ہی راستہ تھا کہ بدر کی شادی کی جائے اور دنیا پر ثابت کر دیا جائے کہ رعنا اس پر بہتان باندھ کر گئی تھی۔ اپنے اس جنون میں وہ اس حد تک چلی گئیں کہ دور پرے کے ایک رشتے دار کی نان میٹرک بیٹی کے لیے رشتہ دے ڈالا۔ وہ لوگ بہت غریب تھے اور نفیسہ کو امید تھی کہ وہاں سے انکار نہیں ہوگا۔ ان لوگوں کا ابتدائی رد عمل مثبت تھا۔ اور بات منہ میٹھا کروانے تک چلی گئی تھی۔ نفیسہ بنی، داماد اور بدر کے ساتھ بڑے جوش و خروش کے عالم میں مضامی اور پھلوں کے ٹوکروں سے لدی پھندی، ڈھیروں ہار پھول لیے

کرے کہ میرے بیٹے میں کوئی عیب ہو، وہ تو اللہ عانت کرے اسے عورت ہی ڈراما باز ملی تھی۔“ نفیسہ نے بھی جواباً حیرت لکھ میں گفتگو کا آغاز کیا پھر ذرا دبی پڑ کر بتانے لگیں کہ کیسے رعنا نے اپنے مقصد کے حصول کے لیے بدر کی شرافت سے ناجائز فائدہ اٹھایا۔ شکوہ ہوا منہ کھولے سب سختی رہیں، آخر میں حیرت سے بولیں۔

”یہ تو تم نے بڑی انوکھی بات سنائی نفیسہ..... بھلا ایسا کہیں ہوتا ہے کہ اتنی خوب صورت اور جوان عورت تین ماہ تک مرد کے ساتھ رہے اور مرد اس کی مان کر مٹی کا مادھو بن جائے۔“

”میرے بدر کو تم جانتی تو ہو کتنا شریف اور سیدھا ہے اور اسی چیز کا اس چلتر عورت نے فائدہ اٹھایا۔“ شکوہ ہوا کی بے یقینی پر جربز ہوئی نفیسہ نے بیٹے کی صفائی پیش کی۔ ”تم کہتی ہو تو مانے لیتی ہوں لیکن برا مت ماننا یقین کے لیے تمہیں ثبوت دینا ہوگا لوگ میرے ذریعے اپنے بچوں کے رشتے کرواتے ہیں تو یہ میرے بھروسے کا بھی امتحان ہوتا ہے۔ میرے دل میں خوف خدا ہے اور میں ایسے ہی بچیوں کے لالچ میں رشتے نہیں کر دواتی..... پہلے خود ٹھونک بجا کر دیکھتی ہوں پھر بات آگے بڑھاتی ہوں۔“

”تم فکر نہ کرو..... شام میں بدر گھر آئے گا تو میں تمہیں بلوا کر اس کے موبائل میں ریکارڈ رعنا کی باتیں سنواؤں گی پھر تم خود ہی جان لو گی کہ اس اللہ ماری نے کیسے میرے معصوم بچے پر غلط الزام لگایا ہے۔“ شکوہ ہوا کے مطالعے پر نفیسہ ہلکنے پورے اعتماد سے جواب دیا لیکن کیا معلوم تھا کہ بدر کی قسمت اسے دھوکا دے جائے گی۔ اس شام اکیڈمی سے واپس آتے ہوئے راستے میں گمن پوائنٹ پر اس سے اس کا موبائل اور نقدی چھین لی گئی۔ نفیسہ کو قسمی موبائل کے جانے سے زیادہ اہم ترین ثبوت ہاتھ سے نکل جانے کا صدمہ ہوا۔ شکوہ ہوا کے سامنے الگ بے عزتی ہوئی جنہوں نے موبائل چھین جانے کا سن کر زبان سے تو کچھ نہیں کہا لیکن یوں معنی خیز انداز میں مسکرائیں جیسے کہہ رہی ہوں ہم جانتے تھے

سبونی ہوئی قوم

یہ خواب غفلت میں سو رہے ہیں
ہم اپنا سرمایہ کھو رہے ہیں
یہ انساں کیوں اتنا ارزاں ہوا ہے
یہ کیوں بے مول بک رہا ہے
تھا احسن تقویم کی صورت
تھر کیوں یہ اتنا گر گیا ہے
نہ بھولو مگر اے دنیا والو
مقام اونچا ہے آدمی کا
پریشاں تو ہیں، نا امید نہیں ہیں
دلوں میں امید کے دیے جلائے
جو گر رہے ہیں انہیں تھام لیں ہم
ذرا صبر و ہمت سے کام لیں ہم
یہی آدمیت یہی زندگی ہے
یہی روشنی، یہی زندگی ہے

کادش: فریدہ افتخار، اسلام آباد

بہترین ساز و سامان جمع کرنے کی فکر لاحق تھی۔ بچے
کے کپڑوں اور بستروں سے لے کر جمبولے، واکر،
چھوٹی سی الماری، کپڑوں کی باسکٹ اور کھلونوں تک
پانچ نہیں کیا، کیا سامان تھا جس کی خریداری وہ ایک
توڑے سے کرتی ہی چلی جارہی تھیں۔ گھر میں الگ
وقت، وقفے سے سلائی مشین چلتی رہتی تھی۔ پہلی بار
ثانی یا دادی بننے کا تجربہ شاید پہلی بار ماں بننے سے بھی
زیادہ الٹا دکھا ہوتا ہے یہی حال نفیسہ کا تھا جس نے
نفیسہ کو اس حد تک مگن کر دیا تھا کہ فی الحال وہ بدر کے
معاملے سے بھی غافل ہو گئی تھیں اور یہ سوچ کر معاملہ
ٹال دیا تھا کہ خیر سے مہر القسا فارغ ہو کر چلے نہالے تو
پھر نئے سرے سے بیٹے کا کھرسانے کی مہم شروع کی
جائے گی۔ بدر اس معاملے میں پہلے کچھ بولتا تھا نہ
اب اس کی کوئی رائے تھی۔ وہ کھوکھو کے تیل کی طرح
صبح سے شام تک مشقت میں جتا رہتا تھا اور مہینے کے

مستحق سمجھانے پہنچی تھیں ارادہ تھا کہ اس موقع پر ہی
شادی کے لیے کوئی قریبی تاریخ لے لی جائے گی لیکن
وہاں پہنچے تو لڑکی والوں کے استقبال کرنے کا انداز قطعی
ایسا نہیں تھا کہ جس سے وہ اپنے آپ کو معزز مہمان تصور
کرتے، ان لوگوں کے ماتھے کی ٹکلیں دیکھ کر تو ایسا لگ
رہا تھا کہ وہ لوگ انتہائی ناپسندیدہ اور بن بلائے مہمان
ہیں۔ پانچ منٹ کے اندر ہی اس رویے کا عقدہ بھی کھل
گیا۔ لڑکی کی والدہ خوب گرجیں برسیں اور نفیسہ کے
خوب لٹے لیے کہ مجھے غریب جان کر تم میری بچی کی
زندگی سے کھینچنے چلی تھیں۔ تمہیں کیا لگتا تھا کہ ہم غریبوں
کو بیٹی اتنی بھاری ہے کہ تمہارے بیٹے کے عیب کو نظر
انداز کر دیں گے۔ انہیں خاندان کے ہی کسی گھرانے
نے اس سلسلے میں خبردار کیا تھا اور وہ نفیسہ اور اس کے
بیٹی داماد کی طرف دی جانے والے اس وضاحت کو
ماننے کے لیے قطعی تیار نہیں تھیں کہ بدر کی سابقہ بیوی
رہنما نے اپنی مطلب پر آری کے لیے بدر کی شرافت سے
نا جائز فائدہ اٹھایا تھا۔ کسی مرد کے اندر اتنا صبر و ضبط تحمل
اور برداشت ہو سکتا ہے ان کے نزدیک یہ ماننے والی
بات ہی نہیں تھی۔ بقول ان کے اگر بدر مرد تھا تو اسے
اپنی مردانگی کو ثابت کرنا چاہیے تھا۔ ہزار باتیں اور ہزار
وضاحتیں ہونیں لیکن نتیجہ ہر حال یہ نکلا کہ ان لوگوں نے
رشتہ دینے سے انکار کر دیا اور وہ لوگ نامراد و نا کام اپنے
گھر واپس لوٹ آئے۔ یہ ایسا واقعہ تھا جس نے بدر کی
خاموشی اور نفیسہ کی تشویش کو مزید گہرا کر دیا اور دونوں
ماں، بیٹے ایک دوسرے سے نظریں چرانے لگے۔

☆☆☆

مہر القسا کو ساتواں مہینہ لگ گیا تھا اور نفیسہ
رواج کے مطابق بیٹی کو میکے لے آئی تھیں۔ مہر القسا
کی حالت زیادہ اچھی نہیں تھی اور ڈاکٹر نے ابھی سے
مطلع کر دیا تھا کہ بچے کی پیدائش میجر آپریشن سے
ہوگی۔ نفیسہ ایک طرف بیٹی کی صحت کو بہتر بنانے کے
لیے اس کی اچھی کھلائی پلائی میں مصروف رہتی تھیں تو
دوسری طرف انہیں آنے والے مہمان کے لیے

میں رہیں۔ آزادی کے شائق بہت سے طالب علم تو ایک آدھ ماہ میں ہی ان کی اکیڈمی چھوڑ دیتے تھے۔ ان کے ہاں زیادہ تعداد ایسے طلبہ کی تھی جو یا تو اپنی پڑھائی کے معاملے میں سنجیدہ تھے یا جن کے ماں، باپ نے اکیڈمی کی اچھی شہرت اور عمدہ ماحول کی وجہ سے زبردستی انہیں وہاں پڑھنے پر مجبور کر رکھا تھا۔ بدر وہاں نويس جماعت سے لے کر بی ایس سی تک کے طالب علموں کو یکمشری پڑھاتا تھا۔ تھیوری کے علاوہ پریکٹیکل کروانا بھی اس کی ذمہ داری میں شامل تھا۔ اس شام بی ایس سی فاضل والوں کا پریکٹیکل ڈے تھا۔ بدر نے فرسٹ ایئر کی تھیوری کی کلاس لی اور پھر لیب میں انتظامات کا جائزہ لینے سیدھا وہاں جا پہنچا..... ابھی بی ایس سی کے طلبہ کو پریکٹیکل کے لیے دیا گیا مقررہ وقت نہیں ہوا تھا اور اس کے خیال کے مطابق لیب کو خالی ہونا چاہیے تھا لیکن لیب خالی نہیں تھی۔ وہاں دو نفوس موجود تھے اور ایسی حالت میں تھے کہ بدر کا خون کنپٹیوں میں ٹھوکریں مارنے لگا۔ اس نے جھپٹ کر لڑکے کی گردن پکڑ لی اور اس کے منہ پر ایک زور وار طمانچہ رسید کیا۔ لڑکا، لڑکی دونوں ہی اس کی غیر متوقع آمد پر ہلکا گئے تھے۔ لڑکا زیادہ گھبرایا ہوا تھا جبکہ لڑکی بھی تھوڑی سی پریشان اپنی بکھری زلفوں کو ہاتھ سے سنوارنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”اتنی گھٹیا حرکت..... تم لوگوں نے کم از کم تعلیمی ادارے کے تقدس کا ہی خیال رکھا ہوتا۔ تمہارے ماں، باپ تمہارے اچھے مستقبل کی آس میں ہماری فیس ادا کر کے تمہیں یہاں پڑھنے کے لیے بھیجے ہیں اور تم یہ سچ حرکتیں کرتے پھر رہے ہو۔“ غصے میں بھرے بدر نے انہیں لعن طعن کرنا شروع کر دی۔

”سوری سر لیکن ہمیں بھی اپنے ماں، باپ کا احساس ہے اور آپ جانتے ہیں کہ ہم ان کا پیسہ ضائع نہیں کر رہے۔ ہم دونوں ہی اچھے طالب علم ہیں۔“ لڑکی نے پہلے سنہالایا اور قدرے بے باکی سے اپنی صفائی پیش کرنے لگی۔

میں نے اپنی ضرورت کے لیے کچھ روپے رکھ کر باقی رقم ماں کے حوالے کر دیتا تھا۔ اس کے دل میں ہمیشہ اس بات کا بہت احساس رہا تھا کہ ماں نے بہت بھٹی کے دن گزارے تھے اور اسے کسی لائق بنانے کے لیے محنت و مشقت کے ساتھ، ساتھ اپنا دل مارنے کی آزمائش سے بھی گزری تھی۔ اس لیے وہ چاہتا تھا کہ اب ماں بغیر بھٹی کے احساس کے اپنے دل کے ارمان پورے کرے..... ماں کے ارمان بھی کیا تھے وہ جو سوچتی تھیں اپنے بیٹے اور بیٹی کے لیے ہی سوچتی تھیں اور ان کی ساری خوشیاں اور دونوں کی ذات سے منسوب تھیں۔ کبھی کبھار بدر کے دل میں خیال آتا تھا کہ اگر اس کا رعبا جیسی عورت سے واسطہ نہ پڑا ہوتا تو ماں..... مہر القسا کے ساتھ، ساتھ اس کے بچے کے لیے بھی تیاریاں کر رہی ہوتیں لیکن پھر وہ اپنے نصیب کی سیاہی کو بھول کر بہن کی خوشی میں خوش ہونے کی کوشش کرنے لگتا تھا۔ خوشی جو اس سے روٹی، روٹی سی رہتی تھی اور باقی شاید سب کے پاس تھی۔ یہاں تک کہ خود غرض اور چالاک رعبا کے پاس بھی..... اس نے ایک روز رعبا کو مارکیٹ میں دیکھا..... وہ اپنی بھالی کے ساتھ ذرق برق کپڑوں کی ایک دکان پر بیٹھی خریداری کر رہی تھی۔ شاید اس کی من پسند شادی طے پا گئی تھی اور وہ اس کی تیاری میں مصروف تھی اس کی آنکھوں کی چمک، ہونٹوں کی مسکراہٹ اور گالوں کی لالی دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ عورت حال ہی میں مطلقہ ہوئی ہے۔ وہ بہت خوش تھی اور خوشی نے اس کی خوب صورتی کو دو چنر کر دیا تھا۔ رعبا کو دیکھ کر اس کے دل میں بہت سے غشی جذبات ابھرے تھے لیکن ایک بار پھر وہ خود پر ضبط کر گیا تھا۔ زندگی ایک دائرے میں گھوم رہی تھی۔

اس شام وہ حسب معمول اکیڈمی میں موجود تھا اکیڈمی میں کو ایجوکیشن سسٹم تھا لیکن بدر اور ساتھی اساتذہ کی کوشش ہوتی تھی کہ طلبہ و طالبات کو ایک حد

جوڑے میں وہ بڑی کھلی، کھلی لگ رہی تھی لیکن اسے دیکھ کر بدر کا کھولنا ہوا لہو مزید کھول اٹھا۔ اس نے خود کو دیکھ کر حیران رہ جانے والی رعنا کو کوئی سوال کرنے کی بھی مہلت نہیں دی اور چار کا دھکن کھول دیا۔ رعنا کی فلک شکاف چیخوں نے بل بھر میں کئی افراد کو وہاں جمع کر دیا۔ انتہائی قدم اٹھا کر اپنی جگہ جم جانے والے بدر میں بھاگنے کی سکت بھی کہاں تھی۔ لوگوں نے فوراً ہی اسے گھیر لیا اگلے دن ذرائعِ بلاغ نے شہ سرخیاں لگائیں۔

”بت حوالا ایک بار پھر ظلم کا شکار..... ایکس سالہ مطلقہ لڑکی پر اس کے سابق شوہر نے تیزاب پھینک دیا۔ ایک اور درندہ بت حوالا اپنی بربریت کا نشانہ بنا بیٹھا۔ مردانگی ثابت کرنے کے ذمے میں عورت کے حقوق کی پامالی..... لا قانونیت کا کھلا مظاہرہ.....“

جتنے منہ، اتنی ہی باتیں تھیں..... بڑے، بڑے دانشور، سماجی رہنما، سیاست داں اور حقوق نسواں کے علمبردار غم ٹھوٹک کر اس ظلم کے خلاف میدان میں آگئے تھے۔ رعنا احمد کو انصاف دلوانے کی باتیں کی جارہی تھیں، بت حوالا کے حقوق کی پامالی پر تقریریں ہو رہی تھیں اور اس سارے جہوم میں کوئی نہیں تھا جو ابنِ آدم کے لیے آواز اٹھاتا۔ اس نکتے کو زیر بحث لاتا کہ ہمیشہ عورت ہی نہیں کبھی کبھار مرد بھی ظلم کا شکار بنتا ہے اور اس پر ظلم ڈھانے والی وہ عورت ہوتی ہے جس نے خود پر ازل سے مظلومیت کا ٹیگ لگا رکھا ہے اس قسم کے حادثات کے پیچھے موجود تاریخی اور نفسیاتی عوامل بھی کہیں زیر بحث نہیں لائے جارہے تھے اور سب ایک زبان ہو کر مشتق تھے کہ مرد ظالم ہے اور اس کے ہاتھوں بنت حوالا کے حقوق پامال ہو رہے ہیں، حقوق کی پامالی کا رونے والی بنت حوالا سے یہ سوال کرنے والا کوئی نہیں تھا کہ وہ کہاں، کہاں اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کر رہی ہے جو اس معاشرے کا مردانہ انتہا پسند اور غصہ ور ہوتا جا رہا ہے۔

”ایسی تعلیم سے کیا حاصل جو بندے کا کردار ہی نہ سنوار سکے۔ جو کچھ تم دونوں یہاں کر رہے تھے وہ قطعی معاف کیے جانے کے قابل نہیں ہے، میں ابھی... ایڈمنسٹریشن میں کلپین کرتا ہوں کہ تم دونوں کے پتیس کو کال کریں، ہم اپنی اکیڈمی میں اس گندگی کو قطعی برداشت نہیں کر سکتے۔“

”فطرت کو گندگی کا نام مت دیں سر..... ہم وہی کر رہے تھے جو ہماری عمر کا تقاضا ہے لیکن آپ نہیں سمجھیں گے کیونکہ آپ ایسی باتوں کو سمجھنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتے۔“ لڑکی کی بے باکی نے بدر کو مزید مشتعل کیا۔

لڑکی نے بات نہیں کی تھی بدر کو کوڑا مارا تھا۔ بدر تو اس کے جیلے پر یوں ہو گیا جیسے کانٹو تو بدن میں اہو نہیں..... اس کی اس حالت نے ان دونوں کو وہاں سے خاموشی سے کھسک لینے میں مدد دی لیکن بدر کی ذات میں ایک طوفان اٹھ چکا تھا۔ وہ ایک سیدھا سادہ شریف مرد معاشرے میں اپنی شرافت اور سادگی کی سزا بھگت رہا تھا اور اسے ان حالوں تک پہنچانے والی رعنا تھی۔ یقیناً اس نے خود کو بے گناہ ثابت کرنے کے لیے اپنے الزام کو اس حد تک پھیلایا تھا کہ بات چھوٹ ہوتے ہوئے بھی سچ بن کر ہر جگہ پھیل گئی تھی۔ خود پر ہمیشہ ضبط کیے رکھنے والے بدر کے صبر کی پٹانیاں یک دم ہی اس کے ہاتھوں سے چھوٹ گئیں۔ شدید غضب اور طیش کے عالم میں اس نے ایک ریک میں رکھا گندھک کا طاقتور تیزاب اٹھا لیا اور کچھ کرگزر کرنے کی نیت سے اسی وقت اکیڈمی سے نکل کر رعنا کے گھر جانے والے راستے کی طرف موٹر سائیکل دوڑا دی..... برق رفتاری کے باعث فاصلہ تیزی سے طے ہو گیا..... سوچتے سمجھتے کی صلاحیت وہ کھو چکا تھا اور وہ نہیں جانتا تھا کہ رعنا کے گھر پہنچنے کے بعد اس تک کیسے پہنچے گا۔ تقدیر کو بھی جانے کیا منظور تھا کہ اس کے کال بیل بجانے پر دروازہ رعنا ہی نے کھولا۔ گلابی رنگ کے نقیس



URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT

www.urdutube.com

سَوَدَا

سکینہ منرخ

عورت ہی ہے..... رنگ و روپ اور زمین کے خطوں کے فرق سے اس کے اندر کی دنیا پر کوئی اثر نہیں پڑتا..... کیونکہ اس کی دنیا کی کہیں نہیں ہوتیں..... وہ بس اپنے محور پر گول، گول گھومنے کی عادی ہوتی ہے..... ہاں اگر اسے محور نہ ملے تو وہ اپنے عورت پن کی کشش سے آزاد ہو جاتی ہے اور اس وسیع و عریض کائنات میں کہیں بھٹک جاتی ہے، بے سمت ہو جاتی

”عورت کے لالچ کی انتہا ہے اور نہ ہی بے وقفیوں کی کوئی حد..... عقل کا استعمال تو وہ جانتی ہی نہیں..... بلکہ شاید اس کے اندر عقل نام کی کوئی چیز موجود ہی نہیں ہوتی..... نیرنگی پہلی سے برآمد ہونے والی نیرنگی مخلوق..... ہونہہ..... خرم ظہیر کی اس سوچ کی بلندی تک پہنچنا کم از کم حسد کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس کا کام نہانا اور صرف سر ہلانا تھا۔ عورت مشرق کی ہو یا مغرب کی..... ہوتی تو

ماہنامہ پاکیزہ۔ دسمبر 2018ء 124



ہے۔ حسہ نے چونکہ فزکس نہیں پڑھی تھی اس لیے وہ شاید عورت ہونے کی سائنس سے واقف تھی مگر اپنے محور پر گھومتے رہنے کی اسے عادت ہو چکی تھی۔

☆☆☆

شادی کے لغوی معنی ”خوشی“ بے شک ہو..... مگر شادی ہر ایک کے لیے باعث خوشی بھی ہو یہ ضروری نہیں..... کسی، کسی کے لیے شادی کے لغوی معنی ڈنٹے داریاں بھی ہوتا ہے۔ صنفی اغوارہ برس کی تھی جب اس کی بارات آئی تھی، صبا چھوٹی چھو کے عمران کے ساتھ بچپن ہی سے منسوب تھی۔ اور سب سے چھوٹی حنا کالج میں کیا گئی اس کے رشتوں کی بھر مار ہو گئی..... نہ جانے دنیا والوں کو حسہ کیوں نہیں نظر نہیں آتی تھی۔ اس کی ماں حنا کے لیے آئے ہوئے تیسرے رشتے کو منسوخ کرنے کے بعد حسہ کو دکھ، دیکھ کر ہولنا شروع ہو چکی تھیں۔

چاروں بچیاں کم و بیش ایک جیسی صورتوں اور اچھے اخلاق کی مالک تھیں..... پڑھی لکھی بھی تھیں اور سب سے زیادہ پڑھی لکھی سمجھا اور تابعدار تو حسہ ہی تھی۔ مگر کے سارے کاموں میں ماہر ہونے کے ساتھ، ساتھ اس نے ایم بی اے بھی کر لیا تھا۔ ذہین تھی، خوش اخلاق تھی مگر نہ جانے کیوں کسی کی نگاہوں میں آنہیں پائی تھی۔ اماں کا ارادہ دو بڑی بیٹیوں کے بعد حسہ کی شادی ہی کا تھا مگر حنا کے رشتوں کی تعداد بڑھتی گئی تو سب کے سمجھانے بھجھانے کے بعد وہ حنا کو رخصت کرنے پر آمادہ ہو گئیں..... حسہ کے لیے جوڑا ہوا سارا جینز کا سامان حنا کو دے دیا گیا..... ماں، باپ حسہ سے نظریں چراتے رہتے اور حسہ دنیا سے..... بڑی بہن کے ہوتے ہوئے چھوٹی کی رخصتی ہو جائے تو بڑی میں خواہ خواہ کے عیب پیدا ہو جاتے ہیں..... حسہ نے اپنی ڈگری باہر نکالی، اچھی سی سی وی تیار کی اور دو چار اچھی جگہوں پر درخواست بھیج دی۔

☆☆☆

انٹرویو کے پتیل میں وہ خود بھی موجود تھا۔ جن امیدواروں کو شارٹ لسٹ کیا گیا تھا ان کی تعداد چندہ

تھی..... چوتھے نام پر وہ چونک گیا تھا۔

حسہ محبوب..... نہ جانے کیوں وہ نام پہلی نظر میں اسے منم محبوب لگا..... اس نے اس نام کو دوسری، تیسری اور پھر چوتھی بار پڑھا..... حسہ محبوب..... اس نے سائنس خارجی کی..... وہ بہت مصروف انسان تھا، انتہائی پریکٹیکل..... مگر پھر بھی ایک انسان لہذا وہ انٹرویو کے لیے یہ نفس نفیس موجود تھا۔ نہ جانے کیوں وہ اس لڑکی کو دیکھنا چاہتا تھا..... جب اس لڑکی کو کال کیا گیا تو اس کے دل کی دھڑکنیں معمول سے کچھ زیادہ تھیں..... وہ اندر داخل ہوئی اور خرم کے سارے ارمانوں پر اس پڑ گئی..... حسہ محبوب اور منم محبوب میں وہی فرق تھا جو رات اور دن میں تھا۔

انٹرویو پتیل نے سوالات کا آغاز کر دیا تھا اور وہ بے دلی سے متوجہ ہوا..... درمیانے قد و قامت کی وہ ایک عام سی شکل صورت کی مالک لڑکی تھی..... اس کا لباس بھی اس کے وجود کی طرح سادہ ہی تھا..... البتہ آواز..... آواز کی کلک اسے دوبارہ چونکنے پر مجبور کر گئی..... اس کی آواز منم کی آواز سے حد درجہ مشابہ تھی۔ اس کا لہجہ خوب صورت اور انداز بُر اعتماد تھا..... وہ مڈل کلاس کے کسی اچھے خاندان کی لڑکی لگ رہی تھی جو خود کو اپنے حلیے کے بجائے اپنی تعلیم اور شعور سے نمایاں کر رہی تھی۔

”اگر ہم آپ کو بائیںٹ کر لیں تو آپ تجربے کی کمی کو کس طرح پورا کریں گی۔“ خرم کا پہلا اور آخری سوال اچانک تھا..... اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”آپ صرف مجھے ایک ماہ دیں..... میں سب سکھ لوں گی۔“ اگر ایسا نہ ہوا تو آپ مجھے بغیر خواہ کے گھر واپس بھیج دیجیے گا.....“ اس کا لہجہ بُرا اعتماد تھا۔

”تو پھر ٹھیک ہے مں محبوب..... یو آر اپائنڈ.....“ اس نے ایک دم کہا۔

پتیل کے دیگر اراکین حیرت سے خرم کی طرف دیکھنے لگے..... اب تک کیے جانے والے انٹرویوز میں حسہ کا نمبر سب سے کم تھا..... اور پھر ابھی امیدوار باقی

خرم کو آسیہ سے محبت تھی، یہ آسیہ کا خیال تھا خرم کا نہیں..... البتہ آسیہ کو خرم سے دل و جان سے عشق تھا..... سو اس چار سالہ غیر اعلانیہ منگنی ٹوٹنے کا جتنا غم آسیہ نے منایا خرم کو اس کی خبر تک نہیں ہوئی..... اماں کا خیال تھا کہ گول مثول سفید رنگت والی ان کی بھانجی کے حسن کا جاو خرم پر نہ چلے یہ نہیں سکتا وہ بھاری دل تمام کر رہ گئیں..... اکلوتی بہن کو کیا منہ دکھاتیں، خرم کا انکار ان کو بستر سے لگا گیا۔ خرم کا خیال تھا کہ وہ جن راستوں کا مسافر ہے آسیہ اس کے ساتھ دو قدم بھی نہیں چل سکے گی..... وہ اپنی پسند سے شادی کرنا چاہتا تھا..... لیکن اماں بھاری اس غم کو سینے سے لگائے آٹا فٹا چٹ پٹ ہو گئیں۔

اماں کی آنکھیں بند کرتے ہی ابا بھی ان کے پیچھے چل دیے..... خرم تنہا رہ گیا..... دونوں نہیں دوسرے شہروں میں بیانی گئی تھیں، بھاریاں ایک دم میسے سے محروم ہو گئیں، روتے دھوتے آئیں بھائی کو دلا سادے کر روتے، دھوتے واپس ہو لیں۔

اماں، ابا کے ملے جانے سے خرم کی زندگی تھوڑی مشکل ہو گئی تھی..... لیکن اس نے گھر سے باہر رہنا شروع کر دیا..... سارا وقت اپنے کام کو دینا اور اپنی کوالیفیکیشن بڑھانا اس کی زندگی کا مقصد بن چکا تھا۔

زندگی اسی لگی بندھی روٹیں پہ ہی چلی جانی اگر صنم محبوب کی پُر بہار آمد نہ ہو جاتی..... انتہائی حسین، طرح دار نہ جانے کون، کون سی ڈگریوں کی مالک صنم محبوب، باس کی بیٹی تھی..... دولت اس کے گھر کی باندی تھی، وہ تو محض شوقیہ اپنی حاصل کردہ ڈگریوں کا لطف اٹھانے اس آفس میں آئی تھی اور آتے ہی اس کے دل و دماغ پر چھا گئی..... اس کے دل کے اندر سے آواز آئی..... ”بہی ہے وہ جس کی تمہیں تلاش تھی۔“

وہ دونوں ایسا لگتا تھا جیسے ایک دوسرے کے لیے بنے ہوں مگر یہ خیال خرم کا تھا صنم کا نہیں..... جس نے خرم کے بوسے ہوئے ہاتھ کو نفوت سے جھٹک دیا۔

”خرم صاحب، آپ یقیناً ایک اچھے انسان

تھے..... نہ جانے خرم کو اس میں کیا نظر آیا تھا..... مگر وہ سب خاموش تھے..... کیونکہ کہنی کا مالک خرم ظہیر تھا، وہ نہیں.....

☆☆☆

خرم ظہیر کے لیے زندگی کے پیانے ذرا مختلف تھے، اکثر وہ دوسروں سے اور دوسرے اس سے متفق نہ ہو پاتے۔ وہ ماں، باپ کا اکلوتا بیٹا تھا..... دونوں بہنیں اس سے چھوٹی تھیں..... وہ اماں کے کلیجے کی ٹھنڈک تھا تو باپ کے بڑھاپے کا سہارا..... سو اس نے جو چاہا وہی پایا۔

ماں، باپ نے اپنی ساری جمع پونجی خرم کی تعلیم پر لگا دی..... خرم کے نام کے ساتھ لندن اسکول آف بزنس..... کی ڈگری کا ٹھپا اس کے مستقبل کی کامیابیوں کی ضمانت تھا۔ وہ بینڈزم تھا..... اچھی شکل صورت کا مالک تھا..... ذہین تھا، تعلیم یافتہ تھا اور اس میں آگے بڑھنے کی لگن تھی..... اس کے بازوؤں میں طاقت تھی اور سوچ کی پرواز بہت بلند تھی۔ شہر میں اسے ایک انتہائی مشہور اور کامیاب ادارے میں اچھی جاب مل گئی۔ شروعات اچھی تھی، اس نے یہ ملازمت برائے ملازمت نہیں کی تھی..... اس کا ارادہ سینکے اور تجربہ حاصل کرنے کا تھا..... اس کا ٹارگٹ تو مستقبل میں اپنی ایک ایسی فرم بنانے کا تھا..... یہ نوکری تو محض پہلا زینہ تھی..... وہ جلد ہی سب کی نگاہوں میں آگیا بلکہ حواسوں پر چھا گیا۔

اس کی اماں جو دونوں بیٹیوں کو رخصت کرنے کے بعد اب خرم کے سر پر سہرا سجانے کی آس لگائے بیٹھی تھیں بیٹے کو برسر روزگار دیکھ کر جھٹ بری کی تیاریوں میں لگ گئیں۔ لڑکی تو انہوں نے بچپن سے نگاہوں میں رکھی ہوئی تھی۔ خرم کے بچے کے جانے سے پہلے اپنی بہن کو اشاروں میں بتا بھی دیا تھا بلکہ اپنی انگلی سے اتار کر بھانجی کی انگلی میں اپنی انگوٹھی بھی پہنا دی تھی یہ غیر اعلانیہ منگنی دونوں بہنوں کی متفقہ خوشی تھی اور وقت آنے پر سب کو بتانے کا ارادہ بھی کر لیا گیا تھا لیکن خرم کی واپسی کے بعد وہ وقت آنے سے پہلے ہی اس منگنی پر براہ وقت آگیا۔

پاس رکھو..... کچھ اچھے کپڑے اور میک اپ کا سامان وغیرہ خرید لو..... خیر سے تمہیں روز دفتر جانا ہوتا ہے۔“ انہوں نے محبت سے بیٹی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”نہیں اماں، کپڑے تو میرے پاس بہت ہیں..... آفس میں بھلا میک اپ اور بننے سنورنے کا کیا کام..... میں تو وہاں کام کرنے جاتی ہوں بس کام پہ توجہ ہونی چاہیے، اسی کام ہی سے تو عزت ملی ہے، ہاں کرایے کے پیسے روز آپ سے لے کر جاؤں گی۔“ وہ مسکرائی۔

اماں دل ہی دل میں اسے دعائیں دینے لگیں..... ان کو اپنے دل پر پڑا بوجھ سرکٹا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔

چوتھی تنخواہ پر اماں نے اس کے پیسوں سے اس کے لیے ایک خوب صورت سونے کا سیٹ خرید لیا..... اس کے لیے بنایا ہوا زیور تو حنا کو مل گیا تھا..... وہ فوری طور پر اس کا مداوا نہیں کر پائی تھیں۔ ان کے لیے حسد کی تنخواہ گویا امدادِ غیبی تھی۔ حسد کی سادگی کا وہی حال تھا جو پہلے دن تھا۔

وہ اپنی صلاحیتیں منوانے کی دھن میں خود کو فراموش کر چکی تھی۔ خرم کے لیے اس کی حیثیت مشین کے ایک پُرزے کی طرح تھی۔ تاہم وہ مطمئن تھا کہ پرزہ ایک دم فٹ اور کارآمد تھا۔

حسد کو بھی کام میں مزہ آنے لگا تھا..... وہ بہترین پرفارمنس پر یقین رکھتی تھی۔ یہ کام اس کے لیے کتنی اہمیت رکھتا تھا اس کا دل ہی جانتا تھا۔

اسی کام کی وجہ سے اس کا ٹوٹا ہوا دل دوبارہ جڑنے لگا تھا..... اپنا وجود اہم لگنے لگا تھا..... اماں کے ہاتھوں پر تنخواہ رکھتے ہوئے خوشی کا جو احساس ملتا، اس سے وہ جی اٹھنے لگی تھی..... اماں جو اس کے لیے رکھا سامان چھوٹی بہن کو دینے کے بعد مجرم بنی بیٹھی تھیں پھر سے سرگرم ہو چکی تھیں۔ وہ اس کے کمائے ہوئے روپے گھر میں بالکل خرچ نہ کرتیں بلکہ کچھ اپنی بچت بھی شامل کر کے اس کے لیے ہر ماہ کچھ نہ کچھ خرید لاتیں..... ابا اس کے سر پر ہاتھ رکھتے تو وہ ان کی

ہوں گے مگر میں آپ سے شادی ہرگز نہیں کر سکتی۔“ اس نے اپنے انتہائی خوب صورت ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں پھنسا کر ایک انداز سے ٹیبل پر ہاتھ رکھ دیے..... اس کی انگلی میں انتہائی قیمتی جڑاؤ انگوٹھی جس میں ٹیلم نمایاں نظر آ رہا تھا جڑی رہی۔

”مگر کیوں..... کیا میں آپ کے امیشس کا نہیں؟ اس لیے.....“ اس نے تڑپ کر پوچھا۔

”آپ کے کسی بھی سوال کا جواب دینا مجھ پر فرض نہیں.....“ اس کی مترنم آواز میں ہلکا سا غصہ تھا۔

آپ نے پروپوزل دیا اور میں نے انکار کر دیا بات ختم.....“ اس نے بت بنے ہوئے خرم کو کھٹکی سے دیکھا۔

خرم بدستور خاموش رہا۔

”چائے منگو آؤں آپ کے لیے؟“ اس نے تیل بجاتے ہوئے وضع داری نہائی۔

”جی نہیں شکریہ.....!“ خرم نے چہرہ اسی کو اندر آتے دیکھ کر خود کو سنبھالا۔

”شرافت صاحب کو میرے آفس میں بھیج دیں.....“ وہ چہرہ اسی سے مخاطب ہوئی، گویا یہ اشارہ تھا خرم کے لیے کہ اب تم جا سکتے ہو.....

خرم نے پہلے مرحلے کی ناکامی کے بعد ہار نہیں مانی..... اسے یقین تھا کہ وہ جلد یا بدیر صنم کو منالے گا..... صنم اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش بن چکی تھی۔

☆☆☆☆

اور اس نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ اس ملازمت کی اہل تھی۔ اس کی محنت سب کی نگاہوں میں مقام بنانے لگی تھی..... تنخواہ کے ساتھ ملازمت پکی ہونے کی خبر اس کے لیے جی اٹھنے کی نوید تھی..... اسے تنخواہ سے زیادہ اپنے آپ کو منوانے کی خوشی تھی۔ اس نے سارے پیسے اماں کے ہاتھوں میں لا کر دیے تو اماں بھی خوش ہو گئیں۔ اتنے سارے روپے ان کی بیٹی کی محنت کی کمائی تھے۔

”ارے یہ سارے مجھے کیوں دے رہی ہو، اپنے

”مس محبوب..... یہ کیا ہے؟ میں نے آپ کو واضح طور پر بتایا تھا کہ یہ منٹ شیٹ کس طرح تیار کرنی ہے اور آپ نے کیا، کیا ہوا ہے۔“ انہوں نے غصے میں کہنپوٹر اسکرین کی طرف اشارہ کیا جہاں اس کا کلک کا اپ لوڈ کیا ہوا کام نظر آ رہا تھا..... اپنی طرف سے تو اس نے سب کچھ ٹھیک کیا تھا مگر پاس ناراض تھے۔

”سروہ میں نے تو.....“ اس کی زبان لڑکھرائی۔
 ”کیا میں نے تو.....“ حد ہو گئی آپ کی غیر ذتے داری کی..... مجھے کل دینی کے لیے روانہ ہونا ہے آج اس ڈیل کو فائل کرنا تھا اور ابھی شام کے پانچ بج رہے ہیں اب آپ اس کو کس طرح مکمل کریں گی۔“ وہ جھنجھلا کے بولے۔

”میں کر لوں گی سر..... آئی ایم سوری.....“ اس کی آنکھیں وڈ بانگیں..... آٹھ ماہ کے عرصے میں یہ پہلی جھاڑ تھی..... چھٹی ہونے والی تھی وقت کم تھا ابھی تو اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ غلطی کہاں ہوئی ہے۔ سارا کام نئے سرے سے کرنا اور ٹھیک کرنا..... اس کے ہاتھ پاؤں پھول چکے تھے۔

”مس محبوب.....“ آپ کے پاس صرف ایک گھنٹا کی عادت نہیں..... آپ کے پاس صرف ایک گھنٹا ہے.....“ پاس کی سخت آواز ابھری۔

اگلے ہی سیکنڈ میں وہ پاس کے آفس سے باہر اپنی سیٹ پر معاملہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی..... جلد ہی اس نے اپنی غلطی پکڑ لی..... سر پر ہاتھ مارا اور کام درست کرنے لگی..... ایک کی جگہ آدھے گھنٹے ہی میں اس کا کام مکمل ہو گیا..... وہ پھر پاس کے کمرے میں داخل ہوئی جہاں وہ کہنپوٹر میں غرق تھے..... وہ ان کی اجازت سے خاموشی سے کرسی پر پر ایمان ہو گئی..... دل ہی دل میں دعائیں کرنے لگی۔

”ہوں..... اب ٹھیک ہے۔“ پاس کی آواز میں نری تھی۔

اس کی جان میں جان آ گئی۔

”مس محبوب..... آریو انگیڈ.....؟“ وہ اس کی

آنکھوں میں تیرتے آنسو بھانپ جاتی..... وہ جانتی تھی کہ اماں، ابا دونوں اس کے لیے پریشان ہیں..... تینوں بیابانی بھینس جب اپنے بچوں کے ساتھ شور و غل کرتی سیکے آ جاتیں تو ان کی نگاہوں میں نہ جانے کیسا رحم ہوتا کہ وہ اپنی جگہ چور بن جاتی.....

اس ملازمت کے بہت سارے فائدوں کے ساتھ یہ فائدہ بھی ہوا تھا کہ اس کے لیے دو چار نوٹے پھوٹے رشتوں کی آمد بھی شروع ہو گئی تھی..... اماں، ابا اور ہمیشہ ان رشتوں کو کھو سکتے بھانے میں مصروف تھیں اور وہ اپنے کام میں مگن..... وہ جانتی تھی کہ یہ ملازمت اس کے لیے آسجین کی طرح ہے..... اگر وہ اس کی زندگی سے نکلی تو گویا زندگی صفر سے ضرب کھا جائے گی۔

آفس میں زیادہ لوگ نہیں تھے..... اس کے علاوہ صرف ایک اور خاتون تھیں جو اس سے کافی سینئر تھیں..... غیر شفیق صاحبہ تھے، ادویہ عرصے کے بہت سنجیدہ انسان تھے۔ ہماروں اور الیاں تھے..... سب سے اس کی اچھی سلام دعا ہو گئی تھی۔ اگر وہ کسی سے گھبراتی تھی تو وہ پاس خرم ظہیر تھے..... وہ لائن کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی تھی مگر اس نے سنا تھا کہ وہ اکیلے رہتے ہیں، کسی کو بھی ان کی فیملی کے بارے میں کچھ نہیں پتا تھا۔ صاحبہ حیثیت تھے ہارعب اور اچھی شخصیت کے مالک تھے عمر تو چالیس سے اوپر تھی مگر جنس سے زیادہ کے نہیں لگتے تھے۔ وہ کم بولتے تھے، ان کے نہ جانے کتنے کاروبار اور بھی تھے اس کے بارے میں وہ زیادہ نہیں جانتی تھی۔ اس دفتر میں وہ روزانہ دینم گھنٹوں کے لیے کسی بھی وقت آ سکتے تھے..... فرم کے سارے ریکارڈ میٹھین کرنا اس کی ذمہ داری تھی..... وہ بڑی جانفشانی سے اپنا کام نبھاتی تھی۔ اس دن بھی اس کی دانست میں اس کا کام مکمل تھا جب پاس دفتر میں داخل ہوئے۔ اسے کمرے میں بلایا۔

وہ اپنا لیپ ٹاپ لیے ان کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ اپنا کہنپوٹر کھولے بیٹھے تھے۔ اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔

طرف مڑے۔

سوال غیر ضروری اور غیر متعلقہ تھا..... اس کی زبان حیرت سے گنگ ہو گئی۔ اسے بت بنے دیکھ کر خرم ظہیر نے اپنا سوال دوبارہ دہرایا۔

”لو سر.....!“ اس کے حلق سے یہ مشکل برآمد ہوا۔
 ”آپ..... کیا آپ مجھ سے شادی کریں گی؟“
 جملہ انتہائی غیر متوقع تھا..... اسے لگا شاید وہ بے ہوش ہونے لگی ہے..... اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور زبان مکمل طور پر بند ہو گئی۔

☆☆☆

منم سے اگلے دو تین دنوں تک وہ ہلکا سا جھپٹکا رہا..... جب کہ منم بالکل نارل تھی..... اسے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں ہو..... نہ جانے اسے کیوں لگتا تھا جیسے منم اس پر ہنس رہی ہو..... اس نے اپنی ساری ہستیں جمع کیں..... منم کے لیے ایک قیمتی پر فوم خریدی اور دوبارہ اس کے کمرے کا رخ کرنے کی ہمت کر لی وہ خود بھی بہت اچھی طرح تیار ہوا تھا۔

خلاف توقع منم اس سے اچھی طرح ملی..... محبوب کے چہرے کی مسکراہٹ اسے بھی نہال کر گئی۔
 ”یہ آپ کے لیے ہے.....“ اس نے بڑے پیار سے پر فوم اس کی جانب بڑھایا۔

اس نے ایک نگاہ غلط اس کے پیار سے دیے ہوئے تحفے پر ڈالی۔ ”اس کی کیا ضرورت تھی سر“ ظہیر.....؟ اس نے حیرانی سے پوچھا۔
 ”ضرورت تو یقیناً نہیں ہوئی مگر یہ میری خوشی ہے۔“ وہ مسکرایا۔

”آپ کی خوشی.....!“ وہ چند لمحے حیران و پریشان بیٹھی رہی..... پھر اچانک اس نے اپنا بیگ کھولا..... اس میں سے ایک کارڈ نکالا..... بین سے اس کا رڈ پر کچھ لکھا اور اس کی طرف بڑھایا۔

”یہ کیا ہے.....؟“ اب وہ حیرت زدہ سا اس کا رڈ کو دیکھ رہا تھا جو یقیناً بہت قیمتی تھا منم کی ہینڈ رائٹنگ بھی اس کی طرح خوب صورت تھی، خرم ظہیر کا

نام اس پر لکھا اسے پریشان کر رہا تھا۔ کارڈ یقیناً دعوتی کارڈ تھا..... اس نے لرزتے ہوئے اسے کھولا..... منم محبوب کا نام کسی اور کے نام کے ساتھ لکھا دیکھ کر اس کے دل کی دھڑکن جیسے رک بن گئی۔

”خرم صاحب ضرور آئیے گا..... آج آفس میں میرا آخری دن ہے..... اچھا وقت گزرا یہاں آپ کے ساتھ..... ٹھیک ہے پھر میں چلتی ہوں..... باقی لوگوں کو بھی کارڈ دیتا ہے۔“ وہ مسک خرابی سے اپنے آفس سے باہر نکل گئی اور وہ کارڈ ہاتھوں میں تھامے اسے جاتا دیکھتا رہا..... وہ اس کا لایا پر فوم اٹھائے بغیر ہی باہر جا چکی تھی۔

خرم نے یہ مشکل اپنی رکی ہوئی سانسیں بحال کرنے کی کوشش کی۔

منم محبوب اور شارق بیک دو نام کارڈ پر نمایاں انداز میں جگہ گارے تھے۔ اس نے جڑے بھیجے کے ان دونوں ناموں کو دیکھا۔

شارق بیک سے وہ اچھی طرح واقف تھا..... وہ ہی کیا کون اس سے واقف نہ تھا، شہر کے مشہور صنعت کار کا بیٹا..... اپنی بے پناہ دولت اور وجاہت کے سبب اکثر میڈیا میں موجود رہتا تھا۔ کبھی کسی حوالے سے تو کبھی کس انداز میں..... اس نے شوقیہ ماڈلنگ بھی کر رکھی تھی..... لڑکیوں میں بے حد مقبول تھا۔ خرم کے ماتھے کی لکیریں اور گہری ہو گئیں.....

کہاں شارق بیک اور کہاں اس جیسا معمولی انسان..... عقل کی کسوٹی پر پرکھا جاتا تو منم کا فیصلہ یقیناً بہترین تھا..... سمردل.....

خرم کے دل نے بہت زور کا جھٹکا کھایا تھا..... وہ شدید احساس کسری کا شکار ہو گیا تھا..... کہاں تو وہ خرم جو اوچی اڈان کے لیے پر توڑ رہا تھا اور کہاں وہ خرم جو زمین پر کسی دشمن پرندے کی طرح آگرا تھا..... اس کے پر ٹوٹ جو گئے تھے۔

شدید مایوسی کے عالم میں وہ دفتر سے پورے ہفتے کی چھٹی کے رستم کا سوگ منانے کے لیے اپنے

مگر میں عقیدہ ہو گیا۔

منم کی شادی کی تصویریں اخباروں اور جرائد میں شائع ہوئیں..... فی دی جھٹلو پر شادی کی کوریج بارہ بار چلائی گئی۔

منم بہت خوش نظر آ رہی تھی اور بے پناہ حسین بھی..... دونوں کا جوڑا مثالی تھا یہ شادی کیا تھی گویا حسن اور دولت کی نمائش تھی..... وہ پلکیں جھپکائے بغیر منم کو دیکھتا اور اپنا دل جلاتا رہا۔

اس کا منم سے کوئی تعلق نہیں تھا..... نہ ہی منم نے اس سے کوئی وعدہ کیا تھا..... نہ جانے وہ اس قدر دھکی کیوں تھا..... وہ تو انہی یہ تک نہیں جانتا تھا کہ اسے منم سے عشق ہو گیا تھا، وہ منم کو اپنی ضد بنا بیٹھا تھا..... وہ اس کے حواسوں پر چھا گئی تھی..... اس کے دل و دماغ پر جو جو منم کی شادی پر بعد طاری ہوا تھا وہ اس وقت تو نا جب انہی نیوز جھٹلو نے منم اور شارق کے بھیا تک روڈ ایکسیڈنٹ کی بریکنگ نیوز نشر کرنا شروع کی..... وہ دونوں اپنی کار میں اندرون ملک کا سفر طے کر رہے تھے۔ ہائی وے پر زیادہ اسپید کے باعث گاڑی سلب ہو گئی اور دوسری گاڑیوں سے ٹکرا کر بدترین حادثے کا شکار ہو گئی تھی..... گاڑی مکمل طور پر تباہ ہو چکی تھی اور وہ دونوں موقع پر ہلاک..... خرم اپنی جگہ ساکت ہو گیا۔

منم کی شادی سے لے کر حادثے کی خبر کے دوران بارہ سالوں کا طویل عرصہ حائل تھا..... خرم کو لگا جیسے وہ تب کا بے ہوش ابھی ہوش میں آیا ہو..... ان بارہ سالوں میں اس نے سوائے اپنا کیرئیر بنانے کے اور کوئی دوسرا کام نہیں کیا تھا..... جاب کے ساتھ چھوٹے ہوئے کاروبار کا آغاز اسے اب ایک کامیاب بزنس من بنا چکا تھا..... اب شہر میں لوگ اس کو جاننے اور پہچاننے لگے تھے..... عزت اور دولت اس پر پن کی طرح برس رہی تھیں..... کتنی لڑکیاں اس کی جانب بڑھیں..... کتنے لوگوں نے اس سے رشتہ بنانا چاہا مگر وہ تھا کہ کتنی کترا جاتا..... اسے جب خود پر بے حد یقین تھا، فخر تھا، منم محبوب نے اس کا اپنے وجود پر فخر لیا میٹ کر دیا تھا اسے

اس ادا یہ کون نہ مرجائے

میری خالہ کی بیٹی تو رسموں کے بہت ہی خلاف ہے اس کے گھر بیٹی کی شادی ہوئی تو میں نے پوچھا۔ ”ابن کی رسم نہیں کرو گی؟“ تو وہ بولی۔

”ابن کی رسم تو ہے، تو ہے، ہندوانہ رسم ہے میں تو نہ خود جاؤں اور نہ بھی کروں، اب بیٹی کی شادی ہے، میں نے تو صاف منع کر دیا کہ ایسی کوئی رسم نہیں ہوگی۔ ہاں مل کر بیٹھ جاؤ۔ بس ہلکی پھلکی دعوت ہو جائے۔ پہلے کپڑے.....؟ نہ بابا نہ، میں نے بچپن سے کہا ایک جیسے چڑی کے سوٹ میں خود ہی بنادیتی ہوں اب بچوں کا دل بھی تو رکنا ہے ناں، بچپن نے تمہارا ناچ گانا کر لیا کوئی بات نہیں کم سے کم ہندوانہ رسم سے توجہ گئے۔“

اب ناک کو یوں پکڑ دیا یوں بات تو ایک ہی ہے۔

☆☆☆

شریا بہت ہی خوب صورت کڑا پہنے ہوئے تھی افشاں سے رہا نہ گیا پوچھ ہی لیا۔

”بہت ہی خوب صورت کڑا ہے، ہونے کا ہے؟“

”ہاں بھئی بالکل سونے کا ہے۔ میرے

شوہر نے رنج سے واپس آ کر بونایا تھا تمہیں تو معلوم ہے کہ میں کتنی فرما میرا دیوی ہوں جب ہم رنج کے لئے تو انہوں نے کہا تم صرف عبادت پر دھیان دینا، اگر شاپنگ کے لیے نہیں جاؤ گی تو میں تمہیں واپس آ کر سونے کا کڑا بنوا کر دوں گا۔“

”تو تم نے شاپنگ نہیں کی؟ مگر یہ سب چیزیں تو وہیں کی لگ رہی ہیں؟“

”ہاں تو میں خود تو نہیں گئی تھی ناں بس ساتھ

والی کچھ اپنے لیے اور اپنے بچے کے لیے لائی تو میں اس سے اپنے لیے بھی منگوا لیتی خود تو میں نے کسی دکان پہ قدم نہیں رکھا، آخر شوہر کی بات بھی تو مانتی تھی ناں۔“

واقعی اس ادا پہ کون نہ مرجائے۔

ازہ مریم شہزادہ کراچی

بے یقین کر دیا تھا..... اسے بھی لگتا کہ دنیا کی ہر لڑکی اس پر فرس رہی ہے، دل ہی دل میں اس کا مذاق اڑا رہی ہے..... نہ جانے کس نفسیاتی گرہ میں وہ بری طرح جکڑ گیا تھا..... ساری کامیابیاں مل کر بھی اسے اپنی نگاہوں میں معتبر نہ بنا سکی تھیں..... کبھی، کبھی اور شارق اسے کسی چینل پر یا اخباروں میں نظر آ جاتے..... بریفنگ فیل کی کا تاثر شاید ان کے لیے ہی بنا تھا..... وہ ان کو دیکھ کر بت بن جاتا..... بے بس بے جان..... اسے لگتا جیسے وہ دنیا میں نہیں بلکہ کسی خلا میں موجود ہے۔ شاید اس کے اندر کے خلا نے اسے نگل لیا تھا۔ اس خلا میں وہ سالوں کا سفر گلوں میں کرتا چلا جا رہا تھا۔

صنم کی موت کے ساتھ اس کا یہ سفر تمام ہو گیا۔

اس کی خند، احساس کسری اور یک طرفہ محبت سب کچھ یکفخت ختم ہو گیا..... صنم کے چہرے کے بعد اس کے دل کو کوئی دوسرا چہرہ بھایا ہی نہیں تھا..... اس کے اندر کی پیاس اس کی لا حاصل تلاش کی طرح اس کی ساری خواہشات کو سوکے پتوں کی طرح منتشر کر چکی تھی..... خزاں تھی اور بہار کی کوئی امید باقی نہیں تھی۔ صنم کی موت اسے خلا سے بچ کر زمین پر واپس لے آئی۔

اس کی لا حاصل تلاش بھی ایک دم اختتام پزیر ہو گئی۔ زندگی کے طوفان ایک دم ختم گئے..... اس کی ساری سوچوں کو فل اشاپ لگ گیا..... تو پھر اب آگے کیا رہ گیا؟

وہ خوشی، غم، محبت، نفرت اور خواہشوں کے گرداب سے باہر نکل آیا تھا۔

اس دن آفس جاتے ہوئے اس کا ذہن بیدار تھا۔ اس کی فرم اس کی زندگی کا حاصل تھی..... دس سالوں میں اس نے پچاس سالوں کی کامیابیاں حاصل کر لی تھیں..... اس نے اپنی محسوس، شامیں، دن اور راتیں سب ہی اس فرم میں جھونک دیے تھے، وہ لاشعوری طور پر شارق بیک کو شکست دینا چاہتا تھا..... اس میں کامیاب ہوا تھا یا نہیں البتہ زندگی میں ضرور کامیاب ہو گیا تھے..... اس کے چلنے ہوئے کا روبرو

مناخ پر مناخ دیے جا رہے تھے۔ وہ اب سیٹ تھا..... خود کو مصروف کرنے کے لیے آفس کا رخ کیا تھا مگر حسرت کی شامت مقدر میں لکھی تھی۔ اس کی معمولی سی غلطی پر وہ چڑ گیا اور حسرت کو کھری، کھری سنا دیں۔

وہ جانتا تھا کہ حسرت خفتی لڑکی ہے..... کام تو جہ سے کرتی ہے مگر حسرت کا نہیں اس کے اپنے موڈ کا تھا۔ وہ ٹھوڑی ہی دیر میں غلطی درست کر کے دوبارہ اس کے سامنے بیٹھی تھی۔ وہ گھبراہٹ ہوئی تھی..... اور خرم کی جانب کن اٹھیوں سے دیکھ رہی تھی۔

خرم نے ایک نگاہ بغور اس پر ڈالی۔

عام سی شکل صورت کی، سادہ چلیے والی مگر انتہائی مخفی اور ڈرے دار لڑکی..... اس کا سر جھکا کر بیٹھنا، اپنی معمولی سی غلطی پر شرمندہ ہونا، بارزنا، کانپنا، خرم کے پتے ہوئے دل پر ٹھنڈی، ٹھنڈی سی پھوار پڑنے لگی۔

”مس محبوب.....“ وہ اچانک بول اٹھا۔

”جی سر.....“ اس نے چونک کر نگائیں اٹھائیں۔

”آر یو انکچج.....؟“

”نوسر!“ اس کی گھٹی ہوئی آواز برآمد ہوئی۔

”کہا آپ مجھے شادی کریں گی؟“ خرم کو اپنی آواز اجنبی لگی..... حسرت کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں..... وہ آنکھیں پھاڑے خرم کو دیکھ رہی تھی اور اس کی زبان بند تھی۔

تیر کمان سے نکل چکا تھا..... خرم کو خود اپنے اوپر حیرت تھی کہ اس نے اتنا بڑا فیصلہ یوں اچانک کس طرح کر لیا.....

حسرت کا رد عمل اس کی سمجھ میں آ رہا تھا..... ایک لڑکی جو اس سے رتبے میں کم تر اور عمر میں بہت چھوٹی ہو..... جس کی کوئی بھی چیز اس کی ہم پلہ نہ ہو ایسے سوال پر اسے سکتہ نہ ہوتا تو اور کیا ہوتا.....

”کہیں یہ بھی مجھے منع تو نہیں کر دے گی.....“ بارہ سال پہلے کا منظر خرم کی آنکھوں کے سامنے گھوم گیا..... اسے ایک دم چھپتا ہوا ہونے لگا..... وہ دل ہی

نکل رہے ہوتے ہیں..... مرد ایک جگہ رکنے والی مخلوق نہیں ہے، پڑاؤ ڈالنے کی فطرت عورت کی ہوتی ہے مرد کی نہیں..... سو جہاں حسنہ نے پڑاؤ ڈالا خرم کی زندگی کا وہیں سے ایک نیا رویہ شروع ہو گیا۔ اس کے اندر کی وہ دنیا جو ابھی تک ظاہر نہیں تھی ایک دم پھر آگئی۔

معم محبوب اس کی خواہش تھی..... پھر چیلنج اور ضد بن گئی اور آخر میں دکھ بن کر اس کی زندگی کے کسی گوشے میں محفوظ ہو گئی..... اور حسنہ محبوب اس کی زندگی میں ملکیت بن کر داخل ہوئی اور جلد ہی ضرورت بن گئی اور پھر اس کی عادت بن گئی..... اس شادی پر جہاں دنیا حیرت زدہ تھی اس سے کہیں زیادہ خود خرم تھا..... اس نے بھی اس طرح شادی کرنے کے بارے میں سوچا تک نہیں تھا..... مگر وہ دواہلہ بن چکا تھا..... شادی بہت دھوم دھام سے ہوئی..... معززین شہر اس میں شریک ہوئے..... اس کی اپنی بہنیں بھی حیران و پریشان موجود تھیں۔

حسنہ کے خاندان والے اس کی قسمت پر رشک کر رہے تھے تو خرم کے جاننے والے کفر ٹوٹ جانے پر اسے مبارک باد دے رہے تھے۔

اور حسنہ..... اسے تو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس قدر خوش نصیب بھی ہو سکتی ہے..... بچپن سے چھوٹی، چھوٹی چیز و کوتر سے والی..... اپنی شادی شدہ بہنوں کے سامنے خود کو حقیر سمجھنے والی..... اپنے معمولی پن پر خود سے ہی شکوہ کناں رہنے والی حسنہ کے لیے زندگی کا یہ نیا موڑ بے حد خوب صورت تھا۔

آج اس کے پاس وہ سب کچھ تھا جس کے لیے کوئی بھی لڑکی آرزو کر سکتی ہے..... شہر کے سب سے مہنگے پارلر سے وہ تیار ہوئی تھی..... اس کا جوڑا قیمتی اور خوب صورت تھا..... جیولری مشہور براڈ وے جیولرز نے تیار کی تھی..... اس نے آئینے میں خود کو دیکھا تو پہچان ہی نہیں سکی..... وہ بے حد حسین لگ رہی تھی..... وہ سنڈریلا تھی یا اسنوداؤنٹ..... اسے خود پر پیار آنے لگا۔ اور خود سے زیادہ خرم پر پیار آنے لگا۔

خرم نے آخر اس میں کیا دیکھا تھا..... کچھ تو

دل میں خود کو اس بے وقوفی پر کون سے لگا کہ اچانک حسنہ کے حلق سے آواز برآمد ہوئی جیسے وہ کنویں کے اندر سے بول رہی ہو.....

”آپ غیر شادی شدہ ہیں سر؟“
”آپ کو کیا لگتا ہے کہ آپ اس قدر حسین و جمیل ہیں کہ میں شادی شدہ ہوتے ہوئے بھی آپ سے شادی کے لیے بے قرار ہو جاؤں گا..... ٹھیک ہے آپ جاسکتی ہیں۔“ وہ چڑ کر بولا۔

”سوری سر، میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا..... مجھے آپ کی اس پیش کش پر کوئی اعتراض نہیں ہے..... آپ میرے والدین سے مل لیں.....“ وہ سر جھکا کر بولی۔
”موقع پرست.....؟“ خرم نے دل ہی دل میں اسے طعن دیا۔

”آپ بہت اچھے انسان ہیں..... اپنی کلاس کے لوگوں سے بہت مختلف..... میں دل سے آپ کی عزت کرتی ہوں۔“ وہ سر جھکائے بول رہی تھی۔

اس سے ملنے جلنے الفاظ بارہ برس قبل اس نے کسی اور کے منہ سے سنے تھے مگر اس عزت اور اس عزت میں زمین آسمان کا فرق تھا..... آسمانوں پر اڑنا کس کو برا لگتا ہے؟ خرم کا ”کل“ بھی اتنا برا نہیں تھا مگر ”آج“ تو شائد اتر تھا کوئی بھی لڑکی اس کی زندگی میں ایسی خوشی شامل ہو سکتی تھی مگر اس کی کیا گارنٹی تھی کہ آنے والی اس کے لیے خود کو مٹی کر دے..... اس کے بیروں میں سمجھ جائے اس کی ہر بات پر آمنا و صداقت کیے؟ حسنہ میں کم از کم یہ کواٹھی اسے بدرجہ اتم نظر آ رہی تھی۔

☆☆☆

محبت عورت کے خیر کا حصہ ہے مگر مرد کے لیے ایک ”آپشن“..... مرد محبت سے زیادہ نظریہ ضرورت پر یقین رکھتا ہے۔ مرد کی زندگی کا کیوس عورت کی زندگی کے کیوس کے مقابلے میں بہت وسیع ہوتا ہے..... جہاں عورت کی انتہا ہے وہیں سے مرد کی ابتدا ہوتی ہے، دونوں کے ملاپ کی حقیقت بس اتنی ہی ہے کہ عورت کا سفر جہاں تمام ہو جاتا ہے مرد کے لیے اس جگہ پر لگی راستے

ہوگا..... اس نے خود سے سوال کیا اندر سے کسی نے سرگوشی کی ”محبت“ اس کے ہونٹوں پر غم جم چکا تھا۔ افسانوں، کہانیوں ڈراموں میں ہونے والی ساری محبتیں اس کے ذہن کی اسکرین پر گھوم گئیں..... یہ محبت ہی تو ہوتی ہے جو انسان سے حیرت انگیز فیصلے کروادیتی ہے۔ خرم نے بھی اس سے اظہارِ محبت تو نہیں کیا مگر اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے..... اس نے مسکرا کر سوچا.....

وہ اپنی سوچوں میں گم رہی..... کب خرم اس کے برابر میں آکر بیٹھا، کب رکیں ہوئیں اور کب رخصتی ہوئی وہ اپنی ہی دنیا میں گم رہی..... خرم کی محبت میں ڈوبتی ابھرتی رہی..... وہ خرم کی عزت کرتی تھی، اس کی احسان مند تھی اور اب اس کی محبت میں جلا ہو چکی تھی..... اس کے لیے خرم کا دل جیتنا اب زندگی کی اولین تمنا تھی..... اس نے محبت سے خرم کو اپنایا تھا اور اب اپنا سب کچھ اس پر نچھاور کر دینا چاہتی تھی۔

☆☆☆

شادی کے شروع کے دنوں کی دعوتیں، گھومنا پھرنا اسے بہت اچھا لگا۔ اس کے لیے لباس کا انتخاب خرم کرتا اور وہ خوشی سے وہ بہن لیتی..... اسے میک اپ کرنا نہیں آتا تھا، خرم اسے خود پارلے جاتا وہ دل ہی دل میں خرم کی احسان مند ہو جاتی۔ گھر میں سوائے ملازمین کے اور کوئی نہیں تھا..... خرم کی اپنے رشتے داروں سے وابستگی برائے نام تھی..... دونوں سگی بہنیں چند دن رہ کر اپنے، اپنے خاندانوں کے ساتھ واپس جا چکی تھیں..... نہ کوئی کام تھا نہ ذمے داری..... وہ بہت زیادہ خوش تھی۔ چھوٹے سے معمولی سے گھر سے اٹھ کر اتنے عالیشان محل نما گھر میں آ جانا اس کے تو خواب و خیال میں بھی نہیں تھا۔

خرم کو زندگی میں شامل کر لینے کے بعد وہ ایک لمحے کو بچھتا یا۔ اس کی آراستہ خواب گاہ میں حنہ کا وجود اسے اضافی لگ رہا تھا۔ اس کی ذہن حنہ اس کے آفس میں کام کرنے والی معمولی حنہ سے بے حد مختلف لگ رہی تھی۔ حنہ کے تپ کا پیش قیمت لباس اور زیورات اور چہرے پر کیا گیا قیمتی میک اپ سب کچھ اس کے پیسوں کا مہو ہون منت تھا خرم کو ان جانا سا احساس برتری محسوس ہوا..... ”سائے ٹیٹی ہوئی عورت کا حُسن، اس کی ادائیں، اس کے چہرے کی مسکراہٹ یہاں تک کہ اس کی زندگی سب..... سب کچھ میری وجہ سے ہے اور رہے گی۔“ اس نے ایک انگلی سے حنہ کے جھکے ہوئے چہرے کو اوپر کیا.....

☆☆☆

شادی کے ہنگامے سرد پڑے۔ خرم صبح لکھا تو رات گئے ہی واپس آتا..... وہ چند دنوں میں بور ہو گئی..... سارا دن خرم کو یاد کرتی اور شام ڈھلے اس کے لیے تیار ہو کر بیٹھ جاتی۔ وہ رات میں واپس آتا تو کبھی سیل فون اور کبھی لیپ ٹاپ میں مصروف رہتا..... اکثر تو کھانا بھی کھا آتا..... حنہ بے چین ہو جاتی.....

”آپ روزانہ اتنی دیر سے آتے ہیں، آپ کے بغیر میں بہت اداس ہو جاتی ہوں۔“ حنہ نے بڑے مان سے کہا۔

”کام ہوتے ہیں مجھے جو کرنا ضروری ہیں..... تمہاری طرح فارغ تو نہیں بیٹھا رہتا.....“ وہ جھکی سے بولا..... حنہ شرمندہ ہو گئی۔

”میری طرف دیکھو.....“ حنہ نے بے اختیار ٹکلیں اٹھائیں۔

”تم اب حنہ خرم ظہیر ہو۔“ اس کا لہجہ جذبات سے عاری تھا۔

رنگ کے حساب سے لباس کے رنگ کا انتخاب کرنا چاہیے۔ اسے بغور دیکھا اور کہا۔

حسنہ شرمندہ ہو گئی..... اسے امید تھی کہ خرم کو کھانا ضرور پسند آئے گا۔ منن پلاؤ..... قورمہ، کباب اس نے اپنے حساب سے بہت اچھا کھانا بنایا تھا خرم نے ٹیبل پہ سجے یہ کھانے دیکھ کر ناگواری سے کہا۔

”یہ سب کیا ہے؟ تم اتنی نا سمجھ ہو گی مجھے اندازہ نہیں تھا۔“ حسنہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

”آپ کے لیے کھانا بنایا ہے۔“

”تمہارا کیا خیال ہے کہ میں روز اس طرح کے کھانے کھاتا ہوں..... یہ سب چیزیں روز کھانے والی نہیں ہوتیں..... شاید تمہارے طبقے والے اس طرح کے کھانوں کو بہت زیادہ پسند کرتے ہوں مگر پلیز..... میرے لیے یہ سب کرنے کی کوئی ضرورت نہیں..... مجھے سادہ اور ہلکا کھانا پسند ہے، بوائلڈ راس، ودھ و ٹیکسٹیلز، کوئی ہلکا سا سوپ اور بس.....“

حسنہ کے لیے اس کی پسندنا پسندیدگی سب اہم تھی، اس کا کھانا نہ کھانا بھی اسے برا نہیں لگتا بلکہ اپنی کوتاہی پر افسوس ہوا مگر ”طبقے“ کا لفظ اس کے حلق میں پھرانک گیا۔ وہ اپنی جگہ چوری بن گئی۔

اس نے خود کو گھر کو ہر چیز کو خرم کی پسند کے سانچے میں ڈھالنے کی نیک و دو شروع کر دی..... خرم کی پسند کے کھانے بنانے سکھے، اپنے ملبوسات، اپنا انداز، اپنا گھر سب کچھ خرم کی پسند کے مطابق کر لیے مگر خرم کو کچھ نہ کچھ غلطی ضرور مل جاتی جس پر وہ اسے ٹھیک، شکا سنا دیتا۔ حسنہ کی عقل، ذہانت اور محنت خرم کی approval کی محتاج بن چکی تھی اس کی اپنی شخصیت سنح ہونے لگی مگر پھر بھی وہ خرم کی محبت میں چور تھی..... اس کے لیے خرم ہی سب کچھ تھا۔

☆☆☆

خرم کا کاروبار بڑھتا جا رہا تھا..... قریبی دوستوں نے اسے اس کی بیوی کا نصیب قرار دیا تو خرم ہنس دیا۔ ”وہ..... اس کے نصیب، میرے نصیب کے

ماہنامہ پاکیزہ۔ دسمبر 2018ء (135)

کر بولی۔

”تمہارا کیا مطلب تھا مجھے مت بتاؤ..... اور رہا کھانا..... تو کیا فرق ہے گھر میں ملازمین کے ہاتھوں کا پکا ہوا کھاؤں یا باہر کچھ کھانوں ایک ہی بات ہے.....“ وہ سر جھٹک کر بولا۔ حسنہ نے حیران و پریشان ہو کر اس کی جانب دیکھا۔

”تمہارے اس گھر میں آنے سے میرے گھر کو کیا فرق پڑا ہے؟“ اس نے حسنہ کو بغور دیکھا۔

حسنہ دل ہی دل میں شرمندہ ہو گئی..... ”آپ ٹھیک کہتے ہیں، میری کوتاہی ہے، اب آئندہ آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔“ اس نے یقین دہانی کروائی۔

”میں جب جھوٹا سا تھا تو میری امی میرا خیال رکھتی تھیں۔ اکلوتے بیٹے اور اکلوتے بھائی ہونے کا فائدہ مجھے بھی تھا کہ ماں اور بہنیں ہمیشہ میری مرضی کو اہم سمجھتی تھیں، ماں رہی نہیں..... بہنیں اپنے گھروں میں مصروف، اب تو تم ہو..... اور تمہارا ہونا نظر آنا چاہیے، ویسے بھی جس بیک گراؤڈ سے تم آئی ہو وہاں کی عورتوں کی زندگی گھر، بچے، شوہر سے زیادہ آگے کی ہوتی ہی نہیں.....“ اس کے لہجے میں نہ جانے کیا تھا..... حسنہ کا ذہن بیک گراؤڈ میں انک گیا۔ اس نے خاموش رہنے میں ہی عافیت جانی۔

”آہستہ، آہستہ تم اس گھر کے ماحول اور اپنے نئے اثیش سے واقف ہو جاؤ گی..... گھر میں کس طرح رہنا ہے اور باہر کس طرح لکھنا ہے سب سیکھ لو گی۔ کچھ وقت لگے گا لیکن تم ایک ذہن لڑکی ہو مجھے امید ہے کہ زیادہ دیر نہیں ہو گی۔“ حسنہ کو لگا جیسے اس کے پیپر زکی ڈیٹ شیٹ اس کے ہاتھوں میں ہو اور تیاری صفر..... اسے کیا کرنا ہوگا..... وہ خالی، خالی لگا ہوں سے خرم کو دیکھنے لگی۔

☆☆☆

اگلے دن اس نے خرم کے لیے بڑی محنت سے کھانا تیار کیا..... خود بھی اچھی طرح تیار ہوئی..... خلاف توقع اس دن خرم جلدی واپس آ گیا۔ ”یہ رنگ تم پر اچھا نہیں لگ رہا۔“ انھیں اپنے

جانب دیکھا بھی نہیں اور سیدھا بیڈ روم کا رخ کیا۔ حسہ اس کے پیچھے، پیچھے چلی آئی۔

”کھانا لگوانی ہوں آپ فریش ہو جائیں۔“ اس نے سکرارتے ہوئے کہا۔

”ہاں بالکل لگواؤ۔۔۔۔۔ اس کے علاوہ اور تم کربھی کیا سکتی ہو۔“ وہ جھنجھایا۔

حسہ کو اس کے غصے کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔

وہ خرم کی پسند کے حساب سے تیار ہونا سیکھ گئی تھی اور اس کی دانت میں وہ کافی اچھی بھی لگ رہی تھی، گھر صاف ستھرا پرسکون تھا۔۔۔۔۔ بیڈ روم اس نے بہت اچھی طرح سمجھا ہوا تھا۔ اس نے خرم کے لیے اس کا پسندیدہ سوپ بنایا تھا اور اب بے چین بھی کہ خرم اسے چکھے اور اس کی تعریف کرے مگر خرم کا موڈ۔۔۔۔۔ وہ کچھ گہے بغیر بیڈ روم سے باہر آ گئی۔

خرم نے کھانا بے دلی سے کھایا۔۔۔۔۔ حسہ کے اندر جیسے کچھ ٹوٹ سا گیا۔

”میں کیا کروں جو خرم مجھ سے خفا ہو۔۔۔۔۔ ہمیشہ خوش رہیں۔“ اس نے افسردگی سے سوچا۔۔۔۔۔ خرم بیڈ روم کی طرف مڑ گیا۔ ورنہ یہ وقت اس کا لاؤنج میں بیٹھنے کا تھا۔ وہ کچھ دیر لاؤنج میں بیٹھا، کافی پیتا پھر بیڈ روم میں جاتا۔۔۔۔۔ ملازم کو برتن اٹھانے کا اشارہ کرتی ہوئی وہ بھی خرم کے پیچھے، پیچھے چلی آئی۔

”آپ کی طبیعت ٹھیک ہے ناں۔۔۔۔۔؟“ اس نے ڈرتے، ڈرتے پوچھا۔

”میری طبیعت بالکل ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ تمہاری نہیں ٹھیک لگتی۔۔۔۔۔ تیار ہو جانا کل ڈاکٹر کو دکھانے چلیں گے۔“ وہ اس کی طرف پلٹ کے بولا۔

”جی۔۔۔۔۔“ وہ حیرت زدہ رہ گئی۔

”میں تو ٹھیک ہوں بالکل۔۔۔۔۔“

”آج کیا تاریخ ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”چھبیس نومبر۔۔۔۔۔“ حسہ نے جواب دیا۔

”پچھلے سال ہماری شادی کس تاریخ کو ہوئی تھی؟“ اس نے دوبارہ پوچھا۔

آگے کی پچھتہ ہیں، یہ سب میری محنت کا نتیجہ ہے۔“

”نہیں۔۔۔۔۔ اولاد مرد کے نصیب سے ہوتی ہے اور دولت عورت کے نصیب سے آئی ہے۔“ کمال جو اس کا پرانا دوست تھا، اس کا کسی حد تک راز دار بھی تھا اس نے سمجھ کی۔

”اچھا۔۔۔۔۔ عجیب بات ہے۔۔۔۔۔ میری بیوی ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتی ہے، مجھ سے شادی کے بعد اسے اچھا پہننا، اوڑھنا اور کھانا پینا نصیب ہوا۔۔۔۔۔ اس کے بدن پر اب سوئے اور ہیرے کے زیورات ہیں جو سب کے سب میرے بنوائے ہوئے ہیں، تم کہتے ہو کہ اب میرا پیسہ اس کے نصیب کا ہوگا۔“ خرم نے استہزاء انداز میں کہا۔

”دیکھو جب تمہاری شادی ہوئی تو اس وقت تم تین پرائیکٹس پر کام کر رہے تھے اب وہ بڑھ کے چھ ہو چکے ہیں۔۔۔۔۔ ڈبل ہو گیا ناں تمہارا بزنس۔۔۔۔۔ کمال مسکرایا۔

شادی کو سال پورا ہونے کو آیا تھا۔۔۔۔۔ کمال کی بات خرم کے اوپر کیے اثر انداز ہوئی کہ اس نے اولاد کا سوچنا شروع کر دیا۔۔۔۔۔ واقعی ایک سال گزر گیا مگر حسہ نے اسے اب تک کوئی خوشخبری نہیں سنائی تھی۔ اسے حسہ ہی پر غصہ آنے لگا۔ اس نے کمال کا نقطہ نظر، نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

”اس نے ابھی مجھے اولاد کی خوشی نہیں دی ہے اور تم وہ الزام میرے سر ڈال رہے ہو کہ اولاد مرد کا نصیب ہے۔“

”کہتے تو یہی ہیں اب تم مانو یا ناں۔۔۔۔۔ کمال اپنی بات پڑتا رہا۔

اس دن جب خرم آفس سے واپس آیا تو اس کا موڈ خراب تھا۔

حسہ حسب معمول تک سبک سے درست حالت میں تھی۔۔۔۔۔ لاؤنج کے گلدان میں اس نے اپنے باغ سے توڑے ہوئے تازہ پھول سجائے ہوئے تھے جن کی بھینی، بھینی خوشبو فضا کو معطر کر رہی تھی۔ اس نے والہانہ انداز میں خرم کا استقبال کیا۔ خرم نے اس کی

ہی نہیں لے رہا تھا۔ اس نے بچوں کے لیے گورنس رکھ دی تھی۔ حسہ کا دل اپنے بچوں کو خود پالنے کا چاہتا تھا مگر یہ خرم کے آرڈرز تھے، جب تک خرم گھر نہ ہو تا وہ بچوں میں لگی رہتی مگر جوہنی وہ گھر آ جاتا، حسہ بچوں کو چھوڑ کر اس کے آگے پیچھے پھرنے لگتی۔ اس کی چھوٹی سی چھوٹی ضرورت کا خیال رکھتی..... ملازمین کے ہوتے ہوئے بھی اس کے سارے کام اپنے ہاتھوں سے کرتی..... خرم کا غصہ، ناراضی، چڑچا پن سب برداشت کر جاتی۔ اسے ہر دفعہ لگتا جیسے شاید اس کے اندر ہی کوئی کٹی ہے۔ خرم کے غصے کا سبب اس کی اپنی غلطی ہے وہ کبھی بھی خرم کو مورد الزام نہیں ٹھہراتی بلکہ اپنی کوتاہی تلاش کرتی..... خرم، گھر اور بچوں کے لیے اس نے اپنے ماں، باپ سے ملنا چھوڑ دیا تھا..... اس کے پاس وقت ہو یا نہ ہو خرم کو اس کا میکے جانا بالکل پسند نہیں تھا۔ وہ ماں، باپ اور بہنوں سے فون پر بات کر لیتی..... وہ لوگ بھی اس کی مجبوری سمجھتے تھے خاص طور پر اماں بیچاری جہاں بیٹی کو اتنے بڑے گھر میں بیاہ کے خوش تھیں وہیں اس سے جدائی پر دل پر پتھر رکھے بیٹھی تھیں تک چڑھے داماد کو ان لوگوں کا اپنے گھر آنا پسند تھا نہ حسہ اور بچوں کا ان لوگوں کے گھر جانا..... غریب ضرور تھیں مگر عزت ان کو بھی پیاری تھی۔ ان لوگوں نے بھی حسہ کے گھر میں قدم رکھنا چھوڑ دیا تھا۔ حسہ کی زندگی کا محور اب اس کا گھر، شوہر اور بچے تھے۔ وہ ان میں ہی اتنی مصروف ہو چکی تھی کہ ہر قسم کا حساب رکھنا بھول چکی تھی..... صبح، شام کا حساب، مہینوں اور سالوں کا حساب یہاں تک کہ خوشی اور دکھ کا حساب بھی.....

سال کب شروع ہوا اور کب ختم ہو گیا..... صبح کب ہوئی اور شام کب ہو گئی..... خوشی کب آئی اور دکھ کب محسوس ہوا، وہ رفتہ، رفتہ اس حساب کتاب سے غاری ہونے لگی تھی۔ شوہر کی محبت، بچوں کی محبت، اپنے گھر کی محبت اور ڈرتے داریاں ان سب چیزوں کو جمع کر کے اس کی ہمت سے تقریق کر دیا جاتا تو پیچھے صرف

”اکتیس دسمبر.....“ حسہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ سی آ گئی۔

”ہوں..... لیکن تم نے ابھی تک مجھے اولاد کی کوئی خوشخبری نہیں سنائی۔“ اس نے یوں جرح کی جیسے حسہ کسی بجرم کی طرح کٹھرے میں کھڑی ہو..... حسہ کے چہرے کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔ شرم سے اس کا چہرہ گلابی ہو گیا..... خرم اس سے اس رنچل کی توقع نہیں کر رہا تھا۔

”میں آپ کو بتانا چاہ رہی تھی مگر ہمت نہیں ہو رہی تھی.....“ وہ لگا ہیں جھکا کر بولی۔

”کیا.....؟“ وہ حیرت زدہ سا ہو کر بولا۔

”خوشخبری.....“ وہ شرمائی۔

”اگر آج میں یہ بات تم سے نہ کہتا تو تم مجھے بتاتی ہی نہیں۔“ اس کے چہرے پر خوشی کی جگہ خشکی تھی۔

”پلیز ناراض مت ہوں..... میں بتانے ہی والی تھی۔“ وہ گہرا کر بولی۔

”تم ایک عجیب عورت ہو.....“ وہ کچھ کہے سے بغیر بیڈ پر دراز ہو گیا اور حسہ خود کو لعنت ملامت کرتی رہ گئی..... اتنی بڑی خوشخبری کی ایسی پزیرائی کی ڈتے دار وہ خود کو سمجھ رہی تھی۔

☆☆☆

وہ جتنی زیادہ خرم کی زندگی کی گھٹیاں سلجھانے کی کوشش کرتی بات اور میگز جاتی۔ اسے لگا کہ خرم اولاد کی خواہش رکھتا ہے مگر خرم کا رویہ اس خبر کے بعد بھی نہیں بدلا تھا..... اس نے خرم کی خوشی پانے کے لیے یکے بعد دیگرے دو بچے پیدا کر لیے مگر خرم کے تئیر نہیں بدلے۔ آریز اور زوریز کے لیے خرم کی آنکھوں میں اس نے کبھی چمکتی ہوئی محبت نہیں دیکھی تھی۔ وہ ان دونوں کی ساری ضروریات بن کہے پوری کر دیتا..... انہیں بہترین سے بہترین زندگی دینے کے معاملے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتا تھا مگر حسہ کچھ اور بھی چاہتی تھی۔

اپنے لیے اور اپنے بچوں کے لیے وہ خرم کی ایک محبت بھری نگاہ کی طلبگار تھی۔ مگر خرم کا دل پھٹنے کا نام

میں دیوانہ وار کھومتی رہتی۔

دونوں بیٹے بالکل اپنے باپ پر گئے تھے۔ اسی کی طرح چپکتی آنکھوں والے صحت مند اور خوبرو۔۔۔۔۔ مستقبل میں ان کو ہی اپنے باپ کا بڑا سنبھالنا تھا۔ ان کی تعلیم و تربیت اس انداز کی ہو یہ بھی ضروری تھا۔۔۔۔۔ خرم کے لیے یہ فیصلہ کرنا آسان تھا مگر حسد کے لیے اس فیصلے کو قبول کرنا بے حد مشکل۔۔۔۔۔ مگر مصیبت یہ تھی کہ اس کے پاس کوئی آپشن نہیں تھا۔

اس کی بارہ سالہ شادی شدہ زندگی میں بس ایک اسی چیز کی کمی تھی۔۔۔۔۔ اس کے پاس کبھی کسی بھی معاملے میں کسی قسم کا کوئی آپشن نہیں رہا تھا۔ بچوں کے جانے کے بعد اسے اس کی کاہت شدت سے احساس ہو رہا تھا۔

☆☆☆

خرم اور حسد کے درمیان ایک عجیب سا پردہ حائل تھا۔ حسد کو لگتا جیسے اسے خرم کے بارے میں کچھ بھی پتا نہیں۔۔۔۔۔ اس کے خاندان والوں سے ملنا جلنا برائے نام ہی تھا۔۔۔۔۔ سرسری سی ملاقاتیں جو کبھی، کبھار ہی ہو پاتیں خرم کے بارے میں کچھ بھی بتا نہیں سکتی تھیں۔۔۔۔۔ خرم کی سگی بہنیں تک سالوں تک نہیں دکھائی تھیں اور نہ ہی خرم کبھی ان سے ملنے جاتا۔۔۔۔۔

اس دن وہ پیر اسٹور سے کچھ خریداری کر رہی تھی کہ سامنے سے ایک کوری چٹی، گول منوں سی عورت آتی دکھائی دی جو اس کے قریب پہنچ کر ٹھٹک کر کھڑی ہو گئی۔۔۔۔۔ ”تم خرم ظہیر کی بیوی ہو۔۔۔۔۔؟“ اس کا لہجہ طنزیہ تھا۔ حسد چونک گئی۔

”جی۔۔۔۔۔ مگر آپ کون ہیں؟“

”میں اس کی خالہ زاد بہن ہوں آسیر۔۔۔۔۔ شاید اس نے میرا تعارف تم سے کروایا ہو۔۔۔۔۔“ وہ عجیب سے انداز میں بولی۔

”میں نے تو تمہیں دیکھتے ہی پہچان لیا۔ خرم ظہیر کی بیوی ہو، بڑی مشہور ہو۔“

”نہیں، میں آپ کو نہیں جانتی اور نہ ہی خرم نے کبھی آپ کا ذکر کیا۔“ اس نے حیرانی سے کہا، اجنبی

تھکن رہ جاتی تھی۔۔۔۔۔ مگر اس کی زندگی اس سیدھے سادے حسابی فارمولے تک رہ جاتی تو شاید وہ گوارا کر لیتی، البتہ تو یہ بھی کہ زندگی روز بروز نیڑے سے نیڑے الجھرے کی ایک مشکل equation بنتی جا رہی تھی۔

☆☆☆

حسد نے جس طرح خرم کو اور اس کے گھر کو سنبھالا، خرم کو رشتہ، رشتہ سکون آتا گیا۔ اسے حسد کی خوبیاں نظر آ رہی تھیں مگر نہ جانے کیوں اس نے کبھی حسد کو اس پر سراہا نہ ہی کبھی احسان مند ہوا۔۔۔۔۔ سب کچھ ٹھیک بھی ہو جب بھی اسے دورہ سا پڑ جاتا۔ وہ حسد کو بات بے بات ذلیل کرتا، معمولی باتوں پر بے تحاشا سنا دیتا۔۔۔۔۔ حسد اور اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو جاتیں مگر لب خاموش رہتے، وہ خاموشی سے وہاں سے ہٹ جاتی، اس کا غصہ اترتا تو حسد اس سے اپنی غلطی کی معافی مانگتی، خرم حیران رہ جاتا۔۔۔۔۔ اسے ایک انجانے سکون اور فخر کا احساس ہوتا۔۔۔۔۔ نہ جانے وہ کس مٹی سے بنی تھی، ذلیل ہونے کے کچھ دیر بعد اس کے لیے گرم چائے کا گلاس سردی گولی کے ساتھ لیے حاضر ہو جاتی اس کا سرد پانی، طبیعت پوچھتی۔

خرم کو اس پزیرائی کے بعد اپنی کسی غلطی کا احساس تک نہیں ہوتا برائے نام کوئی شرمندگی تک نہ ہوتی۔۔۔۔۔ جب تک وہ حسد کو ”معافی“ نہ دے دیتا، حسد بیڑوم کے کونے میں کسی مورتی کی طرح استادہ رہتی۔

خرم غیر محسوس طریقے سے حسد کا عادی ہوتا جا رہا تھا، اپنے چھوٹے سے چھوٹے کام بھی وہ اس سے کرواتا اسے ہر وقت حسد کے لیے آگے پیچھے گھومتے رہنے کی عادت ہو گئی تھی اور حسد کو اپنی بے عزتی کی۔۔۔۔۔

”تم آخر ہو کیا؟ تمہارا خاندان اس قابل ہے کہ ان کے ساتھ بیٹھا جاسکے۔۔۔۔۔ اپنی شکل دیکھی ہے تم نے؟۔۔۔۔۔؟ بے وقوف تھوڑا کلاس عورت۔۔۔۔۔؟“ حسد کا سننا اور خرم کا بولنا اب روزانہ کی روٹین تھی۔ کچھ اور وقت گزرا تو بچے گورنر کی گود سے نکل کر بورڈنگ جا چکے تھے اور وہ جملے پاؤں کی لمبی کی طرح پورے گھر

فرق نہیں آیا..... اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔
 ”آسیہ یاد ہیں آپ کو..... وہ کہہ رہی تھیں کہ وہ
 آپ کی مگتیرہ چکی ہیں۔“ حسنے نے پھر کہا۔
 ”میں فالٹو باتوں اور فالٹو لوگوں کو یاد نہیں
 رکھتا.....“ خرم نے خفگی سے جواب دیا۔
 ”اچھا تو وہ یاد ہوں گی جن کی وجہ سے یہ معنی توڑی
 تھی.....“ حسنے نے پوچھا۔ اس بار خرم زور سے چونکا۔
 ”میں نے کسی کی وجہ سے معنی نہیں توڑی.....
 مجھے آسیہ سے شادی نہیں کرنی تھی، اس لیے وہ رشتہ ختم
 کیا.....“ خرم مچھلا کر بولا۔
 ”پھر معنی ختم ہونے کے بارہ سال بعد تک آپ
 نے شادی کیوں نہیں کی..... اگر کوئی نہیں تھی تو پھر اتنے
 عرصے کس کے انتظار میں رہے۔“ حسنے نے بظاہر ہستے
 ہوئے کہا۔
 ”کم از کم تمہارے انتظار میں نہیں رہا..... جس
 کے انتظار میں تھا جب وہ نہیں رہی تو انتظار بھی ختم

عورت کا طعنے انداز سے حیران و پریشان کر رہا تھا۔
 ”میں خرم کی مگتیرہ چکی ہوں..... یہ بھی نہیں
 پتا.....“ اس نے کہا۔
 ”نہیں.....“ حسنے کو اس کا انداز اچھا نہیں
 لگا..... اس طرح کسی جگہ بیٹھ بھاڑ میں اس طرح کی
 باتیں انتہائی نامناسب تھیں۔
 ”میری شادی کو تو بیس سال ہو چکے ہیں..... سمجھ
 میں نہیں آ رہا کہ خرم نے تم سے اتنی دیر میں شادی کیوں
 کی..... معنی تو اس نے چوبیس سال پہلے توڑ دی تھی یہ
 کہہ کر کہ وہ کسی اور کو پسند کرتا ہے..... تم وہی ہونا
 جس کی وجہ سے خرم نے معنی توڑی.....“
 ”نہیں، میں وہ نہیں.....“ حسنے شیشا مٹی۔
 ”اچھا تو وہ اور کوئی ہوگی..... نہ جانے تم سے
 شادی تک لگتی آئی تھی ہوں گی۔“ وہ عورت گردن جھٹکتی
 ہوئی بغیر کسی سلام و دعا کے آگے چل دی..... حسنے کے
 دل میں ایک بھلا سی چھچھی۔
 ”وہ کون تھی؟“ حسنے نے خود سے سوال پوچھا۔
 حسنے کی معلومات میں ایسا کوئی وجود نہیں تھا جسے
 وہ خرم کی سابقہ محبوبہ کے خانے میں فٹ کر سکتی..... خرم
 کے انداز سے لگتا تو نہیں تھا کہ وہ شخص کسی سے محبت بھی
 کر سکتا ہے..... شادی کے بارہ برس گزر جانے کے بعد
 بھی اس کو خرم کی اجنبی کی طرح محسوس ہوتا تھا..... ایسا
 اجنبی جس کے ساتھ رہے ہوئے، اٹھنے بیٹھنے، سونے
 جاگنے کے باوجود اجنبیت برقرار تھی..... حسنے اس کی
 سابقہ زندگی کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی..... نہ خرم
 نے کبھی بتایا..... خرم کے عجیب و غریب رویے کے
 باوجود حسنے نے کبھی اس پر کسی قسم کی شک نہیں کیا تھا، کسی
 دوسری عورت کے بارے میں سوچا تک نہیں تھا..... یہ
 آسیہ نامی عورت اس کے دماغ میں شک کی کھڑکی کھول
 گئی تھی..... اس رات جب خرم واپس آیا تو کھانے
 کے بعد حسنے نے کہا۔
 ”آج سچرا سٹور میں آپ کی کزن ملی تھیں، آسیہ
 نام تھا ان کا.....“ خرم کے چہرے کی عجیبگی میں کوئی

سٹار کمن، منظر نگاری و موثر مکالموں کا امتزاج ملے

نامور مصنفہ

افشاں و سریدی

کی ایک اور خوب صورت تحریر

میرا سلازنگ انار دو

انشاء اللہ عنقریب پاکیزہ صفحات کی زینت بننے جاری ہے

اچھوتے موضوعات پر نہایت ماہرانہ قلم کاری

بلاشبہ اسی مصنفہ کا کمال ہے

عزیز قارئین..... بس اک ذرا انتظار!

سکوں..... وہ میرے حواسوں پر آج بھی سوار ہے..... اتنے دنوں کا لاواحنہ کے سامنے نکالنے کے بعد خرم کی حد تک پرسکون نظر آ رہا تھا۔
 ”یہ محبت تو نہ ہوئی.....“ خنہ کو اپنی آواز کسی کنویں سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔

”محبت نہیں تو اور کیا ہے۔“ خرم حیران ہو گیا۔
 ”یہ تو احساسِ شکست ہے۔“ خنہ کا لہجہ استہزائیہ تھا۔

”تم جل رہی ہو اس لئے اس لیے ایسا کہہ رہی ہو۔“ خرم نے سختی سے کہا۔

”میں تو اسے جانتی تیک نہیں، اس سے کیوں جلوں کی مگر آپ پر افسوس ہو رہا ہے۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔

”افسوس، مجھ پر..... کیوں؟“

”آپ کا اکڑ رویتہ، غرور، غصہ، یہ سب آج تک میں آپ کے مزاج کا حصہ سمجھ کر برداشت کرتی رہی مگر اب پتا چلا کہ ان سب باتوں کی وجہ آپ کا احساسِ شکست تھا، احساسِ محرومی تھا جس نے آپ کو اس حد تک گرا دیا۔“ خنہ کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

”ایک انسان جسے نوازا گیا ہو، اس کے پاس ایک اچھی زندگی اور اس کے لوازمات موجود ہوں اور اس کے باوجود وہ شکر ادا نہ کرے، خوشیوں سے منہ موڑے، اپنے قریبی ترین لوگوں کے ساتھ محبت تو دور کی بات اچھا سلوک بھی نہ کر سکے میرے حساب سے وہ ایک ناکام ترین انسان ہے۔“

”میں اور ناکام.....؟“ خرم نے تہمت لگایا۔

”میری کامیابیوں کی تو یہ دنیا معترف ہے..... مجھے میری ساری زندگی میں صرف ایک بار ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا..... صرف ایک بار جب صنم محبوب نے میرا پروپوزل رد کر دیا تھا..... اس کے بعد میں نے کوئی ناکامی نہیں دیکھی صرف کامیابیاں سہٹی ہیں..... تم مجھے ناکام کہہ رہی ہو؟“

”ہاں..... اصل ناکامی یہ نہیں تھی کہ صنم محبوب

ہو گیا۔“ خرم کے لہجے میں عجب سی ناکامی تھی۔

”کون سی وہ.....؟“ خنہ کا دل جیسے بیٹھ گیا۔

”وہ میری زندگی تھی، میری اولین خواہش تھی، وہ بہت خوب صورت تھی، اتنی کہ دیکھو تو میلی ہو جائے۔“ خرم اداس ہو گیا وہ راز جسے اس نے خود سے بھی چھپا رکھا تھا خنہ کے سامنے نمایاں ہو گیا۔

”اگر وہ زندہ ہوئی تو آج پچھتاتی کہ اس نے مجھے رجحیکٹ کر کے شارق بیک سے شادی کیوں کی..... اگر وہ زندہ رہتی تو میں اسے ہر قیمت پر حاصل کر لیتا..... مگر وہ چلی گئی.....“ خرم کی آواز دھیمی ہو گئی۔
 خنہ کی سانسیں ختم نکلیں۔

”شارق بیک نے اسے مار دیا..... میری صنم محبوب کو اپنے ساتھ ہی مار دیا۔ جانتی ہو ان کا کار ایکسیڈنٹ اتفاقاً نہیں تھا..... مجھے بعد میں سب معلوم ہو گیا تھا۔ شارق بیک کا باپ کرپشن میں پکڑا گیا تھا..... اس کی ٹیکسٹائل ملز بند ہو گئی تھیں، ملازمین احتجاج پر اتر آئے تھے..... شارق اکلوتا بیٹا ہونے کے ناتے جہاں جائیداد کا اکلوتا وارث تھا، وہاں اس ساری مصیبت کا بھی اکلوتا وارث ٹھہرا..... ان کے کاروبار ٹھپ ہوئے گئے تھے، شارق اور صنم کی کوئی اولاد نہیں تھی..... صنم مسلسل وقتی دباؤ کا شکار رہنے لگی تھی، اس کا نفسیاتی علاج چل رہا تھا..... صنم کو اس شادی سے کوئی خوشی نہیں مل سکی تھی..... ان دونوں کے مرنے کے کچھ عرصے بعد ساری کہانی منظرِ عام پر آ گئی..... ان کی ملز تیلام ہو گئیں، ان کا سب کچھ تباہ ہو گیا..... لوگوں کا تجزیہ یہ بھی ہے کہ شارق نے اپنی کارجان بوجھ کر ٹرک کو مار دی تھی، وہ لوگوں کا دباؤ اور کرپشن کے چار جز برداشت نہیں کر پایا تھا..... لیکن وہ خودکشی کر لیتا، مر جاتا اس نے صنم کو کیوں مار دیا..... صنم کو زندہ رہنا چاہیے تھا..... صنم کو پچھتانے اور میرے پاس واپس آنے کے لیے زندہ رہنا چاہیے تھا..... میں نے اتنی محنت اس کے لیے ہی تو کی تھی..... آج دیکھو میرے پاس سب کچھ ہے مگر وہ نہیں ہے جس کو میں دکھا

”اس کا مطلب یہ ہے کہ آج آپ کی بیوی آپ کو رنجیکٹ کر کے آپ کا محل نما گھر چھوڑ کے جارہی ہے۔“

حسہ نے اس کے برابر سے نکلے ہوئے جواب دیا۔
”تم..... تمہاری اوقات کیا ہے..... جاؤ گی کہاں تم..... اپنے اس کوٹھری نما مکان میں؟“ خرم نے غصے سے پوچھا۔

”یہ آپ کا در بدر نہیں ہے..... یہ دیکھیں میرے پاس آپ کا دیا ہوا کوئی زیور اور روپیہ، پیسہ نہیں ہے، میں خالی ہاتھ یہ گھر چھوڑ رہی ہوں۔ اب وہاں رہوں گی جہاں میری عزت نفس پر کوئی حملہ نہ کر سکے..... آپ کا کیا ہے..... کچھ سال آپ نے اپنی ایک طرفہ محبوبہ کی رنجیکٹن کا غم منانے میں گزار دیا اب باقی کی زندگی اس غم میں گزار دیجیے گا کہ آپ کو دوسری بار مستر د آپ کی بیوی نے کیا..... اور میرا خیال ہے خرم ظہیر صاحب کی مرد کے لیے یہ طعنہ جان لیوا نہیں ہوتا کہ اسے باہری کوئی عورت مستر د کرے لیکن اگر اس کی بیوی اسے مستر د کرے تو یہ ڈوب مرنے کا مقام ہے مگر اس کے لیے جو مرد ہو.....“

خرم کو حسہ کی باتیں بہت بری لگ رہی تھیں۔

اس نے حسہ کا بازو پکڑا اور اسے دوبارہ بیڈروم میں لا کر بیڈ پر دھکا دے دیا۔ حسہ گرتے، گرتے چلی۔ اسے یقین تھا کہ حسہ جیسی دو ٹکے کی عورت زندگی بھر اس کے سامنے زبان نہیں کھول سکے گی مگر اس کا یقین پاش، پاش ہو چکا تھا..... اس نے جو کچھ حسہ کے منہ سے سنا تھا وہ اس کے دماغ کو دوہلا کر دینے کے لیے کافی تھا۔

”تمہارے یہاں رہنے یا جانے سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن تم میری بیوی ہو، اتنی آسانی سے میں تم کو جانے نہیں دوں گا۔“

”تو یہ کون سا ایسا رشتہ ہے جو ٹوٹ نہ سکے..... بیوی ہوں مگر ضروری تو نہیں کہ بیوی رہوں بھی.....“ حسہ اس کے سامنے تن کے کٹھڑی ہونٹیں۔

اسے خرم کی آنکھوں میں پہلی بار بے بسی نظر آئی۔

نے آپ کو مستر د کر دیا تھا۔ اصل ناکامی یہ ہے کہ آپ نے اس واقعے کے بعد خود کو مستر د کر دیا ہے اور جو انسان ایک بار خود کو مستر د کر دے وہ کہیں کا نہیں رہتا..... اسے عزت، دولت، گھر، بیوی، بچہ سب مل کر بھی اس کی نگاہوں میں کوئی مقام نہیں دلا سکتے..... وہ تمہارا رہتا ہے، اندر ہی اندر سکتا رہتا ہے، سب کچھ ہونے کے باوجود جی دامن رہتا ہے اسے کبھی اپنا یقین نہیں آتا..... کسی کا approval اس کے اندر کی rejection کو ختم نہیں کر سکتا..... آپ کا کاروبار خواہ اور کتنا ترقی کر جائے، آپ کے بیٹے کتنے ہی کامیاب کیوں نہ ہو جائیں اور میں خود کوٹی میں ملا کر بھی آپ کے قدموں میں بچہ جاؤں تو بھی آپ کا دل سیر نہ ہوگا..... غم دور نہ ہوگا اور دل سکون نہیں پائے گا کیونکہ یہ مرض لاعلاج ہے۔“ وہ یہ کہہ کر اٹھ کر جانے لگی۔

”یہ تم کس انداز میں بات کر رہی ہو.....؟“ خرم کے لیے اس کا جالچ لہجہ بالکل نیا تھا۔ حسہ نے اس کی بات سنی ان کی کردی اور آگے بڑھنے لگی، خرم نے غصے میں آکر اس کا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ اپنے سامنے بٹھا دیا۔

”ہوش میں تو ہو.....؟“

”ہوش میں آگئی ہوں..... میرا اور آپ کا سودا سرے ہی سے غلط تھا۔ میرے پاس تو جھپٹوں کے سکے تھے مگر آپ کی دکان میں تو سڑا کھلا مال پڑا ہے، کمرے سکوں کے عوض کوٹا مال مجھے نہیں چاہیے۔“

”کیا بکواس ہے؟ تمہاری محبت کی پردا بھی کسے ہے..... تم تو صنم کے بیروں کی دھول کے برابر بھی نہیں ہو.....“ خرم کا مطنطنہ باقی تھا۔

”تو ٹھیک ہے، آپ صنم کے بیروں کی دھول چائیں۔ مجھے اجازت دیں..... میں ایک ذاتی مریض کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی.....“ وہ تند لہجے میں بولی۔

”کیا مطلب ہے اس بات کا.....؟“ خرم اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

”مجھے آج تک یہی لگتا رہا کہ آپ کو مجھ سے محبت ہوگئی تھی جو آپ نے مجھ سے شادی کی..... آپ کے درشت رویے اور ناروا سلوک کی میں نے کبھی پروا نہیں کی یہ سوچ کر کہ شاید آپ کا مزاج ہی ایسا ہوگا..... بس آپ کی محبت کے جواب میں، میں نے آپ سے ہر لمحہ، ہر بل، ہر وقت محبت ہی کی اور بے حساب کی..... لیکن یہ محبت اچانک ٹوٹ پھوٹ کر کہیں بکھر گئی ہے..... بہت مشکل ہو جائے گا اب آپ کے ساتھ رہنا..... آپ مجھے برداشت نہیں کر سکیں گے۔“ حسہ کا لہجہ اٹل تھا۔

”مجھے معاف کر دو.....“ خرم نے بالکل اچانک اسی طرح کہا جیسے بارہ سال پہلے اس سے پوچھا تھا کہ تم مجھ سے شادی کرو گی۔

”معاف کر دینے سے کیا ہوگا..... آپ نے مجھ پر سے میرا یقین ہی ختم کر دیا ہے خرم صاحب..... میں ایک عام سی شکل صورت والی کمزور بیک گراؤنڈ کی معمولی عورت ہوں مگر میں نے خود کو کبھی معمولی نہیں سمجھا..... آپ نے آج مجھے معمولی بنا دیا ہے۔“ اس کی آواز ایک دم بھرا گئی۔

”تم مت جاؤ حسہ، بے شک مجھے معاف کروانا کرو..... مجھ سے محبت کرو یا نہیں کرو لیکن اگر تم چلی گئیں تو شاید سب کچھ ختم ہو جائے گا۔“ وہ اس کے ہاتھوں کو تھام کر آہستہ سے بولا۔ حسہ کے لیے اس کا انداز بالکل نیا تھا۔ اس کے لیے فیصلے کی گھڑی آن پہنچی تھی۔

آج تک اس نے خرم کی شرائط کی پاسداری کی تھی مگر اب خرم اس کے سامنے ہتھیار پھینک کر کھڑا تھا..... سارا غرور اور ظن نہ جانے کہاں چلا گیا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھا جو ابھی تک خرم کے ہاتھوں میں مقید تھے..... اور پھر اس نے اپنے پیروں کی طرف دیکھا جو ان دیکھی بیڑیوں میں مقید تھے۔ گھر کے دروازے کھلے مگر ان تک جانے کے راستے دھندلے ہو گئے تھے۔

”میرے بچے میرے پاس نہیں ہیں، میرا شوہر جسے میں اپنا سمجھ رہی تھی وہ بھی میرا نہیں ہے اور یہ گھر جس کے کوئے، کوئے کوئیں نے آباد کیا، یہ بھی میرا نہیں ہے مجھے یہاں رہنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔“ حسہ کا لہجہ سختی تھا۔

خرم کو یقین تھا کہ اسے حسہ سے محبت نہیں تھی..... حسہ کو اس سے کتنی محبت تھی اسے اس بات کی بھی پروا نہیں تھی مگر یہ طے تھا کہ حسہ اس کی اولین ضرورت تھی..... اس کے عايشان مکان کو حسہ نے ہی گھر بنایا تھا۔

اس کے لیے حسہ کی خدمت گزاریاں، اس کے ہاتھ کے کپے ہوئے لاجواب کھانے، بورڈنگ جانے سے پہلے بچوں کا بہترین تعلیمی ریکارڈ، ملازمین پر کنٹرول، سب کچھ حسہ ہی کی مرہون منت تھا..... اسے حسہ سے اپنے ذاتی کام کروانے کی عادت ہوگئی تھی..... حسہ ہر روز اس کے سر کی جب تک مائل نہ کرتی اسے نیند نہیں آتی..... گھر کے چے، چے پر حسہ کا نقش تھا..... وہ معروف انسان تھا مگر ٹھوڑی دیر کو ہی آتا مگر جب بھی آتا اسے گھر کی فضا سے ایک ان دیسی طاقت ملتی تھی، سکون نصیب ہوتا تھا..... حسہ کے بغیر یہ گھر اور اس کی زندگی دونوں ہی ملامیٹ ہو جاتیں..... اس گھر کا تصور حسہ کے بغیر ناقابل تھا، گھر سے باہر اس کی سوشل لائف کی بھی وہ ساتھی تھی۔

”تم نہیں جاسکتیں.....“ اس بار اس کا لہجہ دھماکا تھا۔ ”مگر میں صنم محبوب نہیں ہوں..... نہ اس کے جیسی شاندار ہوں اور نہ ہی آپ کے دل میں اس کی طرح براجمان.....“ حسہ کا لہجہ اس کے یقین کی طرح ٹوٹا ہوا تھا۔

”ہاں، تم صنم محبوب نہیں ہو مگر تم حسہ خرم ظہیر ہو.....“ خرم نے اسے کندھوں سے تھام کر کہا۔

حسہ نے اس کی آنکھوں کی طرف دیکھا جو سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔

عورت و دیر

ایک عام ناثر یہی ہے کہ عورت ایک کمزور اور کم تر ہستی ہے... مگر یہی کمزور اور کم تر ہستی صنف مخالف پر کس، کس طرح اثر انداز ہوتی اور وقت بڑنے پر چٹان جیسی مضبوطی بھی دکھاتی ہے۔۔۔ روف تہجی کے اعتبار سے شروع ہونے والے اس نئے سلسلہ عورت کہانی میں ہماری معروف قلم کار فرحین اظفر نے یہی بتانے کی کوشش کی ہے۔

جداگانہ موضوعات لیے کہانیوں کا نیا سلسلہ آپ جیسے باز وقت ارکین کی نذر

دونوں کو ایک طرح سے رکھا جاتا ہے سنیال، سنیال کے۔ سب سے الگ، الگ، دور، دور۔ فاصلے کے ساتھ۔ احتیاط کے ساتھ۔ علی الاطلاق..... کہ یہ خاص ہے۔ اس کے نزدیک نہ آتا۔ ورنہ غضب ہو جائے گا۔ ہونچ.....
اسے مماثلت کہیں یا نہ کہیں مگر دونوں میں ایک فرق ضرور ہے وہ بھی بڑا واضح.....

ایک ہوتی ہے شہزادی اور ایک ہوتا ہے چھالا.....
شہزادی اگر حسن و جمال میں یکتا ہو اور اگوتی بھی ہو تو سہاگا اور وہ بھی سونے پر..... جس کی چکا چوند کے آگے پکس چڑ، چڑ جائیں، جدا نہ ہونے پائیں۔
چھالا اگر کیا ہو اور وہ بھی پھیلی پہ تو وہ کرلا اور وہ بھی نیم چڑھا۔ جو زبان اور طلق تو کیا معدے کو بھی گرما کے رکھ دے۔



شہزادی ہوتی ہے آنکھوں کی ٹھنڈک اور چھالا ہوتا ہے شہتیر..... جب تک کھال کو الگ نہیں کر دیتا تکلیف ہی دینا رہتا ہے۔

☆☆☆

باہر حسام ایک درمیانے درجے کے کاروباری تھے۔ تاجر برادری میں ان کی نیک نامی کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ مالی حالات ان کی اپنی ملکون مزاحی کی وجہ سے ہمیشہ ایک سے ہی رہے۔ اپنے والد کے کاروبار کو سنبھالنے کے بعد گوکہ انہوں نے اس کو حسبِ توفیق وسعت دے دی تھی لیکن پھر بھی وہ جس طرح اسے بڑھا چڑھا سکتے تھے، اس طرح اسے ہام عروج پہ پہنچانے میں انہیں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ بیوی سمیت گھر والے بھی ایسے ہی صابر و شاکر اور قناعت پسند ملے کہ بس بہت زیادہ کی ہوں نہیں رہی اور ایسی کوئی بھی شے نہیں تھی۔ تو اور سے اور کی خواہش بھی نہیں کی جو ملا اور جتنا ملا، اسی پہ صبر کیا اور اس سے بڑھ کر شکر.....

سارا خوش خیال منظر نامہ جاری و ساری تھا۔ پھر ان کی زندگی میں نور آئی۔ نور جہاں..... ان کی اکلوتی بیٹی..... جس نے دنیا میں قدم دھرنے سے پہلے ہی کھٹنے مال اور باپ دونوں کی جانوں کو سولی پہ چڑھائے رکھا۔

جب وہ باہر کی گود میں آئی تو انہیں یوں لگا جیسے وہ کسی ریاست کے بادشاہ ہیں اور وہ، نرم ملائم گلابی روئی کے گالے جیسی۔ ان کی شہزادی.....

اس دن کے بعد سے باہر کی زندگی میں ایسا موڑ آیا جس نے خود ان کے ساتھ، ساتھ ان کی اہلیہ کو بھی پہلے حیران پھر پریشان کر کے رکھ دیا۔

پہلا قدم اٹھانے اور پہلا لفظ بولنے سے بھی پہلے..... باہر کو کچھ، کچھ اس کی فکر کھائے جاتی۔ وہ روتی تو ابراہیم بیوی سارہ کی جان مشکل میں کر دیتے۔

”ضرور اس کے پیٹ میں درد ہے۔“

”آج اس نے دودھ ٹھیک سے نہیں پیا۔“

”ارے..... ایک منٹ میں دودھ پیکیں آگئیں وغیرہ، وغیرہ۔“

بات بات پہ ڈاکٹر کی طرف بھاگتے۔ روتی ہے تو

کیوں، کم کھایا تو کیوں، چپ چاپ ہے تو کیوں، انہیں خود بھی پتا نہیں چل رہا تھا کہ وہ آخر چاہتے کیا ہیں۔ چند ہی مہینوں میں ان کی دیوانگی سے تنگ آکر باقی گھر والے ہاتھ جما کر الگ ہو گئے اور رہ گئی..... ایک اکیلی سارہ کی جان، ہتھا پھوڑنے کو.....

جب نور نے پہلا قدم اٹھایا، بریانی اور مٹھائی بانٹی گئی..... ایک باقاعدہ تقریب میں بیکے اور سرال والوں کو مدعو کر کے خاترین، مدارات..... اور نہ جانے کیا..... اسی تقریب میں نور کو کڑیاتی ہوئی ایک قدم چل کر نیچے گر گئی..... معمولی چوٹ آگئی لیکن اس معمولی نوعیت کی چوٹ کے نتیجے میں، جسے غفلت بھی نہیں کہا جاسکتا تھا، سارہ کی سب مہمانوں کے سامنے جو عزت افزائی ہوئی وہ قطعی غیر معمولی تھی۔

وہ حق دق منہ کھولے گر جتے ہوئے شوہر کو دیکھ رہی تھی۔ جسے کو یہ احساس تک نہ تھا کہ گھر مہمانوں سے بھرا ہوا ہے۔

اس وقت تو نور ذرا سارو دھوکے چپ ہو گئی لیکن سارہ کے دل پہ آنسو تب تک گرتے رہے جب تک ناسور نہیں بن گئے۔

☆☆☆

نور ان کی زندگی میں خوشیوں کا نور بن کر آئی تھی..... لیکن صرف اور صرف باہر کے رویے کی وجہ سے وہ بچی سارہ کے لیے کسی زحمت سے کم نہیں بنی تھی۔ بظاہر تو وہ اس کی مال تھیں لیکن شوہر کے غیر متوازن رویے ہی نے انہیں اپنی ہی اکلوتی بیٹی سے بیزار کر دیا۔

پیدائش کے ساتویں دن عقیقے کے بعد ہر سال اس کی سالگرہ اتنی ہی شان و شوکت کے ساتھ منائی جاتی رہی۔ یہاں تک کہ چوتھی سالگرہ کے بعد سارہ کی خواہش نے شدت اختیار کر لی۔

”میرا خیال ہے کہ اب نور کا کوئی بہن بھائی آجنا چاہیے۔“

”بالکل..... کل میں نے بھی نوٹ کیا کہ اسے

ایک بھائی کی کمی شدت سے محسوس ہونے لگی ہے۔“

سارہ کے قدموں کے نیچے سے زمین سرکنے لگی

عورت کہانی

کے ساتھ بھائی کے نہ آنے کا غم مٹاتے رہے۔ انہیں نور کی بہن سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ اس کے دنیا میں آنے سے خوش نہیں تھے۔ اور اس ناخوشی کا اظہار انہوں نے باقی پوری زندگی ذوق و شوق سے کیا۔ اجالا کے بعد مزید بیٹیوں کے خوف سے سارہ دل کی خواہشوں میں دباؤں کے تحت چلی گئیں لیکن پھر ماں بننے کا اعزاز انہیں دیا ہی نہیں گیا۔

جس قدر تازہ فہم میں نور بنی، اس کا آدھا بھی اجالا کے حصے میں نہ آیا۔ سارہ نے اپنی بھرپور کوشش کی لیکن وہ اسے ایک نارمل بچی نہ بنا سکیں۔

گزرے تے ماہ و سال میں جہاں نور جہاں حد سے زیادہ ضدی، خود اور ہٹ دھرم بنی گئی، وہیں باہر حسام صرف اور صرف نور کو بہتر معیار زندگی دینے کے چکر میں کاروبار بڑھاتے چلے گئے۔

ان کے پاس وقت نہیں ہوتا تھا لیکن جو تھا وہ صرف نور کے لیے تھا۔ سارہ شریک حیات ہوتے ہوئے، ان سے کب اور کتنی دور چلی گئیں۔ انہوں نے سوچنے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی۔

گھر، ٹیلی، خاندان اور خاندان کے ساتھ ساتھ سب کچھ دودھڑوں میں بٹ گیا۔

باہر اور ان کی بیٹی.....

سارہ اور ان کی اچا!.....

اور ان دو حصوں کے ساتھ، ساتھ اور بھی بہت کچھ تقسیم ہو گیا۔

شخصیات، روزمرہ کا معمول، ترجیحات..... پسند نہ پسند اور سب سے بڑھ کے دل..... اور جذبات.....

☆☆☆

”مجھے پتا تھا میری بیٹی ہر امتحان میں کامیاب ہو گی۔“ سارہ کی آواز خوشی سے کانپ رہی تھی۔ اجالا کے سامنے اس کی سیکنڈ ایئر کی مارکس شیٹ رکھی تھی۔ وہ اپنے کالج کی سب سے قابل اسٹوڈنٹ تھی۔ اسی حساب سے اس کی پرنسپل آئی تھی۔ اسے کسی بھی میڈیکل کالج میں بہ آسانی داخلہ مل سکتا تھا۔

پھر بھی انہوں نے بظاہر بڑے نارمل انداز میں کہا۔
”صرف بھائی کی کیوں..... بہن بھی آجائے تو اسے دوسرا ہٹ ہو جائے گی..... بچی ہے اپنے آپ کو تنہا محسوس کرتی ہے۔“
”نہ۔“ باہر نے شد و مد سے سر ہلایا۔

”جنتا میں اسے سمجھتا ہوں ناں..... اتنا کوئی نہیں سمجھ سکتا حالانکہ تم اس کی ماں ہو۔“
انہوں نے تو فخریہ بات کی تھی مگر سارہ کو ان کا لہجہ طنز میں ڈوبا ہوا ہی لگا۔

”اولاد کو اس کی ماں سے زیادہ بھلا کون جان سکتا ہے۔“ انہوں نے ٹھنڈے لہجے میں بات سمیٹنے کی کوشش کی مگر بات تو ابھی شروع ہوئی تھی اور کہاں تک جانے والی تھی اگر سارہ کو ذرا سا بھی اندازہ ہوتا تو وہ اس بات کو شروع ہی نہ کرتیں۔

”یہ بات ہے تو چلو آؤ ابھی اس سے پوچھ لیتے ہیں کہ اسے بھائی چاہیے یا بہن.....“ باہر کسی ننھے بچے کی طرح بیوی کی مزاحمت کی پروا کیے بغیر اسے بیٹی کے کمرے تک لے آئے۔

”پاگل ہیں کیا آپ..... اس طرح کی باتیں کوئی بچوں سے کرتا ہے کیا۔“

”تم ہی نے کہا تھا کہ نور کا کوئی بہن بھائی آجانا چاہیے۔“
وہ اس کا ہر اعتراض رد کرتے چلے گئے۔

نور نے بات سنی تو ”مجھے بھائی چاہیے“ کی وہ رٹ لگائی کہ باہر تو ہنس، ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئے اور سارہ کو اب پتا لگا کہ زمین سرکنا کسے کہتے ہیں۔

☆☆☆

وقت گزرتا رہا۔ سارہ آنے والے وقت کو سوچ سوچ کے ہلٹی رہیں جس کا تھکا نہیں ہائی پی پی کی صورت میں ملا۔ اور جس دم ننھی اجالا کی خوشخبری باہر کو سنائی۔ انہیں لگا زندگی میں اندھیرا ہو گیا۔ ہائی بلڈ پریشر کی وجہ سے ڈاکٹر نے آئندہ کنسلیہ کرنے سے بھی منع کر دیا۔ یوں بھی ابھی ان کی جان جاتے، جاتے ہی تھی۔

باہر کو اس سب سے کوئی سروکار نہ تھا۔ وہ اپنی بیٹی

موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شرط رکھ دی۔
”وہ ڈاکٹر بنے گی اپنی مرضی کی ایجوکیشن لے گی
اور میں.....“

اتنا اکڑ لہجہ صرف باپ ہی برداشت کر سکتا تھا اور
انہوں نے کیا بھی نہ صرف اس کا لہجہ بلکہ اخراجات بھی.....
نور کے امریکا جانے کے بعد، سارہ اور اجالا نے گھر
میں ایسا سکون محسوس کیا جیسے عرید کے خرم کو آزادی کے بعد
نصیب ہوتا ہوگا۔ حالانکہ نور، سارہ کی سگی بیٹی تھی مگر شوہر کے
غیر متوازن رویے نے اسے یہ مقابل لاکھڑا کیا تھا۔

زندگی میں پہلی بار باہر کو بھی گھر کے باقی دونوں
نفوس کی موجودگی کا صحیح معنوں میں ادراک ہوا اور ان پر
اپنی دوسری بیٹی کے جوہر کھلے۔ انہیں بہت دیر سے،
بہت آہستگی سے ان کی شخصیات کا فرق، دل کے کہیں
اندہ بہت اندر ایک پن سی چھو گیا۔

سارہ بڑھتی عمر کے ساتھ کمزور ہو گئی تھیں۔ اجالا
نے ان کے کہے بغیر گھر کے بہت سے کام اپنے ذمے
لے لے کر ان کی پریشانی کم کر دی تھی۔

باہر سے اتنی نف پڑھائی میں سے وقت نکال کے
ماں کا ہاتھ بٹاتے دیکھتے تو نہ چاہتے ہوئے بھی سوچ میں
پڑ جاتے۔ نور کے منظر سے بچنے کے بعد انہیں باقی چیزیں
دکھائی دے رہی تھیں۔ عین ممکن تھا کہ اسی فیز میں چلتے
انہیں اجالا پہ وہ پوری محبت بھی آہی جاتی جس کا اس نے
ہمیشہ انتظار کیا تھا لیکن اس سے پہلے ہی وہ آ گیا جس کی
انہوں نے کسی توقع بھی نہیں کی تھی۔

ان کی اپنی بہن کے گھر سے بیٹی کے لیے
پیغام..... لیکن نور کے لیے نہیں، اجالا کے لیے.....

☆☆☆

”مجھے حیرت بھی ہے اور خوشی بھی آیا۔ حیرت اس
بات کی کہ آپ نے کتنے سالوں بعد میرے گھر میں قدم
رکھا اور اپنی ناراضی خود ہی ختم کر دی۔“

ان کی ناراضی کی وجہ بھی نور تھی۔ بڑی پچھو ہونے
کے ناتے وہ بھائی کی ناقص اور اس کی ناقص تربیت دیکھتی
تھیں تو خود کو لاکھ روکنے کے باوجود بھیجی کو کوئی نہ کوئی

یہ اس کے ان چند خوابوں میں سے ایک خواب تھا،
جوان تھک محنت اور اچھی مالی حیثیت کے بعد قسمت سے
شرمندہ تعبیر ہو سکتے تھے۔ ورنہ اس کی نم پکوں کے پیچھے
ایسے خوابوں کی ایک لمبی قطار تھی۔ جنہیں وہ جانتی تھی کہ
ہمیشہ خواب ہی رہتا ہے اور عجیب بات یہ تھی کہ یہ سارے
خواب اس کے باپ سے جڑے تھے۔

ماں، ماں ہوتی ہے اور باپ بہر حال باپ ہوتا
ہے۔ اپنے باپ کے غیر متوازن رویے نے اس کی
زندگی میں جو خلاء پیدا کر دیا تھا۔ وہ بھی بھرنے والا نہیں
تھا۔ اس نے اسی ادھورے پن کے ساتھ جینے کی عادت
ڈال لی تھی..... لیکن..... کبھی بھی تو.....

☆☆☆

وقت گزرتے، گزرتے اتنا گزر گیا کہ سارہ کو نور کی
منہ زور جوانی سے خوف آنے لگا۔ باہر اس کی شادی کے
لیے بس اتنا ہی سوچتے تھے کہ ان کی بیٹی کے لیے کوئی
شہزادہ آئے گا جو اسے رانی بنا کر رکھے گا۔ اور شہزادے
کی اس ڈلفی نیش پہ کوئی پورا تب اترتا جب وہ کسی کو
سنجیدگی سے اس نظر سے دیکھتے۔

انہیں ہلڑ کا لالہ ابالی، گلنڈر اور بے فکر لگتا۔ اور وہ بنا
کوئی بات کیے شخص سوچ کے ہی اپنے تئیں اسے مسترد کر
دیتے۔ انہیں تو اپنی بیٹی ابھی شادی کے قابل ہی نہیں لگتی تھی۔
اس ضمن میں بھی سارہ کی اس بات کو ہواؤں میں
اڑایا گیا کہ نور کی شادی کی یہی عمر ہے۔

”خاندان والے ویسے ہی اس کی شادی کے نام پہ
کانوں کو ہاتھ لگاتے ہیں۔ ظاہر ہے گھر سانا ہے کوئی منہ
زور تیل تھوڑا ہی قابو کرنے کے شوق میں اپنی ہڈی پھلی
ایک کروانی ہے کسی نے۔“

یہ نایاب خیالات وہ صرف سوچ ہی سکتی تھیں۔
اتہار کر کے اپنی شامت انہوں نے بھی نہیں بلوائی تھی۔
نور نے دو بار ماسٹر میں ایڈمشن لے کے دونوں
بار ادھورا چھوڑ دیا۔ اب وہ فلم میکنگ کا کورس کرنے
امریکا جانے کی ضد لگائے بیٹھی تھی۔

یہ وہ وقت تھا جب اجالا کا ایڈمشن جانا تھا۔ نور نے



ایڈووکیٹ سعدیہ ہاشمی، سرگودھا

”میں کیا کروں؟“ ان کے عمر رسیدہ مٹھو ٹھوٹے بھائی نے تو ان کو جلا کے بھسم کر دیئے کا ارادہ کر لیا تھا۔
 ”ایک باپ اپنی اولاد کی مندروری پہ پوچھتا ہے میں کیا کروں..... ارے معافی منگواؤ اس سے اور کیا.....“
 باہر سوچ میں پڑ گئے۔ نور کی وجہ سے نہیں اپنی آپا کی وجہ سے..... انہیں آپا سے اس بچکانہ ضد کی امید نہیں تھی۔ یعنی نور سے اس منہ زوری کی پوری امید تھی اور الحمد للہ وہ ان کی امیدوں پہ پوری اتر بھی رہی تھی۔
 ”ایسا نہیں ہو سکتا آپا۔“
 بالآخر فیصلہ ہو گیا۔

”کیوں..... بچے اپنی غلطیوں پہ بڑوں سے معافی مانگتے ہی ہیں۔“

”وہ میری بیٹی ہے آپا..... اور میں آپ کو یوں اس کی ego برٹ کرنے کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتا۔ جیسا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کو اپنی عزت سے زیادہ

ماہنامہ پاکیزہ — دسمبر 2018ء — 147

نصیحت کر رہی دیتی تھیں۔ یہی نصیحت جب تلخ لہجے میں ڈھلی تو نور نے ان سے بدتمیزی کی۔
 ”یہ میری زندگی ہے بھپو... اور اسے میں اپنی مرضی سے گزارنے کی عادی ہوں۔ آپ امی سے ملنے آتی ہیں یا اجالا کو پیار کرنے۔ بہتر ہوگا یہی کام کریں۔ میرے معاملے میں مت بولا کریں۔“
 گھر والے تو عادی تھے مگر جب باہر ہی اس کی ایسی بات یہ منہ کھول کر رہ گئے تو بھپو کیا چیز تھیں۔ ان کی تو شکل دیکھنے والی ہو گئی۔ سارہ نے نور کو جھڑکنا چاہا۔ وہ بھڑک اٹھی۔
 ”ٹھیک ہی تو کہا ہے میں نے..... مہمان ہیں، مہمان بن کے آئیں۔ بیٹھیں، بنے بولیں، باتیں کریں لیکن نہیں۔ ان کو اپنی تصویر پر مجھ پہ اپلائی کرنے کا شوق ہے اور میں اس شوق کی نذر نہیں ہو سکتی۔“
 نور کی عرتب بہت کم تھی۔ اس کے منہ سے اتنی بڑی، بڑی باتیں سن کر بھپو کا تو فیوز ہی اڑ گیا۔ اوپر سے بھائی سے شکایت کرنے پہ جو ان کو جواب سننے کو ملا وہ اور بھی آگ لگا گیا۔
 ”آج کل کے بچے روک ٹوک پر بند نہیں کرتے آپا!“
 ”آج کل کے بچے نہیں صرف تمہاری بیٹی باہر..... ورنہ بچے تو پورے خاندان میں ہیں۔ میرے لیے سب برابر ہیں۔ اب کیا میں کسی کی بھلائی کی خاطر اسے کچھ کہہ بھی نہیں سکتی۔“
 وہ تو جلتے توے پہ بیٹھی تھیں، دل کرتا دو ہاتھ لگائیں ان باپ بیٹی کو اور اپنا بدلہ تو لے ہی لیں ساتھ میں مزہ بھی چکھا دیں۔ خاندان کی بزرگ تھیں کوئی مذاق تھا۔ لیکن ان کا مذاق ہی بن گیا تھا۔
 ”ارے آپا..... چھوڑیں بھی بچی ہے۔“
 ”ہاں، ہاں بچی ہے بھی اس کے منہ سے ایسی... بھابھا کٹنیوں والی باتیں سن کر خاموشی سے نکل آئی میں۔ ہوتی ناں کوئی عورت، تو اوقات یاد دلاد دیتی۔“
 باہر کو ان کی اوقات والی بات اچھی نہیں لگتی تھی۔
 ”تو اب آپ کیا چاہتی ہیں، میں کیا کروں؟“

اسے جھکانے کا شوق ہو رہا ہے.....“

”بابر.....“

انہیں بروقت جواب سوچ ہی گیا اور یہ کچھ ایسا غلط بھی نہیں تھا۔ اجالا کو کوئی بھی اس کے ٹیک اطوار اور قابلیت کی وجہ سے پسند کر سکتا تھا۔

”نام لینے سے کیا ہوتا ہے آپ..... دونوں کی عمروں میں بہت فرق ہے۔ اس کے ساتھ تو نور کا ہی جوڑ ہے آپ بات کریں اس سے۔ نور اور اجالا دونوں ہی میری بیٹیاں ہیں۔ کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ مان جائے گا آخر..... بہت فرمانبردار بچہ ہے۔“ نہ چاہتے ہوئے بھی ان کا لہجہ معمولی سا طنز کا خم کھا گیا۔ آپا کے تو تن بدن میں آگ لگ گئی۔

”برامت ماننا۔ میرا بیٹا واقعی بہت فرمانبردار ہے لیکن نور..... وہ جتنی اللہ میاں کی گائے ہے سب جانتے ہیں۔ تمہیں اجالا کی کرنی ہے تو بات کرو۔ ورنہ لڑکیاں بہت.....“ وہ کون سا ادھار رکھنے والی تھیں۔

خاموش تماشائی بنی سارہ کٹر کٹر بھی ایک کی صورت دیکھتیں تو کبھی دوسرے کی.....

بابر کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ انہوں نے کتنی مشکل سے برداشت کیا۔ ان کی شکل بتا رہی تھی۔ سارہ کی جان ٹپٹنے لگی۔ برسوں بعد خاندان کے جڑنے اور اجالا کو گھر ہی میں اتنا اچھا رشتہ ملنے جا رہا تھا۔

”مجھے بھی کون سا لڑکوں کی کمی ہے۔ میں تو بڑی بہن سمجھ کے آپ کی بات رکھ رہا تھا۔“

”اسے بات رکھنا کہتے ہیں.....؟ سچ ہی ہے بابر..... تم خود انا پرست، ضدی اور خود غرض ہو۔ چلو مرد ہوتے ہیں مگر بیٹی کی تربیت جیسا نازک معاملہ اپنے ہاتھ میں لے کر اس کو بھی اپنی طرح بنا دیا ہے۔ اور بیٹیاں ان خواص کے ساتھ کسی کو پسند نہیں آسکتیں..... سمجھے!“

ان کے لہجے میں تاسف تھا۔

”مجھے افسوس ہو رہا ہے آپا..... آپ کی سوچ..... برسوں پرانی بات کی کدورت ابھی تک آپ کے دل میں ہے۔“

”میرے دل میں صرف تم دونوں باپ بیٹی کے لیے ہدایت کی دعا ہے..... چلتی ہوں۔“ وہ بڑے وقار سے بات مکمل کر کے سارہ کی طرف مڑیں۔ سارہ جیسے

آواز سے ظاہر تھا کہ وہ رنج سے تقریباً ڈھسے گئی ہیں۔ لیکن بابر کو فخر تھا خود ہی اپنی تربیت پہ..... رات میں گھر جا کے انہوں نے نور کو بے حد معمولی سی سرزنش کی تھی۔ بالکل ایسی جیسی کوئی ماں اپنے بچے کو کھڑا دیکھ کر بیٹھ کے پانی پینے کو کہے۔

نور نے جواب میں پھپھو کی شکایتوں کا کھانا کھول دیا۔ اس کے دل میں کئی سالوں کا غبار جمع تھا۔ اور بابر یہ سوچ کر سنتے رہے کہ وہ اپنی بیٹی کو، کاؤنسلنگ کے ذریعے کسی بھی قسم کے نفسیاتی دباؤ سے بچا رہے ہیں۔ حالانکہ وہ قطعی انجمن تھے باہن گئے تھے، کہ اس طرح صرف اسی کی سن کر وہ خود اسے ایک نفسیاتی مریض بتا رہے ہیں۔

اس دن کے بعد آپا نے اب ان کے گھر قدم رکھا تھا اور وہ بھی دست سوال دراز کرنے کے لیے مگر کس بیٹی کے لیے.....!

”اور خوشی اس بات کی ہے کہ آپ نے بڑے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے میری بیٹی کے لیے سوال کیا۔“

بات بظاہر مکمل تھی لیکن ان کے سنجیدہ تاثرات بتا رہے تھے کہ بات ابھی ختم نہیں ہوئی۔

”لیکن آپا..... بات یہ ہے کہ اجالا ابھی بہت چھوٹی ہے۔ آپ نور کے لیے کیوں نہیں سوچتیں۔“

لٹے بھر میں انہوں نے ایسا بناخا چھوڑا کہ دونوں خواتین اپنی اپنی جگہ سے اچھل کے رہ گئیں۔

حیرت کے جھٹکے سے سنبھلیں تو آپا کو اپنے بی بھائی پر اتنا غصہ آیا کہ جی چا چا کی چبا جائیں۔ انہوں نے بغور بابر کے تاثرات جانچے گا کھنکھار۔ کچھ بھی ہو وہ یہ دونوں ہی کام نہیں کر سکتی تھیں۔ نہ بھائی سے تعلقات دوبارہ خراب اور نہ اپنے بیٹے کی نور سے شادی..... انہیں تو یہ سوچ کر ہی اپنے گھر کی دیواروں میں زلزلہ محسوس ہو رہا تھا۔

”نور..... نور کو میں اپنی بہن نہیں بنا سکتی..... کیونکہ..... علی نے خود اجالا کا نام لیا ہے۔“ انہوں نے بہت سنبھل کر کہا تھا۔

”سمجھا کر وتم..... نور راضی ہے۔ اب اگر اسے

رجحیکٹ کر کے کوئی اجالا کو اپنائے گا تو وہ کتنا ہرٹ ہوگی۔“

”اور اجالا کا کیا..... وہ ہرٹ نہیں ہوگی۔“

سارہ کو آج سے پہلے بھی نور پر شاید اتنا غصہ نہ آیا ہو.....

”اس رشتے میں اجالا کی پسند بھی شامل ہے۔ اس

کا دل ٹوٹے گا بلکہ وہ خود بھی ٹوٹ جائے گی۔“

سارہ کا بس نہیں چلتا تھا کہ نور کی بھی مروڑیں یا

اجالا کو آج ابھی رخصت کرویں۔

”ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ اجالا ایک اسٹراٹجک لڑکی ہے۔

وہ ایک پروپوزل کے رجحیکٹ ہونے سے ٹوٹنے والی نہیں۔

یہ پسند و سنا کا خیال بھی آپا کا اپنا ہے۔ اس عمر میں ایسے لگاؤ

ہو جاتے ہیں مگر میں اجالا کو اچھی طرح جانتا ہوں۔“

ان کے دعوے پر سارہ کا جی چاہا کہ زور زور سے

تہقہم لگائیں.....

”آپ کچھ نہیں جانتے۔ کسی کو نہیں جانتے۔ اپنے

آپ کو بھی نہیں۔ نہ اپنی اس بیٹی کو جس پر بھروسہ کر کے اپنی

دور سات سمندر پار بھیجا ہے۔ جسے زندگی بھر اپنے وجود کا

حصہ بنا کے بالا۔ اسے رتی برا نہیں جانتے آپ.....“

”کیا کہتا جا رہی ہو؟“ وہ بھڑک اٹھے۔ باہر کھڑی

اجالا کے ہاتھ کاٹنے لگے۔

”میں عقل و شعور سے عاری اپنی اولاد میں فرق

کرنے والا باپ ہوں؟ جسے یہ نہیں پتا کہ اس کے بچے کیا

چاہتے ہیں اور میرے بھروسے کی کیا بات کہی تے۔

ہاں میں بھروسہ کرتا ہوں نور پر..... سبھی اس نے میری

بات مانی مجھے مایوس نہیں کیا لیکن تم لوگ کیا کر رہے ہو

اس کے ساتھ..... جتنی آسانی سے وہ میری بات مان گئی

کہنے سننے کو رہ گیا گیا ہے تمہارے پاس۔“

”کہنے کے لیے میرے پاس بہت کچھ ہے، بہت

کچھ..... مگر اسے سننے کے لیے حوصلہ چاہیے۔ ظرف

چاہیے باہر صاحب۔“

سارہ اس وقت ضبط کی انتہا پہ کھڑی تھیں..... اور

باہر اجالا خوف کی۔

”سچ تو یہ ہے کہ نور نے آپ کی بات صرف اجالا کو نیچا

کر سکتا ہوں۔“

ہڑبڑا کر جا گئیں۔

”آپا..... خدا رانا راض ہو کے مت جائیں۔“

وہ سبک انھیں۔ باہر اٹھ کر باہر نکل گئے۔ آپا نے

سارہ کو گلے لگا لیا۔

”میں کون سا ناراض ہونے آئی تھی۔ تم سے کیا بگھ

کروں۔ مسئلہ تو میرا اپنا بھائی..... میرا خون ہے.....

خیر..... تم تیاری کرو..... شادی تو یہ ہو کے رہے گی.....

اگر علی نے اصرار کر کے بھیجا ہے تو یقیناً اجالا کے دل کی

خوشی کا یقین کر کے ہی کیا ہو گا ناں۔“

وہ مکرادیں۔ سارہ کے آنسو ایک بار پھر پھٹک پڑے۔

☆☆☆

ڈانٹنگ ٹیمبل پر روز والی خاموشی تھی۔ نور کے

جانے کے بعد باہر کے لیے اس وقت کوئی بات کرنے کو

بچتی ہی نہیں تھی۔

”آپا کو فون آیا تھا۔ وہ علی کے رشتے کے لیے

ایک بار پھر زور دے رہی تھیں۔“

باہر چونکے اور اجالا بھی چونکی۔

”اچھی بات ہے۔ میں نے بھی نور سے بات کر لی

ہے۔ اسے پوری بات بتا دی ہے..... اسے علی کے ساتھ

پہ کوئی اعتراض نہیں۔“

اجالا کے حلق میں نوالہ انک گیا۔ وہ کھانستی ہوئی

اٹھ کر ڈانٹنگ روم سے باہر نکل گئی جبکہ ٹیمبل پر پانی

موجود تھا۔ رہیں سارہ..... تو وہ حیرت کے مارے اٹھی

بات ہی بھول گئیں۔

”آپ کیسی عجیب بات کر رہے ہیں۔ جب علی کو

کرتی ہی نہیں نور سے شادی تو آپ کیسے اس پر زور دے

سکتے ہیں۔“

وہ دودھ کا گلاس لے کے کمرے کے دروازے

تک آئی تو سارہ کی آواز سن کر غیر ارادی طور پر رک گئی۔

”نور کے لیے منوا نہیں سکتا۔ اجالا کے لیے منع تو

کر سکتا ہوں۔“

”لیکن کیوں؟“

سارہ بے طرح جھٹلائیں۔

نہیں بنا سکتیں۔ نور کے ساتھ بھی آپ نے ایسا ہی کیا۔“
وہ خود بھی متضاد کیفیت سے دو جا رہیں۔ اس لیے
باہر صاحب کے ہارے ہوئے وجود کو مکمل نظر انداز کر کے
بولتی گئیں۔

”اس کی شخصیت میں صرف من بانی کا رنگ بھر
دیا۔ اس میں تربیت کی تو س قزح نہیں تھی۔ اس میں
برداشت کی تاریخی حدت نہیں تھی۔ اس میں دوسروں کے
جذبات کو سمجھنے کا سبز رنگ نہیں تھا۔ اس میں قربانی کی
سرخی نہیں تھی۔ اس میں صرف اور صرف ایک رنگ ہے
صرف ایک..... اور وہ ہے سیاہ.....“

باہر صاحب کے چہرے پہ کرب جھلکنے لگا۔
ان کو اپنی جس بیٹی پہ فخر تھا۔ جس کی ہر جائز ناجائز
مان کر انہوں نے اسے خود سری کے سب سے اونچے
مالے تک پہنچایا تھا۔ وہ ان کو اسی بلند وبالا منزل سے دھکا
دے کے اب خود اکیلی وہاں کھڑی تھی۔

اجالا کے بے تحاشا ذہنی دباؤ اور خوف کے نتیجے
میں جب وہ اسپتال کے بند پرے جان پڑی تھی۔ تو تب
بھی سارہ نے انگارے لہجے میں انہیں یاد دلایا تھا۔

”نور یہ سب صرف اجالا کی ضد میں کر رہی ہے۔
وہ بچپن ہی سے اجالا سے چڑنی ہے کیونکہ اسے بہن نہیں
بھائی چاہیے تھا۔ وہ نا سمجھ تھی مگر آپ تو سمجھدار تھے۔ یہ
عجیب بلکہ بیہودہ خیال آپ نے ہی اس کے ذہن میں
راخ کیا کہ بہن نے دنیا میں آکر غلطی کی۔ آپ کو یاد
نہیں وہ اجالا سے ہمیشہ اس کا پسندیدہ کھلونا، آپ سے
ضد کر کے چھین لیا کرتی تھی۔ لیکن علی کوئی کھلونا نہیں ہے
باہر صاحب..... اگر اجالا نہ لی تو وہ کسی بھی اور لڑکی سے
شادی کر لے گا لیکن نور سے کبھی نہیں۔“ جج، جج کر
جب ان کا گلا بیٹھ گیا تھا۔ تب زندگی میں پہلی بار انہوں
نے نور کے بجائے اجالا کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ لیکن
انہیں اندازہ نہیں تھا ان کا یہ اقدام انہیں کتنا بھاری پڑ
سکتا ہے۔

”آپ..... ڈیڈ..... آپ مجھ سے یہ بات کہہ
رہے ہیں آپ..... آپ نے تو زندگی میں کبھی مجھے کسی

دکھانے کے لیے مانی ہے۔ اسے آپ سے دلچسپی ہے نہ اس
گھر اور گھر کے کسی فیصلے سے لیکن..... علی کی اجالا میں دلچسپی
اس سے ہمیشہ نہیں ہوتی۔ آپ نے ٹھیک کہا تھا کہ آپ خود غرض،
ضدی اور اکھڑیں لیکن وہ ایک بات کہنا بھول گئیں۔ آپ کی
بیٹی نور..... جی ہاں وہ صرف آپ کی بیٹی ہے.....“ سارہ نے
بھی سارا حساب بے باق کرنے کی ٹھان لی تھی۔

”اور وہ آپ ہی کی طرح نہ صرف خود غرض اور
ضدی بھی ہے بلکہ بے حس اور حامد بھی.....“
”سارہ.....“ باہر بلبلانے لگے۔ ان کی آواز کسی دھاڑ
سے مشابہ تھی۔

اسی وقت باہر سے چھناکے کی آواز آئی۔
سارہ بات ادھوری چھوڑ کے باہر نکلیں اور دل
پکڑ لیا۔ مٹی ملے دودھ اور ٹوٹے کاغذ کی کڑیوں پہ
اجالا بے ہوش پڑی تھی۔
”اجالا!..... میری بیٹی.....“

ان کے پیچھے ہی باہر نکلتے باہر نے ان کے الفاظ سنے.....

☆☆☆

رات آدمی سے زیادہ بیت چکی تھی۔
سارہ کسی تھکے ماندے لیکن منزل پہ پہنچ کے سکون
لینے والے مسافر کی طرح نیم دراز تھیں۔ ان کو اس حالت
میں آرام نہیں مل رہا تھا مگر فی الحال یہ بھی غنیمت تھا۔ جیسے
ذرا دیر کو دم لے کے فرصت سے لمبی تان کے سونے کا
ارادہ ہو۔ انداز باہر صاحب کا بھی ایسا ہی تھا مگر وہ گہری
سوچ میں گم تھے۔

”آپ کا رویہ ایک ہی وقت میں اپنی دونوں بیٹیوں
کے ساتھ بالکل متضاد رہا۔“ وہ گہری سانس بھر کے بولیں تو
اندہر باہر کی ساری تھکاوٹ ان کے لہجے میں اتر آئی۔

”آپ نے ہمیشہ اپنے معاملے میں، اپنی پہلی بیٹی کو
آگے رکھا۔ اسے ہر آسائش دی۔ اپنا کچھ چین، آرام یہاں
تک کہ دوست، احباب، رشتے دار یاں سب کو پیچھے چھوڑا،
اور اس کی خواہشات کو مقدم رکھتے گئے۔ ایک خوش رنگ
تصویر، بنانے کے لیے بہت سارے رنگ استعمال کرنے

پڑتے ہیں۔ ایک ہی رنگ کی آڑی ترجمی لکیریں کوئی تصویر

ماہنامہ سہ ماہی 8195 دسمبر 2018ء

پہلو افشا ہو رہا تھا۔ انتقام..... جس کا آغاز اس نے اپنے آپ سے کیا تھا۔

انہوں نے اجالا کی رخصتی کا فریضہ کس طرح ادا کیا تھا یہ وہ خود ہی جانتے تھے۔

ان کی آنکھوں سے بے آواز نمکین لکیریں بہہ نکلیں۔ سارہ نے چہرہ موڑ کے انہیں دیکھا۔

”ارے آپ رورہے ہیں..... آپ کو تو خوش ہونا چاہیے۔ آپ کی بیٹی نے اپنی زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ خود سے کر لیا..... یہی چاہتے تھے ناں آپ..... بولڈ،

کانفیڈنٹ بنانا چاہتے تھے ناں آپ اسے.....“ وہ اس حالت میں بھی طنز سے باز نہ رہیں۔

”نہیں..... یہ نہیں جانتا تھا میں..... کہ وہ خود کو اپنے ہاتھوں سے تباہ کر لے۔“

”اس نے نہیں، آپ نے کیا یہ..... اسے تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔“

”مت کہو ایسا..... میں..... منالوں گا اسے، وہ میری بیٹی ہے..... میں لے آؤں گا واپس اسے۔“ گھٹے گھٹے لہجے میں ان کی آواز ان کے ارادے کی کمزوری کی چٹکی کھا رہی تھی۔

”ہونہہ..... آپ بھول رہے ہیں باہر صاحب..... آپ کی بیٹی جوان اور بالغ ہو چکی ہے..... آپ اپنے ہتھیار ایک کنارے رکھ کر جنگل کے دوسرے کنارے تک آن پہنچے ہیں۔ اب باقی کا سفر آپ کو اسی طرح طے کرنا ہے۔ آپ واپس پلٹ کر اس کنارے تک نہیں جاسکتے آپ کے پاس اتنا وقت نہیں بچا..... آپ اس کا بچپن واپس نہیں لاسکتے کہ دوبارہ سے مٹی کووندہ کر نیا سانچا بناسکیں..... آپ نے دیر کر دی ہے..... بہت دیر۔“

ان کا کہنا ایک، ایک لفظ باہر کے سینے میں تیر کی طرح چبوست ہو رہا تھا۔ انہوں نے اپنی شہزادی کو خود ہی پھپھولا بنا لیا تھا۔ اب جب وہ تکلیف دے رہا تھا تو وہ کر ہی کیا سکتے تھے۔ اب تو وہ کھال لے کے ہی اترنے والا تھا کیونکہ بہت دیر ہو چکی تھی۔

بات سے انکار نہیں کیا۔ پھر میری چوٹس آپ کی اور کو کیسے دے سکتے ہیں۔“ اس کی آواز میں حیرت تھی، نہ دکھ..... صرف غصہ..... صرف اور صرف غصہ.....

”مجھے کی کوشش کرو نور، میرے بیٹے..... بات صرف تمہاری چوٹس کی نہیں ہے۔ یہاں کسی اور کی چوٹس کا بھی مسئلہ ہے۔“

”یعنی علی.....“ بہت دیر بعد اس نے پھر نکارتے ہوئے دو لفظی سوال کیا۔

”جی..... بیٹا.....“ انہوں نے گہری سانس بھری۔

”آپ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ میں علی کی چوٹس نہیں ہوں۔“ اس کا انداز بڑا فیصلہ کن تھا۔

”آئی ڈونٹ بلیو دس ڈیڈ..... کوئی مجھے چھوڑ کے اجالا کو کیسے پسند کر سکتا ہے۔“

باہر جیسے، جیسے اس سے بات کرتے مجھے حقیقت کسی پردے کی طرح تیر دیر ان کی آنکھوں سے چٹی چلی گئی۔

نور کے نزدیک زندگی کے معنی کتنے سچی تھے۔ وہ بظاہر بھرپور ہونے کے باوجود کتنی کھوکھی تھی۔

سارہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھیں اس کی شخصیت تو صرف اپنی میں سے شروع ہو کر میں کے اختتام پر ایک ہی رنگ سے اٹ گئی تھی۔ اور باہر کے بڑھادے کی آنچ

نے اس رنگ کو پکا کر دیا تھا۔ انٹ.....

جس روز اجالا کی رخصتی تھی اسی روز اس نے فون پر بیچانوں کی طرح اطلاع دی تھی کہ اس نے اپنے ایک یونی فلیو کو شریک حیات کے طور پر پسند کر لیا ہے۔ اور وہ بھی نہایت جلد رشتہ ازدواج میں بندھنے والے ہیں۔

اس کے فیصلے کی خبر باہر کے لیے اتنی شاکنگ نہیں ہوئی اگر وہ اتنی ہی بے نیازی سے انہیں یہ نہ بتاتی کہ ان کا ہونے والا داماد ایک غیر مسلم ہے۔

”وہ ریسرچ اسکالر ہے۔ اسلام پہ بھی ریسرچ کر رہا ہے۔ اگر دل مائل ہو گیا تو مسلم ہو جائے گا..... ڈونٹ وری ڈیڈ.....“ ان کے سر پہ ہم گرا کے اس نے کس کمال کی تشفی کرائی تھی ان کی۔

ابھی یہ بھی دیکھنا باقی تھا۔ اپنی تربیت کا ایک اور

امرت شیریں حیدر

آخری قسط

تخلیق کائنات سے لے کر اب تک... کئی ادوار بدلے مگر عورت کی کہانی ہر دور میں لگ بھگ وہی رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں رشتوں کی ڈور میں باندھا تو اس کا مقصد یہ تھا کہ ہم اپنی تخلیق کے مقصد کو اور بھی خوب صورت بنائیں مگر اس کے پیدا کردہ دل میں جذبے بھی اسی کے پیدا کردہ تھے۔ محبت، نفرت، رشک، حسد، رنج، غصہ اور خوشی... اب ہم پر منحصر ہوتا ہے کہ ہم کس جذبے کو خود پر حاوی کر لیتے ہیں، یہ ہماری خصلت بن جاتا ہے اور ہماری کل شخصیت کا خلاصہ... یہی ہمارے کردار کی تعمیر کرتا ہے اور ہم اسی کا تاثر دوسروں پر عمر بھر کے لیے چھوڑتے ہیں۔ ہماری عادات صرف ہم پر ہی نہیں بلکہ دوسروں کی زندگیوں پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں۔ کسی کی زندگی کا سفر کس طرح سہل یا کٹھن ہوتا ہے اس کا انحصار ان لوگوں پر ہوتا ہے جو ان کی زندگی کے اہم کردار ہوتے ہیں اور جن کا ہونا یا نہ ہونا اہمیت رکھتا ہے۔ پیدائش سے لے کر اپنی موت تک رشتوں کی ڈور سے بندھے ہوئے کردار زندگی کو پنس کر گزارتے ہیں یا روکر، مشقت سے سانس لیتے ہیں یا خوشیوں کے پنڈولوں میں جھولتے ہوئے اس کا سارا دار و مدار ان سے وابستہ رشتوں پر ہوتا ہے۔ وقت بدل جاتا ہے مگر کہانی وہی رہتی ہے اور اپنی باری سے اس میں مختلف کردار شامل ہوتے رہتے ہیں۔

زندگی کے انہی تچ و تم اور شب و فراز سے نبرد آزما ہوتی ایک چشم کشا تحریر.....





دھل گیا بھر کا دن.....

”امو جان آپ ارسل کو ثبت جواب دے دیں۔“ میں نے اُن کی گود میں سر رکھ کر کہا۔
”کس بات کا؟“ ان کے منہ سے فوراً پھسلا لیکن اگلے ہی لمحے سمجھ میں آیا تو حیرت سوا ہو گئی۔ ”تم نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے ناں؟“ انہوں نے سوال کیا۔

”بسا اوقات حالات ایسے ہو جاتے ہیں امو جان کہ ہمارے پاس مختلف فیصلوں کا آپشن نہیں رہتا۔ قدرت ہمارے سامنے ایک ہی آپشن چھوڑ دیتی ہے کہ اسے ہم کسی خوشی اختیار کریں یا.....“
”تم پر کسی کی طرف سے کوئی جبر نہیں ہے امرت..... کیوں تم ایسا سمجھ رہی ہو کہ تمہارے پاس کوئی اور آپشن نہیں بچا ہے؟“

”میں نے کب کہا کہ میں یہ فیصلہ کسی جبر کے تحت کر رہی ہوں، کھد رہی ہوں کہ صرف ایک یہی صورت بچی ہے۔“
”کیا تم سمجھتی ہو کہ سب کچھ کھو کر اس فیصلے سے تم کم از کم بچنے کے حصے کو حاصل کر لو گی؟“ ان کے لہجے میں...
جلے بیٹنی تھی۔

”مجھے جائداد سے کچھ غرض نہیں ہے امو جان، نہ ہی میں ایسا چاہتی ہوں کہ چاچو کی جائداد میں سے مجھے کچھ بھی ایسا ملے جس پر میرا کوئی حق بھی نہیں ہے..... جو کچھ بچنے کا ہے وہ ہمیشہ بچنے کا ہی رہے گا، مجھے اس پر بھی کوئی اختیار نہیں چاہیے۔“

”پہلے تو تم نے ارسل کو صاف انکار کھلادیا تھا، اب ایسا کیا تبدیل ہو گیا ہے؟“ انہوں نے ابرو اچکائے۔
”اس نے تو پلٹ کر دو بارہ بات بھی نہیں کی مجھ سے؟“ انہوں نے سوال کیا۔

”مجھے انہوں نے اشارتاً کئی بار بات کی ہے امو جان اور پھر چاچو نے ان کے نام اپنی جو وصیت لکھی ہے اس میں بھی چاچو نے اسی خواہش کا اظہار کیا ہے.....“

”چاچو، چاچو..... چاچو۔“ انہوں نے میری بات کاٹی۔ ”جلا گیا چاچو اور چلی گئی اس کی ساری جائداد بھی اس کے بچوں کے پاس جنہیں اس سے زیادہ اس کے مال منال کی فکر تھی۔ سب کچھ تھمھ لیا انہوں نے تم سے، وہ بھی سب دھوکے سے..... ارے انہی کی اولاد ہے ناں حبیب، جو کچھ جمال اپنے پوتے کی خاطر کر کے گیا تھا وہ سب غصب کرتے ہوئے ان کا دل بھی نہ کانپا؟“

”امو جان؟“ میں نے جھٹکے سے اپنا سر ان کی گود سے اٹھایا۔ ”آپ ٹھیک تو ہیں، کیا ہوا ہے؟“

”میں ٹھیک ہوں.....“ انہوں نے ضبط سے کہا مگر ان کی آنکھیں چمک پڑیں۔

”آپ کو اچھی طرح علم ہے کہ زمین کو چاچو کی جائداد کا لالچ کس قدر تھا اور اب اس کی نئی بیوی، اس نے تو اس آسامی کو تازہ اور پھنسیا ہی اسی لیے تھا امو جان۔ ان سب سے کچھ بھی تو بچ نہ گئی۔“ میں ان کے ساتھ لپٹ گئی۔ ”کسی نے کچھ کہا ہے آپ سے؟ کچھ تو ہے امو جان؟“ جانتی تھی کہ کسی نے کچھ کہا ہو گا جس سے وہ اتنی ملول ہو رہی تھیں۔

”کوئی کیا کہے گا امرت جب انسان کے نصیب میں ہی تکلیف اور دکھ لکھا ہو۔“

”جو دکھ اور تکلیف انسان کے نصیب میں ہوتا ہے، سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے، آپ کس سے دکھی

ہیں امو جان؟“

”میرے لیے سب سے بڑا دکھ تو تمہارا ہی ہے امرت..... اتنا بڑا کہ دنیا کی ہر خوشی بچھ لگتی ہے۔“ وہ رونے لگیں۔

”پلیز امو جان..... یوں نہ روئیں۔“ میں نے انہیں تسلی دی۔ ”یہ تمہی جو دیکھیں کہ اللہ نے آپ کو کتنی نعمتوں

محکم دہائی کلیاتی نامہ ستمبر 2018ء

سے نواز ہے، کتنا کچھ دیا ہے، میرے حوالے سے جو دکھ ہے وہ تو بہت چھوٹا ہے اموجان۔“ میں نے ان کے آنسو اپنے دوپٹے کے پلو میں جذب کیے۔ ”میری آزمائش اتنی ہی بڑی ہے جتنی میری برداشت کرنے کی صلاحیت۔۔۔۔۔ میری طرف سے آپ قطعی پریشان نہ ہوا کریں۔“

”ماں ہوں، کیسے نہ پریشان ہوں۔۔۔۔۔ تم نے کہہ دیا اور میرے دکھ تمہارے حوالے سے ختم ہو گئے کیا سارے؟“

”چلیں اب کہہ دیا ہے ناں کہ ارسل بھائی۔۔۔۔۔ میرا مطلب ہے کہ ارسل کو ہاں میں جواب دے دیں، اللہ نے چاہا تو آپ کی یہ پریشانی بھی رفع ہو جائے گی۔“

”میری پریشانی تو یہیں کر ہی سوا ہوئی ہے کہ تم نے اپنا ذہن اس شادی کے لیے کسی طرح تیار کیا ہے۔“

”یہ بھی خوب کبھی اموجان۔“ میں نے ہنسنے کی کوشش کی۔ ”جب آپ خود مصر تھیں اور میں نے انکار کیا تو آپ پریشان تھیں اور اب میں پر رضا اور رغبت اس کے لیے ماں رہی ہوں تو آپ کو مسئلہ ہو رہا ہے۔“

”امرت۔۔۔۔۔ میں ماں ہوں تمہاری، تم میری ماں نہیں ہو۔ میں جانتی ہوں کہ تم جو کچھ سوچتی اور کرتی ہو اس کے پیچھے کیا محرکات ہوتے ہیں۔“

”آپ تو بڑے مشکل، مشکل الفاظ بولتی ہیں اموجان۔“

”میں تو صرف بولتی مشکل ہوں۔۔۔۔۔ تم سر سے پیر تک پوری مشکل ہو۔“ انہوں نے پیار سے میرے سر پر چپٹ لگائی تو میں ہنس دی۔ ”میں کبیر سے مشورہ کر کے ارسل کو جواب کہلا دوں گی۔“

☆☆☆

چاچو کا یوں چلے جانا میرے لیے ایک ایسا صدمہ تھا کہ اس کے بعد آنے والا ہر صدمہ اس کے مقابلے میں کچھ اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ میرے دامن میں ندائیں، بچھتاوے اور سوال ہی سوال تھے۔ چاچو کا اس رات مجھے کہتا کہ لوٹ آؤ۔۔۔۔۔ میں نے اسے اتنا ہلکا لیا کیونکہ مجھے اندازہ ہی نہ تھا کہ اس آواز کو مجھے دوبارہ سننا تھا نہ اس مہربان چہرے کو دوبارہ دیکھنا تھا۔ کاش، اے کاش۔۔۔۔۔ مجھے چاچو کا سامنی بتاتے کہ وہ کس کیفیت سے گزر رہے تھے، انہیں کیا اندیشے تھے۔ یہ تک علم نہیں کہ انہیں یوسف کے بارے میں علم ہو گیا تھا یا وہ بے خبری میں ہی چلے گئے۔ میرا دل کہتا تھا کہ وہ اسی کے بارے میں جان کر اتنا بوجھل پر ڈال کر دل کے دورے کا شکار ہوئے اور دماغ کہتا تھا کہ اگر انہیں یوسف کے بارے میں خبر مل جاتی تو وہ مجھ سے نہ کبھی، کبیر بھائی یا کامل سے تو صبر کرتے۔ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا کہ انہیں کیا ہوا تھا۔

ان کی وفات نے ایک میری ہی نہیں بلکہ ہمارے سارے خاندان کی زندگیوں کا رنگ بدل دیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہر شخص کی موت، مرنے والے کے لواحقین کی زندگیوں کو مکمل بدل دیتی ہے، ان کی سوچ اور ان کے حالات۔۔۔۔۔ سب کچھ ہمیشہ ویسا ہی نہیں رہتا۔ میں نے اس کا ہر بار تجربہ کیا تھا اور تو اگر کبھی دیکھیں نہیں رہتے، گھر والوں کی دیواروں پر بھی اداسی میرے ڈال لیتی ہے۔ اگر یہ اداسی کسی خوشی کے باعث دھلتی بھی ہے تو اس کے پختہ رنگ وہیں چھٹ جاتے ہیں۔

لاہور سے اسلام آباد تک کا سفر کچھ عجیب سی پریشانی میں گزرا۔۔۔۔۔ موٹر وے کے بجائے ہم سب لاہور سے جی ٹی روڈ سے روانہ ہوئے تھے کیونکہ کبیر بھائی اور زمین کا خیال تھا کہ چاچو کی میت کو اگر گاؤں ہی لانا تھا تو تمام عورتوں کو پہلے گاؤں چھوڑ کر صرف مرد حضرات جائیں اور چاچو کے گھر والوں کی معیت میں ان کا جبہ خاکی لے کر گاؤں پہنچ جائیں، جہاں کبیر بھائی اور سردار انتظامات مکمل کروائیں گے۔ دو دن سے بھی کم مدت میں یوسف کے بعد چاچو کی وفات نے اس خاندان میں غم کی لہر دوڑا دی تھی۔ گاؤں میں بھی غم کا سماں تھا۔ گاؤں کے لوگوں کو اس خاندان

ماں بھائی کی وفات پر غم کا سماں تھا۔ گاؤں کے لوگوں کو اس خاندان

کے بزرگوں کی طرف سے مادرانہ اور پدرانہ شفقت ملتی تھی تو وہ بھی ہمارے گھروں اور ان کے باسیوں کی نگریم کرتے تھے۔

زیبا چچی کی حالت اب بہتر تھی، اسی لیے تو تمام بحث اور جھگڑے کے بعد وہ جیت گئی تھیں کہ انہیں ہارنا آتا ہی نہیں تھا۔ کبیر بھائی نے تو اس بحث میں کم حصہ لیا تھا مگر ہاشم پھوپھا اور کامل نے ان سے جتنی بحث کی تھی اس کے نتیجے میں انہوں نے آخر یہ کہہ دیا تھا کہ وہ ہر صورت چاچو کی تدفین اسلام آباد میں کریں گی چاہے ان کے خاندان سے کوئی بھی شریک نہ ہو۔

”جس گاؤں میں نہ مجھے اس کے بعد جانا ہے، نہ میرے بچوں کو کہ جس کا گاؤں تھا، وہی چلا گیا تو ہمارا اس گاؤں میں کیا رکھا ہے۔“ انہوں نے ہاشم پھوپھا کو صاف الفاظ میں کہا تھا۔ ان سے اسی بات کی توقع کی جاسکتی تھی۔ ایک چھوٹے سے ہوٹل کے باہر ساری گاڑیاں روک کر ہاشم پھوپھا نے اموجان اور دیگر قافلے کو بتایا کہ زیبا چچی نے ان سے کیا کہا تھا۔ اس پر دو ایک لوگوں نے کہا کہ انہیں اپنی من مانی کرنے دیں، ہم اس طرح کا رد عمل نہیں ظاہر کر سکتے کہ چاچو کی آخری رسومات میں ہی شرکت نہ کرتے۔ وہ کم عمل لوگ ہیں تو ہمیں مصلحت کا تقاضا نبھانا ہوگا۔ سو اسی راستے سے اس قافلے کو اسلام آباد پہنچنے میں ذرا زیادہ وقت لگ گیا، چھوٹے بچوں کا ساتھ تھا تو راستے میں کئی بار رکنا پڑا تھا۔

چاچو کے گھر پہنچے تو قدم من، من بھر کے ہو گئے تھے۔ اسی گھر میں، میں چند برس پہلے دلہن بن کر اتری تھی، یہیں رہ کر میں ماں بٹی تھی اور اسی گھر سے طلاق لے کر میں اپنے بچے کے ساتھ دلہن پار کر کے نکلی تھی۔ ایک بار جو دلہن پار کی تھی اسے واپس یوسف کی موت کے باعث عبور کیا تھا اور پھر اس روز اپنے پیارے چاچو کو رخصت کرنے آئی تھی، اس کے بعد شاید بھی اس گھر میں آنا نہیں ہوگا۔ زیبا چچی کے رویتے اور الفاظ نے ہم سب پر اس خاندان سے تعلق کا مستقبل واضح کر دیا تھا۔

”اگر میں ہوش میں ہوتی تو میں کبھی آپ لوگوں کو اپنے یوسف کو گاؤں نہ لے جانے دیتی۔“ انہوں نے سسک، سسک کر کہا تھا۔ ”اس کی قبر پر یہاں سے ہاتھ تک اٹھانے کوئی نہیں جانے والا۔“ وہ بد آواز رو رہی تھیں۔ ہاشم پھوپھا نے ایک بار وہاں پہنچ کر بھی ان سے بات کرنے کی کوشش کی تھی کہ شاید وہ گاؤں جانے پر مان جائیں۔ ”جمال کو تو میں کبھی خود سے اتنا دور نہیں لے جانے دوں گی۔“ میں نے حیرت سے ان کا چہرہ دیکھا۔ بخدا یہ الفاظ کبھی انہوں نے چاچو کی زندگی میں ان کے لیے کہے ہوتے تو چاچو خوشی سے ہی مر جاتے۔ میں صرف سوچ کر رہ گئی۔ معلوم نہیں کہ وہ دنیا دکھاوے کے لیے ایسا کہہ رہی تھیں یا واقعی..... ہم کسی سے اپنی محبت کا اظہار کرنے کے لیے آخر اس کے مرنے کا انتظار کیوں کرتے رہتے ہیں؟

”پاپا کی تدفین گھر میں ہی ہوگی۔“ زین نے استفسار پر بتایا تھا۔

”کیا گھر تدفین کی اجازت ہے؟“ کامل نے سوال کیا تھا۔

”ہمیں کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔“ زین نے تکبر سے کہا تھا۔ ”ہمارا اپنا گھر ہے اور اپنی مرضی ہے۔“

اس کے بعد کسی کی طرف سے کسی بحث کی گنجائش نہ تھی، سب خاموشی سے آنسوؤں کی تسبیح رول رہے تھے۔ ہمیشہ کی طرح ان کے سرکل کے سچے بچے لوگ جنازے میں شرکت کے لیے جنازے کے وقت سے ایک گھنٹا پہلے پہنچنا شروع ہو گئے تھے اور ان کے جنازے کے وقت گویا میلا لگا ہوا تھا۔ کئی اطراف کی سڑکوں پر ٹریفک اور گاڑیوں

کی پارکنگ کنٹرول کرنے کے لیے پولیس فورس کی مدد لی گئی تھی۔ غالباً زبیا چچی کے سکے سے کوئی شخص ہا اثر پولیس افسر تھا۔ ان کے گھر بیٹھے ہوئے میرے سامنے اس گھر میں گزارے ہوئے وقت کی قلم بکلتی رہی تھی۔ وہ بچا کر کے والا شخص جو صرف شکل صورت میں ہی اس عمر تک بھی جاذب نہ تھا بلکہ اس کا دل بھی اتنا ہی خوب صورت تھا۔

اس گھر یعنی ”حسن کدہ“ کا ہر شخص اپنے نام سے خوب صورتی کا معانی رکھتا تھا مگر میں نے ان کے خوب صورت چہروں کے اندر چھپے بد صورت دماغ اور سوچیں بھی دیکھ رکھی تھیں۔ سات خوب صورت لوگوں میں سے تین دنیا سے چلے گئے تھے، ہر موت ناگہانی اور کسی حادثے کے نتیجے میں واقع ہوئی تھی۔ حسن کدہ کی خوب صورتی کو میں نے اس روز بد صورتی میں تبدیل ہوتے ہوئے بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ چاچو کی میت گھر میں رکھی تھی اور جنازے کے لیے آنے والوں کی تواضع باوردی پیرے مسلسل تازہ پھلوں کے جوس سے کر رہے تھے..... جیسے کوئی شادی یا مگنی کی تقریب ہو۔ شرکا بھی اپنی، اپنی دلچسپی کے موضوعات پر گفتگو کر رہے تھے۔ جنازے کے دوران ہی لان کی طرف سے مرغن کھانے کی خوشبو فضا میں پھیلنا شروع ہو گئی تھی۔ جنازہ ختم ہوتے ہی پارٹی شروع ہو گئی تھی اور یوں ہنسی مذاق ہو رہا تھا جیسے کوئی کاروباری اجتماع ہو..... تھا تو ایسا ہی۔

”ہم لوگ چلتے ہیں۔“ کبیر بھائی نے آ کر کہا تھا۔ ”مجھے یہاں گھبراہٹ ہو رہی ہے۔“ سوان کے ساتھ میں،

فاطمہ اور اموجان روانہ ہوئے۔

☆☆☆

”کیا ہے یہ کبیر بھائی؟“ میں نے اسے اپارٹمنٹ کے دروازے پر چکا ہوا کاغذ نہیں اتارتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ ”ٹوٹس لگا ہوا ہے کوئی۔“ انہوں نے گہری سانس لی۔ ”کوئی عدالتی ٹوٹس ہے.....“ انہوں نے اپنے بیٹے کیل کو گود سے اتارا اور ٹوٹس پڑھنا شروع کیا۔ عدالتی حکم کے مطابق یہ گھر ایک متنازعہ پر اپنی تھی اس لیے اس پر حکم امتناعی حاصل کر کے اس گھر کو اس وقت تک کے لیے سیل کر دیا گیا تھا جب تک کہ اس مقدمے کا کوئی فیصلہ نہ ہو جاتا۔

”باہ۔“ میں اپنا دل تھام کر رہ گئی۔ ”اب کیا کریں ہم سب؟ میرا تو سامان بھی اندر پڑا ہے۔“

”کہاں جاسکتے ہیں ہم اس وقت؟“ اموجان پریشان ہوئیں۔ چھوٹے بچوں کا ساتھ تھا اور طویل سفر اور ایک تکلیف بھرے دن کا اختتام ہوا تھا، کسی نے کچھ کھایا تک نہ تھا۔ میرے ذہن میں پہلے سارہ اور پھر ارسل بھائی کے گھر کا خیال آیا تھا مگر میں نے دونوں کو زبان پر لانے سے پہلے رد کر دیا۔

”واپس گاؤں چلتے ہیں۔“ کبیر بھائی نے حل پیش کیا۔

”اس میں تین گھنٹے لگیں گے کبیر..... بچے بھوکے بھی ہیں اور تھکے ہوئے بھی۔ ممانی جان بھی بہت تھکی ہوئی ہیں۔“ اور کیا کر سکتے ہیں؟“ کبیر بھائی نے نوقت سے پوچھا۔ میں اسی وقت سے ملازمہ ساجدہ سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ چاچو کے ہاں وہ مجھے نظر آئی تھی مگر میرے گمان میں بھی نہیں آیا تھا کہ وہ وہاں کب، کیوں اور کیسے گئی تھی۔ اب اس کا فون بھی بند تھا۔

”اموجان آپ حبیب کو پکڑیں.....“ وہ سو رہا تھا، میں نے اسے اموجان کی گود میں دیا۔ ”میں دیکھتی ہوں

شاید میسر کی طرف سے دروازہ کھلا ہو۔“

”ہم اس گھر میں قانونی طور پر داخل نہیں ہو سکتے گل بیٹا۔“ کبیر بھائی نے کہا تو میرے قدم رک گئے۔ ”چلو سب لوگ، کہیں کسی ہوٹل میں جگہ دیکھتے ہیں اس وقت، رات تو گزرے کیونکہ اگر اس وقت گاؤں واپس جائیں تو کل ہم چاچو کے قتل کے لیے واپس بھی نہیں آ سکتے۔“

”یہ گھر کس کے نام پر لیا تھا جمال نے؟“ اموجان نے مجھ سے سوال کیا۔

”میرے نام پر ہے یہ پارٹنٹ اموجان۔“ میں نے کہا۔ ”لیکن نہ بھی ہو تو کوئی بات نہ ہوتی میرے لیے یہ دنیاوی چیزیں اتنی اہم نہیں ہیں۔“ میں نے انہیں تسلی دی۔

”تمہیں یقین ہے..... اس کی ملکیت کا کیا ثبوت ہے تمہارے پاس؟“

میرا دل جھٹکے لے رہا تھا۔ میں نے تو کبھی ایسی کسی صورت حال کے بارے میں سوچا تک نہ تھا۔ میرے دل میں جو فکر تھی وہ کپڑوں سے زیادہ ان کاغذات اور چابیوں کی تھی جو میرے لیے بہت اہم تھے، کہیں ایسا نہ ہو کہ انہوں نے ان سب پر قبضہ کر لیا ہو۔ ایک اس گھر کا ہی نہیں بلکہ اس لاکر میں تو خاندان بھر کے ان لوگوں کے حسابات کا ریکارڈ تھا جن کی رقوم چاچو کے کاروبار میں لگی ہوئی تھیں۔

☆☆☆

”تم نے مجھے کال کر کے بتایا کیوں نہیں ساجدہ..... پُچھ پانی پینے کے بہانے میں اس وقت کچن میں مگی جب ساجدہ کی بھلک مجھے وہاں نظر آئی تھی۔“

”میں کس طرح بتاتی، گھر کو تالا لگوا کر زین صاحب مجھے بچوں سمیت یہاں لے آئے تھے اور میرا فون بھی چھین لیا تھا۔ مجھ پر بہت کڑی نظر رکھ رہے ہیں وہ کہ کہیں میں آپ سے رابطہ نہ کر لوں۔“

”ہوں.....“ میں نے گہری سانس لی۔ زین کی پوری بدتمی میرے سامنے آ گئی تھی۔ ”مسئلہ یہ ہے کہ وہاں میرے بہت اہم کاغذات تھے۔“ میں بڑبڑائی۔

”جانتی ہوں..... ان کی فکر.....“

”کیا ہو رہا ہے یہاں؟“ وہ اچانک ہی وہاں آ گیا تھا۔ دروازے کی طرف میری کرتھیں ساجدہ کا چہرہ خوف سے پیلا پڑ گیا۔

”کک کک کک کچھ نہیں چھوٹے صاحب۔“ وہ ہلکا کر بولی۔

”یہ لیس گلاس ساجدہ..... تھیک یو۔“ میں نے اپنے ہاتھ سے گلاس اسے پکڑا لیا اور پلٹ کر واپس ہوئی۔

”راستہ دے دیں پلیز۔“ میں بڑی بہادری سے اس سے مخاطب ہوئی تھی۔

”راستے تو تم دیکھنا، میں تمہارے سارے راستے اس طرح بند کروں گا کہ سوائے لیٹ کر یہاں آنے کے کوئی اور راستہ نہیں بچے گا تمہارے پاس۔“ اس کے چہرے سے زیادہ اس کے الفاظ میں کینٹھلی تھی۔

”کچھ اور؟“ میں اپنے ہاتھ سینے پر باندھے، ضبط کی انتہا کو چھوتی ہوئی اس کے سامنے کھڑی تھی۔

”ہونہہ.....“ اس نے ہٹ کر راستہ دیا۔ ”چیپ عورت۔“ میرے عقب میں آواز آئی۔ ”بدکردار۔“

میں نے کس طرح خود کو مڑ کر اسے کوئی جواب دینے سے روکا، یہ میں ہی جانتی تھی۔ جہاں سب لوگ بیٹھے تھے وہاں پہنچی تو اموجان میرا دھواں، دھواں چہرہ دیکھ رہی تھیں۔

”سب ٹھیک تو ہے ناں بیٹا؟“ انہوں نے سوال کیا۔

”جی۔“ میں نے سپارہ چہرے کے آگے کر لیا اور آنسوؤں کی تسبیح رونے لگی۔ ساجدہ عورتوں کو جوس وغیرہ

سرو کر رہی تھی، میں نے نئی بار کوشش کی کہ اس سے کوئی بات کر سکوں، اس کا ادھورا جملہ اس سے مکمل کروا سکوں مگر کوئی موقع نہ ملا۔ کچھ عتابی نظریں مجھے اس کا احاطہ کیے ہوئے محسوس ہو رہی تھیں۔

☆☆☆

”میں نے کسی سے بات کی ہے، کچھ نہ کچھ ہو جائے گا کل تک۔“ کامل نے بتایا تھا۔ اموجان، مہر پیو، بیٹاق

اور فاطمہ بچوں سمیت چلے گئے تھے۔ بیٹاق اور مہر پیو انہیں چھوڑ کر لاہور چلے جاتے کیونکہ گھر پر تنہا کے پاس صرف

تحریم تھی اور ملا زمین۔ تین دن سے وہ لوگ یہاں تھے اور انہیں ہر صورت واپس جانا تھا۔ کبیر بھائی نے کامل سے میرے سارے مسئلے کی بابت بات کی تھی۔ اس نے زین اور زیبا چچی سے بات کی تھی کہ اس طرح نہ کریں مگر انہوں نے اس سے کہا تھا کہ اب معاملہ چونکہ قانون کے ہاتھوں میں ہے تو وہ اس بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتے۔

”زین تو کہہ رہا تھا کہ اس نے اس بات کا بھی مقدمہ کر رکھا ہے کہ امرت اب بھی اس کی بیوی ہے جسے اس کے میکے والوں نے اس کی جائداد بھائی کی خاطر اپنے پاس رکھا ہوا ہے اور اس کا بچہ بھی ان کے قبضے میں ہے۔“

”بے حیا..... بے غیرت۔“ میرا تو خون کھولا ہی تھا، کبیر بھائی کا ضبط بھی جواب دے گیا۔ ”میں اسے ابھی۔“

”کبیر بھائی..... آرام سے، یوں جذباتی نہ ہوں، میں سمجھتا ہوں کہ زین کسی بھی حد تک گر سکتا ہے۔“ کامل نے کبیر بھائی کا شانہ تھپتھپایا جیسے کوئی بڑا شفقت سے کرتا ہے۔

”امرت، تمہارے پاس اس طلاق کا کوئی ثبوت ہے اور اس گھر کی ملکیت کے کاغذات؟“

”میں نے اس کے بارے میں اس بات سے انکار کرنے پر کہ اس نے طلاق دی ہے، عدالت سے خلع بھی حاصل کی ہے اور گھر کی ملکیت کے ساتھ، ساتھ اور بھی بہت سی اہم دستاویزات ہیں جو اس گھر کے اندر ہی ہیں کامل۔“

”وہ کیا دستاویزات ہیں؟“

”مجھے اس کے بارے میں مکمل علم نہیں..... چاچو نے جب وہ سب کچھ میرے حوالے کیا تھا تو بتایا تھا کہ ان کے لاکر میں اس بارے میں تمام تفصیل موجود ہیں۔“ میں نے بتایا۔

”کون سا لاکر؟“ کامل نے سوال کیا۔

”میرے پاس ایک چھوٹا سا بریف کیس تھا، اسی میں، میں نے کاغذات اور لاکر کی چابیاں رکھی تھیں..... وہ لاکر میرے اور چاچو کے نام پر تھا، چاچو نے مجھے بتایا تھا کہ اس لاکر میں وہ سارے کاغذات بھی موجود تھے جس میں ان کے ساتھ شراکت داروں کے بارے میں تفصیل بھی درج ہے جو ان کے بہن بھائی ہیں کیونکہ دادا جان نے اپنی وہ زمین بیچ کر انہیں کاروبار شروع کرنے کے لیے رقم دی تھی جو سب بہن بھائیوں کی سماجی زمین تھی۔“

”ہاں میں اس بارے میں کچھ جانتا ہوں۔ چاچو اور ابو جان نے مجھے بتا رکھا تھا اور چاچو ہر سال ان سب سماجی داروں، یعنی اپنے بہن بھائیوں کو منافع بھی دیتے تھے۔“ کبیر بھائی نے اس کی توثیق کی تھی۔

”کس بینک کا لاکر ہے..... کبھی تم نے اسے کھولا؟“ کامل نے سوال کیا۔

”نہیں..... مجھے کبھی ضرورت ہی نہیں پڑی۔“ میں نے آہستگی سے کہا۔

”اس کی دوسری چابی جمال ماموں کے پاس رہی ہوگی نا؟“ کامل نے کہا۔ ”تمہارے گھر سے چابیاں نکال کر یا پھر ماموں والی چابیاں استعمال کر کے، ممکن ہے کہ انہوں نے ابھی تک ساری دستاویزات چرا بھی لی ہوں؟ نہ صرف تم بلکہ جمال ماموں کے سارے بہن بھائی بھی اپنے جائز حق سے محروم ہو چکے ہوں..... انہوں نے یقیناً کوئی بڑی اور گہری سازش تیار کی ہے۔“ میرے کانوں میں ساری آوازیں سانس، سانس کی صورت آ رہی تھیں۔

☆☆☆

کامل نے اگلے ہی روز مجھے اپنے ساتھ لے جا کر عدالت سے اس بات کی اجازت لی کہ میں اس اپارٹمنٹ سے اپنا سامان لے سکوں کیونکہ میں وہاں پر مکین تھی۔ اس کے لیے مجھے اجازت اس صورت میں لی کہ فریق مخالف میں سے کوئی ایک شخص وہاں پر تمام وقت موجود رہے گا اور یہ کہ میرے علاوہ کوئی اور اس گھر میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ اس کے علاوہ میں اپنے اور اپنے بچے کے استعمال کے کپڑوں کے علاوہ وہاں سے کچھ نہیں لے سکتی تھی۔ نہ کوئی

زبورہ نہ کوئی کاغذ کا ٹکڑا اور نہ ہی کوئی چابیاں۔

”ہوں.....“ میں نے گہری سانس لی۔ ”اس کا مطلب ہے کہ زمین اس بارے میں جانتا ہے کہ اس گھر میں کچھ بہت اہم ہے۔“

”ٹھیک ہے..... اگر میں اس گھر میں تنہا جا سکتی ہوں تو پھر اس وقت فریق مخالف میں سے بھی وہاں پر کوئی عورت ہونی چاہیے۔“ میں نے کہا تھا۔ کال نے میرا یہ مطالبہ منظور کروایا اور اسی روز بعد دوپہر کا وقت مقرر ہوا تھا۔ کال اور کیریمائی کے ساتھ میں وہاں پہنچی مگر وہ دونوں گاڑی میں ہی بیٹھے رہے تھے۔ میں نے اپنا بیگ خالی کر کے کندھے پر ڈال لیا تھا تاکہ اگر موقع ملے تو چابیاں اور کاغذات نکال کر اس میں رکھ لوں۔ دروازے کے پاس کھڑے ہو کر میں انتظار کر رہی تھی۔ ان کی طرف سے حسد آئی تھی، اس کے ساتھ ساجدہ جی مگر اسے گھر کے اندر آنے کی اجازت نہ تھی۔ اس نے اپنا اور اپنے بچوں کا سامان اپنے کوارٹر سے لینا تھا سوا سے سیدھا کوارٹر میں بھیجا گیا اور حسد تمام وقت میرے ساتھ سائے کی طرح رہی تھی۔ میں نے الماری کے اوپر کے خانوں سے خالی بیگ نکالنے کے لیے بکس سے اسٹول اٹھایا، الماری کے پاس اسٹول رکھا۔

”ایک منٹ.....“ حسد نے ”تھم“ جاری کیا تھا۔ اسٹول پر چڑھ کر اس نے اوپر کی الماری میں جھانکا اور تلی کر کے نیچے اتاری۔ وہ مجھے پولیس کی کوئی باہر جا سوسہ لگ رہی تھی۔ میں نے اوپر سے دو بیگ اتارے اور انہیں نیچے فرش پر پھینکا، بیگ نکالتے ہوئے میں نے دیکھ لیا تھا کہ میرا بریف کیس وہاں سے قائب تھا۔ گویا پولیس کے ساتھ آ کر زمین نے گھر کی تلاش لی ہوگی اور فقط وہ بریف کیس لے کر چلا گیا ہوگا۔ میں نے غسل خانے سے صفائی کی غرض سے رکھے ہوئے کپڑوں میں سے ایک کپڑا اٹھایا اور دونوں بیگ صاف کر کے ان میں اپنے اور حبیب کے کپڑے رکھنا شروع کیے۔ حسد مسلسل مجھے اپنی نگاہ میں رکھے ہوئے تھی۔

ایک دم مجھے ایک خیال آیا اور میں نے تہ کرتے ہوئے دو ایک کپڑے نیچے گرادیے۔ انہیں اٹھانے کی غرض سے نیچے ہو کر میں نے صوفے اور بیڈ کے نیچے جھانک لیا تھا کہ کہیں بریف کیس میں نے وہاں نہ رکھ دیا ہو۔ اس طرف سے بھی مایوسی ہوئی۔ دراز کھولی تو اس نے فوراً کہا کہ میں کوئی جیتی چیز نہیں ساتھ لے جا سکتی۔

”تم ادھر قریب آ کر کھڑی ہو جاؤ..... میرے استعمال کی کچھ چیزیں اور حبیب کی دوائیں وغیرہ ہیں جو مجھے ساتھ لے کر رہی جاتی ہیں۔ میں سامان باندھ بھی لوں گی تو بھی تم چپک کر لینا، مجھے کسی کی کسی چیز سے کوئی غرض ہے نہ تم لوگوں کی طرح کوئی لا لچ۔“

”فضول بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے میرے ساتھ۔“ وہ چلائی۔ ”لا لچی تو تم لوگ ہو جنہوں نے زمین بھائی کو پھنسا کر یہ سارا نالک کیا۔“

”تم خود ایسی ہی ہونا تو تمہیں لگتا ہے کہ اس خاندان کے سارے لوگ ایسے ہی ہیں۔“

”نفرت ہے مجھے اس خاندان سے اور اس خاندان سے تعلق ہونے سے جو کم از کم اس کے بعد ختم ہو جائے گا۔“ وہ اپنے جلدے دل کے پھوپھو لے پھوڑ رہی تھی۔

”یہاں بھی کسی کو کوئی شوق نہیں ہے حسد تم لوگوں سے کوئی تعلق رکھنے کا۔“ میں نے بھی اپنا غبار نکالا۔ ”ایک ہیرا شخص تھا اس خاندان میں جسے تم لوگوں نے مٹی میں رول دیا، اس کی قدر نہ کی۔ اب تم لوگ دنیا میں کس طرح فکیل ہو گئے اس کی جاندا تھیا نے کے لا لچ کے ہاتھوں، وقت تمہیں بھی دکھائے گا اور مجھے بھی۔ تم لوگوں نے نہ کبھی رشتوں کو نبھایا ہے نہ ان کی قدر کی ہے، اب دیکھنا کہ کس طرح اپنا کیا تم لوگوں کے سامنے آئے گا، لا لچ نے جو پٹی زمین کی آنکھوں پر باندھ دی ہے اس کی وجہ سے اسے کوئی اپنا نظر نہیں آئے گا۔ اس کے لا لچ اور ہوس کی زد

میں تم سب لوگ بھی آؤ گے۔“

”اپنا کام ختم کرو اور میرے معصوم بھائی پر فضول الزام تراشی بند کرو۔“ وہ دھاڑی تھی۔

میں نے پیٹنگ کر لی تھی، دونوں بیک کھلے ہوئے بیڈ پر بڑے تھے۔ اسٹول اٹھایا کہ وہاں بچن میں رکھ دوں۔

”تم دونوں بیک چپک کر لو حسنہ..... کہیں تم لوگوں کی کوئی قیمتی چیز نہ چلی جائے اس نے بیک واقعی چپک

کرنا شروع کر دیے۔ میں نے اسٹول وہاں بچن میں رکھا اور باہرنگلی توئیس کی طرف سے دروازے کے نیچے سے

ایک کاغذ اندر کی طرف نظر آیا جیسے کاغذ کا جہاز بنا کر کسی نے باہر سے دروازے کے نیچے پھنسیا ہو۔ میں نے اسے

اٹھایا ہی تھا کہ میرے کمرے کے کھلے دروازے سے حسد کی آواز آئی۔ میں نے فوراً اس کاغذ کو کمرہ وڑ کر اپنی

آستین میں اڑس لیا۔ باہر کا دروازہ کھول کر ڈیوٹی پر کھڑے افراد میں سے ایک مرد اور ایک عورت نے اندر آ کر

سامان چپک کیا۔ عورت نے بیک کھول کر اندر سے بھی چپک کیے۔ پھر اس نے میرے ہینڈ بیک کو بھی چپک کیا اور

سامان باہر لے جانے کی اجازت دے دی۔

چاچو کی گاڑی میں زین ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تھا، اس کے ساتھ اس کی بیوی تھی۔ مگر کوہدو بارہ لاک کر دیا

گیا تھا۔ ہم روانہ ہوئے تو ان کی گاڑی بھی روانہ ہوئی جس کی پچھلی نشست پر حسنہ کے ساتھ ساجدہ بیٹھی تھی۔

”ملا ریف کیس؟“ کامل نے سوال کیا۔

”نہیں..... اور بل بھی جاتا تو کون سا کسی نے مجھے اس میں سے کچھ لانے دینا تھا، یہ بھی ممکن ہے کہ وہ پہلے

سے ہی اسے نکال کر لے چا چکا ہو۔“

”جب کوئی گھر کسی مقدمے سے بازی کی وجہ سے سیل ہوتا ہے تو کوئی بھی وہاں سے کچھ نکال نہیں سکتا۔“ کامل

نے کہا۔

”ایسا صرف ان لوگوں کے لیے ہوتا ہو گا جن کے لیے قانون کی کوئی حیثیت ہوتی ہے۔“ کبیر بھائی نے کہا۔

”ظاہر ہے کہ اس نے پہلے کسی سے گھ جھڑ کر کے یا کسی کو رشوت وغیرہ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا ہو گا۔“

”بات صرف گھر کے کاغذات یا لاکر کی چابی کی ہو تو وہ تو چاچو والا سیٹ بھی ہو گا۔“ میں نے کہا۔

”ماموں کی کسی بھی چیز کو وہ لوگ اتنی جلدی نہیں چھیڑ سکتے..... میں نے لاکر کے بارے میں ابھی چپک کیا ہے

اپنے ایک دوست سے۔ بینک میں لاکر جن دو لوگوں کے نام پر ہے ان کے علاوہ کوئی اور نہیں کھول سکتا۔ ایک تم ہو

جو اس لاکر کو کھول سکتی ہو اور ایک ماموں تھے جو اسے کھول سکتے تھے.....“ وہ رکا۔ ”ماموں تو اب رہے نہیں۔“

”مگر ان کے انتقال کی صورت میں ان کے وارثین تو ان کی بیوی اور ان کے بچے ہی کہلائیں گے بینک کے

توانین کی رو سے؟“ کبیر بھائی نے کہا۔

”نہیں..... بینک کے کاغذات میں وارث وہ ہو گا جسے چاچو نے لکھوایا ہو گا، وہ وارث کون ہے اس کے

بارے میں بینک نہیں بتا سکتا۔ مشترکہ اکاؤنٹ یا لاکر اب چاچو کی بیوی اور بچے اس وقت کھول سکیں گے جب وہ

چاچو کی موت کا سرٹیفکیٹ بینک میں جمع کروائیں گے۔ بینک کا اپنا ایک طریقہ کار ہے اس کی تصدیق کروانے کا۔

اس تصدیق کے عرصے میں بینک کا لاکر یا اکاؤنٹ کوئی بھی آپرٹ نہیں کر سکتا۔“ کامل نے وضاحت کی تھی۔

”کبیر بھائی.....“ میں نے سنسنائی ہوئی آواز میں کہا۔

”کیا ہوا گل بیٹا؟“ وہ چونک کر مڑے تھے۔

”یہ۔“ میں نے وہ مزارعہ کاغذ ان کی طرف بڑھایا۔ انہوں نے حیرت سے اسے تھاما اور پڑھا اور کامل کی

طرف بڑھایا، کامل نے گاڑی ایک طرف روک دی اور اس کاغذ کو پڑھا۔

”یہ تو اچھی خبر ہے..... تم نے تو ذرا ہی دیا تھا امرت۔“ کامل نے بٹاشٹ سے کہا تھا۔
 ”مغرب کی اذان کے وقت میرے کوارٹر کی کھڑکی کے باہر کی طرف آپ کی ایک امانت رکھی ہوگی، اسے اذان کے دوران ہی خاموشی سے اٹھا کر لے جائیں۔ دیر نہ کریں کیونکہ اس سے زیادہ میں اس کی حفاظت اب نہیں کر سکتی۔“ اس رفقے میں لکھا تھا۔ ساجدہ نے یقیناً اس وقت اپنے کوارٹر سے جاتے ہوئے وہ رقعہ وہاں چھپایا تھا۔
 کامل کو اندازہ اور مجھے بھی یقین تھا کہ اس کے پاس میرا بریف کیس ہی ہوگا جو اس نے پولیس کی کارروائی کے دوران وہاں سے نکال کر اپنے کوارٹر میں رکھ لیا ہوگا جب اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ حالات کیا کروٹ بدل رہے تھے۔ مجھے اس سے پہلے بھی اس کی طرف سے ذہانت اور پھرتی کے کئی مظاہرے دیکھنے کو ملے تھے۔

☆☆☆

شام کو ہم نے اس کھڑکی کے پاس سے امانت اٹھائی، کامل نے کسی دوست سے ایک کٹارا سی گاڑی ادھار لی تھی اور میں نے سیاہ چادر میں اپنے پورے وجود کو لپیٹ رکھا تھا۔ ساجدہ کے کوارٹر کی کھڑکی کا مجھے اندازہ تھا، ہم نے گاڑی کچھ فاصلے پر کھڑکی کی تھی اور میں نے جا کر وہاں سے وہ سیاہ بریف کیس اٹھایا تھا جو اس نیم تاریکی میں بھی نمایاں تھا۔ اس کے بعد ہم نے گاڑی اپنی گاڑی سے تبدیل کی تھی اور واپس اس ہوٹل میں پہنچ کر شام رات کا کھانا کھا کر میرے کمرے میں جمع ہوئے۔ حبیب کو میں نے پہلے ہی اموجان کے ساتھ بھجوا دیا تھا۔
 ”تمہاری طلاق کو کتنا عرصہ ہو گیا ہے امرت؟“ اچانک کامل نے سوال کیا۔ کبیر بھائی واش روم میں گئے تھے۔
 ”کیا؟“ میں نے سوالیہ انداز اچھی ہوئی نظر سے اسے دیکھا۔
 ”میرا مطلب ہے کہ تمہاری عدت وغیرہ پوری ہو گئی ہے کیا؟“
 ”ہوں۔“ میں نے سینے کی گہرائی سے سانس خارج کی۔

”زین نے شادی کر لی ہے تو تم نے کیوں نہیں کی..... کیوں اتنے مسائل کے ساتھ تنہا بلکان ہو رہی ہو، چھوٹا بچہ ہے، زین جیسے ذہنی مریض سے مقابلہ ہے..... یہ سب تنہا کس طرح کر سکتی ہو تم؟“
 ”میں تنہا نہیں ہوں کامل..... میرے ساتھ وہ طاقت ہے جو مجھے جینے کا حوصلہ بھی دیتی ہے اور حالات سے لڑنے کا عزم بھی۔“ میں نے پورے عزم سے کہا تھا۔ ”مجھے کسی کے ساتھ کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی اور نہ ہی میں اپنے بیٹے کو کسی ایسے مقام پر پہنچانا چاہتی ہوں کہ جہاں مجھے اس سے دستبردار ہونا پڑے یا وہ میری مادرانہ شفقت سے محروم ہو۔“
 ”تو تمہیں لگتا ہے کہ بینک والے ہمیں لاکر کھولنے دیں گے؟“ کبیر بھائی لوٹ آئے تھے۔ ”میرا مطلب ہے کہ امرت کو؟“

”کوشش تو کرنا ہوگی اور میرا خیال ہے کہ جب تک ماموں کے انتقال کی باقاعدہ رجسٹریشن کروا کے وہ ان کی موت کا سرٹیفکیٹ جمع نہیں کروائیں گے تب تک اس کی امید کی جاسکتی ہے۔“
 اگلے روز بینک جانے پر ظلم ہوا کہ وہ لاکر فقط میرے نام پر تھا، صرف اسے کھولنے کے لیے میرے نہ ہونے کی صورت میں چاچا اور بالغ ہونے پر حبیب اسے کھول سکتا تھا۔ میں نے اس میں ترمیم کروا کر چاچو کی جگہ پر کبیر بھائی کا نام لکھوایا، ان کے دستخط اور شاخشی کارڈ کی کاپی جمع کروائی۔ اضافی جالی کے لیے درخواست دی اور ہم تینوں نے سکون کی سانس لی تھی۔ کچھ دستاویزات وہاں سے نکال کر انہیں کامل نوٹو کاپی کروا کر لایا، ان سب کو واپس اسی لاکر میں رکھا اور کامل اور کبیر بھائی نے بالخصوص بینک منیجر کو مل کر کچھ صورت حال کے بارے میں بتایا اور اسے سمجھایا کہ اگر کوئی اس لاکر کو ہمارے علاوہ کھولنے کی کوشش کرے تو ہمیں فوراً اطلاع کریں تاکہ ہم ان کے خلاف قانونی چارہ جوئی کر سکیں۔

☆☆☆

کیسے پہاڑ جتنے طویل تھے..... بالکل پہلی بار میں نے دو دن حبیب کے بغیر گزرا رہے تھے۔ مجبوری نہ ہوتی تو میں اسے ایک پہر کے لیے بھی یوں تنہا نہ چھوڑتی۔ میں نے اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا اور چٹا چٹا اسے چومنے لگی۔ وہ ہنس رہا تھا، جھلکھلارہا تھا..... میرے بغیر اس نے اموجان کو بالکل تنگ نہیں کیا تھا، میرے علاوہ وہ صرف اموجان کے ساتھ رہ سکتا تھا۔ وہ ایک صحت مند اور خوش رہنے والا بچہ تھا اور بلا ضرورت روتا بھی نہیں تھا۔

اموجان نے اس کام کے لیے شکرانے کے نوافل مان رکھے تھے۔ واپس پہنچ کر جب انہیں بتایا کہ سارے حالات ہمارے حق میں موافق ہو گئے تھے تو وہ اللہ کا شکر ادا کرتی ہوئی فوراً نوافل پڑھنے کے لیے اٹھ گئیں۔ شہر بانو پچھو موٹروں سے ہی واپس جا چکی تھیں۔ کال نے بھی واپسی کا عزم کیا تو اموجان اور کبیر بھائی نے اصرار کر کے اسے روک لیا تھا۔ کاش انہوں نے اسے نہ روکا ہوتا تو میں اموجان کو نہ کہتی کہ وہ ارسل کو شبت جواب دے دیں۔

☆☆☆

”کون ہے؟“ اپنے کمرے کے دروازے پر دستک سن کر میں نے سوال کیا تھا۔ حبیب سو رہا تھا اور میں نیند نہ آنے کی وجہ سے اخبار پڑھ رہی تھی۔

”میں ہوں..... کامل۔“ آواز کو دھیمار کھینے کی کوشش کی گئی تھی۔

”جی، کیا بات ہے؟“ میں نے اٹھ کر اپنا حلیہ درست کرنے کے بعد دروازہ نیم کھولا تھا اور اسی کے عقب سے سوال کیا تھا۔

”کافی مل سکتی ہے ایک کپ؟“

”آپ کو علم ہے کہ کافی بار کہاں ہے اور آپ کو مجھ سے بہتر کافی بنانا آتی ہے۔“

”آپ کو بھی علم ہے کہ مجھے تنہا بیٹھ کر کافی پینے کی عادت نہیں ہے۔“

”آپ کافی بنا کر اموجان کے پاس لے جائیں..... یا کبیر بھائی کو چکالیں کامل۔“

”امرت..... آپ کو مجھ سے ڈر لگ رہا ہے کیا؟“ اس کے لہجے میں شگفتگی تھی، اسی سے میں بچتا چاہتی تھی۔

”ہاں ڈر ہی سمجھ لیں آپ.....“ میں نے اکھڑے لہجے میں جواب دیا۔

”کس بات کا ڈر لگ رہا ہے؟“ حیرت بھرا سوال۔ ”کیا ہو جائے گا اگر آپ میرے ساتھ بیٹھ کر ایک کپ

کافی پی لیں گی؟“

”میں اس وقت کافی نہیں پیتی اور نہ ہی مجھے طلب ہے۔“

”میری خاطر.....“ اس نے لجاجت سے کہا۔

”آپ کی خاطر کیوں؟“ میں نے لاکھ کوشش کی مگر لہجہ تلخ ہو گیا۔ ”آپ میرے ہیں کون؟“ فلمی سا

ڈائلاگ میرے منہ سے پھسلا۔ میں اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرنا چاہتی تھی، اس کے انداز میں چند ہمتوں سے سمجھ رہی تھی۔ اسے مجھ سے بہتر کون سمجھ سکتا تھا۔

”ہاں..... ہوں تو میں کچھ نہیں آپ کا..... مگر ہو سکتا ہوں، سب کچھ۔“ اس نے ہولے سے کہا۔

”کامل، ہمارا معاشرہ کسی بیوہ یا مطلقہ کو یوں ہی نہیں جیسے دیتا اور پرے آپ جیسے لوگ اور ان کی باتیں زندگی کو

اور بھی تنگ کر دیتی ہیں..... جیسے کیوں نہیں دیتے آپ مجھے۔“

”ایسا کیا، کیا ہے میں نے امرت؟“ اس نے حیرت سے پوچھا۔ ”میں تو میں چاہتا ہوں کہ تم جو اسی طرح کہ

جس طرح تمہیں جینے کا حق ہے، کیوں خود کو تنہا کر کے خود پر ظلم کر رہی ہو؟“
 ”آپ کو کیا مسئلہ ہے میرے اس طرح جینے سے؟“ میں نے غصے سے کہا۔

”امرت..... باہر نکلو۔“ اس نے حق جتایا تھا۔

”پلیز مجھے نیند آ رہی ہے۔“ میں نے بے رخی سے کہا۔

”تمہارے چہرے سے فطرتی نہیں لگ رہا ہے کہ تمہیں نیند آ رہی ہے۔“ اس نے اصرار کیا۔ ”اگر تم باہر نہیں آؤ گی تو میں ممانی جان کو جگا کر لاؤں گا کہ وہ تمہیں میری بات سننے کو کہیں۔“

”میں آئی ہوں..... آپ جائیں لاؤنج میں جا کر بیٹھیں۔“ مجھے علم تھا کہ وہ ایسا ہی کرتا اور پھر اموجان کہتیں۔
 ”بیٹا بیٹھ کر اس کی بات سن لینے میں کیا حرج ہے؟“ اس کا وہی ضدی پن جس سے میں ہمیشہ خوف کھاتی تھی۔

☆☆☆

”تمہیں علم ہے ناں امرت کہ ماما آج کل بلکہ کئی سالوں سے میرے پیچھے بڑی ہوئی ہیں کہ میں شادی کر لوں اور اب تو ان کا اصرار عروج پر پہنچ گیا ہے کیونکہ تحریم کی شادی ہوگی تو انہیں ٹھہر سونا، سونا محسوس ہوگا کہ وہ بیاہ کر سات سمندر پار جا رہی ہے۔“

”ہاں ٹھیک کہتی ہیں وہ..... اب آپ کو شادی کر لینی چاہیے۔“

”کس سے؟“ اس نے میرے چہرے کو گھورا۔

”کسی بھی اچھی لڑکی سے..... جو بھی پھوپھو کو پسند ہو یا اگر آپ کی اپنی کوئی پسند ہیں تو انہیں بتا دیں، انہیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔“ میں نے نظر چرا کر کہا۔

”ہاں..... ہے ایک اور یہی بات میں ماما کو بتانا چاہتا ہوں مگر اس سے پہلے تم سے بات کرنا ضروری تھا۔“
 اس کے لہجے میں واضح سوال تھا۔ میں پوچھتے، پوچھتے رک گئی کہ مجھ سے بات کرنا کیوں ضروری تھا، ایسا کہہ دیتی تو مجھے اپنا آپ بھی ہوتی لگتا۔ میں نے اپنا چہرہ اتنا پیچھے کر لیا کہ وہ اس پر کوئی تاثر نہ دیکھ سکے۔

”آپ شادی کر لیں، جہاں پھوپھو چاہتی ہیں۔“

”وہ کہیں نہیں چاہتیں، صرف یہ چاہتی ہیں کہ اب میں شادی کر لوں اور یہ بھی جانتی ہیں کہ میں کوئی لاابالی سا نوجوان نہیں ہوں، ایک پیچور مرد ہوں اور ہر طرح کی لڑکی سے شادی نہیں کروں گا، میری ایک چوٹ ہے جو اتنے سال کے بعد بھی تبدیل نہیں ہوئی۔ میرا بہت سی لڑکیوں سے تم سے پہلے بھی واسطہ اور تعلق رہا ہے اور تمہاری شادی کے بعد بھی میں نے واقعی خلوص سے کوشش کی کہ کسی لڑکی کے ساتھ فہمک ہو کر کیشل ہو جاؤں..... مگر نہیں ہو سکا۔“ اس کے الفاظ نے میرا وجود سن کر دیا تھا۔

”میں کوئی کم عمر لڑکی نہیں ہوں کمال، ایک طلاق یافتہ عورت ہوں اور ایک بچے کی ماں بھی۔“ میں نے لہجے میں سختی پیدا کی۔ اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرنا چاہتی تھی، جانتی تھی کہ ایسا ہوا۔ تو خاندان میں کئی طرف سے مجھ پر انگلیاں اٹھیں۔ کوئی کہتا کہ میں نے اسے دوبارہ چھانسا لیا ہے، میں طلاق یافتہ عورت اور وہ ابھی تک کنوارا۔ کوئی کہتا کہ میں نے زین سے خلع ہی اسی لیے لی تھی کہ کمال نے میری خاطر جوگ لے رکھا تھا۔ ”میں نے کب آپ کی اتنی حوصلہ افزائی کی تھی کمال کہ آپ میرے حوالے سے ایسا کوئی خواب بنتے۔“

”کیا تم مجھے ہو کہ تم نے شادی کر لی، اپنے ابو جان کی خواہش پر قربان ہو گئیں اور میں سکون میں آ گیا، نہیں امرت۔ میں نے اتنے سال ایک، ایک لمحہ سانس بھی دشواری سے لی ہے۔ اب آ کر مجھے احساس ہونے لگا ہے کہ تم بنی ہی میرے لیے تھیں، میری زندگی میں کسی اور کی گنجائش ہی نہ تھی، تمہیں ہی میرا مقدر بننا تھا اس لیے.....“

ماہنامہ پاکیزہ — دسمبر 2018ء — 164

”جس رشتے سے میرے ابو جان نے انکار کر دیا تھا، اسے میں اب بھی قبول نہیں کر سکوں گی۔“ میں نے اس کی بات کاٹی۔

”تو پھر نہما تھا اس رشتے کو جو ماموں جان نے مجھے انکار کر کے طے کیا تھا..... کیوں خلع کی تم نے اس سے؟“
 ”میں نے خلع صرف اپنی پوزیشن کو صاف رکھنے کے لیے کی تھی ورنہ وہ طلاق تو مجھے پہلے ہی دے چکا تھا اور انکار کر رہا تھا کہ اس نے مجھے طلاق نہیں دی ہے۔“
 ”خدا کے واسطے امرت..... انسان ہونم، اپنی زندگی پر تمہارا بھی کوئی حق ہے، لازم نہیں کہ اب تم اپنی زندگی کو ان لوگوں کی خوشی کی خاطر جینٹ چڑھا دو جو اب اس دنیا میں بھی نہیں ہیں۔ زندہ لوگ، مر جانے والوں سے...! بہر حال اہم ہوتے ہیں۔“ اس کا لہجہ پیچیدہ ہو گیا۔ میں نے اس کا خالی کپ اٹھایا اور کھڑی ہو گئی۔
 ”کچھ کہتا رہ تو نہیں گیا اب؟“

”میں نے تم سے بات کی ہے، اب اس کا جواب چاہتا ہوں اور اس بار میں انکار نہیں سنوں گا۔“ کہہ کر وہ اٹھ کر چلا گیا اور میں واپس اسی صوفے پر بڑھ گئی۔

☆☆☆

”آپ نے کبیر بھائی سے مشورہ کر لیا ہے اموجان؟“ میں ناشتے کے بعد حبیب کو دھوپ میں لٹا کر بالٹ کر رہی تھی۔ کامل کو دواپس گئے ہوئے دو دن ہو گئے تھے۔

”کبیر کو اس پر کچھ اعتراضات ہیں بیٹا؟“

”کبیر بھائی کو کیا اعتراضات ہیں اموجان؟“ میں نے حیرت سے سوال کیا۔

”بیٹا وہ کہتا ہے کہ ارسل غیر خاندان کا ہے، زیبا کا داماد رہ چکا ہے اور اس کے حوالے سے تمہارے.....“ وہ کہتے، کہتے رک گئیں۔ ”سمجھ رہی ہوں تم؟“ انہوں نے نامکمل جملے کو میری سمجھ کی صوابدید پر چھوڑ دیا۔

”تو..... وہ سب کچھ سچ تو نہیں تھا اموجان، آپ جانتی ہیں۔“

”ہم سب جانتے ہیں کہ وہ سچ نہیں تھا، ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ارسل نے زائدہ کو قتل نہیں کیا مگر زیبا کو اور اس کے گھر کے باقی لوگوں کو یہ سب کون سمجھائے.....“

”انہیں سمجھانے کی ضرورت ہی کیا ہے اموجان؟ ان کا اب مجھ سے یا ارسل سے کیا لینا دینا ہوگا؟“

”چاہے کچھ لینا دینا نہ ہو مگر ان کی طرف سے یہ دونوں الزام ابھر کر خاندان کے سامنے آئیں گے اور تو اور اب ہنگی کی جائداد کا معاملہ بھی تو ہے۔“

”مجھے ہنگی کی جائداد سے کیا لینا دینا اموجان؟“ میں نے ان کی سوچ پر حیرت ظاہر کی۔

”اور تو اور بیٹا..... کبیر کا تو خیال ہے کہ ارسل بھی یہی سوچے گا۔“

”کیا سوچے گا ارسل؟“

”کہ پہلے تو تم نے صاف انکار کر دیا مگر اب شاید جمال کی وصیت کی کچھ شتوں کا تعلق ہنگی کے حوالے سے اس طرح ہے کہ اگر تم ارسل سے شادی کر لو تو تمہیں ان میں فائدہ ہوگا، ممکن ہے کہ وہ سوچے کہ اب تم لالچ میں آ گئی ہو۔“

”میں ہرگز لالچی نہیں ہوں اموجان۔“ میں نے انہیں تاسف سے دیکھا۔ میری ماں ہو کر وہ میرے بارے میں منفی سوچ رہی تھیں۔

”جانتی ہوں بیٹا کہ تم لالچی نہیں ہو مگر ہم دوسروں کی سوچ کو تو نہیں بدل سکتے۔“

”آپ نے اور کبیر بھائی نے اتنے دور تک قیافہ لگا لیا کہ ارسل ایسا سوچے گا، کیا ہم اس کے بارے میں

مثبت گمان نہیں رکھ سکتے۔ اس گھر میں چاچو کے علاوہ واحد شخص تھا جو میری عزت کرتا تھا۔
 ”کبیر ایک مرد ہے بیٹا اور اس کے ذہن میں اگر یہ سوچ آئی ہے تو یہ مت بھولو کہ اس نے خود کو ارسل کی جگہ پر رکھ کر یہ بات سوچی ہوگی۔ گمان ہی کبھی مگر اس کا امکان نہیں کیا جاسکتا۔“

”ٹھیک ہے..... مجھے بھی ایسا کوئی شوق نہیں ہے کسی سے بھی دوسری شادی کرنے کا۔“
 ”بات شوق کی نہیں ہوتی بیٹا، بیوہ یا مطلقہ کی دوسری شادی، کسی کنواری کی شادی سے بڑھ کر اہم فریضہ ہے اور ہمارے مذہب کا تقاضا بھی۔ کوئی بھی عورت دوسری یا تیسری یا بیسویں بار بیچ پر خوشی سے نہیں بیٹھتی مگر بیٹا دنیا جگہ ہی ایسی ہے۔ تم میری بیٹی ہو اور تمہیں دیکھتی ہوں تو دل کا سکون ختم ہو جاتا ہے، راتوں کی نیند اڑی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اتنی پیاری صورت اور اتنا بہترین دماغ دیا مگر نصیب.....“ وہ سکیں۔ ”تمہارے ابو جان کی خواہش پر بغیر جانچ پڑتال کیے گئے اس فیصلے نے ہماری زندگیوں کا رخ ہی موڑ دیا۔ وہ زندہ ہوتے تو میرے پاس دل کی بات کرنے کو کوئی ہوتا..... کوئی ہوتا جو جا کر جمال کا گریبان پکڑتا، زین کو ڈانٹتا، اس کی حرکتوں پر سرزنش کرتا۔ میں تو کچھ بھی نہ کر سکتی اور میں تو معلوم ہی اس وقت ہوا جب پانی سر سے گزر چکا تھا۔“

”اس طرح کون سے گھر بسائے جاسکتے ہیں اموجان، کسی کی منت ترے لے کر کے، کسی کا گریبان پکڑ کر اور کسی کو سرزنش کر کے..... بھی ہدایت بھی کسی کو مول لی ہے۔“ میں نے ان کے کندھے کے ساتھ سر ٹکایا۔ ”آپ فکر نہ کریں اموجان، میں اب واقعی بہت سکون میں ہوں اور مجھے شادی کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوتی۔“ میرا بیٹا ہے ناں۔ چند سالوں میں جوان ہو جائے گا۔“

”چند سالوں میں بہت وقت لگتا ہے بیٹا، ابھی سے تم نے تن تجھا کتے حمازوں پر لڑائی لڑنی ہے۔“ انہوں نے میرا سر ہلایا۔

”میں سب کچھ زیا چچی اور زین کو دان کر کے یہاں آ جاؤں گی اموجان، نہیں چاہیے مجھے کسی دولت جاندا میں سے حصہ نہ ہی وہ اپارٹمنٹ۔“

”وہ سب کچھ تمہارا اور تمہارے بیٹے کا حق ہے، جمال نے اپنی غلطی کا مدا کرنے کی کوشش کی ہے، اسے تم چاہے چھوڑ دو یا رکھو اس سے کوئی فرق نہیں پڑنے والا۔ جب تک میری سانس ہے تم بے شک اس گھر کو اسی طرح اپنا گھر سمجھو، یہاں رہو پوری آزادی کے ساتھ مگر بیٹا کل کو میں آنکھیں موندلوں تو میں کوئی ضمانت نہیں دے سکوں گی کہ بھائیوں اور بھابیوں کا سلوک کیسا ہو۔ اپنے گھروں میں آباد اور ہنسی بستی ننڈیں نہیں برداشت ہوتیں بھابیوں سے آج کل۔“

”میری بھائی ایسی نہیں ہے۔“ میں نے مان سے کہا۔
 ”اللہ تعالیٰ تمہارا مان سلامت رکھے مگر بیٹا، دنیا ایک آزمائش گاہ ہے اور انسانی رویے ہر دور میں کم و بیش ایک ہی جیسے رہے ہیں۔“ انہوں نے مجھے پیار سے اپنے ساتھ لگایا۔

”آپ کبیر بھائی کو سمجھائیں کہ ارسل کے معاملے میں وہم نہ کریں اور نہ ہی لوگوں کی باتوں کی پروا.....“ میں نے صاف الفاظ میں ان سے کہہ دیا تھا کہ ارسل کے معاملے میں، میں راضی ہوں۔

☆☆☆

گھر میں ایک عجیب سا تناؤ محسوس ہو رہا تھا، کچھ ایسا تھا جو واضح نہ تھا مگر مجھے اس کا احساس ہو رہا تھا۔ اموجان اور کبیر بھائی اکثر سر جوڑے صلاح مشورے میں مصروف نظر آتے۔ ایسا عموماً اس وقت ہوتا تھا جب گاؤں میں زمینوں یا مزارعوں کے حوالے سے کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تھا، کسی اختلاف کا کوئی معاملہ ہوتا تھا۔ قاطعہ سے بھی بات

ماہنامہ پاکیزہ — دسمبر 2018ء (166)

کا کوئی سرائل رہا تھا، اپنے طور پر میں اس سے کچھ پوچھ نہیں سکتی تھی کیونکہ میں نہیں جانتی تھی کہ اموجان اور کبیر بھائی اسے کن معاملات میں کس حد تک انوالورکھنا چاہتے ہیں اور کتنا نہیں۔ بچوں کے ساتھ کھیلنے ہوئے میں نے اس سے سرسری سا پوچھا بھی کہ کیا مسئلہ ہے مگر اس نے کہا کہ نہ تو کبیر ایسے معاملات میں اس سے مشورہ کرتے ہیں اور نہ ہی ہر معاملے میں خواہ بڑا ہو یا ننگ گھسیڑنے کی عادی ہے۔

اموجان نے تو اسے شادی کے بعد فوراً بتا دیا تھا کہ اسے کسی ایسے معاملے میں ٹوہ لینے کی ضرورت نہیں جس سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔ اگر کوئی ایسی بات ہوگی جس کا جاننا اس کے لیے ضروری ہوگا تو اموجان یا کبیر بھائی اسے خود ہی بتا دیں گے ورنہ اسے دائیں بائیں سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک اچھی بہو ہونے کی حیثیت سے اس نے اس بات کو سمجھ لیا تھا اور اپنے کام سے کام رکھتی تھی۔ جانتی تھی کہ ابو جان کے بعد کبیر بھائی اس گھر کے بڑے ہیں اور اموجان کو ان سے ہر معاملے میں مشاورت کرنا ہوتی ہے۔ اس وقت بھی اگر ان دونوں کے بیچ کسی معاملے پر مذاکرات ہو رہے تھے اور دن کا بیشتر حصہ وہ خفیہ میٹنگ کرتے ہوئے گزار رہے تھے تو اسے کوئی ہنس نہ تھا۔

”اگر کچھ بتانے والا ہوگا تو کبیر خود ہی بتا دیں گے۔“ اس نے ایسی بے نیازی سے کہا تھا جو کسی بیوی کے پاس ہو تو اس کی ساری سرال والوں کے لیے وہ نعمت ہوتی ہے۔

”ہوں.....“ میں نے گہری سانس لی۔ ”یہ تو ہے۔“

”بچوں کو بھلا لوتم..... میں کھانا بنا لوں۔“ فاطمہ نے کہا اور اٹھ گئی۔

☆☆☆

اموجان اور کبیر بھائی کو اچانک لاہور جانا پڑ گیا، گل پھپھو کی طبیعت ٹھیک نہ تھی۔ فاطمہ سے پوچھا تو اس نے کہا کہ وہ بچوں کے ساتھ بارہ بار سفر نہیں کر سکتی اور میں گھر پر تنہا رہ جاتی۔

”تمہیں جانا ہے تو جاؤ فاطمہ، مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے..... میں شاکو اپنے پاس بلا لوں گی۔“ میں نے اس سے کہا۔

”بلکہ تم چلی جاؤ..... تمہنا سے بھی مل لیتا۔“ اس نے الٹا مجھے مشورہ دیا۔

”ارے نہیں.....“ میں نے فوراً گھبرا کر کہا جیسے وہ مجھے زبردستی ہی تو بھیج دے گی۔

”چلو پھر ٹھیک ہے، دونوں مل کر مومج کرتے ہیں، کوئی بھی نہ جائے لاہور۔“ اس نے ہنس کر کہا۔

”ویسے اچانک گل پھپھو ہوا کیا ہے..... کوئی سیریس بات نہ ہو؟“ میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”کیا ہوتا ہے، امیرت، ہماری امیاں بھی ناں ایک دوسرے سے ملنے کے ایسے ہی بہانے ڈھونڈتی ہیں۔ ممانی جان کا دل تو چاہ رہا ہوگا تمنا کو ملنے کے لیے جانے کو اور بہانہ بن گیا گل خالہ کی بیماری کا جو ہو سکتا ہے کہ ان کے بچنے سے پہلے ہی ختم ہو جائے۔“

”کتنی بری ہو تم فاطمہ..... ایسا سوچتی ہو تم ان معصوم ماؤں کے بارے میں۔“ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

”اچھا اشوتم ڈر اتاری کرو..... آج بچوں نے پھپھو کے ہاتھ کا پڑا کھانا ہے۔“

”بچوں نے یاں کی ماں نے؟“ میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ہم دونوں کی لمبی کی آواز پھیل گئی تھی۔ میں سوچ رہی تھی کہ کیا یہ سب کچھ تبدیل ہو سکتا ہے۔ ایسا کیا ہو سکتا ہے جو میرے اور فاطمہ کے بیچ اس خوشگوار تعلق کو نند اور بھائی کے رواجی تعلق میں بدل سکتا ہے، جس کا اندیشہ اموجان نے ظاہر کیا تھا؟

☆☆☆

”آپ نے بتا دیا ارسل بھائی..... میرا مطلب ہے اموجان، ارسل کو؟“ وہ مجھے خدا حافظ کہنے میرے کمرے میں آئی تھیں کیونکہ میں حبیب کو سلا رہی تھی۔

”بتا دوں گی بیٹا، جلدی کیا ہے..... تم بھی ذرا پریکٹس کر لو اسے ارسل کہنے کی۔“ انہوں نے ہنس کر کہا۔
 ”ویسے میں لاہور اسی مقصد سے جا رہی ہوں۔“

”اس مقصد سے لاہور؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں..... میں تمہاری دونوں پچھوؤں سے مشورہ کروں گی..... اور ہے کون جس سے مشورہ کروں، اقبال بھائی اور بڑی باتو تو ارسل کو اتنا جانتے بھی نہیں۔“

”کسی سے مشورہ کرنے کی کیا ضرورت ہے اموجان؟“ میں نے چڑ کر کہا۔ ”ہم سے کون سا کوئی کبھی مشورہ کرتا ہے اپنے بچوں کے معاملات میں۔“

”تم سے کوئی کرے یا نہ کرے مگر ہم سے تو سب مشورہ کرتے ہیں۔ تمہارے ابو جان کی زندگی تک ان کے مشورے کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرتا تھا اور ان کے جانے کے بعد سب مجھے ایسے سمجھتے ہیں کہ جیسے میں عائشہ نہیں بلکہ کمال احمد ہوں۔“ ان کا لہجہ پوچھل ہو گیا۔

”اموجان..... آپ ہیں ہی اتنی اچھی، سب کا خیال رکھنے والی۔“ میں ان سے لپٹ گئی۔

”ویسے ایک بات مجھے بہت پریشان کرتی ہے بیٹا۔“

”کون سی بات اموجان؟“

”تم پر کسی طرف سے کوئی دباؤ کوئی الجھن، کوئی پریشانی یا کوئی ایسا مسئلہ تو نہیں ہے جو تم مجھ سے حیر نہیں کرتا چاہیں مگر وہ تمہارے اس فیصلے کا سبب بنا ہے جس کی تم پہلے مخالف تھیں؟“

”کون سا فیصلہ؟“ میں بھی نہیں تھی۔

”اچانک تمہیں ارسل ایسے اچھا کیسے لگنے لگا ہے؟“

”اسے میں نے کبھی برا نہیں کہا..... وہ ایک اچھا انسان ہے اموجان اور پھر یہ فیصلہ میں نے آپ کے سمجھانے کے بعد بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔“

”ٹھیک ہے بیٹا، میں خوش ہوں کہ تم نے یہ فیصلہ کیا ہے..... میرے دل پر تمہارے ابو جان کے ہاتھوں ہونے والے اس غلط فیصلے کا بہت بوجھ تھا، اب تمہاری آزمائش کا وقت ختم ہو جائے گا اور تمہاری زندگی پرسکون ہو جائے گی تو میں بھی بے فکر ہو جاؤں گی۔“

”پتا نہیں اموجان، سکون میں آ جاؤں گی یا.....“ میرے دل میں کچھ سوچ کر ایک پھانسی جیسی تھی۔

”بس بس بیٹا، فیصلہ کر لیا ہے تو بھر دنگان دل میں نہ لاؤ..... ہمیں وہی ملتا ہے جس طرح کا ہم گمان رکھتے ہیں۔“ انہوں نے فوراً سرزنش کی۔ ”چلو اب ہم نکلتے ہیں۔“ کہہ کر وہ باہر چلیں۔

”میں آتی ہوں باہر اموجان، کبیر بھائی سے بھی مل لوں۔“ حبیب کو لٹا کر میں باہر نکل، دروازہ ڈر اساد کو دیا کہ اگر وہ جاگ کر روئے تو مجھے آواز آجائے۔ انہیں رخصت کر کے میں اور فاطمہ لاؤنچ میں بیٹھی تھیں۔

”کمیل کہاں ہے؟“ فاطمہ نے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ ”میں باہر دیکھتی ہوں۔“ وہ اٹھ کر باہر نکل گئی اور میں حبیب کے بلایا کر رونے پر اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔

اندر کا منظر دیکھ کر میں ہڈیاں انداز میں چیختے لگی اور فرش پر گرے ہوئے حبیب کو اٹھا کر دوسرے ہاتھ سے اس کے پاس کھڑے کمیل کو جھنجھوڑ ڈالا..... ”کمیل، پاگل ہو تم، نظر نہیں آتا، اتنے چھوٹے سے بچے کو تم نے نیچے گر دیا اور اوپر سے اسے دوبارہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہو تاکہ دوبارہ اسے گرا سکو۔“ میرے جھنجھوٹنے سے وہ بھی رونے لگا۔

”سوری امرت..... میں نے ذرا سی توجہ نہیں کی تو یہ ادھر چلا آیا، جانے اس نے دروازہ کیسے کھول لیا، بچہ ہے

تم اس کی غلطی پر مجھے معاف کر دو۔“ اس نے آگے بڑھ کر کمبل کو میرے ہاتھوں سے نرمی سے لیا اور اسے اپنے ساتھ لگالیا۔

”ہاں بچہ ہی ہے..... مگر اس نے جس کو نیچے مگرایا ہے وہ اس سے کہیں چھوٹا بچہ ہے، یہ بچہ نہیں کوئی.....“ میں کوئی غلط لفظ بولتے، بولتے رکی۔

”ممکن ہے کہ حبیب خود ہی بستر سے گر گیا ہو اور کمبل اپنی معصومیت میں اس کی مدد کر رہا ہو..... کمبل ایسا بچہ نہیں ہے امرت، وہ اپنی بہن سے بھی بہت پیار کرتا ہے اور اس سے قطعی حسد نہیں کرتا۔ چھوٹے بچے اس طرح کے منفی جذبات سے دور ہوتے ہیں۔“

”وہ اس کی بہن ہے..... یہ اس کا بھائی نہیں ہے فاطمہ اور حبیب خود کیسے بستر سے گرے گا وہ تو ذرا سا بھی نہیں گھومتا۔“ میں نے غصے سے کہا۔ ”تم اس وقت اسے لے کر جاؤ، مجھے اس پر بہت غصہ آ رہا ہے۔“ میرے لہجے سے وہ خاموش رہنے پر مجبور ہو گئی اور خاموشی سے کمبل کو لے کر باہر چلی گئی۔

میں نے اپنے آنسو صاف کیے اور حبیب کو بستر پر درمیان میں لٹا کر اس کے لیے غسل خانے میں تولیا وغیرہ رکھنے گئی کہ اسے نہلا کر دوبارہ سلا دوں۔ سب چیزیں رکھ کر باہر نکلی تو یہ مشکل اپنی جگہ روک سکی، وہ ایک اور پٹنی کھاتا تو بیڈ سے نیچے ہوتا۔ مجھے معلوم ہی نہ ہوا تھا اور وہ اچھا خاصا متحرک ہو گیا تھا۔ دل میں شرمندگی کی شدید لہر اٹھی، دروازہ بھی میں نے خود ہی کھلا چھوڑا تھا، کمبل اگر کھلے دروازے سے اندر آ گیا تھا تو میں نے اس کے ساتھ کتنا برا سلوک کیا تھا۔ میں نے حبیب کو اٹھایا اور فاطمہ کے کمرے کی طرف بھاگی۔

”پچھو..... ماما گندی۔“ اس نے منہ بسور کر کہا۔

”پچھو کی جان.....“ میں نے حبیب کو فاطمہ کی گود میں دیا اور لپک کر کمبل کو اٹھا کر اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

”سوسوری بیٹا، ممان نہیں، پچھو گندی ہیں۔“

”لو، نو..... پچھو اچھی ہیں۔“ وہ میرے ساتھ لپٹ گیا۔

”سوسوری فاطمہ.....“ میں نے اسے ساتھ لپٹائے ہوئے فاطمہ کے پاس بیٹھی تو ندامت سے آنسو رواں ہو گئے۔

”کم آن امرت..... ریلیکس رہو، جانتی ہوں کہ تمہیں بہت سی پریشانیاں ہیں اور یہ اس کا ردِ عمل ہے، میں نے

کچھ مانتے نہیں کیا، تم اس بات کی فکر نہ کرو۔“

”مگر میری وجہ سے تم نے کمبل کو مارا یا ڈانٹا نا۔“

”قطعاً نہیں، میں صرف اسے سمجھا رہی تھی کہ چھوٹے بچوں کو احتیاط سے ہینڈل کرتے ہیں۔“

”انتابڑا تو نہیں ہے وہ کہ اسے اس بات کی سمجھ آئے..... تم بھی ناں فاطمہ۔“ اسے سمجھاتے ہوئے مجھے یاد

آیا کہ چند منٹ پہلے میں نے تو اسے اس طرح سمجھا تھا جیسے وہ بہت بڑا ہو اور میرے بیٹے کا دشمن بھی۔

”جانتی ہوں امرت اور اس کے دماغ کے لیول کی بات ہی کرتی ہوں اس سے.....“ وہ ہنسی۔

☆☆☆

رات نیند ہی آنکھوں سے روٹی ہوئی تھی۔ اس چھوٹے سے واقعے نے ایک تو مجھے سمجھا دیا کہ ساری عمر اس

گھر میں رہوں گی تو سوا بار چھوٹی، چھوٹی بات پر اسی طرح کے ردِ عمل کا اظہار کروں گی۔ ساتھ ہی ایک فکر لاحق ہو گئی

کہ اگر کل کلاں کو حبیب اور بنگی کے بیچ کوئی اختلافی معاملہ ہوا یا دونوں کے بیچ کوئی جھگڑا ہوا تو میرا اور ارسل کا.....

ردِ عمل کیا ہوگا..... بنگی سے مجھے لاکھ لاکھ ڈکوسی اور اسے میں نے اپنے دودھ پر پالا ہے مگر میں کسی بھی طرح اسے حبیب

پر ترجیح نہیں دے سکتی۔ اسے تو چھوڑ سکتی ہوں مگر اس کی وجہ سے حبیب پر کوئی آج بھی آئے، یہ میں سہہ نہیں سکوں

گئی۔ کیا ہم آپس میں بچوں کے جھگڑوں کے باعث پیدا ہونے والے اختلافات کو روک سکیں گے؟ کیا ارسل فاطمہ جیسی فراسٹ کا مظاہرہ کرے گا اور میرے حالات یا دماغی حالت کو سمجھنے کی کوشش کرے گا؟ اگر اور بچے ہو گئے تو؟ مجھے وہ لطیفہ یاد آ گیا کہ پہلے تمہارے بچوں نے میرے بچوں کو بار بار پھر میرے بچوں نے تمہارے بچوں کو بیٹا اور اب ہم دونوں کے بچے مل کر میرے اور تمہارے بچوں کو بار بار ہے ہیں۔ اس لطیفہ کو سوچ کر ہنسی کے بجائے رونا آ گیا۔ جانے رات کس وقت سوئی کس صبح آکھ گئی میرے کمرے میں۔ ناشتا کرتے ہوئے اچانک مجھے کچھ یاد آیا اور فوراً اموجان کو فون کیا اور ان سے پوچھا کہ وہ کہاں تھیں۔ انہوں نے بتایا کہ وہ واپس آ رہی ہیں، چند منٹ میں گھر پہنچنے والی ہیں۔

”اموجان وہ ارسل والی بات.....“ میں نے دائیں بائیں دیکھ کر آہستگی سے پوچھا۔

”ہاں بیٹا..... سب کو بتا دیا ہے اور مشورہ بھی کر لیا ہے.....“

”آپ نے ابھی تک ارسل کو فون نہیں کیا؟“

”نوں، نوں“ کی آواز سے اندازہ ہوا کہ فون بند ہو چکا تھا، کئی بار دوبارہ ڈائل کیا مگر ان کا فون بندل رہا تھا۔ اب ان کا انتظار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ وہ آئیں تو تہانہ تھیں، مگر پچھو بھی ان کے ساتھ ہی تھیں۔ اموجان ان کی خیریت دریافت کرنے لگی تھیں مگر وہ تو بالکل ٹھیک لگ رہی تھیں۔ مجھے فاطمہ کی بات سچ محسوس ہونے لگی کہ انہیں ملاقات کے لیے کوئی بہانہ چاہیے تھا۔ اب مجھے انتظار کرنا تھا اس وقت تک کا جب تک کہ مجھے اموجان کے ساتھ تحفیے میں وقت ملتا۔ بے چینی میرے لبوں میں ساری رات سے گردش کر رہی تھی۔

☆☆☆

”کال نہیں آیا ابھی تک؟“ کھانے کی میز پر پچھو نے کبیر بھائی سے پوچھا۔ ”برادری کا گھٹو شام کو تھانا؟“

”ہاں وہ تو ختم ہو ہو گیا ہے مگر بڑی پچھو نے اسے رات کے کھانے کے لیے روک لیا ہے۔“ کبیر بھائی نے بتایا۔

”تم اسے ساتھ لے آتے بیٹا، اسے چاہیے تھا کہ واپس یہاں آتا اور جس کام کے لیے وہ مجھے بیماری کی حالت میں بھی اٹھا کر لایا ہے، وہ کرتا اور پھر مگر راتوں رات واپسی کے لیے نکل جاتے۔“ پچھو نے غصے سے کہا۔

”خبردار جو تم نے رات کو واپس جانے کا نام لیا..... اٹھو اور جا کر آرام کرو، آجائے گا کال بھی۔ اگر اس کی خالہ نے اسے خلوص سے روک لیا ہے تو کوئی بات نہیں۔“ اموجان نے ناراضی سے پچھو سے کہا۔

”میں آرام کروں تو اس کے کام کا کیا ہوگا؟“ یقیناً گاؤں میں زمینوں سے متعلقہ کوئی کام ہی ہوگا، میں نے دل میں سوچا۔

”کل صبح ہو جائے گا اس کا کام۔“ اموجان نے کہا تو پچھو اٹھ گئیں اور آرام کے لیے چلی گئیں۔ میں موقع ڈھونڈ رہی تھی کہ کبیر بھائی اور فاطمہ نہ ہوں تو میں اموجان سے بات کروں۔ وہ تو کپا اٹھتے..... کال اس سے پہلے پہنچ گیا۔ کپ شپ ہونے لگی اور پھر حسب معمول چائے اور کافی کے دور۔ میں نے انہیں کافی دی اور حبیب کو لے کر اپنے کمرے میں آگئی، اموجان سے بات کرنے کا کوئی ماحول نہیں بن رہا تھا۔

☆☆☆

”سوئی ہو بیٹا؟“ اموجان کی کال آئی تھی، میں سو تو نہیں رہی تھی مگر حبیب کو سلاتے، سلاتے اٹھ گئی تھی۔

”جی.....“

”میرے کمرے میں آ جاؤ، تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔“ پہلے تو سوچا کہ انہیں نیند کا کہہ کر انکار کروں مگر مجھے خود بھی اُن سے بات کرنا تھی تو ایسا بہانہ بے کار تھا۔

”حبیب سو رہا ہے.....“

”میں آجاتی ہوں تمہارے پاس۔“ میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی فون بند ہو گیا۔ چند لمحوں میں دروازے پر دستک ہوئی۔

”دروازہ کھلا ہے اموجان۔“ میں نے لیٹے، لیٹے کہا۔

”تم ذرا بستر سے اٹھ جاؤ بیٹا۔“ انہوں نے اندر آ کر کہا۔ ”کال بھی ساتھ ہے۔“

میں ایک دم گھبرا کر اٹھی اور انہیں بیٹھنے کا کہہ کر غسل خانے میں گھس گئی۔ لباس تبدیل کیا کہ میں شب خوابی کے لباس میں تھی۔

”خیریت تو ہے ناں اموجان..... اس وقت کیا بات کرنی ہے آپ کو؟“ میں نے باہر نکل کر پوچھا۔

”مجھے نہیں..... کال کو تم سے کوئی بات کرنی ہے اور وہ یہ بات میری موجودگی میں کرنا چاہتا ہے۔“

”کیا بات کرنی ہے انہیں مجھ سے؟“ میں نے اکٹڑ سے لہجے میں سوال کیا۔

”یہ تو یہ خود ہی بتائے گا۔“ انہوں نے میرے لہجے کی بد تمیزی کو نظر انداز کیا۔ ”کیوں کامل بیٹا..... اگر تم کہو تو میں چلی جاؤں؟“

”نہیں ممانی جان..... میں چاہتا ہوں کہ میرے اور اس کے بیچ جو بھی بات چیت ہو اس میں کوئی تیسرا اموجود ہو جو اس بات کی گواہی دے سکے کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا۔“

”مجھے خواہ مخواہ میں تجسس پیدا کرنا پسند نہیں۔“ میں نے اچھے ہوئے انداز میں سوال کیا۔

”میں ممانی جان کی موجودگی میں تم سے چند سوال پوچھوں گا اور تمہیں اُن کے سچے جواب دینا ہیں، کوئی جھوٹ نہیں بولنا..... میں تو چاہتا تھا کہ چونکہ یہ معاملہ چند لوگوں کی زندگیوں کا ہے تو ان سوالوں کے جوابات تم مجھے حلف اٹھا کر دیتیں مگر ممانی جان کا کہنا ہے کہ تم قرآن کے علاوہ بھی ایک چیز کی قسم کھا کر سچ بولو گی۔“

پراسرار حویلی

مجیدوں بھری زندگی کے دلچسپ انکشافات آخری صفحات پر **نشور ہادی** کا انوکھا انداز

انتقام

ماضی کے پوشیدہ گوشوں کی فسوں گری اور بندر پچوں میں پنہاں راز و نیاز..... تاریخی صفحات پر **علی اختر** کے قلم کا جادو

رنگ آسمان

زہریلے سانپوں اور گہری چالوں پر مشتمل خوفناک اور عبرت ناک واقعات کا سنگم..... **ایے آر راجپوت** کے خیالات کی پرواز وقت خوشگوار مستقبل کی آس اور کریناک ماضی کی بھول سیلیوں میں گم شدہ لمحات کا احاطہ کرتے وقت کی مکاریاں۔ **حسام بٹ** کے قلم کا جادو

2018 کے آخری شلے کی ایک جھلک

خوبصورت کہانیوں کا مجموعہ

سیرِ دلچسپ

مزید



تنویر ریاض، شاہ ذہن، رضوان، سلیم، انور، ذمیر، عباس، محمد طاہر، عمیر اور نادہہ نورد کی خوبصورت کہانیاں

اسی کے علاوہ

”مجھ سے کیوں آپ ایسے کورٹ کچہری والے انداز میں سوالات کریں گے...؟ جاں نہیں دیتی میں آپ کے کسی سوال کا جواب۔“ میں نے غصے سے کہا۔
 ”جواب تو تمہیں دینا ہوں گے امرت۔“

”امرت بیٹا آرام سے بات کرو، میں تمہارے ساتھ ہوں۔ کوئی کورٹ کچہری کے انداز والی بات نہیں ہے۔“ اموجان نے میرے پاس بیٹھ کر میرے گھٹنے پر اپنے ہاتھ سے دباؤ ڈالا۔ ایسا وہ ہمارے بچپن میں اس وقت کرتی تھیں جب انہیں کسی بات پر نہیں سرزنش کرنا ہوتی تھی اور ہم ان کے اس انداز سے تسکین حاصل کرتے تھے۔
 ”اپنے بیٹے کی قسم کھا کر کہو امرت کہ تمہارا ارسل کے لیے شادی پر اقرار کرنے کا مقصد چاچو، ارسل یا بچکی کے حصے کی جائداد کے حصول کا لالچ نہیں ہے؟“ اس نے سوال کیا۔

”میں اپنے بیٹے کی قسم کھاتی ہوں کہ ایسا کچھ نہیں ہے، یہ آپ کی گھٹیا سوچ کے سوا کچھ نہیں۔“ میں نے حبیب کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا اور سسکی نکل گئی کہ اس نے میرے بارے میں ایسا گھٹیا سوچا۔

”ہوں۔۔۔۔۔“ اس نے کہا۔ ”اب آپ اسی بیٹے کی قسم کھا کر کہیں کہ آپ کو ارسل سے پیار ہے؟“

”میں نے ایسا کبھی نہیں کہا کہ مجھے اس سے پیار ہے۔“ میں نے پورے یقین سے کہا۔

”اگر اس سے پیار نہیں ہے تو پھر اس سے شادی کرنے کی وجہ؟“ اس نے سوال کیا۔

”شادی کرنے کے لیے کسی سے پیار ہونا ضروری نہیں، جہاں مجبوری کی وجہ سے رشتہ قائم کیا جائے اور دونوں فریقین کے آپس میں کچھ مفادات وابستہ ہوں تو پیار یا نہ ہو، اتنا اہم نہیں ہوتا۔“

”ایک آخری سوال۔۔۔۔۔“ وہ رکا۔ ”اپنے بیٹے حبیب کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہو امرت کہ تمہیں مجھ سے کبھی محبت نہیں تھی؟“ میں سن ہو گئی۔۔۔۔۔ دیر تک خاموشی رہی، میں نے سرائٹا کر اموجان کو دیکھا پھر کامل کو۔

”جو کچھ بھی تھا اسے میں نے پورے دل سے بھلا کر اپو جان کی خواہش پر زین سے شادی کی اور اسے پورے غلوں سے بھانے کی کوشش بھی کی۔“ میں نے سوچ کر ہمت کر کے جواب دیا۔

”جانتا ہوں یہ سب کچھ میں۔۔۔۔۔“ اس نے میری بات کاٹی۔ ”میرا سوال یہ نہیں ہے۔“

”جو کچھ بھی تھا وہ سب ماضی تھا اور میں اس ماضی سے چھٹکارا پا چکی ہوں۔“ میں نے سختی سے کہا۔

”جب تک تم زین کی بیوی نہیں امرت، میں نے کبھی تمہارے بارے میں سوچا بھی نہیں اور نہ ہی کبھی تم سے رابطہ کیا۔ اپنی کوشش بھی کی کہ اپنی زندگی میں اپنی ماں کی خواہش پر سیٹل ہو جاؤ مگر مجھ سے یہ ہونہ سکا۔ چند دن پہلے میں نے تم سے بات کی تھی اپنی خواہش کا۔۔۔۔۔“

”میں اسی کوئی بات نہیں سنتا چاہتی اب۔“ میں نے چیخ کر کہا۔ ”آپ نہ کوئی اور۔۔۔۔۔ اب ارسل بھی نہیں، میں کسی سے شادی نہیں کر سکتی، میں یوں ہی ٹھیک ہوں۔“ میں سسکی۔ ”آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ لوگ کیسی کیسی باتیں کریں گے۔“

”لوگ، کون لوگ؟“ اموجان نے طنز یہ لہجہ میں کہا۔ ”تم ہی تو کہتی ہو کہ لوگوں کی باتوں کی پروا انہیں ہوتی ہے جو خود دوسروں کے بارے میں باتیں کرتے ہیں۔“

”اموجان۔“ میں نے مدد طلب نظروں سے انہیں دیکھا۔

”تم نے ارسل سے شادی پر اس لیے ہاں بھری تھی امرت کہ تم میری خواہش کو رد کر سکو۔۔۔۔۔ اپنے بیٹے کی قسم کھا کر کہو کہ ایسا نہیں ہے۔۔۔۔۔ کہو۔“

”اموجان۔“ میں نے سسک کر کہا۔ ”انہیں کہیں کہ مجھ سے فضول باتیں نہ کریں اور نہ ہی میں ان کے ہر

سوال کا جواب دینے کی پابند ہوں۔“

”تو بیٹا اس میں ایسی کون سی بڑی بات ہے..... تم نے مجھے بتایا تھا کہ تم پر کوئی دباؤ نہیں ہے۔ اسے بھی اپنے بیٹے کی قسم کھا کر کہہ دو کہ تم ارسل سے اپنی خوشی سے شادی کرنا چاہتی ہو نہ کہ اس کے مطالبے سے فرار کے لیے۔“

اموجان نے بے نیازی سے کہا۔

”میں حبیب کی قسم کھا کر ایسی بات نہیں کر سکتی اموجان۔“ میں نے بے بسی سے کہا۔

”کیوں؟“ انہوں نے حیرت سے کہا۔

”میں اسی کی فضول باتوں سے مفر کے لیے ارسل سے شادی کرنا چاہتی تھی مگر اب میں نے سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے کہ میں ارسل کے ساتھ نہ خود خوش رہ سکتی ہوں نہ اسے خوش رکھ سکتی ہوں۔ میں کسی سے شادی نہیں کرنا چاہتی اموجان..... ابو جان نے کامل کے رشتے کو رد کیا تھا، اب میں اپنے مرحوم باپ کے کیے ہوئے فیصلے کو رد نہیں کر سکتی۔“

”مرحوم باپ کی، کی گئی شادی تو ٹوٹ گئی تمہاری بیٹا..... چلے جانے والوں سے باقی رہ جانے والے بہر حال اہم ہوتے ہیں۔ اب تم، میری اور اپنے دونوں بھائیوں کے علاوہ کامل کے گھر والوں کی رضا کی خاطر، اس سے مزید فرار چھوڑ دو اور اپنے دل کی آواز سنو۔“

”انسانوں کی زندگیوں میں غم اور ڈرامے نہیں ہوتے اموجان!“

”مگر ڈرامے اور فلمیں انسانوں کی زندگیوں سے ہی بنتے ہیں۔“ اموجان کا انداز حتمی تھا۔ ”گل یہاں اسی مقصد سے آئی ہے اور وہ صبح تمہاری اور کامل کی مٹگنی کا اعلان کر کے جائے گی، نکاح اور شادی شامیر کے چھٹی ملنے کے مطابق ہوں گے۔“

”کیا؟ اگر آپ مذاق کر رہی ہیں تو یہ بہت عجیب سا مذاق ہے اموجان۔“

”یہ مذاق نہیں ہے..... ممائی جان نے تمہیں اپنی اور میری شادی کا فاضل پر دو گرام بتایا ہے۔“ اس نے فس کر کہا۔ ”آپ چلیں ممائی جان، باقی تفصیل میں اسے خود بتاتا ہوں۔“ اموجان ہنستے ہوئے باہر نکل گئیں اور میرے پاس اپنے ہی کون میں چھپنے کے علاوہ کوئی اور آپشن نہ تھا۔

☆☆☆

”میں اس وقت تک تمہیں خوش رکھنے کی جدوجہد میں مصروف رہوں گا امرت جب تک کہ تم اپنے منہ سے بول کر نہیں کہو گی کہ تم میرے ساتھ خوش ہو۔“ اس نے وعدے کی ڈور پکڑائی۔ ”جانتا ہوں تم نے بہت برے حالات دیکھے ہیں اور اب میں تمہیں کسی طرح کے برے حالات، مایوسی یا تنہائی کا شکار نہیں ہونے دوں گا۔“ اس نے میرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔ ”حبیب، زین کا بیٹا ہے مگر میں اس لیے اسے اپناؤں گا کہ وہ تمہارا بیٹا ہے.....“ میں نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ کے نیچے سے کھینچا۔ ”میں تمہیں یہ نہیں کہتا امرت کہ میں حبیب کو باپ بن کر دکھاؤں گا..... اس کا باپ اتنا برا آدمی ہے کہ اس نے اللہ کی طرف سے ملنے والی ایسی غیر مترقبہ نعمت جیسی بیوی کی قدر کی نہ اپنی اولاد کی اور سسرالوں کے پیچھے اپنی زندگی کو بھی عذاب کیا۔ میں حبیب کو وہ سب کچھ دوں گا جس کا وہ حقدار ہے اور جو کچھ تم چاہو گی۔“ اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ ”میں نے سب کو قائل کیا ہے، مشکل سے کہ تم اب بھی میری چاہت ہو۔ مجھے امید بلکہ یقین ہے کہ تمہارے دل کے کسی گوشے میں میری چاہت کی کوئی یاد کہیں پڑی ہوگی۔ میں اس راہ میں سے گزیر کر کوئی نہ کوئی چنگاری نکال لوں گا امرت.....“ اسے کیا علم کہ اس سے بہت پہلے ہی چنگاریاں اس کے لہجے کی ہوا پا کر پھر سے بجھنے لگی تھیں۔ ”میں حبیب کا سب سے اچھا دوست بنوں گا، وہ

ماہنامہ پاکیزہ۔ دسمبر 2018ء 173

مجھے اسی طرح بابا کہے گا جس طرح میرے باقی بچے.....
 ”کون سے بچے ہیں تمہارے؟“ میں نے چونک کر سوال کیا۔
 ”ابھی نہیں ہیں بے وقوف..... میں ان بچوں کی بات کر رہا ہوں جو ہوں گے۔“ اس نے بھرپور قہقہہ لگایا تو
 میں نے لپکا کر سر جھکا لیا۔
 ”کامل.....“ میں نے شرم کر کہا۔

”جان کامل۔“ اس نے میرے ہاتھ کو پھر ہولے سے چھوا۔

☆☆☆

شامیر کے آنے کے مطابق نکاح کی تاریخ رکھی گئی، میں نے اصرار کر کے سادگی سے نکاح کی تقریب رکھوائی
 تھی۔ گل پھوپھو کو اپنے چاؤ پورے کرنا تھے۔ اس کے لیے دھوم دھام سے ولیمہ کر سکتی تھیں وہ۔ میں نے لال جوڑا پہننے
 سے بھی انکار کر دیا تھا۔

”تم جانتی تھیں کہ تم جو رنگ بھی پہنو گی وہ تم پر بچے گا۔“ اس نے نکاح کے بعد اسٹیج پر میرے پہلو میں بیٹھ
 کر میری انگلی میں انگلی پھپھو پہناتے ہوئے کہا تھا۔

”جلیلی فوٹو.....“ فوٹو گرافر نے کہا تھا۔ سب لوگ جمع ہو رہے تھے، حبیب کو اموجان نے اپنی گود میں بٹھا رکھا تھا۔

”ہمارا بچہ تو ہمیں دیں ممانی جان۔“ کامل نے اموجان کو پکارا تھا۔ میں نے بے ساختہ اپنے ہاتھ سے اس کا ہاتھ پکڑا۔

”اموجان کے پاس رہنے دیں اسے.....“

”یار وہ کیا سوچے گا بڑا ہو کر؟“ کامل نے مجھے ہولے سے کہا۔ ”اپنی شادی پر ماما، بابا نے اسے گود میں بھی
 نہیں اٹھایا۔“

”اسے یہی تو نہیں بتانا کہ وہ.....“ باقی بات میں نے اس کے کان میں کہی۔

”ہوں..... پوائنٹ تو بنتا ہے۔“ وہ ہنسا، میرے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر، وہ دل کھول کر ہنسا تھا۔

”میں بہت خوش ہوں امرت، میری زندگی آج مکمل ہو گئی ہے۔“ اس نے سرگوشی کی میں نے اپنا سر اس کے کندھے
 سے ٹکایا بنو تو گرافر نے اس لمحے کو بہت خوب کچھ کیا تھا۔

☆☆☆

”یہ بہت کلاس کی تصویر ہے.....“ ویسے سے اگلے دن میں اور کامل گاؤں آئے تھے، اسی تصویر کو دیکھتے
 ہوئے شامیر نے تبصرہ کیا۔ شامیر کو واپس جانا تھا اور اس کے ہوتے ہوئے بڑی پھپھو نے کھانے پر بلایا تھا۔

”اب تو اس کی شادی کا کچھ کریں عائشہ بھابی۔“ گل پھپھو نے کہا تھا۔

”کیوں بھی کوئی لڑکی پسند ہے تو بتاؤ۔“ کسی نے آواز لگائی۔

”اموجان ہیں ناں.....“ شامیر نے بغیر شرمائے کہا تھا۔

”میں کہاں ڈھونڈتی پھر دوں گی اب اس عمر میں۔“

”ڈھونڈنا کیا ہے اموجان.....“ وہ ہنسا۔ ”امرت ذرا اموجان کی نزدیک کی عینک دینا ان کو، اسے لگا کر
 اپنے دائیں طرف دیکھیں۔“ اس کی بات سمجھ کر سب کا ایک بھرپور قہقہہ سنائی دیا تھا۔

”لانا تو ذرا میری عینک بنا۔“ اپنے دائیں طرف پٹختی ہوئی شاکو دیکھ کر اموجان بدحواسی میں بولیں تو قہقہوں کا
 نذر کئے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ زندگی کتنی کامل ہو گئی تھی۔

(ختم شد)

کاجلن کوٹھڑی

طیغِ عنبرِ معزل

دونوں ہاتھ اضطرابی کیفیت میں ملتے وہ ادھر سے ادھر چکر لگائے جا رہی تھی۔
 ”کتنی بڑی غلطی کر ڈالی سر پرانز دینے کے چکر میں، اُف اللہ، اب کیا ہوگا؟“ اس سے آگے ایک اندھی دیوار تھی، کچھ بھائی نہیں دے رہا تھا۔

☆☆☆

”انمول کو بہت مس کر رہی ہوں میں ماما، کیا تھا جو آپ اس کو بھی بلوالیتیں۔ ہم سب تو یہاں انجوائے کر



رہے ہیں۔“ کوئل نے منہ بیٹاتے ہوئے کہا۔

”میں تو اس کو فون کرنے لگا ہوں!“ دوسی نے موبائل جب سے نکالا تو ممانے جلدی سے اس کے ہاتھ سے فون چھین لیا۔

”بس کرو، اس کو فون مت کرنا، پچھلے ماہ ہی ہو کر گئی ہے تو بتا رہی تھی بہت حرج ہو گیا اس کی پڑھائی کا، آخر کو میٹرک کی تعلیم ہے، مذاق تھوڑی ہے اور اب کیا فائدہ جبکہ ہم سب تو اتنی درو شالی علاقہ جات میں ہیں اور وہ کراچی سے یہاں آئے گی وہ بھی تنہا!“ بات تو بالکل درست کہہ رہی تھیں مسز آفندی۔ اب فائدہ نہیں تھا۔

☆☆☆

انمول اور کوئل گوہر آفندی اور آسیہ کی بیٹیاں تھیں بہت لاڈ پیار سے پرورش پاری تھیں۔ کوئل چھوٹی تھی اور نفسیات میں ایم ایس سی کر رہی تھی جبکہ انمول کو شروع سے ڈاکٹر بننے کا شوق تھا اور اس کے لیے اس نے بھی بہت محنت کی تھی۔

دوسی اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھا..... وہ لوگ بھی اسی کالونی میں رہتے تھے..... جہاں آفندی ولا تھا۔ چند سال پہلے یہاں شفٹ ہونے کے بعد آفندی اور شہباز فیملی کا ٹیل جول جہاں بڑھا تھا وہیں دوسی اور انمول کے درمیان دلوں کے رشتے استوار ہوتے بھی دیر نہیں لگی۔ دوسی ہیر وں ملک کا تعلیم یافتہ تھا اور شہباز بھی کے جتنے چمائے بڑنس کا اکلوتا وارث تھا..... سو کسی بھی رکاوٹ کے بغیر دونوں کی منگنی بہت دھوم دھام سے کر دی گئی تھی۔

ہر بار کی طرح دونوں فیملیز نے اس بار بھی نئے سال کا استقبال کسی نئے انداز میں کرنے کا سوچا تو کوئل ہی کی خواہش پہ سب نے شالی علاقہ جات میں ایک ہفتے کے لیے گیٹ ہاؤس بک کروا لیا۔ انمول جو اپنے شہر میں میرٹ پیسٹ نہ ملنے کے سبب کراچی کے میڈیکل کالج میں زیر تعلیم تھی کچھ دن پہلے ہی چھٹی گزار کر گئی تھی، بہت اپ سیٹ تھی مسز آفندی کو اب بھی اس کی باتیں یاد تھیں۔

”مما بہت مشکل ہوتی جا رہی ہے پڑھائی، چند دن کی جھٹی کر لوں تو کتنے، کتنے دن راتوں کو بھی جاگ، جاگ کر پڑھنا پڑتا ہے۔“ اس کے لہجے میں جھکن تھی۔

”تو دفع کرو بیٹا، چھوڑ دو ویسے بھی اب تو تمہاری منگنی بھی ہو چکی ہے اور مسز شہباز تو جلد از جلد دوسی کی شادی کرنا چاہتی ہیں۔“ ممانے اس کے بالوں میں پیار سے اٹھکیاں پھیرتے ہوئے کہا۔ وہ جو ماں کی گود میں سر رکھے ان کے قدموں میں پڑ سکوں آنکھیں بند کیے بیٹھی تھی بدک کر اٹھی۔

”ارے نہیں ممما، اب ایسا بھی نہیں ہے اتنی محنت اس لیے تھوڑی کی ہے کہ اب بالکل منزل کے پاس سب پہنچیں پھر دوں۔ بس اب مجھے جلدی، جلدی مت بلایا کریں میں یکسوئی سے فائنل ایئر سیلٹ کرنا چاہتی ہوں۔“ ممما کو اس کی باتیں یاد تھیں اسی لیے تو انہوں نے کوئل کی خوشی کے لیے یہ پروگرام تو بنایا لیکن نہ تو انمول کو آگاہ کیا نہ ہی بلوانا مناسب سمجھا۔ دوسی نے بھی ضد نہیں کی کیونکہ اس کی ٹولاسٹ ٹائم انمول سے اچھی خاصی بحث بھی ہو چکی تھی۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ اس دن جب وہ دونوں آؤٹنگ کے لیے باہر نکلے تھے تو کیا ہوا تھا۔

”انمول! میں چاہتا ہوں اب ہمیں شادی کر لینی چاہیے، تین سال ہو چکے ہیں ہماری منگنی کو۔“ ”تو تین سال کوئی اتنی بڑی مدت نہیں ہے دوسی اور میں کہیں بھگائی تو نہیں جا رہی ہوں جہاں اتنے سال گزار لیے وہاں ایک سال اور بھی۔“ انمول نے کافی کاسپ لیتے دوسی کو ناراضی سے دیکھا۔

”میرے خیال میں یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے تم شادی کے بعد بھی پڑھائی جاری رکھ سکتی ہو۔“ دوسی نے اپنی طرف سے معقول دلیل دی۔

”اُف، تم یہ سب کہتے ہوئے سوچ بھی نہیں رہے کہ میں اتنی دور کراچی میں پڑھتی ہوں اور جب تک میرا فائنل نہیں ہو جاتا میں اسلام آباد نہیں آ سکتی اور ویسے بھی میں دو کشتیوں میں سوار نہیں ہونا چاہتی! تم مردوں کو شادی مذاق لگتی ہوگی۔ مجھے بتاؤ اگر میں ماں بھی جاتی

بار کا نیا تیر اسے زندگی بھر یاد رہنے والا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے سوچا، ہلکی سی مسکان اس کے حسین چہرے پہ بکھری۔

”لو بے بی ہیو آف، یہ بھی ایک یادگار چرید ہے۔“ تھوڑی دیر پہلے کی کوفت کا نام و نشان نہیں تھا اس کے چہرے پر۔ ٹیکسی ہلکے سے جھٹکے سے رکی تو اس نے باہر دیکھا اس کا مطلوبہ ہوٹل سامنے ہی جگمگا رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اترتی ڈرائیور نے اس کو مخاطب کیا۔

”سیم اگر آپ کہیں تو میں چمک کر اودوں کہ ہوٹل میں جگہ بھی ہے یا نہیں؟ اس طرح تو بیج (سامان) کے ساتھ آپ کو پریشانی ہوگی اگر روم نہیں ملا۔“ انمول نے تھوڑی دیر کو سوچا پھر اثبات میں سر ہلا دیا، ڈرائیور اندر گیا اور پانچ منٹ میں حسب توقع وہی ہوا جو اس نے کہا تھا اور یہی نہیں شہر کا ہر ہوٹل ہی بکٹھا تھا کہیں کوئی کمرہ خالی نہیں مل رہا تھا انمول کو پہلی بار دکھ ہوا کہ اس شہر۔۔۔ بے مثال میں ان کا کوئی رشتے دار کیوں نہیں ہے اور اگر نہیں ہے تو پایا کی جاب یہاں کیوں ہے؟ وہ رونے والی ہو رہی تھی کہ ڈرائیور نے اسے راستہ دکھایا وہ سوچنے لگی یہ خیال اسے پہلے کیوں نہیں آیا ڈرائیور تو اس کے لیے فرشتہ ثابت ہو رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

اُف کیا فسوں تھا واد یوں کی رات کا، ایک طرف اوپن ائیر میں باربی کیو کا اہتمام تھا۔ کول نے بھالو کی طرح سے گرم کپڑوں سے اپنے آپ کو لاد رکھا تھا۔ وہی البتہ اپنی لیڈر جیکٹ اور گرم کپ پہنے تھا لیکن بڑے تو کٹڑیوں کی آگ کے پاس بھی سوتلے زکوٰۃ اور اوپر سے شالیں اوڑھ کر بھی سردی محسوس کر رہے تھے لیکن جوان اِدھر اُدھر بارہ بجنے کے انتظار میں تھے اور آتش بازی کی تیاری میں مگن تھے۔ ایک طرف کوئی علاقائی منکر اپنے میوزک بیڈ کے ساتھ فضا میں خوبصورت نمبر بکھیر رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

ڈرائیور نے اس کا سامان اتارا اور شہر کے ایک معروف گیٹ ہاؤس کے اندر تک پہنچا دیا، بانی شہر کی

ہوں تو بھی کیا مزہ ایسی شادی کا کہ میں بھاگ بھاگ تین چھٹیاں لے کر شادی کروں اور اس کے بعد چوتھے دن پھر سے چیر پھاڑ میں لگ جاؤں بجائے بیٹی مون منانے کے۔“ آخری الفاظ پر اس کے چہرے پہ حیا کے رنگ دھنک کی طرح اترے تو اس نے شرما کے سر جھکا لیا۔

”یہی ادا نہیں مجھے جینے نہیں دے رہی ہیں انمول، مجھے تم سے دور رہنا مشکل لگنے لگا ہے پلیز کچھ تو سوچو!“ وہی نے اپنے گرم ہاتھ انمول کے سرد ہاتھوں کی پشت پر رکھے تو انمول نے جلدی سے اپنے ہاتھ ہٹا لیے۔ وہی نے ایک ناراض نظر انمول پہ ڈالی اور خاموشی سے اٹھ کھڑا ہوا، انمول نے بھی تھلیدی کی اور لیوٹرنٹ کے بیرونی دروازے سے لے کر انمول کے گھر کے سامنے اسے ڈراپ کرنے تک وہی نے اس سے کوئی بات نہیں کی۔ گاڑی سے اترتے ہوئے انمول نے اسے اندر چلنے کی دعوت دی لیکن وہی نے انکار میں سر ہلایا اور تیزی سے گاڑی بوہالے گیا۔

☆.....☆.....☆

”یا اللہ، کیا قیامت ہے کہ پوری کالونی ہی لگتا ہے گھر چھوڑ کر بھاگ گئی ہے نیا تیر ہے کہ عید؟“ اس نے اپنے گھر کے ساتھ آس پاس کے گھروں کو بھی خالی پایا۔ اکاؤنٹ گھروں میں اگر لوگ تھے بھی تو کم از کم اتنی شناسائی نہیں تھی کہ انمول ان کے گھروں میں بے تکلفی سے رہنے کا سوچتی۔ اس طرح کے ٹاؤن میں تو ویسے بھی ہمسائے کو ہمسائیہ کی خبر نہیں ہوتی اوپر سے انمول کے فون کی بیڑی بھی ختم تھی، فون بند ہو چکا تھا۔ کیا تھا جو وہ گھر والوں سے رابطہ کر کے ہی ہاسٹل سے نکلتی لیکن..... ”جھکتو بی بی! اپنے اس سر پر اتر کو۔“ وہ غصے سے بوڑھے ہوئے وہی کے گھر کی طرف بیک تھپتے بڑھنے لگی لیکن اندھیرے میں ڈوبا بنگلا اس کو حواس باختہ کر گیا۔ ایک بار تو دل پانچ سڑک پر بیٹھ کر رونے لگے لیکن وہ آج کے دور کی لڑکی تھی، اپنی ذہانت اور خود اعتمادی پہ مان رکھنے والی..... کچھ سوچ کر پاس سے گزرتی ٹیکسی کو روکا اور ایڈریس بتا کر وہم سے ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اس

پاورڈ آف.....

پاپا نے ان کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔
 ”نیٹ ورک بڑی ہوگا آج اور ہم تو ہیں بھی
 اس وادی میں ہو سکتا ہے سکنز کمزور ہوں۔“ ممانے
 اثبات میں سر ہلایا اور آسمان پہ پھیلنے اور ابھرتے رنگوں
 کے دائروں کو دیکھنے لگیں۔

☆.....☆.....☆

”میں، میں ایسی لڑکی نہیں ہوں آپ لوگ غلط
 سمجھ رہے ہیں۔ میں ایک شریف فیملی سے ہوں، میں کہہ
 رہی ہوں میرے نزدیک مت آنا، مجھے ہاتھ مت لگانا
 میں شور کروں گی۔“ وہ آنکھوں میں دھشت بھرے ان
 نشے میں دھت بیٹھیوں کو کبھی واسطے دیتی تو کبھی دھمکاتی
 لیکن کب تک.....؟ آج کی رات اس کی زندگی کو کاجل
 کوٹھڑی بنانے آئی تھی۔

ڈرائیور جس کی ہمدردی پہ انمول نے اسے
 فرشتہ قرار دے دیا تھا اور اس کے کرایے سے زیادہ رقم
 اس کو دی تھی اس فرشتے کے اندر کے شیطان کو وہ نہیں
 پہچان پاتی تھی۔

گیسٹ ہاؤس کے دی آئی پی روم میں آکر اس
 نے سکھ کی سانس لی تھی اور اپنے بیگ میں سے کپڑے
 نکال کر واش روم میں فریش ہونے کے بعد جب وہ واپس
 کمرے میں داخل ہوئی تو حیرت سے اس کی آنکھیں پٹی
 کی پٹی رہ گئی تھیں۔ وہ کرا جو وہ خالی چھوڑ کر گئی تھی اس
 میں اب چار اوپاش قسم کے انسان ہوس بھری نظروں سے
 اسے یوں دیکھ رہے تھے جیسے شکاری اپنے شکار کو..... اس
 سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھ پائی ان میں سے ایک نے بڑھ کر
 اس کے نازک وجود کو جکڑ لیا پھر اس کی کوئی فریاد، کوئی دھمکی
 کچھ بھی کارگر ثابت نہیں ہوئی۔

☆.....☆.....☆

”میرا دل بہت گھبرا رہا ہے آفندی صاحب!
 جانے کیا بات ہے مجھے واپس جانا ہے۔“ ممانے ایک دم
 اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔
 ”بچوں جیسی باتیں مت کریں بیگم، اب اس

نسبت اس سیکٹر میں کچھ سکون تھا اللہ جانے اس سے پہلے
 ہرنو انیر پہ جن چیزوں کو انمول انجوائے کرتی تھی آج وہ
 کوفت کا باعث کیوں بن رہی تھیں۔ پورے راستے مچلے
 موٹر بائیکس کے سائٹلز رنگ لے چلاتے ہوئے ایک،
 ایک بائیک پہ چار، چار افراد سوار ون ویٹنگ کے کرتب
 دکھاتے پھر رہے تھے گوسراہے جانے والا اعلیٰ تو کبھی نہیں
 لگتا تھا لیکن جب بھی پاپا کے ساتھ وہ سال کے اس
 آخری دن کو انجوائے کرنے نکلتی تو کچھ برا بھی نہیں لگتا تھا
 لیکن آج جیسے سب ہی برا لگ رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

وصی نے موبائل فون نکالا اور اسکرین پہ
 جبکہ گاتی انمول کی تصویر پہ پیرا بھری نظر ڈالی۔
 ”چلیں جناب! ہم ہی دس کیے لیتے ہیں حسن
 ہے تو نزاکت پہ حق بھی بنتا ہے آپ ڈیزرو کرتی ہیں کہ
 ناراض بھی ہم ہوں اور راضی کرنے میں پھل بھی ہم کریں
 جلدی سے انمول کا نمبر ملایا لیکن دوسری طرف فون بند
 جا رہا تھا، وصی بار بار ملاتا لیکن بندی جا رہا تھا ایک بار پھر
 وصی کو غصہ آ گیا اس سے پہلے کہ وہ فون واپس رکھتا کہ دل
 کی بے چینی کے ہاتھوں مجبور ہو کر میسج باکس کھول لیا۔

”جانتی آنکھوں کے خواب ٹوٹ جائیں تو
 کرچیاں آنکھوں میں جھپتی ہیں لیکن درد دل میں ہوتا ہے
 لیکن اگر ان خوابوں کی تعبیر چاہتے ہو تو تدبیر سے رشتہ
 استوار کرنا لازم ہے اور عاشر طوا لین۔“

انمول کا کل رات کا میسج اسکرین پہ جھللا رہا تھا
 جو جانے کس پہر آیا اور وہ دیکھنا بھول گیا۔

مسکراتے ہوئے وہ پٹی نوا انیر کا میسج فاروڈ
 کرنے لگا۔ فضا میں مہلجڑیاں پھوٹ رہی تھیں۔ آسمان
 پہ آتش بازی سے دھنک رنگ کبکشاں بکھر رہی تھی ہر
 چہرے پہ عجیب سی مسرت نمایاں تھی۔ کوئل بھاگتی ہوئی
 سب کو پٹی نوا انیر کہتی مگھے لگا رہی تھی لیکن ممان کو اب
 انمول کی فکر ادھوا کر رہی تھی۔ آج تو ناس کا فون آیا تھا
 نہ ہی میسج، یہ بہت عجیب تھا اور کسی کے نیٹ ورک سے
 رابطہ نہیں ہو رہا تھا۔ اور ہوتا بھی کیسے اس کا فون تو تھا ہی

جذبوں میں احساس چگا کر چلے گئے
 جھوٹے سچے خواب دکھا کر چلے گئے
 سوچتی تھی کہ کر دیں گے سیراب مجھے
 وہ تو میری پیاس بڑھا کر چلے گئے
 سپنوں کا اک گل بیتا تھا میں نے
 اس میں پیار کا دیپ جلا کر چلے گئے
 میری آنکھیں پھر کل ٹوٹ کے بری تھیں
 وہ آئے اور گلے لگا کر چلے گئے
 کل شب بستر پر کچھ یادیں بکھری تھیں
 ساجن خواب میں آئے آکر چلے گئے
 ابھی تو میں نے دل کی باتیں کرنا تھیں
 بس ہیلو ہائے ٹاٹا کر کے چلے گئے

شاعرہ: فریدہ فری، لاہور

وہی کامیابی بھی حال تھا اور ہاشل سے یہ خبر ملنے پہ کہ انمول
 تو بائی انیر دودن کے لیے اسلام آباد چلی گئی ہے سن کر
 دونوں گھرانوں پہ قیامت ہی ٹوٹ پڑی تھی۔ اگر وہ اسلام
 آباد آئی تھی تو کہاں تھی، آج جو تھے دن کی مسلسل تلاش
 کے بعد پولیس رپورٹ کے بعد انمول ملی بھی تو کہاں سے
 اور کس حال میں کہ آفندی صاحب تو یہ صدمہ سہارا ہی نہیں
 پائے اور ہارٹ اٹیک کے باعث اسپتال جا پہنچے۔ وہی
 نے ان کو اسپتال پہنچا یا وہ آئی سی یو میں تھے اور اسی اسپتال
 میں ان کی لاڈلی چپ کی چادر اوڑھے سفید چادر میں لٹھے
 کی طرح سفید چہرہ لیے محنت کو گھور رہی تھی۔ کول، ہما کو
 سنبھالنے میں بے حال تھی اور وہی کے گھر والوں میں
 ایک محسوس کی جانے والی سرد مہری ہی آگئی تھی۔

وقت دے دے پاؤں گزر جاتا ہے لیکن یہاں تو
 وقت کے ہیروں میں بیڑیاں تھیں جو گزرتے، گزرتے
 جیتی رہیں اور آواز کے ساتھ فقارہ بجاتی رزم بڑھاتی
 رہیں۔ وہ لوگ جس علاقے میں ایک دوسرے کے جینے
 مرنے سے بے خبر رہتے تھے کتنی جلدی انمول کے ساتھ

ماہنامہ پاکیزہ — دسمبر 2018ء — 179

وقت کیا تک بنتی ہے کہ گھر چل پڑیں، رات کے وقت
 اتنا خطرناک سفر۔

”مجھے نہیں پتا بس مجھے واپس جانا ہے۔“
 ”اوکے، ہم صبح ہوتے ہی چلتے ہیں لیکن اس
 وقت آپ ذرا صبر کریں۔“

☆.....☆.....☆

اس کی آنکھوں کے آگے سے اندھیرا چھٹا تو وہ
 جس جگہ تھی۔ وہ ایک اور قیامت تھی اس کے آس پاس
 اور بھی لڑکیاں تھیں جن میں سے صرف ایک وہی تھیں جو
 اسی کی طرح کبھی ہوئی تھیں ورنہ باقی تو لگتا تھا معمول
 کے مطابق کسی جگہ کی سیر پر آئی تھیں۔

اور ان کے اطمینان کی وجہ بھی سمجھ میں آگئی تھی
 جب تھوڑی دیر میں ایک فون یہ ان سب لڑکیوں کو
 حوالات سے نکال کر کچھ لوگ لے گئے۔ اب پیچھے صرف
 وہ تین تھیں اور ڈرامی دیر میں ان کے بھی جھگڑے سروں
 والے مردان کو لے کر چلے گئے۔ اب وہ ایک کونے میں
 گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے گھڑی بنی بیٹھی ہوں بھری
 نظروں کا سامنا کرنے کو تیار ہو گئی تھی۔

”کیوں بھی؟ تیرے کوئی ہوتے سوتے نہیں
 ہیں؟“ ایک کھڑوسی پولیس والی نے سلاخوں پہ ڈنڈا
 بجایا اور اس سے پوچھا۔ اس کے منہ سے جواب میں
 ایک لفظ نہیں نکلا تو اس پولیس والی نے دوبارہ اپنا سوال
 دہرایا لیکن انمول اپنے حواس میں تھی ہی کب۔

اسے تو علم ہی نہیں تھا آج چوتھا دن تھا کہ وہ
 حوالات میں تھی بہت ممکن تھا کہ وہ عزت سے محروم بھی ہو
 جاتی لیکن عین وقت پہ پولیس کے چھاپے نے اس کی
 عزت تو بجا لی لیکن تب سے وہ اب تک اس مشکوک جگہ
 سے گرفتار شدہ ایک مشکوک لڑکی بن چکی تھی۔

☆.....☆.....☆

”میں نے آپ سے کہا تھا تاں کہ میرا دل گھبرا
 رہا ہے، مجھے کچھ غلط ہونے کا احساس ہو رہا تھا۔ مجھے نہیں
 پتا میری انمول کو ڈھونڈیں پلیز آفندی میری انمول.....“
 گھر پہنچتے ہی بے تابی سے ممانے ہاشل فون کیا تھا اُدھر

انمول کے کمرے کی طرف دیکھا تو وہ ساکت ہو گئی۔
مینٹل اسپتال کے کمرے میں نرمیوں نے...
بہ مشکل اس کو قابو کر رکھا تھا ایک ہیڈ نرس نے اس کے بازو
میں انجکشن لگایا تو اس کی مزاحمت دم توڑنے لگی۔

☆☆☆

جی قارئین! آپ درست سمجھ دہی سے بات
کر کے جب کوئل چلی تو انمول کمرے کی چوکھٹ پہ کھڑی
تھی اور حرف، حرف اس کی سماعت میں الجھنے ہوئے سیسے
کے مانند گرا تھا۔ وہ بہت زور سے چیختی تھی۔

”میں نے کچھ نہیں کیا، مجھے چھوڑ دو، میں...
بے گناہ ہوں مجھے مت چھوڑ۔“ کوئل اسے سنبھالتے
سنبھالتے بے حال ہو رہی تھی لیکن خوش بھی تھی کہ اس کی
چپ تو ٹوٹی لیکن..... اسے نہیں پتا تھا یہ چپ نہیں ٹوٹی تھی
یہ تو رِمل تھا اس کا جل کوٹھڑی کی کالک کا جو اس کی
معصومیت کے منہ پہ مل دی گئی تھی ہمیشہ، ہمیشہ کے
لیے..... لیکن اب وہ چپ نہیں رہتی تھی، بولتی تھی، چیختی
تھی، خود کو نقصان پہنچاتی تھی دوسروں پہ حملہ کرتی تھی اور
ماہ دسمبر اور جنوری کے آتے ہی اس پہ شدید دورے
پڑتے تھے۔

کوئل کی شادی ہو گئی تھی اور ماں باپ دنیا سے
رخصت ہو گئے تو کوئل کو مجبوری میں انمول کو مینٹل اسپتال
میں داخل کروانا پڑا۔

آج بھی اکتیس دسمبر کی تاریخ تھی اور صبح سے
انمول کو دورے پڑ رہے تھے، وہ خود کو نوچ رہی تھی نرسیں
بار بار اسے... سنبھال رہی تھیں لیکن وہ آپے سے باہر
ہو جاتی تھی جانے کیسے سارا سال اس کے لیے ایک جیسا
رہتا لیکن دسمبر آتے ہی اسے اس کی آمد کا پتا لگ جاتا تھا۔
نرس نے صبح، صبح اس کے کمرے میں جھانکا، وہ
سکون سے سو رہی تھی نرس نے آگے بڑھ کر اس کو اٹھانا چاہا
لیکن..... وہ تو زمان و مکان کی قید سے آزاد جا چکی تھی وہ
چپ، چاپ رخصت ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر انمول آندری اس
دنیا سے بے مومل ہو کر کاجل کوٹھڑی چھوڑ چکی تھی۔

ہوئے حادثے سے ضرب دو کر کے واقف ہوتے اور
کرتے رہے لیکن بہر حال وقت کا کام ہے گزرتا، یہ
وقت بھی گزر گیا۔ آندری صاحب اور انمول دونوں ہی
گھر آ گئے لیکن اب گھر، گھر کہاں تھا ایک شہر خوشاں تھا۔
جینے کے لیے کھانا ضروری تھا آہستہ، آہستہ
معمولات زندگی معمول پہ آہی گئے سب کے زخموں پہ
کھرینڈ آنے لگا بس انمول کی چپ مٹی جو نوٹ نہیں
پارہی تھی۔

ڈاکٹر ی رپورٹس نے تو اس کی پاکیزگی ثابت
کر دی تھی لیکن دنیا کی ثبوت کو کب مانتی ہے، اس کے
اپنے ہی قاعدے قانون ہیں۔ وہی بھی کھڑا کھڑا آتا اور
سر سری انداز میں انمول کو دیکھ کر چلا جاتا لیکن کب تک
کوئل نے ایک دن اس کو جالیا۔

”کیوں وہی بھائی ایسی سردھری کیوں؟ اس
وقت تو سب سے زیادہ آپ کی محبت ہی انمول کو زندگی کی
طرف لوٹا سکتی ہے جبکہ آپ ہی اس سے بے پروائی برت
رہے ہیں..... کیوں کر رہے ہیں ایسا؟“

”میں اپنے آپ کو بہت سمجھتا ہوں کوئل لیکن
میرے اندر بیٹھا ایک انا پرست مرد مطمئن نہیں ہو پارہا۔
تم نے اچھا کیا مجھ سے بات کر لی، میں خود بھی اس ہر
وقت کی اندرونی جنگ سے تنگ آ چکا ہوں۔ مجھے نہیں لگتا
کہ میں انمول کے ساتھ خوش رہ سکتا ہوں۔ مجھے یہ
بدنای کی کالک ساری زندگی بے چین رکھے گی۔ اس کا
چار دن ہھر سے باہر اور پھر حوالات، یہ سب میری
برداشت سے باہر ہے۔“

”تو یہ سب شادی کے بعد بھی تو ہو سکتا تھا۔“
کوئل کی آواز جیسے گھرے کنوئیں سے آئی تھی۔

”تب بھی، ہاں تب بھی میرا یہی فیصلہ ہوتا۔“
”تو پھر مسٹر دھمی شہباز! آپ میری بہن کو
ڈیز روہی نہیں کرتے تھے، منہ پہلے، نہ آج، نہ ہی آئندہ کبھی“
آپ جاسکتے ہیں اس سے پہلے کہ میں آپ پر تنوک دوں یا
بہت برا کچھ کر بیٹھوں۔ آپ یہاں سے چلے جائیں۔“
وہی نے باہر کی طرف قدم بڑھائے تو کوئل نے مرکز



URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutube.com

ٹوٹی صراحی

ایمل رضا

”پیارے اقرا“

امید ہے خیریت سے ہوگی۔

مطلع کرنا ہے کہ تم نے اپنے ابا سے پوچھ کر قلعی
کرنے کا جو طریقہ بتایا تھا۔ اس کا کوئی فائدہ نہیں
ہوا۔ جس کا مجھے بے حد افسوس اور اماں کو قلق ہے۔ ایک
تو میں نے اتنی مشکل سے قلعی ڈھونڈی..... پھر ساری
رات صراحی کو جو لے پر رکھا۔ صبح اٹھ کر جب اس پر قلعی
کی تو ساری قلعی میلی ریت کی طرح اتر گئی..... اہی کی

”اوہ.....“ میں نے رجسٹر سمیت اپنی الجھن کو بھی لپیٹا.....

”جی فرمائیں.....؟“

”اس پارسل کی کٹکٹ لینی ہیں۔ دوسری طرف رش بہت ہے۔ اُن صاحب نے کہا ہے کہ آپ کے پاس بھی کٹکٹ ہوتی ہیں۔ اگر آپ مدد کر دیں تو.....؟“ وہ اپنا مدعا بیان کر کے بھی چپ نہ ہوا۔ ”بوزھوں کی کٹکٹ میں سے چند ایک کٹکٹ اس جوان کو دے دیں تو.....“ اس نے ایک آنکھ دبا کر شرارتاً اور ہونٹ کا کونا دانتوں تلے لے کر التجائیہ کہا اور میں اس کے حسن کی ان دو جلیترنگ نزاکتوں سے تڑپ اٹھی۔ اس کی بے تکلفی نے میرے پاس سے جیسے گروی رکھی تھی۔

دراز میں سے کٹکٹ نکال کر اسے دیتے ہوئے نہ جانے کیوں میرے ہاتھ ارتعاش زدہ ہو گئے۔ اس نے مجھ پر سے نظریں ہٹائے بنا کٹکٹ لیں، پیسے نیل پر رکھے اور چلا گیا۔ اس وقت تمہیں خط لکھتے ہوئے بھی اس کا چہرہ صفحے کی لکیروں پر اس طرح پھیلا ہوا ہے جیسے وہ کسی الہامی مصور کی ادھوری تصویر ہو اور مکمل ہو جانے کے لیے بے تاب ہو.....

لو..... میں بھی کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ جبکہ بات کا آغاز صرف اس مقصد کے لیے کیا تھا کہ تمہیں بتا سکوں کہ انسان کو، ہم عمر ہی پیارا ہوتا ہے۔ یہ اماں کہتی ہیں..... اس کی جوان آواز نے مجھے بھلا دیا کہ میں پوسٹ آفس کی..... بور اور تھکا دینے والی جاب کرتی ہوں۔

اپنے ابا سے پوچھ کر قلعی کرنے کا کوئی اور طریقہ بتاؤ۔

خدا حافظ! تمہاری آمنہ.....

☆☆☆

”پیاری اقرا.....“

امید ہے خیریت سے ہوگی۔

تم جو ہر خط میں ہمیشہ اپنے مسائل کے انبار میں ایسے دھنسی نظر آتی ہو جیسے خشک پرانی پرتام جینی کے

پریشانی جوں کی توں رہی..... اتنا خرچہ ہو گیا سو وہ الگ..... امی تو رونے لگی تھیں کہ یہ مرا جی اب غی ہو ہی نہیں سکے گی۔ مجھے افسوس ہوا کہ آخر پرانی بچی سے نانی کی یاد کی کوئی چیز نکل ہی آئی تھی تو مجھے اسے چھاپ لیتا چاہیے تھا۔ امی کو دکھانے کی کیا ضرورت تھی۔ اس طرح سے پرانے، بھولے ہوئے زخم عیاں ہو جائیں تو اپنی نادانی کا ڈکھ الگ ہوتا ہے اور درد الگ جاگ اٹھتا ہے۔ خیر میں نے تسلی دی ہے کہ میں کچھ نہ کچھ کر لوں گی۔ آج کل میں وقت ملا تو بازار کسی اچھے سے مہوں (کیسا گر، قلعی والا) کے پاس لے کر جاتی ہوں۔

تمہیں تو پتا ہے ڈاک کی نوکری میں وقت مشکل سے ہی ملتا ہے۔ اوپر سے شہر میں پچھلے ایک ماہ سے مسلسل بارشیں ہو رہی ہیں۔ بارشوں نے تو جیسے دریاؤں کی کمی کا مداوا کرنے کی شرط باندھ رکھی ہے۔ گھر سے پوسٹ آفس آنے جانے میں ہی گھنٹوں لگ جاتے ہیں۔ ایک سے دو چاہر جا لگتا ہے۔ آج کل تو رش بھی بہت ہوتا ہے پوسٹ آفس میں..... مینیجنگ کا شروع ہے ناں..... پنشن والوں اور منی آرڈر والوں کا بہت رش رہتا ہے۔ عمر رسیدہ، کھانٹے، بجلی کروں والے بڑھے آتے ہیں۔ جوان پوتوں کا، نواسوں کا یا لائٹیوں کا سہارا لے کر..... سارے کام چھوڑ کر سب سے پہلے اُن کے کام کرنے میں بے حد خوشی ہوتی ہے۔ آج انہی بھنگی کھانسی آوازوں میں ایک جوان آواز سی تو چونک اٹھی..... مانو جیسے صحرائیں گول کوک ابھی ہویا جیسے ترنم سے مہکی راتوں میں کوئی ہولے سے مردنگ بجا دے۔

”مس آمنہ.....“ اس نے میرا نام پکارا۔ میں جو

پرانے رجسٹر میں پنشن والوں کا..... اندراج کر رہی تھی اپنا نام سن کر چونکی..... میری نظروں کے استہمام کو وہ بھی تازہ کیا اور اس نے مسکرا کر نیل پر پڑی لکڑی کی ٹکونی پٹی میری نظروں کے سامنے لہرائی، جس پر میرا نام سنہری جینس سے لکھا گیا تھا۔ جیسا کہ پوسٹ آفس میں سب کا ہی ہوتا ہے۔

ماہنامہ پاکیزہ۔ دسمبر 2018ء 182

کے لیے..... کچھ بکس ہیں اس میں لیکن ان کا وزن زیادہ ہو گیا ہے۔ کاؤنٹر والے کہہ رہے ہیں کہ رجسٹری نہیں ہوگی۔ اس کا پارسل بنے گا۔“

”تو بوالیں.....“ میں نے کندھے اچکا کر..... بے نیازی سے کہا جیسے اس کی مشکل میری مشکل نہ ہو..... ”اس میں کیا پریشانی ہے۔“

”پارسل بنانے کے لیے میرے پاس سفید

کپڑا ہے اور نہ ہی سوئی دھاگا..... دوسرا مجھے سینا پر دنا

بھی نہیں آتا..... میں اس معاملے میں بالکل ہی پھوپھڑ

ہوں.....“ اپنی ٹی شرٹ کے اندر سے نکلتی شفاف

گردن پر پیچھے ہاتھ ملتے ہوئے اس نے نادان بننے کی

اداکاری کرتے ہوئے کہا تھا۔ اور یقین جانو

اقرار..... اس کے اس انداز پر مجھے بے اختیار ہنسی آ

گئی۔ وہ ایسے کہہ رہا تھا جیسے اپنی ماں کے بارے

کے پر بھی وہ کھانا پکانا اور گھر داری نہ سیکھ سکا ہو.....

میری ہنسی تو میں یہ دیکھ کر ایک دم سے مزید خود میں

سکئی کہ میری ہنسی میں اس کی بھی شراکت داری تھی اور

میرے آفس کے کولیک ہم دونوں کو دیکھ رہے

تھے۔ اماں کہتی ہیں کہ مرد کی ہنسی آگ ہے تو عورت کی

ہنسی پانی..... جب یہ دونوں ملتے ہیں تو کسی ایک کو مات

کھاتی ہی پڑتی ہے۔ یا پانی آگ کو بجھا دے گا یا آگ

پانی کو بجسم کر دے گی اور یہاں کون بجھتا چاہتا ہے

اور کون بجسم ہونا چاہتا ہے؟ یہ واضح نہیں.....

”باہر سے سب کچھ مل جائے گا۔ خرید لائیں.....

میں پارسل بنادوں گی۔“ خوف سے لپٹ کر میں نے

سنجیدہ ہونے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔ چند

لحوں میں ہی وہ باہر سے ساری چیزیں لے آیا۔ میں

نے جلدی، جلدی کپڑا کاٹا، جور عشاء لے آتھوں کے

باعث میز حامیز چاٹنا، سوئی میں بہ مشکل دھاگا پرویا،

اور پارسل بنانا لگی۔ بارہا دفعہ کا کیا ہوا چھوٹا سا کام تھا

جسے کرنے میں مجھے بڑے سے بیت گئے۔ دل کی

دھڑکنوں میں کہیں نے پیغام بر کے گھر بجتے چلے گئے۔

”مجھ سے دوستی کرو گی؟“ اچانک سے اس نے

برتن..... اس بار تم نے کسی ایک بھی طرف کوٹا ہر نہیں کیا

بلکہ سارا خط اس لڑکے کے بارے میں لکھ ڈالا جس کے

اعزاز میں، میں نے غلطی سے تمہیں چار پانچ لائینیں لکھ

دی تھیں۔ کیا تھا؟ کیا تھا؟ نام کیا تھا؟ میں نے مزید

بات کیوں نہیں کی؟.....؟ اللہ اسے سوال..... مجھے یقین

ہے کہ میری جگہ اگر تم ہو تیں تو یقیناً اس آؤے کا بھی

معلوم کر لیتیں جس پر وہ ان چڑھا ہوگا۔

وہی عجیب حسن اتفاق ہے اور تمہارے لیے

دکھش بھی..... دو دن بعد وہ پھر سے آیا تھا پوسٹ

آفس..... کلکٹ لیں اور پتا کوئی بات کیجئے دیکھتے

ہوئے چلا گیا۔ تین دن بعد پھر سے اس نے یہ ہی

حرکت کی..... اور تمہارا خط آنے کے اگلے ہی دن پھر

سے اس کی مسکراہٹ کا بوجھ میرے وجود پر اس قدر

گراں گزرتا ہے کہ میں اس کے سامنے کسی مغلیٰ کینز کے

ماندر چمکتی چلی جاتی ہوں۔

آج وہ پھر سے میرے پاس آیا..... میں جو صبح

گھر سے نکلنے سے پہلے ہی سوچ رہی تھی کہ آج وہ آئے

گا تو اسے کہوں گی کہ اب دوسری طرف رش نہیں ہوتا،

وہاں سے ٹکٹس لے لیا کرے اور اس جیل کو آفس جانے

تک میں ہزار بار بول کر اس کی مشق کر چکی تھی۔ لیکن

اسے دیکھ کر ساری مشق سفیدے کی چھال کی طرح

میری زبان سے جھڑ گئی۔ وہ مسکراتا ہوا سیدھ میں چلتا

میری ٹیبل تک آیا تھا۔ میں جو فارغ بیٹھی تھی۔ جلدی

سے کرنے کے لیے کوئی کام ڈھونڈنے لگی۔ نہ

جانے کیوں میں اس کی بے تکلف مسکراہٹ، اس کی

قریب زدہ آنکھوں کی چمک اور اس کے باوقار وجود

سے بچتا چاہتی تھی۔

”جی بو لیے.....؟“ میں نے فالتوں میں بری

طرح سے سر کھاتے ہوئے کہا۔

”ایک مشکل ہو گئی ہے۔“ وہ کاؤنٹر سے گھوم کر

اندر آیا اور شاہانہ اور مطمئن انداز سے میرے سامنے

بیٹھے ہوئے بولا۔ ”یہ ٹیکٹ لایا تھا۔ رجسٹری کروانے

کہا..... اور سوئی میری انگلی میں چھب گئی۔ جہاں سے فوراً ہی خون نکل آیا تھا، میں نے سراٹھا کر دیکھا تو وہ مجھ سے نظریں پھیر کر ٹیبل پر پڑے میرے بیک کی زپ کے ساتھ لٹکی تھی سی گڑیا کا ہاتھ تھا سے ہوئے تھا اور ایسے ظاہر کرنے لگا تھا جیسے ”دوستی“ والی بات اس نے مجھ سے نہیں اس گڑیا سے کہی ہے۔

”آپ کا کام ہو گیا ہے۔“ میں نے پارسل اس کی طرف بڑھا دیا۔ یہ اشارہ تھا کہ اب وہ وہاں سے اٹھ سکتا ہے۔ میں اس سے زیادہ اس کے لیے اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

تمہاری آمنہ.....

☆☆☆

”پیاری اقرار.....

امید سے خیریت سے ہوگی۔ یہ تو تم نے بہت اچھا کیا جو اپنے ابا سے منگوا کر مجھے قلعی ہی بھیج دی۔ میں نے جو ہفتہ لگا کر ملائین قلعی دھوٹھی تھی وہ تو ایسی ہرگز نہ تھی۔ یقیناً دکاندار نے مجھ سے دھوکا دہی کر کے زیادہ پیسے ایشیے ہیں۔ خالو جان والی تو شکل سے بھی باندرا اور خالص لگ رہی ہے۔ خالو جان کی یہ بات بھی ٹھیک ہے کہ برتن نازک یا ٹھوس دھات کا ہوگا۔ منے مہوس (قلعی گز) پرانے برتنوں کو پینڈل نہیں کر سکتے۔ ورنہ میں اسے کہاں کہاں لے کر نہیں گئی۔ لیکن اس کا کوئی حل نہیں نکل سکا۔ خیر ٹھیک ہے۔ اب میں اسے کسی اور کے پاس نہیں لے کر جاتی..... بلکہ وقت ملتا ہے تو اسے پھر سے خود ہی قلعی کرنے کی کوشش کروں گی۔ امی خوش ہو جائیں گی۔ کالی صراحی کو دیکھو، دیکھ کر روتی رہتی ہیں۔ اس صراحی کو ہاتھوں میں تھام کر نہ جانے کون سے گزر چکے اور آنے والے وقتوں پر اداس ہو جاتی ہیں۔

ہاں اب اس موضوع کی طرف آئی ہوں جس کے لیے تم میرے جوابی خط کا ایسے انتظار کر رہی ہو گی جیسے عورت پہلوئی کی اولاد کا کرتی ہے..... آج میں بھی اس موضوع پر بات کرنا چاہتی ہو۔ ”سلیمان کے موضوع پر.....“ یقیناً تمہیں اس کے ذکر کی طرح

اس کا نام بھی پیارا لگا ہوگا۔ اور اگر تم اسے دیکھ لو تو کالی ملی بن کر میرا کیا کسی کا بھی راستہ کانٹے سے گریز نہ کرو۔ تم نے جو مجھے اپنی قسم دی ہے کہ میں اس سے سخت انداز سے بات نہ کروں تو میں نے تمہاری قسم کی لاج رکھ لی ہے۔ اب جب، جب وہ آتا ہے تو بڑے ادب سے اس سے ہمکلام ہوتی ہوں۔ اور وہ تو اب آئے دن آیا ہی رہتا ہے۔ کبھی کبھار لے کر، کبھی لے کر..... ایک دن پورے سولقانے لایا تھا، جو دوسرے شہروں میں موجود ان کی کمپنی کے ورکرز کے لیے انوشین کارڈ تھے۔ پورا ایک گھنٹا میرے سامنے بیٹھا رہا، میں ایک، ایک کا وزن کرتی، ان پر ٹکٹ لگاتی رہی۔ وہ کہنیاں میز پر ٹکائے، دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرہ رکھے، مجھے دیکھتے ہوئے اپنے بارے میں بتاتا رہا اور میری مضبوط دلی کے سارے اثاثے چھینتا رہا۔

اس کے آئے دن کے لانے والے وہ پارسل کتنے سچے تھے اور کتنے جھوٹے ان کا عقدہ آج کھلا ہے۔ آج پھر ایک پارسل لایا تھا۔ کہنے لگا اس کے سائز کا ”خاکی کور“ نہیں مل رہا۔ کیا کروں.....؟ میں نے کہا کاغذات کو موڑ لیں۔ تو کہنے لگا کہ کاغذات کی نوعیت اس قدر اہم ہے کہ انہیں موڑا نہیں جاسکتا۔ میرے پاس سفید رنگ کا کاغذ تھا۔ میں اس کا کور بنا کر جلدی سے اسے دینے لگی کہ وہ بس جلدی سے یہاں سے نکل جائے۔ کور بن گیا اور جوں ہی میں نے اس سے پارسل پکڑنا چاہا تو پارسل کے اوپر کا اخبار پھٹ گیا۔ حیرت تب شروع ہوئی جب دیکھتی ہوں کہ اندر اہم کیا غیر اہم کاغذ نام کی بھی کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ صرف اخبار ہی اخبار ہیں۔ رومی کے پرانے اخبار..... میں نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرا کر اپنی شرٹ کے اندر سے نکلتی گردن پر ایک بار پھر سے پیچھے سے ہاتھ ملنے لگا، یہ مرد ایسا کیوں کرتے ہیں اقرار.....؟ پہلے نادانیاں کرتے ہیں پھر گردنوں کو ایسے ملنے ہیں جیسے ان سے بڑا شراتی بچہ اور کوئی نہیں..... کیا وہ نہیں جانتے کہ ایسا کرتے ان کے وجود کی باس چاروں اور پھیل جاتی ہے؟

بے ہودہ لوگ

کرایے کے نئے مکان میں جا کر دو تین روز بعد بیوی نے اپنے خاوند سے کہا۔

”سامنے والے مکان میں نو جوان لڑکے اور لڑکیاں بے ہودہ حرکتیں کرتے ہیں۔ ایسے بے

حیا لوگوں کے بڑوس میں رہنا ٹھیک نہیں ہے۔“

خاوند نے کھڑکی کھول کر دیکھا اور بیوی سے کہا۔

”مجھے تو کچھ بھی نظر نہیں آتا، سامنے دیوار ہے۔“

”مجھے تو ہر روز نظر آتا ہے۔“ بیوی نے کہا۔

”میز پر اسٹول رکھ کر اس پر کھڑے ہوں اور روشندان میں سے دیکھیں۔“

حالاک شوہر

ایک شخص کی دو بیویاں تھیں۔ دونوں کو یہی فکر لاحق رہتی تھی کہ اس کا شوہر دوسری سے زیادہ

محبت کرتا ہے۔ ایک دن شوہر نے دونوں بیویوں کو

ایک، ایک انگوٹھی لا کر دی اور کہا کہ ”اس کو چھپا کر رکھنا اور اس کا ذکر دوسری سے نہ کرنا۔“

چند دن بعد دونوں بیویاں شوہر کے پاس بیٹھی تھیں۔ اچانک ایک نے شوہر سے پوچھا۔

”تجھیں، ہم دونوں میں سے کون زیادہ پسند ہے؟“

شوہر نے جواب دیا۔ ”جس کے پاس میری انگوٹھی ہے۔“

مرسلہ: ممتاز خانم، کراچی

فون

بیوی نے ناشتا کرتے ہوئے اپنے شوہر سے پوچھا۔

”سوئی کون عورت ہے جس کا نام آپ رات کو سوتے میں لے رہے تھے۔“

خاوند نے چونک کر کہا۔

”سوئی، سوئی، اباں یاد آیا۔ گھوڑ دوڑ میں، میں نے اسی پر شرط لگائی تھی۔ اس کا نام سوئی ہے۔“

بیوی نے مسکرا کر کہا۔ ”اس گھوڑی کا کل دو مرتبہ ٹیلی فون آیا تھا۔“

از: صاحبزادہ دینی

”ڈاک والے پتا پارسل کے پوسٹ آفس کے اندر نہیں آنے دیتے.....؟“ اس نے وضاحت دینے کی کوشش کی۔

”تو آپ کو پتا پارسل کے پوسٹ آفس کے اندر آنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟“ میں نے اچنبھے سے

پوچھا۔ وہ ایک نظر مجھے دیکھتا رہا جیسے میری نادانی پر نوحہ کرناں ہو.....

”میں آپ کی وجہ سے یہاں آتا ہوں آمنہ.....“

اس نے صاف کوئی سے کہا اور میرے حیروں تلے سے سارا پوسٹ آفس نکل گیا۔ افسوس جو ابھی لالی کو چھو رہا تھا

ایک دم سے سیاہ ہو گیا۔ بے کراں آسمان ایسے سکڑا کہ میرے دل کی کھال بھی سکڑنا چلا گیا۔

”تم مجھے اچھی لگتی ہو آمنہ.....“ میری سماعتوں نے اس کے وہ الفاظ سنے جس کا راز میرے دل کی

گردش پہلے ہی پا چکی تھی۔ وہ آپ سے تم پر آیا..... اور اس نے تا حرم سے حرم ہو جانا چاہا.....

”تمہیں پہلی نظر میں دیکھ کر ہی مجھے.....“ وہ رکا.....

”تم مجھے اچھی لگیں آمنہ، میں نے ایک لمحے میں تمہارے ساتھ کے ہزاروں خواب بنے ہیں۔“ اندر وہ

بول رہا تھا اور باہر سیاہ بادل بڑے زور سے گرج رہا تھا پھر ایک دم سے تیز بارش شروع ہو گئی۔ دیکھو اب بھی

ہو رہی ہے۔ دم بھم، دم بھم..... اماں کہتی ہیں یہ رم بھم دیکھنے میں تو اچھی لگتی ہے لیکن پرانی دیواروں میں

سوراخ کر دیتی ہے۔ کھوکھلا کر دیتی ہے انہیں..... اور ان میں اُسے پتیل کے درختوں کو پروان چڑھاتی

ہے۔ ایسی بارش فریبی ہوتی ہے اور حریف بھی..... اماں کی باتیں سنا کر بے پریشی سمجھ..... لیکن کبھی ان

میں دانائی کم اور کم عقلی کی منطق زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ کہتی ہیں کہ ایسی برسات بد حال کر دیتی ہے۔

اماں کیا جانے..... کہ یہ تو حال کو سدھار دیتی ہیں۔“

☆☆☆

”پیاری اقر.....“

کہتے ہیں جب ساون آجائے تو کنوئیں کے پانی

سے نہیں نہانا چاہتے۔ کتنی عجیب بات ہے ناں..... پہلے تو مجھے بارش بہت بری لگتی تھی۔ پوسٹ آفس آنے جانے میں ایک مسئلہ رہتا تھا۔ اب اتنی ہی اچھی لگتی ہیں کہ دل کرتا ہے پوسٹ آفس کے بڑے دلالوں جیسے کمروں کی چھتیں بھی ہٹا دوں اور کرسی پر بیٹھی ہر وقت بارش میں بھیکتی رہوں۔ لکس، لکس ترکیے ہوئے ہی سارے کام کیا کروں۔

آج سر شوکت مجھے کہنے لگے کہ ”آج کل بہت دیر سے آرہی ہو۔ تمہاری تنخواہ کاٹوں گا۔“ میں آگے سے ہنس دی۔ پھر کہنے لگے کہ ”یہاں آکر بھی کوئی کام نہیں کرتیں۔ سارا وقت بس سلیمان سے بات کرتی رہتی ہو۔ تمہاری تو شکایت ہونے والی ہے۔ ہیڈ کو بھی اور تمہاری امی کو بھی۔“ اس بات پر میں نہ ہنس سکی..... کیونکہ اس وقت بھی میرے سامنے سلیمان بیٹھا تھا۔ جو سر شوکت کی بات پر دل کھول کر ہنسا تھا۔

”دیکھ لو میری محبت کے چرچے عام ہونے لگے ہیں۔“ اس نے میرے کان کی لو کے پاس آکر سرگوشی سی کی..... یقین جانو..... ابھی تک کان اس کی گرم سانسوں سے سلگ رہے ہیں۔

اب گارڈ اس کو اندر آنے سے نہیں روکتے..... سب جان گئے ہیں، ہاں سب..... شاید میں ہی نہیں جان سکی..... یا جان گئی ہوں پر..... مان نہیں رہی..... میرے سر دروئیے کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ کسی اسپرنگ لگے کھلونے کی طرح خود بخود ہی میری کرسی تک چلا آتا ہے اور میرے سامنے بیٹھ کر مجھے کام کرتا دیکھتا رہتا ہے۔ بھلا اس کی موجودگی میں تو میری ذہانت کے خود کار کام بھی رک جاتے ہیں۔ وہ بھی جن کو کرنے میں مجھے کوشش نہیں کرنی پڑتی..... جیسے میری سانسوں کی روانی، میری پلکوں کا جھپکنا، میرے جسم پر خود میری مرضی..... اس کے ہوتے ہوئے تو یہ سب عوامل بھی بغاوت کر دیتے ہیں۔ سوچو دوسرے کام کیونکر ہوں گے۔ اور وہ بس یہ ہی کہتا رہتا ہے کہ غصہ کیوں ہوتی ہو..... تمہیں میں تک تھوڑی نہ کر رہا ہوں۔ بس بیٹھائی

تو ہوا ہوں۔ ہاں وہ واقعی تنگ نہیں کرتا، سوائے اس کے کہ اس کی نظروں کی تپش آہن روپ دھار کر مجھے خود میں جکڑ لیتی ہے اور میں پرکٹی فاختہ کی طرح اس کے حصار میں پھڑ پھڑا کر رہ جاتی ہوں۔

”میں اپنی محبت کا جواب تم سے کبھی نہیں مانگوں گا۔ روز یہاں آؤں گا تا کہ تم مجھے جان لو..... اور پھر ایک دن خود سے کہو کہ سلیمان میں بھی تم سے محبت کرتی ہوں۔“ ہتا ہے اقرار آج جاتے وقت اس نے کہا تھا اور گھر واپسی کا سفر مجھ سے محال ہو گیا۔ ایک، ایک قدم جیسے میں دو دشمن ممالک کی سرحد کے درمیان رکھ رہی تھی۔ امی نے کھانا کھانے کی وجہ پوچھی جسے میں سر درو کا بہانہ کہہ کر ٹال گئی۔ اور امی میرے سر درو کو ٹانگیں۔ اے محبت..... مجھے تیری اس دستک کو نہیں سنتا..... پھر سے نہیں..... خدا کے لیے نہیں.....

اور تم اقرار..... تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں مجھے پھر سے کوئی صحت مت کرنا.....“

☆☆☆

”پیاری اقرار.....

بڑی عجیب اور کشمکش بات کی ہے تم نے..... تم میری دیرینہ دوست، میرے رازوں کی واحد امین، میری ایذاؤں سے واقف کار..... مجھے ایسا مشورہ دو..... گی۔ یہ میرے کہم میں تھا اور نہ ہی وہم میں..... میری جان کیا تمہاری پرانی کتابوں والی دروازے میرے بوسیدہ خطوط اور تمہارے جاگتے ذہن سے میری وہ آنسو سوئی سطور محو ہو چکی ہیں جن میں، میں نے چاک گریباں کے سارے فرائض انجام دیے ہیں..... تم مجھ سے پوچھ رہی ہو کہ میں اس کی محبت رد کیوں کر رہی ہوں؟ میں اس کے ساتھ کہیں باہر کیوں نہیں جا رہی.....؟ میں اس کو ناخوش کیوں کر رہی ہوں؟ تو جان لو کہ میں تو اس کی محبت میں اتنی خود غرض ہو چکی ہوں کہ ان دنوں صرف اور صرف اپنا فائدہ سوچ رہی ہوں۔ محبت کی یہ شہنشاہی جو جلتے سورج کے طلوع ہونے کے احساس سے لرزاں ہیں میں ان کو اپنی روح میں اس

پہنچل تمام میں نے کھانا ختم کیا۔ باہر بارش برقی جارہی تھی۔ چائے کا وقت ہوا تو سب گرم گرم کپ ہاتھوں میں لیے چمچوں پر نکل گئے۔ اور میرے اور سلیمان کے درمیان خاموشی کو چھوڑ گئے۔

”میرے ساتھ شاپنگ پر چلو گی؟“ وہ پھیل کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

”کیوں.....؟“ میں ازلوں کی پرانے رجسٹروں میں گم بے پروائی سے بولنے کی کوششوں میں ادھ موٹی ہوئی بولی۔

”تمہیں انگوٹھی لے کر دینی ہے۔“ اس نے سرم پر ہولے سے پھونک مارنے والی سرگوٹھی کی..... ”اپنے نام کی.....“ اور میرے دل کے طبلے پر کسی نے زور زور سے اپنے وزنی پاؤں سے دھماکا ڈالی شروع کر دی۔ پرانے رجسٹروں کی دھول میری آنکھوں میں بھر گئی۔ میں مٹی زدہ مٹی مٹی ہو گئی۔

”کیا پہن لو گی.....؟“ اس نے میری آنکھوں میں جما کتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں.....“ میں نے دو ٹوک کہہ کر بات ختم کر دینا چاہی۔

”کیوں.....؟“ اس کی جراتی یقینی تھی۔

”میں کسی اور کو پسند کرتی ہوں۔“ میں نے بڑی

ایمانداری اور صاف گوئی سے جھوٹ بولا..... وہ چند لمحے مجھے گھورتا رہا۔

”اب مذاق کر رہی ہو..... یا اتنے دنوں سے.....“ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

”میں نے تمہیں بھی آس نہیں دلائی.....“ میں نے سخت ہونے کی کوشش میں خود کو توڑ لیا۔ ”تم خود کسی شرارتی بچے کی طرح میرے پیچھے بڑے ہو.....“

میں نے کہہ کر اس کی چنگاری چھوٹی آنکھوں کو آگ دکھائی۔ پناخ سے اس نے پیٹ پر بچھ مارا..... اور کرسی

دھکیل کر اٹھا۔ اس طرح کے شور پورے دالان میں زمرہ توپ چلنے جتنا ہوا۔ مجھ و دم، دم کرتا تیز طوفانی

بارش کی پروا کیے بنا باہر چلا گیا۔ سارا آفس جیسے یہ

طرح سمولینا چاہتی ہوں کہ میری روح کا ذرہ ذرہ محبت بن جائے۔ ابدی محبت..... اور روح خود نکلا رشتے کہ وہ کوئی جھلی دار رشتے نہیں ہے بلکہ سراپا محبت ہے۔

لیکن مجھے ڈر ہے پیاری..... جو محبت وہ پوسٹ آفس کی کرسی پر بیٹھ کر مجھ سے کرتا ہے۔ تم جھپٹی ہو کہ

باہر بھی وہ مجھ سے ویسی ہی محبت روا رکھ پائے گا؟ نہیں پیاری..... کبھی نہیں..... مرد کی محبت کی روایات لو کہ

داستانوں کی طرح قدیم سہمی..... لیکن معاشرے کی طرح ہر وقت بدلاؤ کی طالب ہوتی ہے۔ میں سمجھتی

ہوں اتنی جلدی چنے کا کیت رنگ نہیں بدلتا جتنی جلدی مرد کی محبت دھنک کے سے رنگوں کا چولا اتار کر سیاہ چولا پہن لیتی ہے اور تم تو جانتی ہی ہو کہ سیاہ رنگ کے کتے

نقصانات ہے۔ یہ اندھا کر دیتا ہے۔ میں اس کے ساتھ باہر جانے کا جو حکم نہیں لے سکتی..... یہ فتوحات

سراسر میری شکست کا باعث بنیں گی۔ کتنی کو بادبان سے جدا کر دینا کہاں کی عقل مندی ہے پیاری.....

کل آیا تھا ویسے..... بلیو جینز کے اوپر ہلکی پیلے رنگ کی ٹی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ جس میں..... اس کے

کسرتی بازؤ مایاں تھے۔ کل کچھ زیادہ ہی تھے کیونکہ اس کے ہاتھوں نے دو بڑے پیکٹوں میں بہت سا وزن اٹھا

رکھا تھا۔

”یہ سب کیا ہے؟“ میں نے پوچھا۔ وہ پارسل نہیں تھے میں جانتی تھی کیونکہ ان میں سے لڈی کھانے کی

اشتبہ انگیز خوشبو لپک رہی تھی۔

”تم میرے ساتھ باہر کھانا کھانے تو جا نہیں رہیں..... اس لیے میں تمہارے لیے یہاں ہی لے

آیا ہوں۔“ کہتے ہوئے وہ خود ہی پارسل کھولنے لگا اور خود ہی ڈسپوزیبل پلیٹوں میں ڈالنے لگا۔ صرف میرے لیے

نہیں لایا تھا۔ سب کے لیے لایا تھا۔ سر شوکت اور میڈم سارہ سمیت سب ہنس رہے تھے۔ اس کی فیاضی کی داد

دے رہے تھے۔ اور مجھے غالت ہو رہی تھی۔ کھانے سے منسوب پوچھے جانے والے نام پر ہر طرح میرا چڑھا۔

”آمنہ کا دوست لایا ہے..... آمنہ کا دوست لایا ہے۔“

منظر دیکھنے کے لیے کسی سازش کے تحت اکٹھا ہوا تھا۔ خود کو سنبھالنا میرے لیے ایسا ہی تھا جیسے چائے کے باغات میں کام کرتی عورتیں شام کو بھری ہوئی اور کسر پلدی ہوئی گانھیں سنبھالتی ہیں۔

آج پورے دس دن ہو گئے ہیں۔ وہ پھر ڈاک خانے نہیں آیا۔ کیوں؟؟؟ یہ میں تمہیں کیسے بتاؤں کہ سب جانتے ہوئے بھی میں کچھ نہیں جان پاری۔۔۔۔۔ اماں کی صراحتی بہت اچھے سے قلعی ہو گئی تھی۔ اماں اسے دیکھ دیکھ کر بہت خوش ہوتی رہتی ہیں۔“

☆☆☆

”پاری اقرار۔۔۔۔۔

دس صفحوں کا خط۔۔۔۔۔ سولہ پیرے، بیس محبت کو لے کر اقبال، پچیس رومانوی شعر اور پچاس نصیحتیں۔۔۔۔۔ یہ کیا، کیا ہے تم نے پیاری۔۔۔۔۔ یہ کیا، کیا ہے تم نے؟ تم نے ایک جگہ لکھا ہے کہ محبت جواری کی دکان ہے۔ یہاں کوئی جیت کر نکلے گا تو کوئی ہار کر۔۔۔۔۔ مجھے اس کو ضرور آزمانا چاہیے۔ میں نے تمہاری بات ماننے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ دیکھو کیا بنتی ہے؟ بخشنی خنجر تم ہو میں بھی اس سے کم بہت نہیں۔۔۔۔۔

آج پورے ایک ماہ کے بعد اس کی صورت دیکھنے کو ملی ہے وہ آیا اور چپ کر کے میری ٹیبل کے سامنے بیٹھ گیا۔ میں کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ جیسے اس کی موجودگی کو نہ جانا ہو اور۔۔۔۔۔ محسوس بھی نہ کیا ہو۔۔۔۔۔ باہر بارش کے کوئی آثار نہ تھے۔ میں دعا کرنے لگی کہ آج محل کر بارش ہو۔ اتنی کہ بارش خود برس، برس کر کسی بھول کی طرح تھک جائے۔

”تم نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا کہ تمہاری زندگی میں کوئی اور ہے؟“ اس کے لہجے میں جھوٹ کی درشتی اور اپنائیت کی دھونس تھی۔

”تمہیں کس نے کہا۔۔۔۔۔ کہ وہ جھوٹ ہے؟“ میں اسی طرح کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے بولی۔۔۔۔۔ میرے انگ، انگ سے عیاں تھا کہ میں کسی آنے والے زمانے کی پیش گوئی کی طرح جھوٹی اور اباہم سے پُر ہوں اور وہ

باہر کے موسم کی طرح سچا اور کھرا ہے۔

”تمہاری ایک گولیگ نے۔۔۔۔۔ اور وہ جھوٹ نہیں بول رہی تھی۔“ اس نے کہا۔۔۔۔۔ میرے پاس سوائے خاموشی کے اور کچھ نہ تھا۔

”اب تمہارا کیا جواب ہے آمنہ۔۔۔۔۔؟“ وہ پھر سے پوچھنے لگا تھا۔ وہ سوال جس کا جواب میرا دل تو کچھ اور دیتا تھا اور زمانے کا چلن مجھے کچھ اور کہنے پر مجبور کرتا تھا۔

”بولو آمنہ۔۔۔۔۔ لہجے کا ضدی پن نمایاں تھا۔ میں اسے کیا بتاتی کہ تقدیر کے ستارے ہوئے کا کوئی جواب نہیں ہوتا۔ انہیں سوال کرنے، شکوہ کرنے کی اجازت ہوتی ہے اور نہ ہی جواب لوٹانے، بھاشن دینے کی طلب۔۔۔۔۔ ان کی تو بس ایک ہی چاہ ہوتی ہے کہ انہیں ان کے ”کیوں۔۔۔۔۔؟“ کا جواب مل جائے۔“ کیا تم مجھ سے محبت نہیں کرتیں۔۔۔۔۔ میری آنکھیں دھوکا نہیں کھا سکتیں۔۔۔۔۔ تم بھی مجھے چاہتی ہو آمنہ۔۔۔۔۔ کیا وجہ ہے کہ اقرار کرتے ڈرتی ہو۔۔۔۔۔ کیونکہ میرے اقرار کے بعد مجھے اس کے فرار سے ڈر لگتا تھا۔

”ایسے ظاہر نہ کرو جیسے میں تمہارے لیے اجنبی ہوں۔۔۔۔۔ میں تمہاری سانسوں میں ہوں۔ یہ مان لو تم۔۔۔۔۔“ وہ بولتا جا رہا تھا اور میری گردن میں اتنا دھم نہیں تھا کہ کھڑکی سے پلٹ کر اس کی طرف دیکھتی۔۔۔۔۔ ایسے وقت میں، میں تمہاری وہ بات یاد کر رہی تھی اقرار کہ محبت کرنا جو ا لگانے جیسا ہے۔ یہ بے ہمتیوں کا کام نہیں۔ کیا میں بے ہمت تھی؟

”تمہاری کوئی شرط ہے تو میں وہ بھی پوری کرنے کے لیے تیار ہوں۔۔۔۔۔“

اچانک سے میری دعا قبول ہو گئی۔ اور پتا کھن گرج کے تیز بارش شروع ہو گئی۔ سڑکیں، دیواریں اور درخت جو پہلے سے سکیے تھے۔ وہ پھر سے سکیے ہو جانے کو تیار ہو گئے۔ پانی جو کافی بن چکا تھا بارش کی تیز بوندوں سے پھٹ پھٹ کر ڈوڑ ڈوڑ بکھرنے لگا۔

”تم کچھ بولتی کیوں نہیں آمنہ۔۔۔۔۔؟“ وہ تیز آواز

سے دھاڑا..... اس کی دھاڑ نے مجھ پر واضح کر دیا کہ اس کا صبر ختم ہو چکا ہے۔ میں نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ ”مجھے کمر چھوڑ دو گے۔ بارش شروع ہو گئی ہے۔ آج مجھے جلدی گھر جانا تھا۔“ میں نے کہا اور اس نے حیرت سے مجھے دیکھا۔

آج سے پہلے بہت بار اس نے بارش میں مجھے کمر چھوڑ دینے کی بات کی تھی اور میں نے تب ہمیشہ انکار ہی کیا تھا۔ پھر اس نے آخر کرنا چھوڑ دی کہ شاید میں کوئی عزت بچاؤ ٹاپ کی لڑکی ہوں اور اکیلے اس کے ساتھ جاتے ڈرتی ہوں۔ لیکن آج اس کے ساتھ جانے کی بات میں نے خود کی تھی۔ اس کی حیرت قدرتی تھی۔ پھر اس کی حیرت نے مدغم مسکراہٹ کی شکل اختیار کر لی..... وہ میری ریکوسٹ کو میری ”ہاں.....“ سے نسبت دے رہا تھا۔

”اتنا اچھا موسم..... یہ تو کسی جمیل کنارے کھڑے ہو کر گرم چائے پینے کا موسم ہے اور تم گھر جانے کی بات کرتی ہوں۔“

”تو پھر چلو..... کسی جمیل کنارے لے چلو مجھے.....“

میں نے کہا اور جمیل کے نیچے سے اپنی بیساکھیاں نکال کر انہیں تمام لیا۔

کچے فرش پر بیساکھیوں کی چوب کی ٹھک، ٹھک ہوئی اور یہ ٹھک، ٹھک سلیمان کے دماغ پر کسی ہتھوڑے کی طرح گونجی..... اس کی مسکراہٹ تیر لگے دشمنی طائر کی طرح کہیں دُور جا گری۔ اپنی حسرتوں، اپنی چاہتوں پر ماتم گزار..... اور اس کی آنکھوں میں حیرت نے خیمے گاڑ لیے.....

☆☆☆

”پیاری اقرا.....“

معذرت خواہ ہوں۔ مسلسل پانچ ماہ سے تمہیں تمہارے کسی ایک بھی خط کا جواب نہیں دے سکی جس کی وجہ..... خیر چھوڑ دو، وجوہات جان کر بھی تم کیا کرو گی۔

ان پانچ ماہ میں، میں پوسٹ آفس بھی نہ جاسکی اور گھر کا کوئی کام بھی نہ کر سکی۔ دن میرے لیے نائی

کا وہ نمودار بن چکے تھے جسے برسات کی وجہ سے ڈھانپ کر بند کر دیا جاتا ہے اور راتیں میرے لیے ان غاروں سے مشابہ تھیں جہاں بیوہ اور بے جوڑا چمکاؤں ڈیرے ڈالے رہتی ہیں۔ شام کا چہرہ امن میرے لیے صرف اداسی اور آنسو لے کر آتا تھا اور سہ پہر میں، میں اپنی کم شدہ دھڑکنوں کو تلاش کرنے میں لگا دیتی تھی۔ میں اپنی اس حالت کا ذمے دار تم کو بھی بھتی ہوں۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ مجھے پھر سے کسی تجربے سے مت گزارو لیکن تم نے میری ایک نہیں سنی، میں نے محبت کے بھی ہاتھ جوڑے تھے کہ وہ پھر سے میرے بند دروازے نہ توڑے لیکن وہ بھی کسی روٹھے نواب کی طرح میرے ہاتھ جوڑنے پر مزید بھڑکتی رہی.....

اپنے اس گناہ کے باوجود تم ہر خط میں اس کا ذکر رہی ہو، اس کا پوچھ رہی ہو..... میں اس کے بارے میں کیسے جان سکتی ہوں۔؟ جب وہ میری کرسی سے اٹھ کر گیا تھا تو میں بھی اس دن کے بعد سے آفس جا ہی نہیں سکی اور اس نے بھی میری تلاش کی نہیں تھی۔ اگرچہ میں دل و جان سے یہ چاہتی تھی کہ وہ مجھے تلاش کرے۔ میں زمین کی تہ میں بھی جا چھپوں تو وہاں سے بھی مجھے ڈھونڈ نکالے۔

اب ایک ہفتے کے بعد میں نے پھر سے آفس جانا شروع کیا ہے۔ میری لالچ لیوٹیم ہو چکی تھی۔ پرانے رجسٹروں اور فائلوں کو کھولتے ہوئے مجھے ہر طرف اس کی خوشبو پھیلی ہوئی محسوس ہوئی۔ ایک ہفتہ..... پورا ایک ہفتہ..... مجھے اس خوشبو سے بچھا چھڑوانا بہت مشکل ہو گیا تھا اقرا..... بہت مشکل..... لیکن پھر سب کا نور ہو گیا۔ اچانک سے اور ایک دم سے..... جیسے مرنے کے بعد روح لاپتا ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی اس کا وجود اس کی محبت سب فنا ہو گیا۔ میرے پاس بٹے ہوئے اثاثے رہے نہ شاندار ماضی.....

آج پوسٹ ماسٹر جنرل سر قیوم کو سارا حساب کتاب دینے اور پری منزل پر مٹی تو مجھے اپنی پشت پر

ایک شناسائی آواز سنائی دی۔

”میرے دل کی دھڑکنوں میں شامل ہو جاؤ۔“

بہساکھیاں میرے ہاتھ سے چھوٹے، چھوٹے رہ گئیں اور میں گرتے، گرتے..... یہ آواز میں نے ٹھیک چھ ماہ پہلے سنی تھی اور..... تم تو جانتی ہو کہ پھر کیا، کیا ہوا؟ ”ڈر نہیں“ ”اگر“ کے پودے مہک اٹھے اور ایک جانی پہچانی خوشبو میرے ارد گرد طواف کرنے لگی۔ تو وہ واپس آ گیا تھا۔ مجھے اپنا رہا تھا۔ یہ سلیمان کی ہی آواز تھی۔ تصور کی آنکھ سے میں اس کا ہاتھ اپنی طرف بڑھے ہوئے دیکھ رہی تھی اور اس کا ہاتھ کو تمام لینے کے لیے بے قرار تھی۔ جوش مہر سے میں چلتی..... اور پھر ایک دم سے

اجتہا کی صورت میں ڈھل گئی۔ پھر کی صورت میں..... وہ رباب کے کاؤنٹر پر جھکا، ایک ہاتھ سے چنگی بجاتے ہوئے اور دوسرے سے اس کی ٹیمبل پر اٹھایاں مارتے ہوئے لہک، لہک کر گارہا تھا۔ اور ایسے ظاہر کر رہا تھا جیسے ”دھڑکنوں میں شامل“ ہو جانے کی بات وہ رباب سے نہیں کہہ رہا بلکہ وہ تو شخص کا ناگاہا ہے۔ کیا میں اس کے اس ظاہر کے لبادے میں لپٹی پوشیدہ مرحلوں کو جانتی نہ تھی۔

رباب اس کا پارسل بیٹے ہوئے اسے شوخ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کے کانوں کے لمبے آؤبے جھول رہے تھے اور نیلا سوٹ جو اس پر ہمیشہ بہت چاراکٹا ہے۔ ایک دم سے وہ اس میں غضب ڈھانے لگی تھی۔ اس کے ہونٹ گلابی سے لال سرخ ہو رہے تھے۔ اس کے گالوں کی طرح اور سلیمان تھا کہ گنگنا تا جا رہا تھا۔ ”میرے دل کی دھڑکنوں میں شامل ہو جاؤ..... میرے دل کی دھڑکنوں میں شامل ہو جاؤ اے مہرباں.....“ اس کے گانے کی لہک کے ساتھ، ساتھ رباب کی شوخی بڑھتی جا رہی تھی۔ اور برسات کا دغا باز موسم روٹھ، روٹھ کر میری دسترس سے دور نکل رہا تھا۔ پوسٹ آفس کے پکے فرش کی طرح.....

گھر آنے تک سلیمان کا گانا میرے سامعوں میں رقص و فریا کرتا رہا..... ہوش میں آئی تو دیکھا کہ

طریقہ

ایک بڑے ڈیپارٹمنٹل اسٹور میں ایک ادیبز عمر صاحب نوجوان اور خوب صورت سٹیز گرل کے پاس پہنچ کر بولے۔

”میری بیوی یہاں بھیٹر میں کم ہو گئی ہے اگر آپ برانہ منائیں تو میں یہاں کھڑے ہو کر چند سیکنڈ آپ سے باتیں کر لوں؟“

”ضرور..... لیکن اس سے کیا فائدہ ہوگا؟“

سٹیز گرل نے خوش خلقی سے پوچھا۔

”اسے تلاش کرنے کا بھی سب سے اچھا طریقہ ہے۔ میں نے ہمیشہ دیکھا ہے۔ جونہی میں کسی جوان اور خوب صورت لڑکی سے بات کرنے لگتا ہوں وہ جہاں نہیں بھی ہو فوراً آ موجود ہوتی ہے۔“ ان صاحب نے ٹھنڈی سانس لے کر بتایا۔

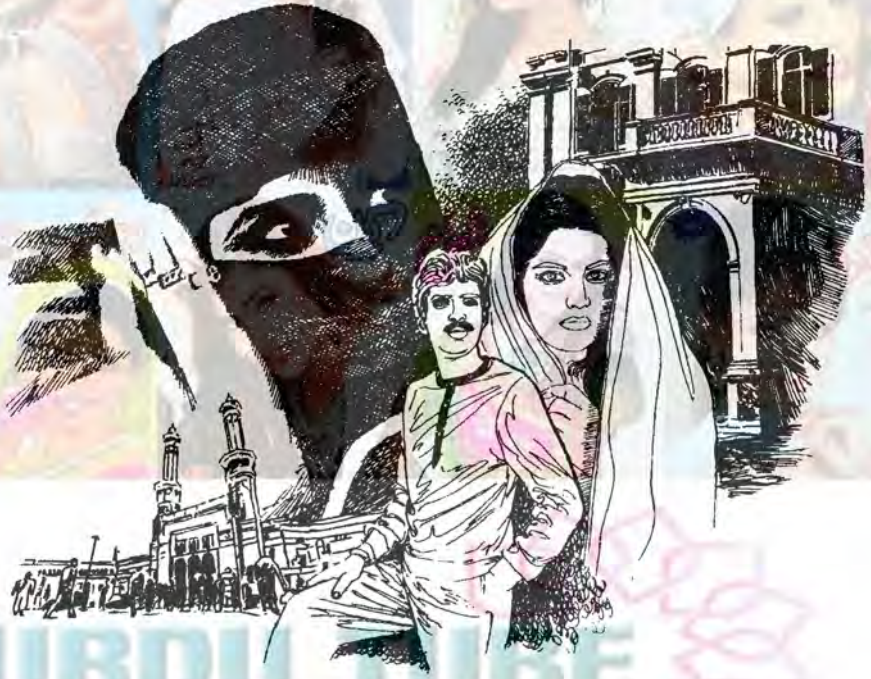
از: صبا نور، لیہ

آگے امی غم زدہ بیٹھی تھیں۔

”اس کا کوئی حل ہے آمنہ.....؟“ امی نے اس صورت لیے مجھے اپنی ہر دل عزیز صراحی کے دو الگ، الگ ٹکڑے دکھائے۔ کل رات کوئی بے دروہی رسوئی میں گھس گئی تھی اور صراحی نیچے گر کے اپنے چوچ سے الگ ہو چکی تھی۔

”کچھ ہو سکتا ہے اس کا اب.....؟“ ڈکھ سے چورای پوچھ رہی تھیں۔ میں نے پوری آنکھیں کھول کر امی کو دیکھا۔

”اے اب کسی مہوس کے پاس لے کر جانا بیکار ہے امی..... اس کا اب کوئی حل نہیں ہے..... ٹوٹی ہوئی چیزوں کا کوئی حل نہیں ہوتا۔ سوائے اس کے کہ انہیں سینے سے لگا کر جی بھر کر رو لیا جائے۔“ میں نے کہا اور اپنی بیساکھیوں میں منہ چھپا کر پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگی۔



منی ناول

صَفہ

دُر داسہ نوشین حنان

چھٹا حصہ

”اچھا.....!“
 ”ایک بات توچ ہے، دنیا داری کے بہت سے
 شوق..... بلکہ پورے کے پورے برنس عورت کی دنیا
 پسندی سے چل رہے ہیں۔ مگر اچھا بنانے، سجانے

”پیارے سبیل..... میں نے جتنا تجربہ اور
 مشاہدہ کر لیا ہے وہ زندگی کے سمجھنے کے لیے مجھے کافی
 ہے..... ویسے یہ بھی ہٹادوں زندگی کا مطلب عورت
 کے لیے کچھ اور ہے مرو کے لیے کچھ اور.....“

ماہنامہ پاکیزہ — دسمبر 2018ء — 192



”کیسے کہہ سکتی ہو؟“ صفہ نے پوچھا۔
 ”میں تاریخ اسلام پڑھتی رہتی ہوں اور پڑھتی
 تھوڑا زیادہ اس پر غور کرتی ہوں۔“
 ”ہوں۔۔۔۔۔“

”ہماری تاریخ اسلام میں عجیب بات یہ ہے کہ
 فلاں کی پڑھو تو فلاں فرقہ رد کر دے گا اور فلاں کی دوسرا
 رد کر دے گا۔ ہم عام مسلمان اور جنگل تاریخ کہاں
 سے پڑھیں۔“ خبیذ جج ہونے کی حد تک بولی۔
 ”اس کے لیے دیکھنا پڑتا ہے، راوی کی صدق
 گوئی کو جانچنا پڑتا ہے۔۔۔۔۔ مجھے بتاؤ، آج کوئی شوہر،
 شادی کے کئی سال بعد اپنی بیوی کو ”میری عروسہ“ کے
 محبت بھرے نام سے پکارتا ہے۔۔۔۔۔ اور جہاں سے بیوی
 پیالے کو منہ لگائے وہیں سے لگا کر پیتا ہے۔ استغفر اللہ
 آج تو ہمارے ہاں ایسی دلا ریاں۔۔۔۔۔ محبوباؤں سے ہوتی
 ہیں بیوی سے نہیں۔۔۔۔۔ ابھی تم کہتی ہو کہ میاں، بیوی کی
 افلاطونی محبت کہیں اور سے آئی۔“ صفہ نے کہا۔

”نو جوان عورت مرغوب بیوی ہے۔“ خبیذ اپنی
 انگلی سے ہوا میں نقش و نگار بناتے ہوئے سوچتے ہوئے
 ذرا وقفے کے بعد بولی۔ ”میں عرض کرنا چاہتی ہوں
 صفہ بی بی کہ بیوی کا بنیادی رشتہ جنسی تعلق ہے۔ اور
 شاعری یا ادب کو لے لو۔۔۔۔۔ کبھی کسی نے عورت کی
 صفائی تحریف نہیں کی۔ بیزار غرق کر دیا ہے انہوں نے
 عورت کو انسان سمجھنے کا۔۔۔۔۔ عورت ہے تو جو بن بہار
 ہے، جب میں کچھ شاعرہ سی بن گئی تھی ناں، بالائی سطح پر
 شوہر کے عہدے کی وجہ سے پزیرائی زیادہ تھی۔ ایک
 نو جوان شاعرہ سوہا ہوا کرتی تھی۔ وہ مجھ سے خوب
 صورت تھی اور مجھ سے چھوٹی تھی۔ وہ بھی اکثر تقاریب
 میں ملتی تھی، ہم دوست بن گئے۔ ہمیں اچھا لگتا تھا کھوسنا
 پھر نا، ایک مال سے دوسرے مال تک جانا، بے مقصد
 شاپنگ کرنا، کہیں رک کر کوئی اسٹیکس لینا، چلتے ہوئے
 خود کو تھکا ہوا کہنا۔۔۔۔۔ کینیڈا کے ہوٹل میں مکمل پاؤں پر
 ڈال کر بیٹھنا، چھوٹی، چھوٹی باتوں پر خوب
 ہنستا۔۔۔۔۔ اپنے اوپر لٹو ہونے والے مردوں کی بھدا اڑانا،

پہننے، پہنانے، سنوارنے، سنوارنے کا ذوق عورت کی
 بنیاد ہے اور اس مرد میں بھی ہوگا جو عورت کے زیر اثر
 پلٹا، بدھتا ہے۔ مجھے اس سے بحث نہیں کہ یہ ٹھیک ہے
 یا نہیں ہے۔۔۔۔۔ عورت دنیا دار زیادہ ہے، تیرے جیسی
 عورت لاکھوں میں کوئی ایک ہوگی، تیرے جیسے مرد
 ہزاروں میں کئی ہو سکتے ہیں، جیسی تو اولیا کرام کی
 فہرست میں لے دے کے ایک ہی بی بی کا نام ملتا
 ہے۔۔۔۔۔ یہ جو عورت ہے ناں، یہ بڑھا پے کو ہرانے کے
 لیے تادیر لڑتی ہے، آہ مگر آخر کو ہارتی ہے۔۔۔۔۔ مدتوں
 دلوں پر راج کرنے والیاں آخر کار نہ ہو سکیں۔
 دیکھنے لائق نہ رہیں۔۔۔۔۔ اور یہ بھی
 سن۔۔۔۔۔ عورت۔۔۔۔۔ ترک خواہشات، ترک دنیا والی
 بھی شکست خوردہ ہے، وہ کیسے؟ بتاؤں گی۔۔۔۔۔ ضرور
 بتاؤں گی مگر پہلے تم سے ایک سوال پوچھنا ہے، شاعری
 اور مذہب بوڈھی عورت کا دفاع کیوں نہیں کرتے؟“
 یہ کیسا سوال تھا۔

وہ جواب لینے کے لیے چپ ہوئی۔
 ”شاعری۔۔۔۔۔ ادب۔۔۔۔۔ کا تو مجھے پتا نہیں۔۔۔۔۔
 مذہب تو بوڈھی عورت کا احترام کرتا ہے۔۔۔۔۔ اسلام۔
 احترام کرتا ہے۔“
 ”لاعلمی کی گستاخی معاف۔۔۔۔۔ بوڈھی عورت کا
 نہیں ماں کا احترام کرتا ہے، عورت کو یعنی بوڈھی بیوی
 کو۔۔۔۔۔ تو محض بڑھا پے کی وجہ سے طلاق دی جاسکتی
 ہے کیونکہ وہ ازاد و با حقوق ادا کرنے کی اہل نہیں۔۔۔۔۔
 کیا مرد کو اس بنیاد پر عورت چھوڑ سکتی ہے؟“
 ”جی ہاں۔۔۔۔۔ عورت صرف یہ ہی کہہ کر یہ مرد
 مجھے پسند نہیں۔۔۔۔۔ چھوڑ سکتی ہے، یہ اسلام میں ہے،
 ہمارے معاشرے میں اگر نہیں تو اس میں اسلام کا قصور
 نہیں ہے۔“
 ”مجھے لگتا ہے کہ میاں، بیوی کی افلاطونی محبت کا
 تصور اسلام میں نہیں ہے، یہ کسی اور ملک اور زمانے کا
 ہو سکتا ہے۔ برصغیر کا ہو یا عالم کا۔۔۔۔۔“ کچھ دیر تک سوچتے
 رہنے کے بعد خبیذ بولی۔ وہ کوئی نئی فکر لائی تھی۔

”اچھا.....“ ایک تارہ سانچہ کی آنکھوں میں چمکا..... ”چلو ٹھیک ہو گیا ہے۔“
”کیا ٹھیک ہو گیا ہے؟“ صفہ اس کے تاثرات میں الجھی گئی۔

”ابھی ہم اپنے بیٹے کا باقاعدہ نام رکھیں گے..... تم اس پر کچھ پڑھ کر چھوٹک دینا، اس کے لیے بہت سی دعا مانگ لینا.....“ یہ پیدائشی یتیم ہے پھر میں بچوں کو پیسے بانٹ دوں گی..... چیز تو کوئی لائی نہیں..... اس کا نام عبد اللہ اعوان ہوگا..... پہلے میں نے عبد اللہ خاور کہا تھا..... مگر اس سے غلط فہمی ہوتی ہے، خاور میرے پاپا تھے، لوگ سمجھیں گے اس کے والد کا نام ہے، اعوان میری ذات ہے.....“ ”نخبہ بچے کو گود میں لیے بیٹھی تھی۔

”اس کا پاپ؟“
”جہاں بھی ہو خوش رہے، اسے اس کی تلاش کی پروا نہیں..... وہ مجھے تحریر کر کے اسے دے چکا ہے۔“
شانہ پلٹتے میں سیب اور چاقو رکھ کر دے گئی۔
صفہ دھوکے پر چلی گئی۔ وہ نیلے بازوؤں پر آستین کھینچ کرے میں آئی تو نخبہ بچے کو لیے اٹھ گئی۔
”تم سکون سے پڑھو..... میں کسی اور جگہ بیٹھ جاتی ہوں۔“

”میں کچھ لوافل پڑھتی ہوں۔“
”ہاں، ہاں ضرور.....“ ”نخبہ عبد اللہ کو لے کر بچن میں چلی آئی۔ شانہ کچھ دیر کدوم نگار بنی تھی۔
”باجی، آپ کا بیٹا ماشاء اللہ بہت پیارا ہے، کچھ بچے دیکھیں.....“ ”میں فیس سے مانوس نہیں ہوتے، یہ پہلی بار میرے پاس غریبی سے آگیا۔“ عبد اللہ آؤ باہر چلیں، آپ کو مالو دکھاؤں.....“ عبد اللہ لپک کر شانہ کے پاس چلا آیا..... شانہ خوشی سے نہال ہوئی۔
”ہاں جاؤ بیٹا..... یہ بہت اچھی والی آئی ہے۔“
نخبہ نے کہا۔

نخبہ نے عبد اللہ کے نام رکھنے کی خوشی میں سپارہ پڑھنے والے بچوں کو ہزار، ہزار کے نوٹ دیے تو شانہ

سٹپا کر روکنے لگی۔ وہ پانچ بچے تھے، نخبہ نے کہا انہیں سمجھا دو کہ ”گھروں میں جا کر امی کو دیں۔“ شانہ حیران پریشان لکڑی تھی، نخبہ اس کے شانے پر ہلکی سی چپت لگا کر مسکرائی۔

”انہیں محفوظ کر کے رکھو ادو..... اور یہ تم لو.....“
وہ دو ہزار اس کی پتلی میں رکھ کر اپنے ہاتھ سے دباتے ہوئے واپس کرنے سے روکا۔ نخبہ، عبد اللہ کو لے کر اندر چلی گئی۔

نخبہ، عبد اللہ کو لے کر دوسرے کمرے میں بیٹھی یا سوئی رہی، شانہ کچھ فکر مند سی ہو رہی تھی کہ نخبہ باجی واپس کیوں نہیں جا رہیں، ظہر کی نماز کے بعد شانہ لکڑی کی ٹرے میں صفہ کا نہایت سادہ سا کھانا لے کر گئی تو پوچھا۔
”نخبہ باجی کا کھانا نہیں لائیں؟“ ”صفہ ایک دم چوگی۔

”یا اللہ مجھے معاف کر دے، نخبہ ابھی نہیں ہے، مجھے تو خیال ہی نہیں رہا۔ ہاں شانہ اسے بلا لو..... اس کا کھانا بھی لے آؤ۔“

”صفہ بی بی بھی اللہ لوک ہی ہے۔“ شانہ سوچتی ہوئی نخبہ کو بلا لائی۔
”میں تمہارے فارغ ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔“ وہ آئی تو مسکرا کر بولی۔

”نخبہ، مجھے معاف کر دو، میں بالکل ہی بھول گئی، تم نے جو تاریخی باتیں کی تھیں میں ان میں ابھی رہی، شانہ ابھی کھانا لائی ہے۔“

”نہیں ڈیر، میں نے کھانے سے منع کر دیا ہے، میں نے فروٹ لے لیے ہیں۔“

”یہ کیا بات ہوئی؟ یہ کھانے کا وقت ہے۔“
”بس..... مجھے لے ڈاؤننگ شامنگ کا چکر ہے۔“ وہ بناوٹی مسکرائی۔

”صفہ..... تم سے ایک بات کرنی ہے، بہت سنجیدہ..... اور سوئم کھانا لو بھئی، میرے ساتھ یہ کلف نہ رکھا کرو، تم آرام سے کھانا لو.....“ صفہ نے نوالہ توڑ کر شور بے میں ڈال دیا۔

”پاپا کی وجہ کے بعد جرنی میں میرے بھائی،

”ویسے اس بات کا خیال تو مجھے اب آیا ہے، ہو سکتا ہے تمہیں اب بھی نہ آیا ہو..... بلکہ یقیناً تمہیں نہیں آیا ہوگا، تم سیدھی درویش بندی ہو مگر تمہارا یہ سوچنا بنتا ہے کہ ہو سکتا ہے میں باہر کوئی بہت بڑا جرم کر کے آئی ہوں..... مثلی جنس مجھے ڈھونڈ رہی ہو..... اور میں تمہاری حویلی کو دور افتادہ محفوظ خیال کر کے یہاں آچھپی ہوں، میں تمہاری جگہ ہوتی تو ایسا سوچتی.....“

”لو جی کہانیوں جیسی بات کرتی ہے کہ سر مایہ ہے، پیسہ ہے، جرمنی میں بھائی بلاتا ہے مگر ہوں گی یہاں ایک کمرے میں.....“ صفہ میں تمہیں یقین دلاتی ہوں اگرچہ میرا یقین دلانا کوئی قانونی ولیو نہیں رکھتا..... میں بیچ بیچ اب کہانیوں جیسی ہو گئی ہوں..... مجھ پر لعنت ہو کہ تم جیسی تارک الدنیا، دین دار خاتون کی لٹیا ڈبونے آئی ہوں، میری ضمانت رکھ لو..... میرا پاسپورٹ، شناختی کارڈ، انٹکٹ، میں یہ چالیس لاکھ کا چیک کاٹ دیتی ہوں، ضمانت کے طور پر.....“ صفہ نے اس کا پرس کو جاتا ہاتھ روک دیا اور تنبیہی نظروں سے دیکھتی رہی۔

”میری گاڑی حویلی کے پھاٹک پر موجود ہے، اس میں میرا سامان ہے، باقی سب کچھ کرلوں گی۔“

”اللہ خیر کرے گا..... اپنا سامان لکھواؤ اور جس کمرے میں رہنا چاہو رکھواؤ.....“ شبانہ تمہاری مدد کرے گی۔“

”اچھا..... پھر بھی.....“ نخبہ متذبذب تھی۔

”میں تھوڑی دیر سو رہی ہوں۔“ وہ اسی طرح بڑی سے بڑی بات سمیٹ دیتی تھی۔ صفہ اپنے پٹنگ پر دراز ہوئی تو نخبہ باہر آ گئی۔

☆☆☆

شبانہ کی خوشی دیدنی تھی کہ عبد اللہ بابا اب یہیں رہے گا۔ شام تک اس نے نخبہ باجی کے لیے دو کمرے سیٹ کر دیے تھے۔

اگلے چند ہی دنوں میں عبد اللہ، شبانہ کے ساتھ محل مل گیا۔ شبانہ بھی اس کے مزاج، کھانے، پینے کی

مانا مجھے وہیں رہنے پر اصرار کرتے رہتے ہیں، مانا مجھے بہت قائل کرنے کی کوشش کی مگر میں عبد اللہ کی تربیت بالکل جدا طور پر کرنا چاہتی ہوں، پاپائے ایک فرزند کو کسی میرے نام کی تھی۔ میں اسے فردخت کر رہی ہوں..... صفہ..... میں ذاتی طور پر تم سے بہت متاثر ہوں، میرا جی کرتا ہے عبد اللہ کی تربیت پر تمہارا عکس ہو..... مال، دولت، پیسہ بہت ہے میرے پاس..... میں کسی بھی شہر میں اکیلے رہ سکتی ہوں..... کانفیڈنٹ ہوں اتنی..... مگر صفہ..... پلیز صفہ مجھے اپنے گھر کے کسی کونے، کمرے میں جگہ دے دو..... میں اپنی گناہ گار زندگی کے کچھ دن مطمئن جینا چاہتی ہوں۔“

صفہ نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔ اسے محسوس ہوا وہ ہلکے، ہلکے کپکپا رہی ہے۔ صفہ نے بڑھ کر اسے گلے سے لگایا اس کی پشت پر ہاتھ چمکتی رہی اسے لگا جیسے نخبہ ٹھیک نہیں ہے، اسے الگ کر کے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے پوچھا۔

”نخبہ..... تم..... ٹھیک تو ہو؟“ وہ اپنے آپ کو سنبا لیتی رہی۔

”مجھے ایسے لگ رہا ہے تم کچھ بتا نہیں رہی ہو، میری پیاری بہن..... یہ اتنا بڑا گھر ہے، یہاں ٹبر آ کے رہ جائیں تو فرق نہ پڑے..... تم سر آنکھوں پر رہو..... یہ میرے لیے عزت اور خوشی کی بات ہے۔“

”صفہ..... اس بارش بندے نے کہا تھا۔

you both are delinquent..... وہ

ایک گناہ گار مگنی..... دوسری بھی؟“

”کس قدر تکلیف دہ بات اس بندے نے کہہ دی..... وہ کون ہوتا ہے کسی کے گناہ گار یا نیکو کار ہونے کا فیصلہ کرنے والا..... اس نے خود اپنی جان پر زیادتی کی..... اور تم اس کی بات کو اپنے لیے فیصلہ قرار دے کر آج تک پریشان ہو..... اللہ کی شان اور رحمت نرالی اور بہت وسیع ہے۔ صرف اللہ جانتا اور فیصلہ کرتا ہے کہ کون فلاح پائے والا ہوگا۔“ نخبہ خود کو سنبا ل کے پہلے والی نخبہ کے انداز میں بولی۔

”ہاں تو تم امی کھا دو.....“
”جی.....؟“

”ہاں سچ کہہ رہی ہوں، مجھے تو یہ ماما کہتا ہے..... اسے تم چھوٹی، چھوٹی اسلامی باتیں رات کو سلاتے ہوئے سکھایا کرو..... اس کی اچھی تربیت کرو..... تم جیسی حلال پاک کھانے والی شریف عورت کی کو دور صفہ جیسی تارکب رخصیات ولیہ اللہ کا سایہ ہوگا تو انشاء اللہ یہ اچھا نیک انسان بنے گا۔“

”انشاء اللہ باجی.....!“ شبانہ دودھ کا فیڈر لیے عبد اللہ کو گود میں لے کر بیٹھی تھی۔ نجیبہ دوسری چارپائی پر بیٹھی کوئی دوا کھائیں کھا رہی تھی۔

”نجیبہ باجی..... ایک بات پوچھوں..... آپ ناراض نہ ہوتا۔“ شبانہ نے کہا۔

”ہاں شبانہ بولو.....“
”بابا سورا ہے، آپ فکر نہیں کریں کہ بابا سنے گا..... باجی جب یہ سیانا ہوگا تو اپنے باپ کا پوچھے گا۔“
”یہ میرے پیٹ میں تھا اس کا باپ مر گیا..... کیا اس طرح نہیں ہو سکتا؟ البتہ باپ کا نام اس کی ولدیت میں لکھنا مجبوری ہے۔“
شبانہ چپ ہو گئی۔

چہل قدمی کرتی صفہ ان کی چارپائیوں کے پاس آئی تو نجیبہ نے اسے اشارے سے بلایا۔

”آؤ..... بیٹھ جاؤ ڈیئر..... اسی وقت تو تم مجھے available ہوئی ہو تو سنو صفہ..... وہ سب سنو جو میں نے سوچا اور سوچوں کے موتی چن چن کر مالا تیار کر لی کہ صفہ ہی اس قابل ہے کہ اس مالا کو پرکھے.....“
”ہاں بتاؤ.....“

”عورت قتل نہیں کرتی..... ڈاکے نہیں ڈالتی، عصمتیں نہیں لوٹی، اغوا نہیں کرتی، میرا مطلب ہے عمومی حیثیت سے یہ اعمال عورت سے کم وابستہ ہیں۔ وہ ان گناہوں کی طرف مجموعی اعداد و شمار کے تحت راغب نہیں ہے۔ مگر ہو کیا؟ عورت کو مال و اسباب سمجھ لیا گیا..... یونان، مصر، عرب کی تہذیبوں میں

پسند اور وقت جان گئی۔ نجیبہ عبد اللہ کا زیادہ تر کام شبانہ سے کروانا پسند کرتی تھی۔ مگر کی صفائی کے لیے نجیبہ نے وقتی ملازمہ رکھوا دی تھی۔ نجیبہ بھی اب کہاں پہلے والی نجیبہ رہی تھی۔ شلوار قمیص، دوپٹے اوڑھتی، جینز، شرٹس، ٹائٹس کی طرح کے تمام ڈریس یہاں آنے سے پہلے ہی ختم کر آتی تھی۔ بسا اوقات وہ چپ چاپ بیٹھی آسمان کو دیکھنے لگتی تو شبانہ کو اس سے ڈر لگتا..... صفہ کو وہ شروع سے ایسا دیکھتی چلی آ رہی تھی۔ نجیبہ کو اس نے چپقل، فیشن اسبل اور بننے بولنے والا پایا تھا وہ سوچتی۔ ”اللہ جانے اس حویلی کی تاثیر ہے کہ یہاں آکر سب بخیر و بھلا جاتے ہیں پھر سوچتی کہ نجیبہ باجی کو کوئی بڑا اہم لگا ضرور ہے۔ کیوں اتنی بدل گئی ہے۔“

گرمی کی راتوں میں کھلے آسمان تلے تازہ ہوا لیتا اچھا لگتا تھا (البتہ سوتی وہ تینوں اسے میں تھیں) شبانہ عصر ڈھلتے ہی سرخ اینٹوں والے محن کو دھو، دھو کر ٹھنڈا کرتی، مٹی، ماما دو رنگین پانیوں والی چارپائیاں بچھا جاتا..... رنگین کرسیاں، میز رکھ دیتا..... بوندوں کی بو چھاڑ والا مسٹ فین چل جاتا..... صفہ کا معمول تھا کہ عشا کی نماز و نوافل سے فارغ ہو کر وظیفہ جات، ٹیبل، ٹیبل کرتی تھی۔ شبانہ کا گزشتہ معمول تو یہ تھا کہ دو پٹا اوڑھ کر تازہ ہوا میں لیٹ رہتی مگر اب وہ عبد اللہ کے ساتھ لگی رہتی، عبد اللہ کی دلچسپی کے لیے سفید ٹی کا بچہ تھا، رنگین چڑیاں تھیں، وہ اپنے کھلونوں سے کم کھیلتا، پرندوں، جانوروں میں مگن رہتا تھا۔ نجیبہ نے اسے موبائل سے کبھی روشناس نہیں کرایا تھا۔ کیونکہ خود نجیبہ نے اپنی زندگی میں موبائل کو ماں، بھائی سے بات تک محدود کر لیا تھا..... ”شبانہ، تجھے تھکا دیتا ہے ناں.....“
عبد اللہ..... ”اسے عبد اللہ کے ساتھ بھاگتے، کھیلتے دیکھ کر نجیبہ نے کہا۔

”میں صدمہ تے جاؤں..... بیٹے کے، کوئی نہیں تھکا تا..... میں موتی ہو رہی تھی یہ میری ورزش کرانا ہے، یہ تو میری زندگی میں بہار بن کر آیا ہے..... میرا جی کرتا ہے یہ مجھے آگئی نہ کہے..... امی کہے.....“ شبانہ، بیٹے کو اٹھا کر پیار کرتے ہوئے بولی۔

سال کا آخری شمارہ..... خاص شمارہ

بہترین تحریریں، لا جواب روداد اور
اٹلی داستانیں پڑھنے والوں کے لیے
سرگزشت کا مطالعہ ضرور ہی ہے

کراچی

ماہنامہ سرگزشت

شمارہ دسمبر 2018ء

کی جھلکیاں

باغی قلمکار

اس مصنف کی داستان جس کی کہانیوں کو برا
کہا جاتا تھا پھر بھی سب اسے ہی پڑتے تھے

گولڈن گول

ایک پریٹ اداکارہ کا زندگی نامہ
جسے پڑھ کر آپ چونک جائیں گے

اکشے والا

غربت کے بوجھ تلے دبے ایک انقلاب
برپا کر دینے والے کی داستان زلیست

فریبی

ایک دلچسپ سچ بیانی جو سبق آموز بھی ہے

شمشال سے ٹورانٹہ

اپریل 2016ء سے شروع ہونے
والے مقبول سفر نامے کی آخری قسط

اس کی علامت

بہت سی سچ بیانیاں، سچی داستانیں، سچے
واقعات۔ وہ سب کچھ جو آپ پڑھنا چاہتے ہیں

لوٹری کا بیچنا عام ہوتا تھا۔ خریدار باقاعدہ چھان چکے
کر کے بھاؤ لگاتا اور خریدتا..... یہ صدیوں پرانی
متروک ریسیں سہی مگر یہ ایک انسانی فطرت بنا دی گئی۔
زندگی کی تحلیات کو جب گنا جاتا ہے، زمین تو زن کو
بھی سامان فحش میں گنا جاتا ہے، انعامات میں خوب
صورت جو ان عورت انعام ہے یعنی عورت نفسیاتی طور
پر مال بن گئی..... خوب صورت جوان مال..... شوہر کو
لبھانا عورت پر فرض ہے، یہ گھر داریاں، سسرال یہ
سب قطعی فرض نہیں ہے..... تو لبھا تو صرف حسین
جوان عورت ہی سکتی ہے..... اس کا مطلب بوڑھی بیوی
کا کوئی فریضہ نہیں بننا اور لالچ کی رو سے اس عہدے
سے فارغ ہے..... جسمانی نشوونما کے اعتبار سے
عورت، مرد کی نسبت جلد بالغ ہوتی ہے، چنانچہ مرد کی
نسبت جلد بوڑھی بھی ہوتی ہے..... یہ سارا پس منظر بھی
ساتھ ہے، پیش منظر یہ ہوتا ہے کہ عورت دنیا ہے،
دنیا دار ہے، اس لیے کہ اس کو روحانی ارتقا کا کوئی الگ
سے وعدہ نہیں دیا گیا۔ اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی۔
وہ جماعت نہیں کر سکتی، اذان نہیں دے سکتی، فتویٰ نہیں
دے سکتی، کوئی لیڈنگ علمی ردول ادا نہیں کر سکتی، ہے
تاں یہی بات.....“ وہ ذرا کی ذرا رکی۔

”سب کہہ دو جو دل میں ہے۔“ صفحہ نے اسے
حوصلہ دیا۔

آسمان پر چمکتا ہوا چودھویں تاریخ کا چاند تھا۔
فضا میں ایک بھید بھرا سناٹا تھا۔ شبانہ بچے کو لے کر
کمرے میں چلی گئی تھی۔

نخبہ بالوں کی لٹ سمیٹ کر کان کے پیچھے کرتے
ہوئے دونوں ٹانگیں سمیٹ کر گھٹنوں کے گرد دونوں
ہاتھ لپیٹ آگے پیچھے ہتی رہی..... پھر ٹانگیں اور ہاتھیں
ڈھکی چھوڑ کر سیدھی ہو بیٹھی۔

”خدا بہت فائدہ..... حضرت مریم کی ماں تھیں.....

ان کو حمل نہیں ٹھہرتا تھا..... ایک دن انہوں نے ایک
پرندے کو اپنے چوڑے کو چکاتے دیکھا تو دل میں شدید
تمنا ہوئی کہ ان کا بھی بچہ ہو..... منت مان لی اگر ان

ہوئی..... کہا گیا دوسری بار پھینکیں..... جس کا قلم بہاؤ کے ساتھ چلاب وہ غالب ہوگا..... ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ سب قلم بہاؤ کے ساتھ تیرتے مگر سب قلم مخالف سمت چلے گئے حضرت زکریا کا قلم بہاؤ کے ساتھ چلا..... چنانچہ ربی فیصلہ منظور کر لیا گیا۔“

”خوب..... یہ تفسیر مجھے معلوم نہ تھی۔ سن کر لطف آیا۔“

”تم آگے کہو جو کہہ رہی تھیں۔“

”ہاں تو مریم ماں کی دعا تھیں..... ماں کی منت تھیں..... نام بھی ماں نے رکھا..... ایک نبی کے زیر کفالت دی گئیں..... مسجد میں ایک جگہ مخصوص کر دی گئی۔ جہاں وہ بیٹی دن رات عبادت کرتی..... اور اپنی باری کے دن بیت المقدس کی صفائی کی خدمت کرتی..... مریم بی بی، پاکیزہ، معصوم، بے گناہ تھیں اتنی کہ اس نام کو تا ابد پاکیزہ اور معصوم کی معنویت دے گئیں۔“

”ہاں خبیہ..... زکریا علیہ السلام نبی ہو کے اس بات پر حیرت کرتے کہ بی بی مریم کے پاس رزق کہاں سے آتا ہے..... سردیوں میں گرمیوں کے اور گرمیوں میں سردیوں کے پھل دیکھے..... جو اس زمانے میں تصور نہیں کیا جاسکتا تھا۔“

”بے شک.....“

”اسی تجزے کی مثال دے کر انہوں نے اللہ سے اپنے لیے اولاد کی دعا مانگی تھی اگرچہ آپ بوڑھے اور ضعیف تھے۔“ خبیہ نے کہا۔

”خوب..... خبیہ..... کافی اچھا مطالعہ ہے تمہارا؟ مجھے خوشی ہوئی سن کر.....“ صفہ نے تو سمی انداز میں کہا۔

”اچھا..... اب میں صرف مریم علیہ السلام کی بات کروں گی..... ہم عورتوں کے لیے ان جیسی ان سے آگے کی کوئی مثال نہیں..... مریم جسے فرشتے کہتے اللہ نے تجھے برگزیدہ کر لیا..... پاک کر دیا..... تمام جہاں کی عورتوں میں ترا انتخاب کیا اور ان کے کان سنتے تھے..... مریم جو اتنا لمبا قیام کرتی کہ پاؤں پھٹ جاتے..... عبادت کرنے میں ان کا کوئی غائب نہ تھا..... جو مسجد کے ایک گوشے اور بعد از بلوغ بالحقہ

کے ہاں بچہ ہوا تو اسے بیت المقدس کے نام پر آزاد کر دیں گی..... تب لوگ یہ منت مانا کرتے ہوں گے..... ویسے مجھے تو حضرت مریم والا زمانہ ماورائے زمانہ لگتا ہے..... خیر ان کی دعا قبول ہوگئی..... یطین میں کیا ہے کے معلوم ہوتا..... پیدا ہوئی تو بیٹی سامنے آئی..... کہنے لگیں..... ”اللہ میرے تولد کی ہوئی ہے۔“

صفہ نے سوز و تجوید سے سورہ آل عمران کی آیت پڑھ کر سنائی اور پھر ترجمہ بھی.....

”تو یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں اور تو ان کے قریب نہیں تھا جبکہ وہ قرعہ اندازی کر رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی کفالت کرے اور تو ان کے پاس نہیں تھا جب وہ (اس بارے میں) جھگڑ رہے تھے۔“

”سبحان اللہ صفہ.....! یہ قرعہ اندازی اور جھگڑنا کیا تھا..... یہ تم بتاؤ پھر آگے میں بات کرتی ہوں۔“

”بیٹی کو دودھ کی عمر سے نکلنے کے بعد والدہ اسے اگلے لباس اور چادر میں لے کر مسجد میں آئیں..... سب ہی خدام مسجد بیٹی کی دیکھ بھال کی ذمہ داری لینے کے متنبی تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نبی تھے، بیٹی کے خالو بھی تھے۔ انہوں نے کفالت کا خود کو حق دار کہا مگر یہ اعزاز حاصل کرنے کے دیگر خدام بھی خواہشمند تھے چنانچہ یہ فیصلہ کیا گیا کہ ہر کسی کا قلم ایک جگہ پر رکھ دیا جائے۔ کسی بچے سے کہا جائے کہ کوئی قلم اٹھالائے..... جیسے ہمارے ہاں پر چیاں اٹھواتے ہیں..... اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ وہ تمام خدام نیکی کا عالم تھے، قلم کا استعمال اور احترام جانتے تھے اور کرتے تھے..... چنانچہ کسی بچے سے قلم اٹھوایا گیا تو وہ قلم حضرت زکریا علیہ السلام کا تھا..... اس پر وہ حضرات مطمئن نہ ہوئے، دوبارہ قرعہ اندازی کا مطالبہ ہوا اور اب طریق کار یہ تھا کہ سب اپنی قلمیں نہر میں پھینک دیں جس کا قلم مخالف سمت میں جائے گا وہ غالب ہوگا..... اب بھی حضرت زکریا کا قلم پانی کے بہاؤ کی مخالف سمت میں چل پڑا..... پر اب بھی تسلی نہ

منتقل کرتا ہے۔ جو خون سے بھی منتقل ہوگا اور گود سے بھی..... یعنی تربیت..... ایک لمبی آہ کے ساتھ نجبہ چپ ہوگئی اور صفہ پر نظر س جمائیں۔

”تسلیم کرتی ہوں کیونکہ نبوت معلیٰ ہے تدریس و تبلیغ ہے..... ماں بھی سکھاتی، انگریزی اور منتقل کرتی ہے..... مگر نبی تو اللہ کا چنا ہوا بندہ ہوتا ہے، سکھانے کے اہل قرار دے کر بھیجا جاتا ہے..... مائیں تو لاکھوں کروڑوں ہیں اور لاکھوں کروڑوں ایسی بھی ہیں جو جانتی ہیں نہ سکھاتی ہیں.....“

”ہاں..... اسی لیے تو جتنی ہوئی عورتیں وہ لاکھوں کروڑوں مائیں جیسی نہیں ہیں۔ یعنی ان کو پہلے خود اللہ کے بہت محبوب والے معیار تک پہنچنا ہوتا ہے۔“

صفحہ نے نجبہ کی بات کو سہیں تک سنا..... اس کے بعد جیسے وہ عالم تحریر میں اٹھ کر اندر چلی گئی..... نجبہ بھی کچھ دیر بعد اٹھ گئی..... صفہ کو جیسے ایک دم سے نیند غنودگی کی طرح آئے جاری تھی..... وہ چاہتی تھی کہ ابھی سوچے یا مطالعہ کرے مگر نیند ہی آگئی.....

پھر جیسے وہ جاگتی آنکھوں کو کھیرتا ہے مقلد محترمہ عائشہ صبیحہ سفید چادر لیے اس کے پٹک کے ساتھ شہری ہیں، الفاظ روح کے آ رہے ہوئے جارہے ہیں۔

”وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون..... انا کی پامالی عبادت ہے۔ وحدہ لا شریک کے لیے نفی ذات اور صفات بشریت کو مجاہدہ و ریاضت سے فدا کرنا عبادت ہے۔ صفات بشریت کا زور ٹوٹنا ہے تو صفات حق اس میں جھکی ہوتی ہیں، تم کیوں بھٹک جاتی ہو..... اللہ اپنے بندوں سے پیار کرتا ہے۔ حدیث قدسی بھولیں گے..... پھر بندہ میری طرف کسی چیز کے ذریعے زبردنی حاصل نہیں کر سکتا مگر ادا ہے فرائض اور پھر نوافل..... یہاں تک کہ اس میں اپنا محبوب بنائیں ہوں۔“ جب بندہ اللہ کا محبوب ہو جاتا ہے تو اللہ اس کے کان، آنکھ، زبان، دل، ہاتھ، پاؤں ہو جاتا ہے، وہ کہتا ہے کہ وہ مجھ سے دیکھتا ہے۔ مجھ سے سنتا ہے مجھ سے بولتا ہے اور مجھ سے چلتا ہے۔“ صفہ نے دوسری طرف کروٹ بدل لی۔ نیند کے چند کام پائیک

جگہ کے سوا کہیں گئی نہیں تھیں۔ جنہوں نے دنیا جھانک کر دیکھی نہ تھی۔ جن کا رزق آسمان سے آتا، غیب سے مہیا ہوتا..... جن کی نگاہ پاکیزہ، زبان خاموش، کان غل سے نا آشنا، جسم صلوٰۃ و وضو مسجد کی صفائی کے افعال کے سوا کسی فعل سے نابلد..... وہ اللہ کی منتخب کردہ..... جب اللہ ان سے خوب راضی ہوا..... تو..... ان کو انعام کیا دیا؟ فرزند..... نبی فرزند..... اللہ چاہتا انہیں حکم دے دیتا فلاں سے نکاح کر لیں..... وہ گرتیں..... اللہ نے آسمانوں پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح..... اور حضرت فاطمہؓ کا حضرت علیؓ سے نکاح کا فیصلہ دے کر بھیجا..... لیکن اللہ نے مریم علیہ السلام کے لیے ظاہری وسیلہ بھی حکم نہ کیا..... کسی بھی شریف عالم بندے سے مریم بی بی کا نکاح ان کا رتبہ نہیں بڑھا سکتا تھا بلکہ اس کا خود کا اگر وہ کوئی ہوتا تو رتبہ بڑھتا تھا..... چنانچہ مریم علیہ السلام کا رتبہ اور شان بڑھائی ماں بنا کر..... نو ماہ تک ملن میں رکھ کے..... درودزہ کے ساتھ جنم دے کے..... وہ ماں بن گئیں..... وہ کچھ دیر کو خاموش ہوئی..... حسرت سے آسمان کی جانب دیکھا اور پھر بولی۔

”صفہ..... جب یہ نکتہ مجھ پر ابلاغ ہوا تو میں نے اسلام کی دیگر صاحب مقام عورتوں کو جانچا..... مطلب میں کیا جانچوں گی..... ہاں ان کے متعلق پڑھا..... خوب مطالعہ کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ختم دینے والی عورت کو الہام عطا ہوا، موسیٰ علیہ السلام کو پالنے والی آپ بی بی کو یزید جنت دی گئی..... اسماعیل علیہ السلام کی والدہ..... کیا مقام اور سب سے بڑھ کر جنت کے سرچشمہ..... والدہ خود خاتون جنت حضرت فاطمہؓ الکرہ..... تھی کی اولاد کی ماں حضرت خدیجہؓ یہی ہیں روشن ترین نسا کی کردار..... اس کا مطلب تو مجھ پر یہ نکلا کہ عابدہ، زابدہ، پاکیزہ، افضل ترین عورت کی معراج..... صالح اولاد پیدا کرتا ہے..... اور اولاد میں سے اللہ کے فضل سے صالح فرزند پیدا کرتا ہے..... اور اپنی ساری عبادت، زبدہ، پاکیزگی، فضل علم اس فرزند میں

”میرا ایہ جہت کرنا اب کوئی مسئلہ نہیں رہا ڈیڑھ پہر باقی ہے۔“

”اللہ تمہیں عبد اللہ کی خوشیاں نصیب کرے۔“

”صفہ! میں تو پہلے ہی چاہتی تھی کہ تم اتنی بڑی جگہ نہ

رہو۔۔۔۔۔ اسے اپنی ملکیت بھی نہ رکھو۔۔۔۔۔ یہ جو دنیا والے

ہیں بہت آگے کی سوچتے ہیں، تم کہو تو میں اپنے پر اپنی

ڈیڑھ کو فون کروں۔۔۔۔۔ وہ reliable بندہ ہے، وہ آئے

گا فون ہو جائے گا۔۔۔۔۔ اس کا مارکیٹ ریٹ۔۔۔۔۔“

”ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، حویلی کو فروخت کے

لیے جو مناسب سمجھو کرو۔۔۔۔۔ مگر وہ مکان بھی دیکھ

آؤ۔۔۔۔۔ اس میں کچھ بدلنا ہو، سب دیکھ لیتا۔“

”بیاری صفہ۔۔۔۔۔“ غخبہ نے اس کے سر پر بوسہ لیا اور کہا۔

”دیکھ نہ ہونا مجھے اندازہ ہے تم کس بلا کے جبر کو

جھیل رہی ہو۔“

”ہجر۔۔۔۔۔ اپنوں کا ہوتا ہے، وہ جھیل لیا۔۔۔۔۔ یہ

بھاری نہیں۔“

”یہ بھی یہ مثل وہی ہے۔ مگر تم بہترین مبر

کرنے والوں میں سے ہو۔۔۔۔۔ اوکے! میں رات سے

پہلے چکر لگا آتی ہوں۔“

شبانہ، نخب اور عبد اللہ چلے گئے۔

صفہ بخاری بھائیں، بھائیں کرتی حویلی کے

کمروں میں جھانکنے لگی۔۔۔۔۔ ایسے کمرے جو ہمیشوں سے

کھولے نہ گئے، سب میں کچھ نہ کچھ سامان تھا۔۔۔۔۔ پرانی

طرز کے اونچی فیک والے مضبوط پٹنگ، صوفہ سیٹ،

پرانے طرز کی اپنی داستان آپ سناٹی کرسیاں جن

میں ٹیلے ویلوٹ کے کشن تھے۔۔۔۔۔ سجاوٹ کا قیمتی

سامان، لٹکنے چکنے جن کی کمپنیاں بھی اب نہ رہی

تھیں۔۔۔۔۔ یوں لگا جیسے کوئی بہت قدیم یادگار ہائٹ گاہ

زیارت کے لیے کھول دی گئی ہو۔۔۔۔۔ جیسے دستاویزی فلم

چل پڑی ہو۔۔۔۔۔ منظر کھلتے اور بند ہوتے ہوں۔۔۔۔۔

ساعتیں، بصارتیں اور آوازیں آنکھ پھولی کھیل رہی

تھیں۔۔۔۔۔ صفہ کی آنکھ میں کوئی آنسو نہ اتر بلکہ ایک

خوب سمجھنے والی ہنسی۔۔۔۔۔ سب کھیل تماشا ہے، کبھی کھیل

منظر کھل گیا۔۔۔۔۔ محترمہ عائشہ صبیحہ کسی باغ میں چہل قدمی

کر رہی ہیں ان کے ساتھ چند دیگر معلمات ہیں۔ صفہ ان

کے پیچھے، پیچھے چل رہی ہے اور ان کی باتیں سن رہی

ہے۔۔۔۔۔

”جب اللہ اپنے بندے کو مخاطب کرتا ہے تو وہ

تمام اجسام جو انسانی صفات کے مظہر ہیں اس میں

شامل ہیں، عورت، مخنث، معذور، ادھورے جسم والے

سب، جو آدم علیہ السلام کی پشت کی ذریت میں روح

کی صورت تھے۔ ولایت اکسائی قرب الہی کا عین

جذبہ ہے۔ پیدائشی ولی تو اللہ خود سچا سنوار کے بھیجتا

ہے۔۔۔۔۔ اور جو بندہ اپنے خالق کے قرب کے لیے خود کو

شعلوں میں جلاتا اور رخِ بنگی میں جھاتا ہے۔۔۔۔۔ اس

بد صورت میلے بچے کی طرح جو ماں کی محبت کے لیے

رگڑ، رگڑ کر نہاتا ہو اور کپکپاہٹ بھی چھپاتا ہو۔۔۔۔۔ کوئی

ماں اسے محبت سے نہ دیکھے ممکن نہیں۔۔۔۔۔“ پھر وہ منظر

یوں عیرا بہن بدلتا ہے کہ اماں جان کہہ رہی ہیں۔۔۔۔۔

ماں بننا اپنا آپ مارنا ہے۔۔۔۔۔ نیند، آرام، کھانا، پینا،

سیر و مشاغل۔۔۔۔۔ مگر اس مارنے میں اپنی خوشی، امید،

راحت، جھپی ہوتی ہے، اسے دیکھو اس نے یہ سب اس

امید، راحت، خوشی کے لیے کیا ہے۔۔۔۔۔ وہ صفہ کی

کلائی پکڑنے لگتی ہیں، صفہ نے بازو اوپر اٹھایا کہ پوری

طرح سے آنکھ کھل گئی۔

خوابوں کے ان ککڑوں سے نقاہت قلب کو تقویت

ملی۔ آنکھ کھلتے ہی بستر چھوڑا۔۔۔۔۔ وضو کیا اور بغیر کتنی کے نوافل

پڑھتی رہی۔۔۔۔۔ پڑھتی رہی۔۔۔۔۔ یہاں تک کہ تجھ، لعل، فجر

سب ادا ہو گئے۔۔۔۔۔ استخارہ کی نیت کی اور سو رہی۔

چوتھے دن صفہ نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ حویلی چھوڑنا

ہے اسے فروخت کر دیا جائے گا۔ غخبہ کے کمرے میں جا

کے اسے خبر دی۔

”شبانہ کے ساتھ جا کر مسجد کے پائیں مکان دیکھ آؤ۔“

”تو۔۔۔۔۔ کیا۔۔۔۔۔؟“ غخبہ چونک گئی۔۔۔۔۔ صفہ

اس کی حیرت نظر انداز کر گئی پوچھا۔

”وہاں ایہ جہت کر لو گی۔۔۔۔۔؟“

دے دی ہے۔ لیکن جس چیز کی مجھے وہاں کی محسوس ہوئی وہ یہ کہ لان اور سبزہ نہیں ہے، عبد اللہ کے pets کی جگہ نہیں ہے۔ مگر اللہ نے اس کا سبب بنادیا..... مولوی صاحب کی بیوی ہماری آمد کا سن کر وہیں آگئی تھیں۔ وہ ہمارے ساتھ تھیں۔ انہوں نے ہمیں بتایا کہ اس کے ساتھ کوئی پانچ مرلے کا مکان ہے وہ بھی مالک بیچنا چاہتا ہے، آپ دونوں خرید لیں۔ وہ پانچ مرلے والا کچا مکان ہے اسے ہم گرا کر لان بنا سکتے ہیں، اور ایک طرف چھوٹی سی انٹیکسی بھی بنادیں۔ آخر نشی ماما کہاں رہے گا، میں نشی ماما کی ضرورت ہے..... اسے ہم رکھیں گے ساتھ.....

شبانہ کے پاس ناظرہ قرآن پاک والے بچے یہاں سے بھی زیادہ آئیں گے۔“ اور ابھی وہ بہت کچھ کہہ رہی تھی۔

”ارے بیٹھ جاؤ بیٹھ..... کب سے کھڑے، کھڑے بولے جا رہی ہو۔“ صفہ نے پٹنگ پر پھیلی چادر سیٹی۔

”مجھے جینے کی امنگ مل گئی ہے صفہ.....“ نجبہ بیٹھتے ہوئے بولی۔ ”میرے پاس وقت کم ہے اور منصوبے زیادہ..... اللہ چاہے تو وقت زیادہ ہو جائے۔ میں اپنا اثاثہ فلاحی کاموں میں لگانا چاہتی ہوں، مجھے وہاں یہ آئیٹیا آیا کہ میں یتیم بچوں کی کفالت کا ادارہ بناؤں گی، دیے تو سب غریب بچے اچھی تعلیم، لباس، خوراک کے حق دار ہیں مگر یتیم کا دکھ ماسوا ہوتا ہے، بسا اوقات ایک امیر، یتیم بچہ، ماں، باپ والے غریب سے زیادہ توجہ کا مستحق ہوتا ہے..... میں آج اس ادارے پر پیچہ ورک کر لوں گی..... اور ہاں..... صفہ..... ٹرسٹ ہم دونوں کا ہوگا اور صفہ مسجد کا نام ہی بہتر ہے۔“

”نام بھی دونوں کا آئے تو بہتر ہے۔“

”اچھا میں ابھی کچھ فون کر لوں صفہ۔“ وہ اٹھتے اٹھتے رک گئی۔

”تمہیں حویلی کے حوالے سے دکھ تو ہوگا..... مگر بس یہی سوچ لینا کہ اب آخرت کی تیاری کے لیے جینا ہے۔“

صفہ کا دل مسکرایا..... ”اب کیوں؟ ہمیشہ سے کیوں نہیں؟“ نجبہ کیونکر بدل گئی۔ میری زندگی کے سب

میں دل لگ جاتا ہے تو کبھی دل میں کھیل لگ جاتا ہے، دروازوں کے کھلے پٹ باہم توجہ کتنا تھے اور سارا سامان نیلا یا کا ڈھیر تھا۔ ایک مٹھی بھر دل میں کتنا کاٹھ کپاڑ..... اتنا کاٹھ کپاڑ.....“

”حویلی اور سامان کی فروخت کے بعد جو ٹرسٹ بنایا جائے اس کا نام کیا ہو؟ نجبہ اعوان کا بہت بڑا حصہ اس میں شامل ہو رہا ہے۔ یہ اعزاز اسے ہی دیا جانا چاہیے۔“ صفہ حویلی کی راہداری میں کھڑی صرف بیچ اور حقیقت سوچ رہی تھی..... اس نے جذبات سے خود کو لالچ کرنے کی ایک اور کامیاب کوشش کر لی تھی۔

نجبہ والہی پر ہر اسٹور سے کچھ خریداری کر کے لائی..... شاپر شبانہ کو تھماتے ہوئے ہدایت کی کہ رات کے کھانے میں سفید چاول، کباب فرانی کر کے دہی کا رائیہ بنالینا۔

حویلی میں داخل ہوتے ہی عبد اللہ مانو کو ڈھونڈنے لگا.....

”عبد اللہ بابا..... بھول گئے؟ بی بی خالد کو سلام کریں..... آئیں۔“ شبانہ اسے پکڑنے لگی تو خود بھی بھاگتا دوڑتا صفہ بخاری کے کمرے تک پہنچ گیا..... سلام کرنے کا اس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ چاندی کے ہتھے والا دروازہ ایڑیاں اوپنی کر کر کے کھولا اندر جھانکتا اور کہہ دیتا۔

”بی بی..... سلام (کو سلام علیکم).....“ صفہ سن لیتی تو مسکراتی اور دعا دیتی۔

”صفہ جگہ دیکھ آئی ہوں..... مکان اچھا ہے، مناسب ہے..... نیچے تین بیڈروم ہیں جو ہم تینوں لے سکتی ہیں..... ڈرائنگ، ڈائننگ بڑا نہیں ہے، لاؤنج کافی بڑا ہے قرآن خوانی وغیرہ ہو سکتی ہے۔ اوپر کے پورشن میں دو بیڈروم ہیں کچن، لاؤنج پورایت اب ہے..... عبد اللہ بڑا ہو جائے تو اس کے کام آسکتا ہے۔ بی بی الحیٰ کتب خانہ اور مراقبہ روم بنائے جاسکتے ہیں۔ میں نے دوبارہ پیٹنٹ صفائی، وزنی کا آرڈر دیا ہے۔ میں نے اپنے ٹھیکدار کو فون کر دیا ہے۔ اسے ساری ہدایات دے دی ہیں فٹے داری

مؤرخ کسی نہ کسی عورت کی وجہ سے ہی کیوں آئے ہیں..... کیا یہ میری ہی کوئی پوشیدہ آرزو تھی؟“ ایسے سوالات تھے اور جوابات خاموش تھے۔

☆☆☆

زندگی کبھی تو برسوں ایک معمول پر چلتی رہتی ہے اور کبھی بدلے لے پڑتی ہے تو تغیرات کی زد میں آ جاتی ہے۔ حویلی فروخت ہو گئی..... عظیم الشان نشانی نئے مالکوں کی ملکیت ہو گئی اور ماضی یادوں کی صندوقچی یعنی دماغ میں مقفل ہو گیا۔

نئے مکان کا نام ”عبداللہ صفہ ہاؤس“ تھا..... یہ بھی کافی خوب صورت بنا ہوا تھا۔ نجی کی بازو قی عمرانی نے اسے سرسبز اور جدید لک دے دی تھی۔ سادات حویلی والیاں اب عبداللہ صفہ ہاؤس میں منتقل ہو گئی تھیں۔

ٹرسٹ کا نام بھی ”عبداللہ صفہ ٹرسٹ“ رکھا گیا تھا۔

نئے معمولات مرتب ہونے میں بھی دیر نہیں

لگی۔ صفہ کے کمرے کا رنگ سفید اور سبز شیڈز میں تھا

اور ضرورت کی تمام تر اشیاء سادگی لیے ہوئے تھیں۔

شبانہ کے کمرے میں ہی عبداللہ کا زیادہ تر سامان تھا۔

چھوٹا بیڈ بھی وہیں لگا تھا..... اور کھلونے، جمولا وغیرہ

رکھے تھے..... نجیہ کے کمرے میں ایک بیڈ اور صوفہ

سیٹ کے علاوہ عبادت کا کونہ بنالیا گیا تھا۔ نئی ماما اب

کافی بوڑھے ہو چکے تھے لیکن پہلے کی طرح مستعد اور

چاق و چوبند..... انیسویں میں ماما کے پاس اذان بھی اکثر

جھمرات، جھجھک کر آ کر رہ جاتا تھا۔ اذان، مسجد میں حفظ

قرآن کرہ پڑھتا تھا اسکول بھی جاتا تھا۔ اس کا شروع سے

ہی علم تھا..... عبداللہ بخاری بی بی کے ہاں لگتا تھا۔ اب

تو عبداللہ بھی یہ محسوس ہوئی کہ بھائی عادی ہو گیا تھا.....

عبداللہ کو مٹر ہائیگ پر باہر لے جانے والا پندرہ سالہ اذان

ہی ہوتا تھا۔

عبداللہ صفہ ٹرسٹ پر یتیم بچوں کے تعلیمی و غنیفہ کا

اجرا ہوا تو نجیہ احوال پر اتنا سفارشوں کا دباؤ پڑنا شروع

ہو گیا کہ وہ حیران ہو، ہو کر بیمار ہو گئی۔ سندری اور اس کی

کھائی جاتی ہمیشہ بھی آگئیں جن کے بچوں کے والدین

سلامت تھے اور کمار ہے تھے، وہ اپنی گزشتہ خدمات، سادات حویلی سے پرانا تعلق اور غربت کی مبالغہ آرا کہانیاں سناری تھیں..... اور انکار سن کر ان کے مزاج

گبڑ جاتے..... شبانہ کو طعنے ملتے نجیہ نے ہمت نہ

چھوڑی..... وہ دیانت داری اور استقامت سے ڈٹی

رہی..... ”آپ کمزور ہوتی جا رہی ہیں آپ اپنے اوپر سے

کام کا بوجھ کم کریں.....“ شبانہ اسے کہتی..... ”مجھے اسی کام

نے ہی تو زندگی کا حوصلہ دیا ہوا ہے۔“ نجیہ کہتی..... مسجد کے

لیے بھی نجیہ نے بہت کام کیا..... بڑے ہال میں تین اے

سی لگوا کر نئے قالوس لگوائے..... قیمتی پودوں کے بڑے گیلے

منگوائے..... اب لوگ مسجد دیکھنے کے لیے دور، دور سے

آتے تھے۔ نمازیوں کی تعداد روز افزوں تھی..... کسی غیر

معروف قصبے میں اتنی عالیشان مسجد کی شہرت پہیلی

تو اخبارات نے بھی خاص نمبر نکالا مسجد کی تصاویر چھپیں۔

نجیہ مسجد کی شہرت کے حوالے سے ہونے والے حوالہ کی

حوصلہ افزائی کرتی تھی جبکہ صفہ اس کی قائل نہیں تھی۔ بس

وہی فرق تھا جو خیرہ و اعلائے صدقات و خیرات کا ہوتا ہے،

اگر نیت نیک ہو تو دونوں ہی عمل صالح ہیں۔

اب میڈیا کی ٹیموں کا صفہ بخاری بی بی کے

انٹرویو کے لیے دباؤ اور اصرار بڑھ گیا تھا۔ بی بی وی پر

صفہ بخاری کا عام گھر اور خاص مسجد دکھائی جاتی تو نجیہ

کبھی، کبھی مذاق کرتی۔

”اچھا ہوا کہ حویلی میں نہیں ہو..... ورنہ تمہارے

آدمے نمبر تو کٹ جاتے تھے۔“

”نجیہ..... تم جانتی ہو یہ انٹرویو وغیرہ میری

فلطرت نہیں ہے..... تم اور شبانہ جو مناسب سمجھو جوابات

دے دیتا۔“

”بہت پیاری صفہ..... تم جس طرح اور جتنا

مناسب سمجھو خود کو ڈھانپ کے بیٹھنا..... مگر جو جدوجہد

تمہاری ہے اس کے بارے میں تمہیں ہی بات کرنی

چاہیے..... اسی کو تبلیغ کہتے ہیں..... ہو سکتا ہے بہت سی

خواتین تم سے متاثر ہو کر اپنے اندر تبدیلی لے

آئیں.....“ الغرض نجیہ نے قائل کر لی لیا۔

انٹرویو لینے والے گھر ہی آگئے تھے۔

سفید کھلے عبا یا اور سفید اسکارف میں لپٹی صفہ
بجاری کے دائیں طرف بادامی چادر میں شبانہ پیشی
تھی۔ کیرا آن ہوا اور مودب صحافی نے سوال کیا۔

”تاریخ اسلام میں دینی خدمات کے حوالے سے خواتین کے نام بہت کم سامنے آتے ہیں، شائسی اختیارات کی حامل خواتین رضیہ سلطان، زبیدہ بیگم، نوجہاں وغیرہ کو چھوڑ کر قاجاری کاموں میں عورت کا تذکرہ کیا ہے؟“

”عام عورت کا کام تاریخ میں مذکور ہی کب ہوتا ہے۔ عام انسان کے پاس وسائل نہیں ہوتے اور ہمارے معاشرے میں عام عورت کی حالت کافی کمزور ہے..... ایک عام عورت پرانے کپڑے، جوتے، چند

روپے یا لکھانا کی ضرورت مند کو دیتی ہے تو اس کا جذبہ خدمت مجھ سے کم ہرگز نہیں ہے۔ مجھ سے بہتر ہی ہوگا..... فلاحی کام نہ کرے کے لیے نہ کیے جائیں تو یہی اچھا ہے۔“ سوالات کا سلسلہ جاری تھا۔ چائے لا کر رکھنے والے فنی بابا کو انہوں نے روک کر پوچھا۔

”بابا جی..... آپ یہاں کب سے ہیں؟“
 ”میں جوان تھا..... اور یہ بی بی بیجی تھیں.....“
 ”میں تب سے حویلی کی خدمت کر رہا ہوں۔“
 ”مسجد صفحہ کے حوالے سے آپ اپنے تجربات
 بتائیں گے؟“

راہ میں بہادیا۔۔۔۔۔ قیدیوں کے تو بھاگ ہی کھل گئے۔۔۔۔۔
کہاں، کہاں کے یتیم یہاں لپٹے ہیں۔۔۔۔۔ اللہ سائیں
نے نیک بیٹیاں ایک جگہ کر دیں۔ اب جناب ہمارا نسخہ
عبداللہ اعوان ماشاء اللہ اتنی پیاری تلاوت کرتا ہے کہ
کیا بتاؤں۔۔۔۔۔ صاحب جی! سب کی صفات اپنی
جگہ۔۔۔۔۔ مگر صفہ بخاری بی بی میں سب صفات یکجا
ہیں۔۔۔۔۔ دیانت، صبر، سخاوت، عبادت، سبحان
اللہ۔۔۔۔۔ اللہ اس مسجد کو تابذ زمین پر آباد رکھے جو مزہ
یہاں نماز کا آتا ہے۔۔۔۔۔ کیا بیان کروں۔ آپ خود
نماز پڑھ کر دیکھ لو گی۔۔۔۔۔ اذان ہوا چاہتی ہے۔“
فتنی ما مسلام کر کے رخصت ہوا اور انڈر یو کرنے
والوں کا سوال دوبارہ صفحہ کی طرف آیا۔

”جی آپ..... ان سب کاوشوں کا کریڈٹ کس کو دے گا؟“

”میں اپنے اندر کوئی وصف خاص نہیں پاتی، دین
 کی تعلیم کا یقیناً اچھا اثر ہے۔ ہاں البتہ تصوف کی استاد
 محترمہ عائشہ صبیحہ کا میرا سیدھا رخ موڑنے میں اہم
 حصہ ہے۔ جسے ڈالنے اور موڑنے والا اللہ ہوتا ہے۔“
 ”بخاری بی بی! کبھی آپ کو بھی مایوسی کا سامنا
 ہوا؟ کبھی ایسا لگا کہ دنیا اندھیر ہوگئی آگے راستہ
 نہیں.....؟“

”ہاں، اے میرے دینی بھائی..... جب میرے والدین ایک ساتھ دنیا سے رخصت ہو گئے تب میں کھانا ٹوپ اندھیرے میں خود کو محسوس کرتی تھی۔“

”اس کے بعد اللہ غفور الرحیم نے مجھے قلعہ احباب دے دیے..... شہانہ بی بی اور غنچہ احوال..... اللہ ان کو ابدی انعام سے نوازے۔“

”آپ تو جوان نسل اور خصوصاً لڑکیوں کو کیا پیغام دیں گی؟ آپ جس مقام علم پر ہیں آپ ہمارے چیلنس پر بھی کچھ دینے کے لیے مدعو کی جائیں گی۔ یہ ہمارے چیلنس ڈائریکٹری درخواست ہے۔“

میکٹ پر سی ٹی وی کھرا تھا۔ فضول کپ شپ اور مشکوک سرگرمیوں کی اجازت نہ تھی۔ مسجد کے باہر سبز گھاس کے قطعے تھے وہاں پر بیٹھنے والوں تک پرکزی نگاہ رکھی جاتی تھی۔

منشی مامانہ مسجد کا سیکورٹی گارڈ، ریٹائرڈ فوجی اور پکا غازی دین دار بندہ جن کو رکھنا تھا۔

پانچ سالہ عبداللہ بہت عمدہ قرأت کرنے لگا تھا اور یہ شوق صفہ بخاری کا تھا اس نے بہترین سکھانے والے کا معقول اعزاز یہ پر بندوبست کیا تھا اور جب پہلی بار عبداللہ نے سورہ رحمن سنائی تھی پردے کے پار اس کے استاد محترم بیٹھے تھے، پردے کے اس طرف صفہ تھی جس کی آنکھوں کے جھرنے بہتے تھے۔ شانہ تھی جو صدقہ اتارتی، مسکراتی اور روتی بھی تھی۔ سب سے جدا حالت نخعی تھی۔ دو آیات سن کر لپک کے غم کے قدموں میں آ بیٹھی اور اس کے دونوں ہاتھوں کو تھام کر چہرہ اٹھائے جمونے لگی۔

ملاوت ختم ہوئی تو اسے لگا کہ حرکت جو طاری تھا جو ختم کیا۔

”عبداللہ میاں کی گرفت اعلیٰ ہے، اچھا سیکھ رہے ہیں۔“ قاری صاحب نے شاباش دی۔

☆☆☆

شانہ گاؤں سے ویلوٹ کی کڑھائی والی خوب صورت چادر بستر لائی تھی۔ صفہ بخاری کو پیش کی۔ حسب توقع انکار ہوا۔ مگر وہ ضد کرنے لگی۔

”بخاری باجی..... آپ نے کٹے موٹے سفید کرتوں میں عمر گزار دی۔ کبھی کوئی اچھا ریشمی کپڑا نہیں پہنا۔ ماشاء اللہ، اللہ کا دیا سب کچھ ہے..... کبھی جیتی کبلی، لمف، چادر نہیں بچھائی۔ حق حلال کی کمائی میں برت لینا گناہ تو نہیں ہے۔“

”بیٹھو۔“ صفہ نے کہا۔ وہ چٹائی پر بیٹھ گئی کیونکہ اب صفہ کے کمرے میں پٹنگ بھی نہیں ہوتا تھا۔ حویلی والی شان ختم ہو گئی تھی بلکہ اس نے خود کروڑی تھی۔ نیچے ایک چٹائی تھی اور ایک بان کی چار پائی تھی۔ اس کی

میں نو جوان بچیوں سے بھی کہوں گی کہ پہلا قدم نفس کی نہ سننے نہ ماننے سے شروع ہوتا ہے اور یہی پہلا ہی ہر قدم ہے..... یہ عاقبت سنوارنے کی پگڈنڈیاں، پہل صراط کی شاہراہ تک جاتی ہیں..... آج کل انٹرنیٹ ہے جہاں برائی کی کثیر دعوتیں ہیں..... مگر وہاں تعلیمات صحابہ کرامؓ، احادیث نبویؐ و علمائے کرام کا نصیحت آمیز مواد بھی بہت ہے، یہیں سے نفس کی باگ کھینچ کر رکھنا پڑتی ہے..... عورت ماحول ساز ہوتی ہے، اپنے گھروں کا ماحول اسلامی بنائیں..... ہمارے سامنے ہمارے بڑے مرجاتے ہیں..... وہ بھی جوانی زندگی سے بھرپور تھے، جب چلے گئے تو لگتا ہے کبھی تھے ہی نہیں..... یہ آفت سب پر ٹوٹتی ہے، ہماری سب کی باری لگتی ہے..... فضی، کمزوری، موت..... نئی برحق نے عورت کو تسلی کرا دی..... عورت کے بظاہر زندگی کے افعال جیسے ماں بننا، بچہ پیدا کرنا، پالنا، عصمت کی حفاظت، انہیں اللہ نے عبادت شمار کر دیا..... یعنی عورت کے کم کو زیادہ میں تول دیا گیا..... بالفاظِ دگر عورت پر چند قیود، چند احکام ہیں انہی کو خالص ہو کر کر لے تو پار ہو جائے گی.....“

”عورت ماں نہ بن سکے تو؟“

”یہ تو ماں نہ بنا سکنے والا رب بہترین جانتا ہے، وہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔“

مسجد صفہ سے اذان کی پُر وقار و پُر سوز صدا بلند ہوئی۔ جن، جن کر ہیرے متعین کیے تھے مسجد میں..... اہتمام اتنا شاندار کہ لطف آجائے، سرما میں گرم پانی برائے وضو، گرما میں تلہر، عصر اندر اے سی ہال میں توجہ، مغرب اور عشاء محن میں پٹھوں کے نیچے، مسجد کا جزیرہ تھا، مسجد کے ٹھنڈے ٹائل والے کھن کے چاروں طرف کج گنگھیرنے والے سدا بہار درخت تھے۔ ہر موسم میں پھولوں کی مہکار اور بہار تھی۔ پرندوں کی چہکار اور ہلکی، ہلکی ہوا، سفید یا سبز عمامے باندھے مالی خاکروب خاموشی اور ادب سے کام کرتے رہتے۔

ماہنامہ پاکیزہ — دسمبر 2018ء — 206

سوچا کرو اور سادہ اور کم پر راضی رہا کرو.....“
صفہ نے ہلکا سا مسکرا کر اس کا ہاتھ تھکا۔ شانہ تائید کرتی ہوئی ویلوٹ کی چادر بستر سے اٹھا کر چلی گئی۔

☆☆☆

گزرتے وقت کے ساتھ صفہ کی طبیعت میں گریہ شامل ہوا اور بدھتا چلا گیا۔ آباد محسوس، خوشگوار شامیں، خوب صورت بچیاں جن میں سے کچھ بڑی ہو رہی تھیں جو شانہ کے پاس قرآن مجید پڑھنے آتیں، ان کی باہم خوش چکیاں، شرارتیں، بادل، بارش کے موسم میں از خود پرنندوں کا جھومنا..... از خود لوگوں کا خوش ہو جانا کسی کا بیمار ہو کے الگ تھلک ہو جانا، مسجد کے لاؤڈ اسپیکر پر کسی جنازے کا اعلان ہونا۔ شانہ کا کسی موت والے گھر سے آکر فرط غم سے آنکھوں دیکھا حال بتانا، نخبہ کا آنکھ سے سانسے خاموش سپاٹ نظروں سے خود کو نکٹا، نخبہ کا کبھی، کبھی بے سبب بہت سانسنا اور کبھی اچاٹ ہو کر ایک طرف پڑے رہنا..... عبداللہ کا سفید لباس میں اسکول سے آنا اور شانہ امی کو حال سنانا، عبداللہ کا نخبہ ماما سے انگٹس بولنا اور مسجد سے آکر تلاوت قرآن سنانا..... ہر منظر، ہر چہرہ، ہر لمحہ ہر جذبہ مگر بس صفہ کو رلاتا تھا۔ اس کی آنکھیں ڈبڈب جاتی تھیں۔

”صفہ..... تم اتنا کیوں روتی ہو؟“ نخبہ نے ایک شام نہایت پیار سے اس کے سامنے بیٹھ کے پوچھا۔

وہ سر جھکا کر چند لمبے الفاظ چنتی رہی..... سر اٹھایا تو آنکھوں کے کٹورے چمکتے تھے..... بولی۔

”نبی اللہ حضرت شعیب علیہ السلام دس سال تک روتے رہے..... تائیں کیوں بس روتے رہتے تھے یہاں تک کہ آپ کی بیٹیاں چلی گئی..... اللہ نے آپ کو بیٹیاں کو لاڈلی اور دوجی فرمائی“ اے شعیب! اگر آگ سے ڈرتے ہو تو میں نے تمہیں محفوظ کر لیا، اگر جنت چاہتے ہو تو میں نے عطا کر دی اگر میری رضا مطلوب ہے تو وہ بھی آپ کو عطا کر دی.....“

حضرت شعیب نے فرمایا: ”اے جبریل میرا رونا جنت کی محبت میں نہیں، جہنم کے خوف سے نہیں بلکہ رب

عبادات، ذکر، مناجات، چٹائی پر ہوتا۔

”ایک واقعہ سنو.....“ صفہ نے کہا۔ ”نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بار مجبور کے چٹوں کی کھردری چٹائی پر چڑے کے نیچے پر سر رکھ کر سو رہے تھے۔ پاؤں مبارک کے نیچے پتے پیچھے تھے۔ مگر میں اس وقت ایک صابغ جوار گرم پانی کا کوزہ اردو پوار پر چند تاپختہ کھائیں تھیں۔ حضرت عمر داخل ہوئے چاروں طرف نظر گھمائی۔ اس حال میں دیکھا۔ دل بھر آیا۔ رو پڑے کافی روئے اور کہا۔

”آپ اتنی سختی برداشت کریں اور قیصر و کسریٰ باغوں اور نہروں میں کفر کے باوجود عیش و آرام کی زندگی گزاریں۔ دغا فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ پر اور آپ کی امت پر فرامی فرمائے۔“ اس پر ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا۔ ”اے خطاب کے بیٹے! کہاں ہو اور کہاں کی باتیں کر رہے ہو؟ کن لوگوں کا ذکر کر رہے ہو؟ یہ تو وہ لوگ ہیں جن کو دنیا میں عیش و راحت دے دی گئی ہے اور..... ہمارے لیے آخرت میں اٹھا کے رکھ دی گئی ہے۔“

”سبحان اللہ!“ شانہ بولی۔

”تو میری پیاری شانہ..... کیا فائدہ ہے اس مال کا، جس کی ہر چیز پر حساب دینا ہے..... جتنا تھوڑا ہوگا اتنا حساب کم ہوگا۔“

”آپ ہمیشہ لا جواب کر دیتی ہیں۔“ اسی طرح صفہ نے رسول اکرم کی زندگی کے کئی اور واقعات سنائے کہ کس طرح پیارے رسولؐ نے اپنی ازواج مطہرات کو ایسی ہی زندگی کی ہدایات دیں جو خالص رسول کی ازواج کو زیبا تھیں۔

”نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقویٰ کی زندگی جیتے تھے۔ بیویوں کو خیال گزر سکتا تھا کہ کچھ نہ کچھ آسودہ جنمیں۔ مگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عسرت کو خود منتخب کیا تھا۔ انہیں علم تھا اور ہوگا کہ غربت میں قلاح ہے، اللہ کے بعد اللہ کا عطا کردہ سب سے زیادہ علم غیب نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تھا ناں.....؟ یہ

”توازن؟“ صفہ نے بند آنکھیں کھولیں۔

”ہاں توازن..... اعتدال..... جو ہمارے پیارے
نئی کا اہم اصول تھا۔ ایک طبقہ ہے کہ اپنی جسمانی خوب صورتی کی
جانتا ہے۔ ایک طبقہ ہے کہ اپنی جسمانی خوب صورتی کی
خاطر ایک کھیر ایک جو کا پیالہ کھاتا ہے۔ ٹھونسنے والے
نے گنوا یا اپنے بھوکے پڑی کو نظر انداز کیا۔ ایک کھیر
کھانے والی نے تزکیہ نفس کی خاطر نہیں بلکہ غیر کی نگاہ کو
لبھانے کے لیے جبر کیا..... یہ جو چوبیس گھنٹے کا ایک دن
رات ہوتا ہے ناں..... اس میں کتنے گھنٹے فصول برباد
ہوئے کیا کھویا کیا پایا۔ اس کی قول ہم روز کرتے ہیں نہ
ہی ماہانہ، سالانہ..... نہ زندگی بھر..... صفہ..... صفہ.....
وہ صفہ کے گھنٹے زور سے ہلانے لگی۔ ”کچھ ایسا کر کہ
عبداللہ رتی، رتی نیکی کے پیچھے بھاگے۔ اسے نیکیوں کا
پلڑا بھاری ہوتا دکھتا ہو۔“ اپنے سینے پر کے سے اشارہ
کر کے کہا۔ ”ادھر دکھتا ہو۔“

”اگر مجھے عائشہ صبیحہ بی بی..... پانی کا وہ
گلاس..... وہ جھوٹا پانی نہ پلائے..... کیا..... مجھے.....
پھاڑی سر کو بی آسان ہو جاتی..... جیسے گویا کہ جیسے.....
تکوں کے جھاڑو سے کوڑا نکال دیا۔“

صفہ خود کلام تھی۔

”صفہ..... تم اسے عبداللہ کو اپنا جھوٹا پانی ہی پلا
دو..... تم اسے عائشہ صبیحہ بی بی کے پاس لے جاؤ.....
تم.....“ نخبہ کہے جاتی تھی۔

”تم ماں ہو..... تم مجھے کیوں کہتی ہو؟“ صفہ نے
پوری آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

”میں کہتی ہوں تو کوئی وجہ ہوگی..... بس تم یہ
سوال نہ کرو۔ مگر اسے وہ بتا دو کہ لوگ کہیں کہ.....
بے شک یہ سچا بیرو کا رحم ہے۔ جیسے صحابہ کرام تھے۔“ وہ
اور بھی جانے کیا کہتا جا رہی تھی۔

”خوابوں کی مانگیں سمجھو..... ان کو حد میں رکھو۔“

”کیوں..... کیوں حد میں رکھوں؟ میں نے
انسانوں کی مثال دی ہے۔ اگر ہم بہترین انسان کی
بیروی کو ناممکن قرار دے دیں تو پھر اپنے آئیڈیل کہاں

رہن کی ملاقات کا شوق اس کا باعث ہے۔“ رب کا
جواب پتا ہے کیا آیا؟ فرمایا: ”اب آپ کو قوت ہے پس
روئیں پھر روئیں..... اور..... روئیں.....“

یہ کچھ ایسے الفاظ تھے کہ صفہ کی دہانہ نکل گئی اور
نخبہ بھی بلک، بلک کر رو پڑی پھر کہیں جا کے صفہ نے
ساکس سنبھالی اور کہا۔

”اللہ نے اس رونے کے بدلے میں ایک نئی کو،
حضرت موسیٰ کو، دس سال تک آپ کا خادم بنا دیا۔ یہ محبت
خداوندی میں رونے کا بدلہ تھا جو عزت، بلند مقامات،
قرب آپ کے لیے رکھا ہوگا اللہ بہتر جانتا ہے۔“

”حضرت عقیقہ کا دور بھی میں جب پڑھتی ہوں
آنکھوں کے سامنے پھرتا ہے۔ ان کی نیک پیشیاں میں جو
اپنے جانوروں کو پانی پلانے کی باری نہ پاتی تھیں.....
اور صبر سے انہیں روکتی تھیں۔ حضرت موسیٰ مصر سے
بھاگے ہوئے، تنھن سے چور، بھوک پیاس سے بڑھ حال
درخت کے سائے میں لیٹے دیکھتے تھے۔ میں سوچتی
حضرت عقیقہ کی قوم کو تپ تول میں بددیانتی پر عذاب
ہوا تھا..... تب آپ مدین آگئے ہوں گے۔ پیاری
دوست صفہ..... کیسے، کیسے وقت، زمانے، ماحول زمین
پر بیٹے ہیں۔“ اب کے نخبہ نے اسے نئی کا قصہ سنایا کہ وہ
جی باقاعدگی سے دینی کتاب کا مطالعہ کرتی تھی۔

”سوچا کرو..... ایسی سوچیں اللہ کو پسند ہیں۔“
صفہ نے دیوار سے پشت لگا لی۔

”صفہ..... میں آدمی عمر..... یا شاید پوری عمر ضائع

کر کے..... ٹوٹی پھوٹی سوچنے والی بنی..... ہماری کتنی
قابل تھلید ہستیاں تھیں جن کے بارے میں ہم نام کے سوا
کچھ جانتے نہیں..... یہ ہم مسلمان کس طرح جی رہے
ہیں..... اپنے آپ کو، اپنی اگلی نسلوں کو گنوائے جاتے
ہیں..... صفہ..... میں کیا کروں کیسے کروں کہ عبداللہ.....

اچھا انسان..... صحابہ کرام جیسا انسان بن جائے۔

صفہ..... تم بتا دو گی ناں اسے؟ مگر تم کیسے بتاؤ گی؟ باہر
والی دنیا بہت بدل چکی ہے۔ توازن نہیں ہے کہیں
بھی.....“ نخبہ نے بھی چٹائی پر بیٹھ کر دیوار سے ٹکیر لیا۔

دسمبر لوٹ آیا ہے

تجھے کچھ ہے خبر بھی اے ملیں شہر مٹنا کے
غم تیرا مٹانے کو دسمبر لوٹ آیا ہے
وہی موسم وہی بارش وہی ٹھٹھڑے ہوئے پل ہیں
مرا ضبط آزمائے کو دسمبر لوٹ آیا ہے
تیرے دلع، تیرے دلوں بھلا کے جی رہے تھے ہم
وہی قصے سنانے کو دسمبر لوٹ آیا ہے
بہت مشکل سے نکلے تھے تیری یادوں کے گنبد سے
ستم پھر سے یہ ڈھانے کو دسمبر لوٹ آیا ہے
بہت برسوں میں بری سے مرے صحرائے یہ بارش
بسانے کو یہ دیرانے کو دسمبر لوٹ آیا ہے
شاعرہ: زرقا سکندر، لاہور

میری شادی ہوئی تھی۔ بخاری باجی مجھ سے تین سال
بڑی ہیں صرف..... میرا شوہر ویل تھا۔ رشتے دار تھا،
اچھا بندہ تھا۔ اماں تب زندہ تھیں..... اماں بتولاں
آپ نے نام سنا ہوگا۔“

”میں نے دیکھا ہوا ہے انہیں، مجھے یاد پڑتا ہے۔“
”بس جی..... میری شادی کو تین سال ہو گئے
تھے۔ اولاد نہیں ہوئی تھی۔ میرا شوہر کسی دوست کے
ذریعے ابو لکھی چلا گیا۔ میری ساس اپنے بیٹے کی دوسری
شادی کی بات کرنے لگی تھی۔ پھر وہ مجھے کسی بڑی ڈاکٹر
کے پاس لے گئی۔ ڈاکٹر نے ٹیسٹ کیے اور پھر.....
کہہ دیا کہ میرے ہاں اولاد نہیں ہو سکتی..... کوئی وجہ بھی بتائی
نہی۔ وجہ مجھے کیا سمجھ آتا تھی مجھے یہی سمجھ آیا کہ میرے ہاں
اولاد نہیں ہو سکتی۔ میری دنیا اندھیر ہو گئی۔ اس لمحہ
نے مجھے جیتے جی مار دیا۔ کلینک سے نکلے ہی نہ تھا کہ
ہو چکی تھی۔ مجھے پتا تھا یہ خبر راتوں رات میرے شوہر کو
پہنچائی جائے گی۔ وہ تو ویسے بھی ابو لکھی جا کر مہینوں فون
نہ کرتا تھا۔ بس وہی ہوا جو ہونا تھا..... میرے خاوند نے
مجھے طلاق بھجوا دی۔ وہ تو موقع کے انتظار میں تھا
جیسے..... اس نے دوسری شادی کر لی۔ اس کا گھر بس
گیا۔ اس کے اب تین بچے ہیں۔ خیریں تو مل جاتی ہیں

ماہنامہ پاکیزہ — دسمبر 2018ء — 209

سے جا کے لائیں گے؟“

صفہ ایک دم مسکرا دی۔

”لو بھلا اس میں مسکرانے والی کیا بات تھی؟“

نجیب کی آنکھوں میں یہی سوال ابھرا۔

”انشاء اللہ..... نجیب.....“ صفہ نے اس کے ہاتھ
پر ہاتھ رکھا اور ایک دل خوش کن مہکتا ہوا سکون نجیب کی
رگوں میں اترتا چلا گیا اور اسے کچھ ہی دیر میں وہیں
کے وہیں نیند آ گئی۔

اب رات کے دس بجے تھے۔ عبداللہ، نجیب کے
بستر پر سو گیا تھا۔ شانہ اس کے لیے ٹھنڈا روح افزا والا
دودھ لے کر آئی تو اسے سوتا پایا جبکہ نجیب گود میں چھوٹا
کیلنڈر کے کسی سوچ میں گم تھی۔

”عبداللہ بیٹا سو گیا؟ میں دودھ لائی تھی۔“

”ہاں، سو گیا ہے۔“

”سونے لگا تھا تو آپ مجھے بلا لیتیں..... دودھ تو

پی لیتا۔“

”ہاں..... یہ تو ہے، مجھے خیال نہ آیا۔“

”باجی..... اس کے لیے دودھ بہت ضروری

ہے۔“ تفسیر حدیث اتنی مشکل پڑھائی ہے اور پھر

انگریزی والی کتابیں بھی.....“

”کبھی تو ٹھیک ہو..... بیٹھو شانہ.....“

”یہ..... آپ بی لیں.....“ شانہ نے گلاس بڑھایا۔

”میں نہیں پی سکتی..... مجھے ہضم نہیں ہوتا.....

میں اسے تھوڑا سا جگا کے پلا دوں گی..... نہ پیئے تو تم بی

لیتا..... آؤ بیٹھو..... باتیں کریں۔“

شانہ صوفے کے کونے پر کھڑ رہی۔

”نجیب باجی..... کچھ بھی تو نہیں کھاتیں آپ.....

آپ اپنا اچھا علاج کرائیں۔“ وہ لگہ بندی سے بولی۔

”میری دوائیں جڑنی سے آتی ہیں..... دیکھا تو

تھاتم نے پارسل آیا تھا۔ چھوڑو..... آج اپنا حال احوال

سناؤ..... تمہاری شادی کب ہوئی تھی؟“

”میرا کیا حال احوال، عام سی زندگی ہے.....

جب بخاری باجی دینی مدرسے میں پڑھتی تھیں..... تب

نہیں۔ میں صاف بات کروں گی اگر جسمانی طلب سے جان چھڑانا ہے تو طرز زندگی بدلنا پڑتی ہے جی۔ خوراک سادہ اور قلیل..... خود کو معروف رکھا جائے، اپنے آپ کو تنہائی نہ دی جائے..... اسلامی کتابیں پڑھیں..... اپنی دیکھ رکھ خوب صورتی کی پروا نہ کی جائے بلکہ خود کو عمر سے بڑا ہوتا قبول کر دیا جائے۔ یہ باتیں بخاری بائی کو دیکھ کر میں نے سیکھیں۔ آپ کہو گی، بخاری بائی تو اسے ساتھ تیار رہتی ہیں..... ان کی کیا تنہائی..... جب جا کر دیکھتی تھی قیام میں کھڑی ہیں تو بس پھر کھڑی ہیں۔ مسجدے میں پڑی ہیں تو بس پھر پڑی ہیں..... جوانی میں چٹے کھلے کرتے کے سوا کچھ نہ پہنا..... خود کو کل کر رکھا تھا بخاری بائی نے..... روزے پر روزے رکھتی تھیں۔“

”مگر..... یہ سب کے بس کے کام نہیں۔ ایک نفلی روزہ رکھنا ہو تو ہم..... بہانے ڈھونڈ کر ڈھونڈ کر لاتے ہیں۔ یوں کسی کو دیکھ کر دنیا چھوڑی جاسکتی تو اولیا کے زمانے میں مگر خالی ہو جاتے..... اچھا یہ دودھ تم پانی لو گرم ہو جائے گا..... عبداللہ تو گہری نیند سو رہا ہے۔“ نخبہ کی آہ سرد نکلی۔

”بیٹھو بیٹی..... میں نے جھپٹ جانے کا تو نہیں کہا۔“ شبانہ اٹھنے لگی تو نخبہ نے کہا۔ نخبہ کے کہنے پر وہ دودھ کا گلاس لے کر بیٹھی رہی۔

”شبانہ..... ایک وعدہ کرو۔“

”ہاں بی بی جی..... حکم کرو۔“

”میں مر جاؤں تو..... وہ میں بیمار شمار رہتی ہوں ناں..... تو تم عبداللہ کو میری کمی محسوس نہیں ہونے دو گی۔“

”ہائے اللہ..... قسم سے دل دہل گیا ہے میرا..... کیسی بات کرتی ہو نخبہ بائی۔“

”کیوں؟“ مرنے والے ہماری طرح انسان نہیں ہوتے۔ تمہارا دل کیوں دہل گیا ہے.....“

”اللہ آپ کو سلامت رکھے۔ چھوٹی موٹی بیماریاں تو آتی رہتی ہیں۔“

”سلامت رہوں گی تو نو پر ابلم..... وعدہ تو نہ

جی، میں نے طلاق کی خبر چھپائی..... جس سے جتنا چھپا سکتی تھی اتنا چھپائی..... میرا اللہ بھی ابوظہبی میں کام کرتا تھا۔ میری بھالی سندری اور اس کے بچے اذان، موذن حویلی میں رہتے تھے۔ لالہ جب آیا تو اس کے دل میں لالچ آگیا۔ وہ حویلی پر قبضہ کرنا چاہتا تھا بخاری بائی سے میں نے یہ بات بھی نہیں کی مگر انہیں پتا تھا۔ لالہ کہتا تھا ایک لکھنوی عورت کو اتنے بڑے گھر کی کیا ضرورت ہے۔ وہ سمجھتا تھا کہ ہم بخاری بائی کی ضرورت ہیں، وہ مجبور ہیں، ہمیں الگ نہیں کر سکتیں۔ اس نے حویلی کا بڑا حصہ مانگ لیا۔ نہ ملا تو..... ریوٹل میں بیوی بچے لے گیا۔ نفی مانا کو بھی اس نے مجبور کیا کہ حویلی چھوڑ دے۔ اذان چھوٹا تھا مگر اس کا دل حویلی، بخاری بائی اور میرے سے لگتا تھا۔ آپ دیکھتی ہیں ناں وہ اب بھی اکثر آتا رہتا ہے..... لالہ مجھ سے سخت ناراض ہوا کہ میں سکے بھائی کے بجائے فکر کی وفاداری کر رہی ہوں۔ میں دلی طور پر صفائی بی بی کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔ مجھے دودھ کی عزت کی روٹی چاہیے تھی، وہ یہاں لڑ رہی تھی پھر وہ مسجد سے مولوی صاحبان آئے انہوں نے بخاری بائی کو حویلی بیچنے اور مسجد کے ساتھ گھر خریدنے کا مشورہ دیا۔ پھر آپ آگئیں۔“

”ہاں میں آگئی۔“ شبانہ..... تمہیں طلاق کے بعد دوسری شادی کا خیال کیوں نہ آیا؟“

”کس بات پر خیال آتا..... اولاد میری ہوئی نہ تھی۔“

”اللہ چاہتا ہو..... بھو بھی سکتی تھی۔“

”جی ہاں..... بس دل بیزار ہو گیا تھا۔“

”شبانہ..... تم اور میں شادی شدہ زندگی گزار چکی ہیں..... صفہ تو کنواری ہے۔ یہ بتاؤ کہ مرد کے ساتھ رہنے کے بعد مرد کے بغیر رہنا..... غلاف نفرت نہیں ہے؟“

”کوئی..... آپ بڑھی لکھی ہو..... حسین وجیل

ہو..... آپ ہی بتا دو۔“ وہ ہنسنے لگی۔

”گمنامہ سے..... یا گمنامہ کے خیال سے نکاح بہتر

ہوتا ہے۔“ نخبہ نے دلیل دی۔

”ہاں جی..... اب میری شرمائے کی عمر تو ہے

”باؤں کی جوتی مت بنا کرو۔“ وہ طیش میں دوبارہ اٹھ گئی۔ ”وہ تمہیں کس غلطی پر معاف کرے گا؟ تین لفظ کا طاق بھرا مظاہرہ کر چکا۔ یہ تین لفظ مرد کی انا میں ہوا بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ کس بات پر مجھے طلاق دی گئی؟ کیا کی تھی مجھ میں؟ تم نے تو مجھے دیکھا ہوا ہے ناں..... اسے یہ بھی پتا تھا میں اس کے بچے کی ماں بننے والی ہوں۔ وہ بچہ جس کا ہم نے انتظار کیا تھا مگر اس پر دوسری حسینہ کے عشق کا بھوت سوار تھا۔ اس نے مجھے تین بار نہیں..... جانے لگی ہار کہا..... میں نے تمہیں طلاق دی..... طلاق دی..... طلاق دی..... یہاں تک کہ فون میرے ہاتھ سے چھوٹ کر جاگرا اور میں قالین پر لڑھک گئی۔ کیا عورت کو غم نہیں ہوتا؟ عورت کو چوٹ نہیں لگتی؟ دکھ، حسد، جلن نہیں ہوتا؟ ہمیں آنسو نہیں جلاتے؟“

غیب کی سانس دھونکی کی طرح چلنے لگی اور وہ ہلچلے گی۔
”بس کرو باجی..... نہ غم کرو..... نہ بولو۔“ شبانہ نے لپک کر اسے تکیے کا سہارا دیا اور جلدی سے پانی کا گلاس بھر کے پیش کیا۔
”اللہ خیر کرے گا..... اللہ نے آپ کے لیے بہتری چنی ہوگی۔“

غیبہ مسکرا کر سر ہلانے لگی۔ اب وہ شبانہ کے سامنے مزید کھمبنا نہیں چاہتی تھی۔
☆☆☆

غیند کی گولیوں کے زیر اثر غیبہ دیر سے بیدار ہوئی۔ دن کے دس بج رہے تھے۔ عبداللہ صبح اسکول جاتا، وہاں سے آکر کھانا کھا کر کھیلتا کودتا۔ پھر مسجد میں قرأت اور ناظرہ سیکھنے و دہرانے چلا جاتا۔ وہاں سے واپس آکر آرام کر کے صف بخاری سے اسلامی تعلیمات حاصل کرتا۔ صف کی تعلیمات نہایت دلچسپ کہانی کی طرح ہوتی تھیں، دراصل عبداللہ کو یہ اسٹوری ٹائم ہی لگتا جس کا وہ دن بھر انتظار کرتا تھا۔

آج دن کا آغاز ہی عجیب خبر سے ہوا تھا۔ ہوا یوں کہ سفید ریش منشی ماما کے لیے اس کی بھانجی شبانہ

سلامت ہونے کی صورت میں لے رہی ہوں۔“
”میری تو جان بھی عبداللہ بیٹے کے لیے حاضر ہے..... جند ہے میری اس میں..... یہی تو اب میری دنیا ہے..... وہ بھی مجھ سے بہت پیار کرتا ہے..... امی، امی کہتا ہے تولد میں پھول چل اٹھتے ہیں..... یہ میری روکھی زندگی کی بہار ہے..... ماشاء اللہ ذہن بہت ہے..... اور پیار آپ کی طرح..... مگر ایک بات کہوں۔“
”ہاں..... ضرور۔“ غیبہ نے کہا۔
”بھی اس کا باپ آگیا تو..... میرا مطلب ہے

آخر وہ باپ ہے، مالک ہے۔“
”شبانہ..... یہ بھی خوش خبری سن لو..... اس کا باپ مجھ سے پہلے مر گیا ہے۔“

”ہائے اللہ.....“ شبانہ کا ہاتھ منہ پر جا پڑا۔
”پہلے تو میں عبداللہ کو یونہی کہتی تھی کہ آپ کے قادر کی ڈیٹھ ہوگئی ہے۔“ ستم رسیدہ غیبہ ہنسنے لگی۔ ”میرا بچہ ڈیٹھ کے معنی چار سال کی عمر سے جانتا ہے۔ آج میری ماما کا فون آیا..... نہیں آج نہیں..... دو دن پہلے آیا تھا۔ عبداللہ کے قادر نے جس ماڈل سے شادی کر لی تھی وہ کسی ٹی وی شو میں آئی ہوئی تھی، میری ماما نے دیکھا۔ وہ بھی باجی جانس..... کہ اللہ نے دکھانا اور خبر پہنچانا تھی۔ وہ ماڈل کہہ رہی تھی کہ میرے ہر مینڈ کا ایک ڈیٹھ ہوا..... وہ ساتھ چھوڑ گئے۔ خود ویسے کی ویسی قاتلانہ حسن اور شباب لے کے بیٹھی تھی۔ شبانہ! ہمارے عزیز لاکھ ہمارے سامنے مرجائیں۔ ہم نہیں مرتے مگر اپنی باری پر..... اپنی باری ہمیں جیتے جی بھی مار سکتی ہے..... اپنی باری بڑی ظالم شے ہے۔“
شبانہ تو عبداللہ کے باپ کے مرنے کی خبر سن کر سوگوار ہوگئی تھی جبکہ غیبہ اسے خوش خبری کہہ رہی تھی۔
”باجی..... اب آپ اسے معاف کر دیں۔“
”تم نے معاف کر دیا؟“ وہ تکیہ سر کے نیچے سیٹ کر کے لیٹے ہوئے بولی۔

”ہاں جی..... میں نے کر دیا۔ وہ پتا نہیں مجھے معاف کر چکا یا نہیں۔“

ناشتا لے کر گئی تو اس نے روک لیا۔

”بیٹھو بیٹی..... میں نے بات کرنی ہے.....
چولہا کھلا چھوڑ آئی ہو تو بند کر آؤ۔“

”الہی خیر!“ شبانہ کا ہاتھ دل پر گیا۔

”تم عورتوں کی یہ بری عادت ہے۔ بات سنتی
نہیں ہو پچھلے سے پریشان ہو جاتی ہو۔“

”اچھا ماما جی..... میں جتن سے ہو کے ابھی آئی۔
آپ کی چائے بھی لپی آؤں گی۔“

وہ واپس آئی۔ مٹی مانے چائے کا کپ لے کر
رکتے ہوئے بات کا سرا پکڑا۔

”بیٹھو داصف یاد ہے نا؟ جس کی شوگر مل ہے
ہمارے چک میں۔“

”جی ہاں جی..... جس کی بیوی.....“
”جہیں پتری..... اس طرح کسی کو بدنامی کے

حوالے سے یاد کرنا اچھی بات نہیں ہے۔“ شبانہ چپ
ہو گئی۔

”وہ کئی دنوں سے ہماری مسجد میں عصر کی نماز
پڑھنے آ رہا تھا۔ یہ بڑی گاڑی مسجد کے باہر رکھی تھی۔

نماز کے لیے امیر، غریب کوئی بھی آ سکتا ہے۔ مجھ سے
دعا سلام ہو جاتی تھی مگر شاید وہ اس دوران صفہ بی بی

کے بارے میں معلومات لیتا رہا۔ کل وہ نماز کے بعد
میرے پاس آ بیٹھا۔ میرا ہاتھ تمام کر عزت و محبت سے

بات کی۔ پھر پوچھنے لگا کیا شریعت میری عمر میں نکاح
سے روکتی ہے۔ میں نے غور سے دیکھا۔ چھوٹی، چھوٹی

فیضی واڈمی سفید ہو چکی تھی۔ بال رُلے لے تھے۔
پچاس سے اوپر کا ہو گا..... ویسے یہ سوال احمقانہ تھا۔

میں نے کہا۔
”جناب، شریعت تو میری عمر میں بھی نہیں روکتی۔“

شبانہ مسکرا پڑی۔
”کہنے لگا..... مٹی مولوی..... میں ایک گناہ گار

بندہ ہوں بلکہ بہت گناہ گار بندہ ہوں۔ اس وقت جو
بات کر رہا ہوں اپنی اوقات اور حیثیت سے بڑھ کر

کر رہا ہوں۔ دست بستہ التجا ہے کہ آپ ناراض نہ
صافنامہ پاکیزہ — دسمبر 2018ء (212)

ہوئے گا۔ اسے میری مغفرت کا حلیہ سمجھ لیجیے۔
گجڑی ہوئی اولاد کی اصلاح کا آخری آسرا.....

میں..... بی بی صاحبہ یعنی بخاری بی بی صاحبہ سے نکاح
کرنا چاہتا ہوں۔ آپ میری طرف سے ہاتھ جوڑ کر یہ

درخواست ان کی خدمت میں پہنچا دیجیے۔ اللہ نے ان
کا بخت بلند کیا۔ بڑے انعام، بڑے مقام کے لیے جن

لیا۔ بڑا دل کریں، مجھے معاف کر دیں۔ میں راندہ
درگاہ ہو گیا۔ روپے، پیسے کو خدا بنا لیا۔ اسی کو سزا کہتے

ہیں میری پہلی بیوی سے دو بیٹے ہیں میں، پائیس
سالوں کے۔ دونوں ہی آوارہ، مکے اور عیش

پرست..... پھر اس نے مزید بتایا کہ اس نے دوسری
شادی بھی کی تھی، اس سے ایک بیٹی ہے مگر وہ خود اپنی

زندگی سے مطمئن نہیں ہے۔ اس کی بات سن کر میں نے
کہا کہ بیٹھو صاحب میں اس درخواست کو پہنچانے کی

ہمت نہیں رکھتا۔ دولت، مال، فیکٹریاں بی بی صاحبہ کے
لیے قابل ذکر نہیں۔ بی بی تارک الدینا ہیں۔ اس عمر

میں تو ایسی بات کا تصور ہی محال ہے۔“ مٹی ماما تھوڑا
رکے کھٹکھٹا رہے اور پھر رونے لگے۔

”مگر وہ منت سماجت کرتا رہا۔ مسجد کے چندہ
باکس میں پہلے دس ہزار روپے دیے تھے۔ اب بیس ہزار

ڈال گیا۔ یہ بھی کہا کہ مسجد کے نام ایک مل کی آمدنی لگا
دوں گا۔ اسے مسجد فیصل سے بھی بڑی مسجد بنادوں گا۔“

مٹی ماما رکا، چائے کا آخری گھونٹ بھر کر کہا۔
”شبانہ پتری..... اب صفہ بی بی تک بات پہنچانا تمہارا

ذمہ ہے۔ میں کسی معاملے سے بی بی صاحبہ کو لاعلم نہیں
رکھنا چاہتا۔ میں بخاری بی بی کا نمک خوار بھی ہوں،

امین بھی.....“
”ماما جی..... بہت مشکل کام ہے، میری بساط

نہیں۔“ شبانہ چار پائی کا تنکا توڑتی رہی۔
”تم نہیں کہہ سکتیں تو..... ام عبد اللہ بی بی کو بتا

دو..... وہ بخاری بی بی کی کیمٹی ہے وہ بات کر لے گی۔“
”ہاں..... یہ ٹھیک ہے۔“ شبانہ کو مشکل کا حل مل گیا۔

وہ بے چینی سے نخبہ باجی کے جاگنے کا انتظار

چھوٹے، چھوٹے بچا۔ شانہ نس پڑی۔
”میرا بھی یہی حال ہوا تھا سن کے..... سچ کہہ
رہی ہوں۔“

”کیا..... کیا عمر ہے اس سیٹھ آصف کی؟“
”آصف نہیں..... واصف چودھری..... کافی عمر
ہوگی۔ دوشادیاں کر چکا ہے۔ پہلی والی کے جوان بیٹے
ہیں جیسے بگڑے امیر زادے ہوتے ہیں۔ وہ ان کی
اصلاح کے لیے نیک عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے۔
دوسری بیوی سے ایک بیٹی ہے۔“ پھر شانہ نے پہلی
بیوی کا کسی کے ساتھ بھاگ جانا اور اس کی درخواست
اور یہ کہ ”بڑا دل کریں مجھے معاف کر دیں۔“ کے
قہرے پر حیرت اور نہ سمجھ پانے کا اظہار سب کہہ سنایا۔
”ایک امیر سیٹھ چاہے تیسری، چوتھی جتنی کرے،
ایک سے ایک بڑھ کر حسین، جوان..... اور نیک لڑکی
مل سکتی ہے۔“

”آپ سمجھیں نہیں باجی، وہ اپنی آخرت بچانا
چاہتا ہے۔“

”آخرت بچانے کے لیے انسان اعمال درست
کرتا ہے شادیاں نہیں کرتا۔ واٹ آٹان سنیں..... تم
نے صفہ سے بات کی؟“

”تو بہ کرو جی۔“ شانہ نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔
”میں تو آپ سے کہنے آئی ہوں کہ آپ بات
کریں..... میری یہ ہمت نہیں ہے۔“

”دفع کرو۔“ کیا بات کریں..... ایسے ہی مزاج
برہم ہوگا اس کا۔“

”نہیں باجی..... ماما جی کہہ رہے تھے کہ وہ کسی
محافلے میں بی بی کو بے خبر نہیں رکھنا چاہے..... ان کو پتا
ہونا لازم ہے۔ آپ بات تو کر دیا جی۔“

”ایک منٹ..... کیا نام بتایا تم نے سیٹھ.....“

”واصف..... واصف چودھری.....“

”وا..... صف.....“ نخبہ اگلیوں سے پیشانی
رگڑنے لگی۔

(باقی آئندہ)

کر رہی تھی۔ دس، گیارہ بجے اس کے کمرے سے فون
پر بات کرنے کی آواز آئی سوچا یقیناً باجی کی کما کا فون
آیا ہوگا۔ جاکر دروازے پر اشارے سے پوچھا۔
”سیب کا جوں نکال لاؤں۔“ اس نے اقرار میں سر ہلا
دیا۔ جھٹ پٹ جوں نکال کر چھوٹی سی سبکی میں گلاس
رکھ کر لے آئی۔ نخبہ ٹشو پیپر سے دھلا چہرہ جذب کر کے
ٹشو ڈسٹ بن میں ڈال کر اس کی جانب ہٹتی۔

”السلام علیکم باجی..... آج تو آپ خوب سوئیں۔“
”ولکم السلام..... شکریہ، جزاک اللہ۔“ گلاس
اٹھا کر کہا۔ ”پہلے نیند نہیں آ رہی تھی۔ ٹیبلٹس لیں تو ایسی
سوئی کہ فجر ہی نکل گئی۔ افسوس ہو رہا ہے۔ عبد اللہ چلا
گیا اسکول؟“

”جی ہاں..... لٹچ بنا دیا تھا۔ دودھ اور ناشتا کرا
دیا۔ چاکلیٹ والا دودھ بنایا تھا۔ میں سیٹھ جاؤں باجی؟
ایک بات کرنی ہے۔“

”ضرور، ضرور..... بیٹھو۔“

بھلا اس کے پاس کیا اہم بات ہو سکتی ہے ذہن
ادھر ادھر دوڑایا۔

”ایک سیٹھ صاحب ہیں..... بڑے امیر کبیر ہیں۔
ملیں، کارخانے کیا کچھ نہیں..... رئیس ہیں جی رئیس۔“
”تو کیا ہو گیا؟ شانہ..... پیسے کا اتنا ذکر تم نے
پہلے کبھی نہ کیا۔“

”آپ سنیں تو سہی..... سیٹھ واصف نام
ہے..... ادھر ہماری مسجد میں نماز پڑھنے آتے ہیں۔
اس کو پتا چلا ہوگا کہ ایک کنواری بی بی ہیں جنہوں نے
مسجد بنائی، اتنا پتا کیا ہوگا۔ میرے ماما سے دعا سلام کرتا
رہتا تھا۔ کل اس نے پیٹھ کرٹشی ماما سے بات کی..... پتا
ہے کیا ہوا؟“

”کوئی بڑا چندہ دے دیا؟“

”چندہ تو خیر بڑا ہی دیتے ہیں، دس ہزار کا پہلے
اور کل بیس ہزار کا دیا..... انہوں نے رشتہ بھجوا دیا ہے
ہماری بخاری بی بی کے لیے۔“

”ہائیں..... کیا؟“ نخبہ کے ہاتھ سے گلاس

”وعلیکم السلام..... تم سناؤ۔“ دوسری جانب سے جواب دیا گیا۔

”ارے بھئی شادی تمہاری ہوئی ہے تو سنا تو تمہارا ہی بنتا ہے ناں..... ہمارے پاس تو وہی پرانی باتیں ہیں۔“ عروس نے خوش دلی سے کہا۔

”ہاں یار یہ ہے تو ہے..... لگتا ہے کسی نئی دنیا میں آگئی ہوں! واصف اتنا چاہے ہیں مجھے کہ بس کیا بتاؤں۔“ وہ ناز بھرے لہجے میں بولی۔

عروسہ کچن میں آتا گوندہ رہی تھی، اسی لمحہ لاؤنج میں رکھا اس کا سیل فون گنگنایا۔ آنے کو پرآت سے اسٹیل کے بڑے پیالے میں منتقل کر کے جلدی سے ہاتھ دھو کر وہ لاؤنج میں رکھے موبائل کی سمت بڑھی جو ایک بار بج کر خاموش ہونے کے بعد دوبارہ بج رہا تھا۔

”ٹوپیک کانگ“ کے الفاظ جھلکاتے دیکھ کر اس نے جوش و خروش سے کال ریسیو کی۔
 ”السلام علیکم..... کیسی ہو ٹوپیک؟“

نہر خاں کے کمر پر

شع تفسیر



”چلو یہ تو اچھی بات ہے..... اللہ تعالیٰ انہیں ہمیشہ تمہارے ساتھ ایسا ہی رکھے عروسہ نے دعائیہ انداز میں کہا۔

”اور تم سناؤ تمہارا کہیں رشتہ ہوا.....؟“ ”ٹوپیہ کا وہی ہمیشہ والا سوال عروسہ کے چہرے کی جوت بچھا گیا۔

”ٹوپیہ ابھی چندرہ دن پہلے تمہاری شادی والے دن ہی تو تمہیں بتایا تھا کہ امی کہیں نہیں ہوا۔“ عروسہ نے سنجیدگی سے کہا۔

”او..... ہاں میں بھول گئی تھی! چلو خیر رشتہ بھی ہو ہی جائے گا تم بتاؤ، اس وقت کیا کر رہی تھیں۔“

ٹوپیہ نے موضوع بدل دیا مگر اس سے باتوں کے دوران مسلسل عروسہ کا ذہن ایک ہی سوچ پر پھنسا رہا کہ ٹوپیہ ایسا کیوں کرتی ہے جبکہ پہلے تو وہ اسکی نہیں تھی۔

☆☆☆

عروسہ اور ٹوپیہ کالج کے زمانے سے دوست تھیں اور اب تو کالج سے فارغ ہوئے بھی پانچ سال ہو گئے تھے۔ عروسہ سے بڑی ایک بہن تھی جو شادی شدہ تھی جبکہ سب سے بڑے بھائی شرجیل کی معنی ان کی چچا زاد جو خالہ زاد بھی تھی سے ہو چکی تھی..... شادی کے لیے شرجیل کی خواہش یہ تھی کہ پہلے چھوٹی بہن (عروسہ) اپنے گھر کی ہو جائے.....

دوسری طرف ٹوپیہ وغیرہ چھ بہنیں تھیں اور ان کا ایک ہی بھائی تھا، پانچ بہنوں اور اٹھو تے بھائی کی شادی کے بعد ٹوپیہ ہی باقی رہ گئی تھی..... مگر اس کی شادی گویا مسئلہ کشمیر بن کر رہ گئی تھی خوب صورت بہنوں کے درمیان اس کا قبول صورت ہونا گویا اس کی شادی کی راہ میں بڑی رکاوٹ بن گیا تھا خود سے چھوٹی بہن کی شادی کے بعد تو وہ اس حوالے سے از حد حساس ہو گئی تھی اور اکثر عروسہ کے پاس آ کر اپنا دل ہلکا کیا کرتی..... ادھر عروسہ کی ایک معنی ہو کر کسی وجہ سے ٹوٹ چکی تھی اور اس کے خوش شکل ہونے کے باوجود دوسری جگہ بات بن کر نہ دیتی تھی سو دونوں دوستیں ایک دوسرے سے بلا جھجک دل کی بات کر لیا کرتیں..... اکثر ٹوپیہ ہی مایوسیوں کا

شکار ہو کر عروسہ کے پاس آ جایا کرتی.....

”کیا بات ہے اپنی خاموش کیوں ہو؟“ عروسہ پوچھتی۔

”بس یار آج بھی رشتے والے آئے تھے۔“ وہ انفر دگی سے کہتی۔

”تو پھر.....؟“ عروسہ سوالیہ نظروں سے دیکھتی۔

”تو پھر کیا..... کھانا کر چلے گئے، انداز ہی بتا رہے تھے کہ میں انہیں پسند نہیں آتی..... کبھی تو سوچتی ہوں کیا فائدہ اسکی زندگی کا..... ماں، باپ کے لیے بھی عذاب بنی ہوئی ہوں۔“ وہ ٹوٹے لہجے میں بولتی۔

”پاگل ہوئی ہو..... سب کچھ شادی نہیں ہوتی اجتن اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا..... مجھے دیکھو میں کہیں سے مایوس لگتی ہوں تمہیں؟ میری بھی تو شادی نہیں ہوئی ہے۔“ عروسہ اسے حوصلہ دیتی۔

”نہیں ہوئی ہے تو ہو جائے گی..... تم خوش شکل جو ہو مگر میری شادی تو لگتا ہے ناممکنات میں سے ہے۔ دیکھو چھوٹی بہن کی بھی ہو گئی.....“ وہ کہتی۔

”پاگل ہو تم..... چلو سو ڈھیک کرو، آؤ فرخ فراز بناتے ہیں۔“ عروسہ اس کا ہاتھ تھام کر کہتی تو وہ فرار فرار کی دیوانی رشتہ نہ ہونے کا غم بھول کر یک دم مسکرا دیتی۔

☆☆☆

پھر ایک دن ٹوپیہ بڑی شاداں و فرحاں آئی اور عروسہ کے پوچھے بغیر ہی اپنی خوشی کا سبب بتا دیا۔

”اگلے ہفتے میرا نکاح ہے۔“

”داؤ..... زبردست..... ماشاء اللہ.....!“

عروسہ کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔

”میری خالہ کے جاننے والے ہیں، وہیں خالہ کے پڑوس میں رہتی ہیں..... خالہ بتا رہی تھیں بہت سلیجے ہوئے اور پڑوس لکھے لوگ ہیں۔“ ٹوپیہ خوشی، خوشی بتانے لگی۔

”ہمارے دولہا بھائی کے بارے میں تو بتاؤ مستقبل کی دلہن صاحبہ.....“ عروسہ خوشی سے بولی۔

”فارمیسی کیا ہوا ہے انہوں نے، ایک ملٹی میشل میڈیسن کینی میں جاب کرتے ہیں..... ایڈمن میں

”دوا شاپ کا تو قاصد ہے تم ہی آ جاؤ..... میں تو
بھائی کے بغیر نکل نہیں سکتی، تمہیں تو پتا ہے؟“ عروسہ
نے جواب دیا۔

”اچھا اور سناؤ..... تمہارا ہوا کہیں.....“ پھر وہی
جملہ عروسہ کے نہ چاہنے کے باوجود اس کے سامنے تھا۔
”نہیں، ابھی نہیں ہوا اور اب میں شام کی چائے
پینے جا رہی ہوں بعد میں بات کرتے ہیں۔“ میسج کر
کے اس نے بے دلی سے موبائل ایک طرف ڈال دیا۔

اس کے بعد بہت سارے دن ٹویہ سے بات
کیے بغیر گزر گئے اور اس میں عروسہ کی شعوری کوشش کو
دھل حاصل تھا۔ ہر بار اس نے مصروفیت کا بہانہ بنا کر
میسج کے تبادلے سے احتراز برتا..... ہر چہ کہ وہ مٹکی یا
شادی سے متعلق حساس نہ تھی اور نہ ہی کسی قسم کے
احساس کٹری کا شکار تھی تاہم ٹویہ کی ہر بار کی ایک ہی
تکرار نے اسے چڑا ضرور دیا تھا۔

☆☆☆

عروسہ اپنی کرن پلس ہونے والی بھابھی
کے ساتھ ٹیٹھی منتر جمیل ری می..... یعنی عروسہ کی چچا
زادہ بن ہونے کے ساتھ، ساتھ بچپن کی دوست بھی تھی
ظاہر ہے ایک ہی گھر میں پلی بڑھی تھیں۔ بس پورشن
علیحدہ تھے..... اکثر ٹویہ حال ہوتا کہ بھی یعنی وغیرہ ان
کے دسترخوان پر تو بھی عروسہ وغیرہ خالہ جان
پلس (چچی) کے ساتھ کے بنے حیران کھانے، کھانے
کو موجود۔ دُہرے رشتوں کے باعث آپس میں
پیار بھی بہت تھا خصوصاً عروسہ اور عینی کا تو ایک
دوسرے کے بغیر گزارہ ہی نہیں تھا۔ اب بھی منتر چھپنے
کے ساتھ، ساتھ دونوں باتوں میں مگن تھیں۔

”اور سناؤ کافی دن سے تمہاری فرینڈ ٹویہ نظر نہیں
آئی اور نہ ہی تم نے اس کا کوئی ذکر کیا..... خیر تو ہے؟“
عینی نے بھی ٹویہ کی عدم حاضری کو محسوس کیا۔

”ہاں بس! کافی دنوں سے بات نہیں ہوئی۔“
عروسہ نے مختصر آکھا۔

”یہی تو پوچھ رہی ہوں..... اس نے اتنی آسانی

پیں..... سبکی بھی ماشاء اللہ اچھی ہے۔“ ٹویہ گلال
چہرے کے ساتھ بولی۔

”اوہو..... ان کے، اُن کے، کون کے.....“
عروسہ نے چھیڑا۔

”بکومت.....! واصف نام ہے اُن کا.....“
ٹویہ نے معنوی غصے سے عروسہ کو گھورا۔

”بہت مبارک ہو میری دوست.....“ عروسہ
نے اسے گلے لگا کر بہت دل سے کہا۔

”بس اب میں انتظار کروں گی کہ یہ مبارک میں
تمہیں بھی گلے لگا کر دوں۔“ ٹویہ نے مسکرا کر کہا تو
عروسہ۔ اس جملے کو ایک دوست کا خلوص سمجھ کر خود
بھی مسکرا دی۔

☆☆☆

مگر علاج کے بعد تو ٹویہ کے رنگ و ذہن ہی
بدل گئے..... چائے کو آپ حیات سمجھ کر پیچنے والی
بڑے ناز و اعزاز سے کہنے لگی تھی۔ ”مجھے تو کافی کے بغیر
مرہ ہی نہیں آتا..... ان کو بھی پسند ہے ناں.....“
زردکی ماریٹ میں سیل پر خریداری کرنے والی بڑے
نخرے سے کہتی ”بھی شاہنگ مالری تو بات ہی کچھ اور
ہے اور اتنی زبردست ورائٹی آف..... ف.....“ اپنی
سرال یا واصف کی باتیں کرنا تو ایک فطری بات تھی
اور دوست ہونے کے ناتے عروسہ بہت دلچسپی اور شوق
سے اس کی باتیں سن کر تھی مگر اس کی ہر ملاقات کی
تان جب اس جملے پر ٹوٹی کہ ”اور تمہارا ہوا کہیں.....؟“

تو عروسہ سمجھ کر رہ جاتی۔ کئی بار ٹویہ کو سمجھایا بھی کہ
جب ہوگا تو سب سے پہلے تمہیں ہی بتاؤں گی مگر اس کی
ایک ہی کہنی تھی کہ sms بھی اس کی اس بات سے
مترانہ تھے۔ اس دن بھی یہی ہوا..... عروسہ شام کی
صفائی سے فارغ ہو کر ٹیٹھی ہی تھی کہ ٹویہ کا میسج آ گیا۔
”کیا ہو رہا ہے؟ عروسہ نے رپلائی دیا۔

”فارغ بیٹھے ہیں..... بالکل فری.....“
”کسی دن آؤ ناں گھر..... بہت باتیں جمع ہو گئی

ہیں۔“ ٹویہ کا پیغام آیا۔

سے تمہارا چھپا چھوڑ کیسے دیا؟“ یعنی کوٹوبیہ کچھ خاص پسند نہیں تھی۔

”ہاں سمجھ آیا، شوذب (یعنی کا بھائی) کی پوسٹنگ جو اسلام آباد ہو گئی ہے۔“ یعنی نے خود ہی اپنے سوال کا جواب ڈھونڈ لیا، ٹوبیہ کا شوذب کی طرف واضح رجحان ان دونوں سے چھپا نہ تھا مگر شوذب نے کبھی اسے لفٹ نہ کرائی تھی۔

”نہیں ایسی بات نہیں، منبج آتے رہتے ہیں اس کے اور اب تو اس کا نکاح بھی ہو گیا ہے تو ایسی باتیں مت کرو۔۔۔۔۔“ عروسہ نے اسے ٹوکا۔

”اوہ۔۔۔۔۔ سوری میں تو بھول ہی گئی تھی اس کے نکاح کے بارے میں۔۔۔۔۔ دراصل اس کی پچھلی حرکتیں۔۔۔۔۔ مطلب شوذب میں اس کی دلچسپی ہی ذہن میں رہی۔۔۔۔۔“ یعنی شجیدہ کی سے بولی۔ ابھی بات ہو ہی رہی تھی کہ ڈورنیل بھی اور اگلے ہی پل ٹوبیہ ان کے درمیان تھی، وہ آتے ہی ددڑ کر اس محبت سے عروسہ کے گلے لگی کہ عروسہ کے گلے جاتے رہے۔

”کہاں غائب ہو محترمہ۔۔۔۔۔ منبج تک کا جواب دینے کی فرصت نہیں۔“ ٹوبیہ نے شکوہ کیا۔

”کہیں غائب نہیں ہوں، یہیں تو ہوں تمہارے سامنے تم سناؤ۔۔۔۔۔ بڑا پیارا لگ رہا ہے تمہارا سوٹ، کہاں سے لیا؟“ عروسہ نے قصداً موضوع بدلا۔

”یہ سوٹ۔۔۔۔۔“ وہ نزاکت سے مسکرائی۔

”واصف نے دلوا لیا ہے۔“

”اوہو، بڑی اچھی چوٹس ہے ہمارے بھائی کی۔“ عروسہ نے مسکرا کر کہا۔

”ہاں یہ تو ہے بہت خوش نصیب ہوں میں اس حوالے سے کہ بہت ناز اٹھانے والا شوہر ملا ہے مجھے حالانکہ ابھی رخصت نہیں ہوئی مگر ان کی ناز برداریاں آف کیا بتاؤں۔۔۔۔۔ اور سناؤ تمہارا کہیں ہوا رشتہ وغیرہ۔“

ٹوبیہ اٹھلا، اٹھلا کر بولتے ایک دم بات پلٹ گئی۔

عروسہ کا تروتازہ چہرہ ایک لمحے کو بھیکا سا پڑ گیا۔ ٹوبیہ نے بہت ہی جلد بات کی تھی یعنی کوٹوبیہ

بہت عجیب سا لگا۔۔۔۔۔ کیا اس نے جان بوجھ کر ایسا کیا تھا۔ یعنی نے غور سے ٹوبیہ کے چہرے کی طرف دیکھا وہ مسکراتے ہوئے دوبارہ پوچھ رہی تھی۔

”بتاؤ ناں یار۔۔۔۔۔ تمہاری مصروفیت کی وجہ مجھے تو یہی سمجھ آئی کہ میری طرح تم بھی کسی خوب صورت بڑھن کی اہیر ہونے جا رہی ہو۔“

”نہیں ابھی نہیں ہوا۔۔۔۔۔ جنہیں لاسٹ ٹائم کہا تو تھا کہ جب ہوگا تو جنہیں فوراً بتاؤ گی۔“ عروسہ نے۔۔۔۔۔ یہ مشکل اپنے لہجے کو نارمل رکھا۔

”اور ابھی ابھی تو ہم اپنی شہزادی جیسی بہن کا رشتہ کریں گے بھی نہیں۔۔۔۔۔ حالانکہ آئے دن لوگ رشتے کے لیے آتے رہتے ہیں اتنی خوب صورت جو ہے۔“ یعنی نے ٹوبیہ کے چہرے پر نظر جماتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔

”کیوں۔۔۔۔۔! ابھی کیوں نہیں کریں گے۔“ لفظ خوب صورت پر ٹوبیہ کا چہرہ اتر ا۔

”ظاہر ہے جہان چمک کر کوئی شہزادہ ہی ڈھونڈیں گے ناں اپنی شہزادی صاحبہ کے لیے۔“ یعنی نے عروسہ کو پیار سے دیکھتے ہوئے کہا تو ٹوبیہ جھنجھلائی گئی۔

”خیر۔۔۔۔۔ میں تو اپنی شادی کا کارڈ دینے آئی ہوں، چندہ دن بعد شادی ہے میری۔“ اس نے کارڈ عروسہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

”ارے بھئی بہت مبارک ہو۔۔۔۔۔“ عروسہ نے خوش دلی سے کہا۔

”تم نے آنا ضرور ہے۔۔۔۔۔ اور تم بھی آنا۔“ ربخ خن اب یعنی کی طرف کیا۔

”بھلا کیوں نہیں آئیں گے۔۔۔۔۔ ضرور آئیں گے انشاء اللہ۔۔۔۔۔!“ عروسہ مسکرا کر بولی تو ٹوبیہ کے چہرے کا تناؤ بھی دور ہو گیا۔

☆☆☆

شادی میں عروسہ کے ہمراہ یعنی بھی ٹوبیہ تو اسٹیج پر دلہن بنی بیٹھی تھی۔۔۔۔۔ باریابی ہاں میں داخل ہو رہے تھے عروسہ سے زیادہ یعنی کوٹوبیہ تھا۔۔۔۔۔ دولہا و اصف کو

دنیا کے کسی بھی گوشے میں اور ملک بھر میں

گھر بیٹھے

جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ
ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا رسالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

1200

اسر کا نیڈا، اتریشیلا اور نیوزی لینڈ کے لیے 10,000 روپے

9,000

آپ ایک وقت میں کئی سال کے لیے ایک سے زائد
رسائل کے خریدار بن سکتے ہیں۔ رقم اسی حساب سے
ارسال کریں۔ ہم فوراً آپ کے دیے ہوئے پتے پر
رجسٹرڈ ڈاک سے رسائل بھیجنا شروع کر دیں گے۔

بیرون ملک سے قارئین صرف ویسٹرن یونین یا مانی گرام کے
ذریعے رقم ارسال کریں۔ کسی اور ذریعے سے رقم بھیجنے پر
بھاری بینک فیس عائد ہوتی ہے۔ اس سے گریز فرمائیں۔

0301-2454188

0333-3285269

جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ

35804200-35804300 فون
C-83/111 جینٹین ڈیٹس ہاؤسنگ اتھارٹی مین کورنگی روڈ، کراچی

ماہنامہ پاکیزہ — دسمبر 2018ء — 219

دیکھنے کا اور پھر..... ”تھا جس کا انتظار وہ شاہکار آگیا“
گہری سانولی رنگت، چمکتی چندیا کے ارد گرد بالوں کی
جھار..... اتالیس، چالیس کے لگ بھگ سن.....
”تو یہ ہیں ٹوبہ کے وا..... صف!“ یعنی نے اس
اداسے کہا کہ عروسہ کلکھلا کر ہنس پڑی۔
”مت کرو یا رہ، بری بات ہے۔“ ہنسی کنٹرول کر
کے اس نے یعنی کو گھورا۔

”میں کسی کا مذاق نہیں اڑا رہی، میں تو بس دیکھ
رہی ہوں کہ یہ ہے وہ سرخاب جس کا پر تمہاری عزیز از
جان دوست کو لگا ہے۔“ یعنی نے طعنا کہا۔

”کیا مطلب..... سرخاب؟“ عروسہ تھکی سے بولی۔
”ارے یعنی تمہاری ٹوبہ کا شمار بھی انہی سلی

لڑکیوں میں ہوتا ہے جنہیں شادی کے بعد سرخاب کے
پر لگ جاتے ہیں..... میں یہ نہیں کھاتی، آف مجھے اتنا
گریز ہے اس پر فوم کا اصل میں ”انہیں“ بھی پسند ہے
ناں..... ادھر ڈور کشا یا بانک مجھے بالکل پسند نہیں فورویل

کی بات ہی کچھ اور ہے..... ”چاہے شادی سے پہلے
گدھا گاڑی پر سفر کرتی رہی ہوں۔“ یعنی بن، بن کر
اس طرح بولی کہ عروسہ کانہیں، ہنس کر ہر حال ہو گیا۔

”تم نے تو مبالغے کی حد کر دی یعنی..... تو بہ.....!
گدھا گاڑی پر سفر.....“ بے تحاشا ہنسنے سے عروسہ کی
گوری رنگت سرخ برنگی تھی۔ یعنی نے اسے محبت سے
دیکھا اُس روز تو یہی جی بے تکلیف دی تھی..... اسی لیے آج
رنگت نے اسے بہت تکلیف دی تھی..... اسی لیے آج
اپنے دل کی ساری بھڑاس نکال دی تھی۔

”چلو آؤ، اسٹیج پر چلتے ہیں ٹوبہ سے ملنے۔“
عروسہ اٹھ کھڑی ہوئی تو یعنی بھی مسکراتے چہرے کے
ساتھ اس کے ساتھ ہوئی۔

☆☆☆

اور اب چندرہ دن بعد ہی ٹوبہ کی کال نے اسے
اسفر دگی تو نہیں جھنجھلاہٹ کا شکار کرو یا تھا۔ شادی
والے دن میرج ہال کے ڈورینگ روم میں بھی ٹوبہ
نے انہی خیالات کا اظہار کیا تھا کہ بس اب اپنے بعد

کر حساب برابر کرو..... ویسے آج ابو جان بات کریں گے تایا ابو سے، دیکھتے ہیں کیا بات ہوتی ہے۔“ یعنی نے اسے اطلاع دی تو اس کا دل اتنی زور سے دھڑکا کہ کانوں میں دھمک سنائی دینے لگی۔

☆☆☆

”گھر کا بچہ ہے..... دیکھا بھالا ہے، ہماری گودوں میں پلا ہے۔ پھر آخر کیوں نہیں مانتے آپ.....؟“ عروسہ کی ای سرپا سوال تھیں۔

”لو بھلا میں نے کب کہا کہ اس میں کوئی برائی ہے، میں تو بالکل اپنے شرجیل کی طرح اس پر مان کرتا ہوں، شرجیل اگر میرا بڑا بیٹا ہے تو شوذب میرا چھوٹا بیٹا ہے۔“ زمان صاحب کا جواب تھا۔

”تو پھر کیا پریشانی ہے آپ کو..... بیٹی ہمارے ساتھ ہماری نظروں کے سامنے رہے گی! لوگ تو خواہش کرتے ہیں ایسے رشتے کی..... اور آپ ہیں کہ سمجھتی نہیں رہے۔“ نویدہ بیگم جھجھکیں۔

”ارے بھی تم نہیں سمجھو گی..... ہم نے بہت گھر خراب ہوتے دیکھے ہیں ایسے رشتوں کی وجہ سے..... یہ دنا شا بہت بڑی آفت ہے، خاندانی نظام اور دیرینہ رشتوں کو تباہ کر دیتا ہے۔“ زمان صاحب اپنے نظریات میں بہت پختہ تھے۔

”آپ اور سعید سگے بھائی ہیں..... میں اور شمسہ سگی بہنیں ہیں، خدا خواستہ کیوں ہوں گے مسائل؟“ نویدہ بیگم نے اپنے بہن، بہنوئی اور ساتھ ہی دیورہ یورانی کا حوالہ دیا۔

”بیٹی لے رہے ہیں ناں ہم..... بس کافی ہے۔“ وہ قطعیت سے بولے۔

”کچھ بتا بھی ہے پچیس برس کی ہونے جاری ہے ہماری عروسہ..... پہلے کتنے فلڈ لوگوں سے واسطہ پڑ گیا تھا ہمارا..... کچھ یاد بھی ہے۔ کتنی تکلیف اٹھائی تھی ہم نے..... شادی سے پہلے ہی کتنے ملاقات ان لالچی لوگوں نے پیش کر دیے تھے، ہر ملاقات پر ایک نئی ڈیمانڈ سامنے آتی تھی..... وہ تو شکر ہے میرے پروردگار کا کہ ہم نے دباؤ میں آئے بغیر اسی وقت رشتہ

مجھے تو تمہاری شادی کا انتظار ہے جس پر یعنی نے ہنس کر کہا تھا کہ عروسہ کی شادی کا اتنا ارمان تو اس کی ای کو بھی نہیں ہے جتنا تمہیں ہے تو تو یہ جھنجپ گئی تھی۔

”اور آج پھر..... وہ ایسا کیوں کرتی ہے..... کیا دوست ایسے ہوتے ہیں؟“ وہ اسردگی سے سوچ رہی تھی۔

”کیا واقعی لڑکیوں کو شادی کے بعد سرخاب کے پر لگ جاتے ہیں لیکن میری آپنی تو ایسی نہیں ہیں اور پھر یعنی..... اس کا رویہ تو بھائی جان سے عینی کے بعد زورہ برابر نہیں بدلا.....“ وہ انہی سوچوں میں گم تھی کہ جتنی جلی آئی۔

”جسمیں پتا ہے شوذب آ رہا ہے اسلام آباد سے۔“

”اچھا کب.....؟“ اس کے چہرے پر خوشی کے

رنگ اتر آئے جن میں سے ایک رنگ کو اس نے قصدا چھپانے کی کوشش کی لیکن دوسری طرف بھی جتنی تھی۔

”یارہ یہ تایا ابو مانتے کیوں نہیں؟“ اس نے

واضح سوال کیا۔

”کیا نہیں مانتے.....؟“ عروسہ نے تجاہلی

عارفانہ برتا۔

”بس اب ہونٹیں.....“ یعنی اس کے چہرے پر نظر

جما کر بولی۔ ”یہ لیکن چہرہ اپنی داستان آپ سنارہا ہے۔“

عروسہ کو کچھ جواب نہیں سوجھا وہ چپ کی چپ رہ گئی۔

”دنا شا کرنے کا خوف تو وہاں ہوتاں جہاں

آپس میں جھجکتی نہ ہوں یہاں تو میں اور تو والی کوئی بات

ہی نہیں ہے اور پھر لڑکا، لڑکی راضی تو کیا کرے گا

قاضی.....“ یعنی آخر میں شرارت سے مسکرائی۔

”یکومت..... میرے اور شوذب کے درمیان

بکسی اس قسم کے راز و نیاز نہیں ہوئے جیسے تم میرے

معصوم سے بھائی جان..... آ.....“ عروسہ اسے

چھیڑتے ہوئے مزید کچھ کہنے جاری تھی کہ یعنی نے

پاس پڑا کٹن اسے تاک کر مارا اور اس کی بات ادھوری

رہ گئی اور وہ آہ ادائی کرتے ہوئے زبرد پھر بڑبڑائی۔

”توبہ، توبہ ابھی پوری بھابی بنی نہیں ہو اور اتنا

عظم..... بعد میں اللہ جانے کیا ہوگا.....“

”اسی لیے تو کہہ رہی ہوں تم بھی میری بھابی بن

شادی مبارک



یہ میری شادی کی تصویر سترہ سال پرانی ہے مگر آدم اور حوا کی کہانی کی طرح بالکل تازہ ہے۔ شادی کی سالگرہ نومبر میں منائی اور آج تک خان جی میرے لیے سفید پاکیزہ پھول لاتے ہیں اور جب تک میں جیتی رہوں گی لاتے رہیں گے۔ مرنے کے بعد قبر پر رکھ دیا کریں گے۔ (باہا با) شادی کا احوال مختصر ایہ ہے کہ یہ ایک چھوٹی سی مگر بہت بارونق اور پُر وقار شادی تھی۔ ابو جان کہتے ہیں کہ یہ میری پسندیدہ شادی تھی جو بہت آسانی اور سہولت سے سر انجام پائی اور آج تک یادِ مخالف اور دشمنوں کی بد فالی کے باوجود خیر و عافیت سے اپنے سفر پر گامزن ہے اور اسی طرح ہمارا ساتھ کچھ دلوں پر بجلی بن کر گر رہا ہے گا۔

ہاجرہ عمران، لاہور

ختم کر دیا ورنہ آج سر پکڑ کر دروہے ہوتے۔ بس میں بتائے دے رہی ہوں زمان صاحب آپ کو، باہر والوں سے میرا دل بہت گھبرایا ہوا ہے، مجھے عروسہ کا رشتہ انہوں میں کرنا ہے..... اور وہ بھی شاذب سے..... آج پھر شمر نے اس حوالے سے مجھ سے بات کی ہے رات شاذب بھی اسلام آباد سے آرہا ہے، ہو سکتا ہے سعید اس حوالے سے آپ سے بات کرے آپ پلیز انکار مت کیجیے گا.....“ ابتدا میں گرجتا رہتا لیچہ آخر میں مت آمیز ہو گیا۔

”ارے شاذب آرہا ہے..... کمال ہے مجھے کسی نے بتایا ہی نہیں.....“ ان تمام باتوں میں ان کی سمجھ میں صرف یہ ہی بات آئی اور وہ کہتے ہوئے خوش، خوش بھائی کے پورشن کی طرف چل دیے۔ نویدہ بیگم اپنا سر پکڑ کر رہ گئیں۔

☆☆☆

گھر کے تمام افراد زمان صاحب کو گھر کے بیٹھے تھے۔ عروج بھی میکے آئی ہوئی تھی..... عروسہ کی خوشی اور بہتر مستقبل کے لیے آج اسے بھی بڑی بہن ہونے کا حق ادا کرنا تھا۔

زمان صاحب صوفے پر بیٹھے تھے..... یعنی صوفے کے ساتھ ہی پینے کا پلٹ پر بیٹھی پتی نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی جبکہ شاذب ان کے برابر میں سر جھکائے بیٹھا تھا۔

”بھائی جان کیا آپ کو ہم پر بھروسہ نہیں ہے، آپ کو تحفظات کیوں ہیں.....؟“ شمر نے مضبوط لہجے میں پوچھا۔ ”ہاں بھئی ابھی ہماری بیٹی بیٹا ان کے ہاں بہو بن کر رہی نہیں ہے اور انہوں نے ابھی سے ہمیں بھائی سے سہمی بنا دیا ہے۔“ سعید صاحب نے شکوے کے سے انداز میں کہا۔

”کیا اول فول بک رہے ہو سعید.....“ زمان صاحب بھنائے۔

”یعنی میری بہو نہیں بیٹی ہے اور رہے گی۔“ ”تو کیا ہمارا حق نہیں کہ عروسہ کو اپنی بیٹی

بنائیں۔“ شمسہ بر جت یولیں۔

”اور اگر میں بیٹی ہوں تو میری بات کیوں نہیں مان رہے تیا اب آپ..... پلیز تیا اب..... مجھے عروسہ سے بہت پیار ہے اسے ہمارے ہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔“ بیٹی نے یقین دلایا۔

”ارے بیٹا میں کب کہہ رہا ہوں کہ تم سب اس کے دشمن ہو لیکن یہ دنا شا..... میں تم لوگوں کو کیسے سمجھاؤں.....“ وہ بچہ رگی سے بولے۔

”ارے بھئی اپنوں میں کچھ دنا شا نہیں ہوتا..... شرنجیل کے ابو..... مت گھبرائیے سب اچھا ہوگا انشاء اللہ.....“ نویدہ بیگم نے بھی کہنے کی ہمت کی۔

”ابو جان مجھے یقین ہے کہ آپ کی ہاں سے ہم سب ہی نہیں عروسہ اور شوذب بھی بہت خوش ہو جائیں گے۔“ عروج نے ان کا دھیان عروسہ اور شوذب کی خوشی کی طرف مبذول کیا۔ اگرچہ اپنی کئی بات سے دل ہی دل میں ڈوبی رہی تھی کہ ابو جان کو غصہ نہ آجائے۔ عروج کی اس بات پر اپنے کمرے میں گویا چھپی بیٹی عروسہ کا دل جیسے اچھل کر طلق میں آگیا۔

”ابو جان بس مان جائیں اب.....“ شرنجیل ان کے قدموں میں عینی کے قریب آکر بیٹھا تو بیٹی سٹ کر پیچھے ہوئی..... شرنجیل نے اس کی گلابی پڑتی رنگت سے بہ مشکل نگاہ ہٹائی۔

زمان صاحب جو بیٹی کی کئی بات پر غور کر رہے تھے محبت بھری نظروں سے بیٹے اور ہونے والی بہو کو دیکھنے لگے، دونوں ایک ساتھ کتنے اچھے اور خوش نظر آرہے تھے۔ اس کے بعد بے ساختہ شوذب کی طرف دیکھا جو سخیہ تاثرات کے ساتھ بالکل خاموش بیٹھا تھا لیکن اب ان کے اس طرح دیکھنے پر خاموش نہ رہ سکا۔

”رہنے دیں شرنجیل بھائی، جب تیا ابو مجھے قابل بھر دسای نہیں سمجھتے تو سناٹاں فصول سے بلکہ وہ تو شاید مجھے بیٹا ہی نہیں سمجھتے..... پلیز اب آپ لوگ اس موضوع کو یہیں ختم کر دیں۔“ کہنے کے ساتھ ہی وہ اٹھا اور جانے کو قدم بڑھایا ہی تھا کہ زمان صاحب بے ساختہ پکارے۔

”رک جاؤ شوذب.....“ شوذب رکا اور مڑا..... پڑی مشکل سے اس نے یہ سنجیدگی خود پر طاری کی ہوئی تھی وہ بھی صرف اور صرف تیا اب کو متاثر کرنے کے لیے..... ورنہ شوخی و شرارت میں تو وہ بیٹی سے بھی کئی ہاتھ آگے تھا۔

”جی تیا اب.....!“ اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

”بیٹا جی بات یہ ہے کہ حقیقی بیٹے تو آپ ہمارے پہلے ہی تھے اب ہم آپ کو بیٹی اور کاغذی بیٹا بنانے کو بھی تیار ہیں۔“ ان کی اس بات کے ساتھ ہی کرا مبارک سلامت کے شور سے گونج اٹھا..... اُدھر متصل کمرے میں سیمہ دل کے ساتھ ساری باتیں سنتی عروسہ کا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔

☆☆☆

آج بڑے دنوں بعد نویدہ کی آمد ہوئی تھی سنی سنوری ہوئی، بڑے اسٹائل اور نزاکت سے عروسہ کو گلے سے لگایا۔

”میں امی کے ہاں آئی تھی تو سوچا تم سے بھی مل لوں۔“

”اچھا کیا ناں..... اب کھانا دانا کھا کر جانا آرام سے، میں چکن پلاؤ بنا رہی ہوں..... تم بناؤ اور کھا کھانا ہے۔“ عروسہ نے خوش دلی سے کہا۔

”نہیں یار کھانا نہیں! بس اچھی سی کافی پلاؤ..... ویسے بھی چکن یا بیف تو ہم کھاتے ہی نہیں اب تو مٹن کی عادت ہو گئی ہے۔“ نویدہ نے چکن کے نام پر باقاعدہ جھرجھری سی لی۔

”لو تو اس میں کیا بات ہے فریزر میں مٹن بھی موجود ہے، میں مٹن تو رسہ بنالیتی ہوں۔“ عروسہ برا مانے بغیر بولی۔

”نہیں، بس تم کافی لے آؤ..... پھر باتیں کرتے ہیں۔“ نویدہ نے کہا۔

عروسہ جلد ہی کافی بنالائی ساتھ میں فریج فراڑا اور کباب بھی تھے۔

”اب سناؤ کیسی گزر رہی ہے؟“ عروسہ نے کافی کا کپ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا..... اسی وقت یعنی بھی چلی آئی تو عروسہ نے اپنا کافی کاگ اس کے

میں پوچھا۔

سامنے رکھ دیا۔

”مطلب کیا..... تم ہی بتاؤ ٹوبیہ کتنا پیڑم ہے میرا بھائی..... ارے شوذب کی بات کر رہی ہوں یار، لڑکیاں مرنے ہیں اس سے لفٹ لینے کے لیے مگر میرا شہزادہ بھائی تو اس شہزادی کا دیوانہ تھا تو ہمیں اور کیسے نظر ڈال..... ابھر ان محترمہ کے حزانہ نہیں مل رہے تھے۔“

ٹوبیہ تو ٹوبیہ اس کی ان باتوں پر عروسہ بھی بہت دقتی، ساری باتیں سچ تھیں بس ایک بات غلط تھی اور وہ یہ کہ انکار عروسہ کی طرف سے نہیں بلکہ عروسہ کے والد کی طرف سے تھا مگر ٹوبیہ کا دماغ ٹھکانے لگانے کے لیے عینی نے عروسہ کی اہمیت کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا۔

”اتنے رشتے آئے سب کے سب منع کر دیے..... کوئی منجھا ہے تو کوئی کالا ہے، غزوں کی بھی حد ہوتی ہے یار..... اب تم بھی تو ہوتا ہمارے میاں گنجے ہیں، رنگ کم ہے مگر کی ناں تم نے بھی تو شادی..... مگر یہ لڑکی..... آف تو بہ اس کے غرے..... مگر خیر خدا شکر خورے کو شکر دے ہی دیتا ہے، میرے ڈشنگ بھائی میں کوئی کمی ہے کیا..... تم ہی بتاؤ! تم تو عروسہ کی بیٹ فریڈ ہونا؟“ عینی نے سب کچھ کہہ کر بھی آخر میں مصحوب بن کر پوچھا۔

عینی کی باتوں پر ٹوبیہ کے ہوش ٹھکانے آ گئے تھے۔ اپنے الفاظ سے اب تک جتنی تکلیف وہ عروسہ کو پہنچا چکی تھی اس کا بدلہ آج چکا دیا گیا تھا..... شوذب پر تو اس کی نظر بھی مگر نیت میں خرابی تھی سو جو نیک نیت تھی وہی کامیاب رہی..... اپنا رشتہ اور پھر شادی ہو جانے کے بعد بھی بار، بار اپنی دوست سے اس کے رشتے اور مقفی کے متعلق پوچھنا کوئی اچھا عمل نہیں تھا۔

ادھر عروسہ جس میں لحاظ، مروت، کوٹ، کوٹ کر بھرا تھا عینی کی باتوں پر دل ہی دل میں شرمندہ ہو رہی تھی۔ اسے اس لمحے ٹوبیہ پر ترس آ رہا تھا۔ جبکہ عینی سوچ رہی تھی کہ آج ٹوبیہ کو لگے سرخاب کے برعکس ہی گئے ہوں گے جو اگر نہ جھانڈے جاتے تو وہ کل کسی اور عروسہ کی دل آزاری کا سبب بن جاتی۔

”نہیں یار تم یہ میرا موڈ نہیں ہے ابھی، ابھی چائے پی کر آئی ہوں.....“ عینی نے منع کیا۔

”اجھا دھوٹ لپو باقی میں پی لوں گی۔ ٹیٹ تو کرو ناں کسی بنی ہے۔“ عروسہ نے اصرار کیا۔ ٹوبیہ جو جواب میں اپنی بڑائیاں بیان کرنے کو تیار تھی مگر بد مزہ ہو کر رہ گئی۔

”ہاں تو بتاؤ ناں تمہاری میر ڈالائف کیسی گزر رہی ہے؟“ عروسہ پھر متوجہ ہوئی۔

”بہت، بہت، بہت زبردست، واصف تو دیوانے ہیں میرے۔“ اس نے اتر کر کہا۔

”ہاں کتے بھی ہیں۔“ عینی سے چپ نہ ہا گیا۔ ”کیا مطلب.....؟“ ٹوبیہ نے لب بچھ کر اسے دیکھا۔ ”بھئی ہم نے دیکھا ہے ناں انہیں شادی پر..... تو ہمیں بھی لگے وہ دیوانے..... تمہارے۔“ عینی نے سادگی سے کہا تو ٹوبیہ مزید کچھ نہ بول سکی۔

”اور تمہاری ساس مندیں وغیرہ سب سیٹ ہیں تمہارے ساتھ۔“ عروسہ نے بات بدلی۔

”ہاں، ہاں! بہت چاہتی ہیں مجھے، اس گھر کی اکلوتی بہو جو ہوں اور سچی بات ہے مجھ سے بنا کر نہیں رکھیں گی تو کہاں جائیں گی۔“ اس نے نخوت سے کہا۔ ”تم ان کا خیال رکھو گی..... ان کی عزت کرو گی تو وہ بھی ہمیشہ تمہارا خیال کریں گی۔“ عروسہ نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

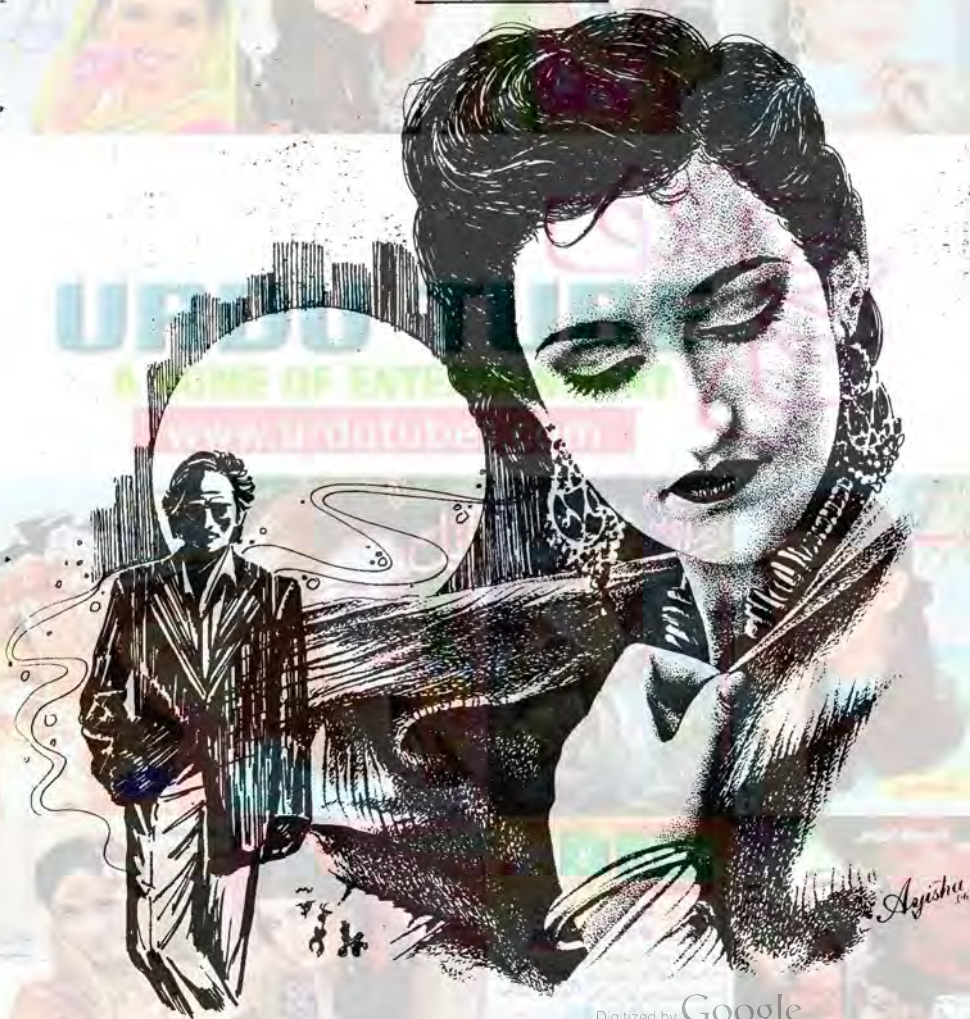
”ہاں، ہاں..... میں شادی شدہ ہوں، مجھے پتا ہے کہ مجھے کیسے چلنا ہے، تم سناؤ کہیں ہوا رشتہ تمہارا.....؟“ اس نے مزہ لینے والے انداز میں پوچھا۔ ”ہاں ہو گیا اس کا..... اور ہو تو بہت پہلے جاتا اگر یہ محترمہ مان جائیں، اپنی خوب صورتی پر گھمنڈ ہی بہت تھا انہیں۔“ عینی مسکراتے لہجے میں بول رہی تھی اور ٹوبیہ حیرت سے عروسہ کے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھی جو پیکا پڑنے کے بجائے قد حار ی اتار بنا ہوا تھا۔ ”کیا مطلب.....؟“ ٹوبیہ نے مری ہوئی آواز

”یہ شام ، سرد ہوا اور ہجر کا عالم
گمان ہوتا ہے اس بار دمبر مار ڈالے گا“
رائٹنگ ٹیبل پر پپر روٹ کے نیچے دبا کاغذ کھڑکی
سے آنے والی ہوا سے پھڑپھڑا رہا تھا اور وہ کسی لمحے کے
مانند کرسی پر بالکل ساکن بیٹھی تھی۔ کھڑکی کے واپٹوں سے
آتی ٹھیک سی سرد ہوائیں بھی گویا بے اثر تھیں۔ جیسے کوئی۔۔۔
بے جان جسم۔۔۔ ہاں مگر سانسوں کا سلسلہ اس کے زندہ ہونے
کی نشاندہی کر رہا تھا۔ انسان خواہ خود کو کتنا بھی پتھر کر لے

ناولٹ

جلسنِ آرزو دمبر کا

سارہ مشال





آنکھیں آئینہ ہوتی ہیں، سانسوں کی آمد و رفت کی..... ہر درد کا دکھ، تکلیف، آشکار کردہ جی ہیں۔ جب تک سانسوں کا رابطہ قائم رہتا ہے یہ آئینہ ہی رہتی ہیں..... سانسوں کی ڈور ٹوٹنے ہی آئینہ پتھر اجاتا ہے پھر انتظار رہتا ہے نہ پیار نہ دکھ رہتا ہے نہ کوئی تڑپ.....

☆☆☆

وہ کینٹین میں بیٹھی تھی سامنے موجود ٹیبل پر ڈھیروں کاغذ پھیلانے ان پر جھکی ہوئی تھی۔ کاسنی رنگ کے اسکارف کے ہالے میں اس کا چہرہ بے حد سنجیدہ تھا۔ وہ جیسے کسی نقطے میں الجھی ہوئی تھی۔ سفید کاغذ پر تیزی سے پھسلا ہوا قلم اب دانتوں میں دبا ہوا تھا۔ کاغذوں کے پلندے پر بار، بار اوپر سے نیچے پھسلتی..... لگاؤ اس کی انجمن آشکار کر رہی تھیں۔ اس کے چہرے کا طواف کرتی دو گہری سیاہ آنکھیں اس کی انجمن بھانپ گئیں۔ بھی سرتا پیاسا عباے میں ڈھکے وجود نے حرکت کی آہستگی سے قدم آگے بڑھائے۔

وہ قدم چلنے کے بعد تیسرا اٹھا قدم اٹھائی رہ گیا، آگے نہ بڑھ سکا جیسی ہلکے آسانی رنگ کی چپک دار شرٹ میں لمبوس دراز قد و خوش شکل سے نوجوان نے عقب سے میز پر جھکے ہوئے اس کے چہرے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ نوجوان کی آنکھیں شرارت سے مسکرا رہی تھیں۔ وہ گندی پرکشش چہرہ گویا اس سردلس سے آشنا تھا جی بنا دیکھے حلقی سے وہ سرد ہاتھ جھٹکتے ہوئے بولی۔

”اب بھی نہ آتے.....“ ناک کے تنوں کو کچھ اور پھلا کر برہمی سے سمجھوا۔

”یار عاقلی نے روک لیا تھا بیوی.....“ وہ عقب سے اب اس کے سامنے آچکا تھا۔

”ہاں، اپنے نوٹس میرے سر تعویپ کے خود ان فضول لڑکوں کے ساتھ آوارہ گردی کرتے پھرو.....“ ادھر، ادھر اڑتے کاغذوں کو سمیٹتے ہوئے وہ خشکیس نظروں سے اسے گھورنے لگی۔

”آوارہ گردی کہاں اپنی قسمت میں، بس ایک ضروری پراجیکٹ ڈسکس کر رہے تھے۔“ اس نے

ماہنامہ پاکیزہ۔ دسمبر 2018ء

226

ایک ٹھنڈی آہ بھر کے کہا۔

”اؤف گریٹ، بائی واوے کون سا پراجیکٹ ہے جس پر گھسنے بھرے ڈسکس چل رہی تھی۔“ نوٹس کو ترتیب سے فائل میں لگا کر فائل ایک طرف کھسکائی اور کہنی میز پر رکھ کر ہاتھ کی ٹھنڈی ہٹا کر اس پر ٹھوڑی رکھتے ہوئے بے حد دلچسپی سے پوچھنے لگی۔

وہ گڑبڑا گیا۔

”پہلے چائے پی لیں۔ پھر بتاتا ہوں.....!“ گھا

کھنکھاتے ہوئے گویا ہوا۔

”پلیز نوٹ فرمائیں، آپ ہی کے انتظار میں ٹھنڈا

مشروب بن چکی ہے۔“ اس نے میز پر رکھے چائے

کے دو کپوں کی طرف اشارہ کیا جس کے اوپر تہ جم گئی تھی۔

اس نے آواز دے کر گرم چائے منگوائی۔

”یہ لو خود بناؤ نوٹس، تمہاری کیڑے کمزوروں جیسی

لکھاٹی میری سمجھ سے بالاتر ہے۔“ فائل اس کی طرف

کھسکا کر وہ خود گرم چائے کی چسکیاں لینے لگی جو اس

موسم میں بڑی بھلی لگ رہی تھی۔

”ڈونٹ دری، میں سمجھا دوں گا۔“ بڑی دریا دلی

سے آفر ہوئی گویا اس کے کام میں مدد کی پیش کش کر رہا ہو۔

”اردو ادب کے بجائے پولیٹیکل سائنس میں

ماسٹرز کرنا چاہیے تھا تمہیں۔“ اس کے سیاسی انداز پر

چوٹ کی۔

”ہوں..... فور کریس مجھے کبھی فرصت میں آپ کے

مشورے پر..... فی الحال ذرا اس پر غور فرمالتے ہیں۔“ اس

نے گھرے کورواں فائل کھول کر میز کے درمیان میں رکھی۔

وہ بھی اپنا خالی کپ ساڈ پر رکھ کر متوجہ ہوئی..... لمحوں میں

تاثرات نازل ہوئے انجمن سلجھ گئی تھی۔

نقاب کے پیچھے لبوں پر افسردہ سی مسکراہٹ در

آئی غلٹکی سے قدم موڑ لیے۔

نقاب سے جھانکتی دو سیاہ گہری آنکھوں کے کنارے

پر انکا شفاف قطرہ پھسل کر حجاب میں جذب ہوا۔

☆☆☆

”تم نے اپنی یہ آڈی میوزمی شکل دکھانے کے

تجسسی دسبر کی ان سرد ہواؤں میں مانوس سی مہک اس کے نتھنوں سے نکل رہی۔ نقاب سے جھانکتی اس کی سیاہ گہری آنکھیں بے قراری ہو کر متلاشی انداز میں ارد گرد دیکھنے لگیں۔ اور پھر ایک مقام پر پھری گئیں مگر جینز پہ بادامی رنگ کی چپک دار شرٹ پہنے وہ سامنے سے چلا آ رہا تھا اور اپنے کندھے تک آئی غنوی آفاق کے قدم سے قدم ملا کر چلتا اس کی سمت ڈرا سا جھکا، خوشگوار اثرات کے ساتھ کچھ کہہ رہا تھا۔ اور رخ مگر کے پلین سوٹ پر ہم رنگ اسکارف سر پہ لیے گندمی چہرے پر اس کی دلکش مسکراہٹ بھلی لگ رہی تھی۔

”اے خمیرہ کی بچی، بھری ہو گئی ہو کیا.....؟“

تین دفعہ آواز دینے پر بھی کوئی رسپانس نہ پا کر ناچہ نے اس کا کندھا زور سے ہلایا۔

”آں کیا ہوا؟“ وہ بری طرح چوکی تھی۔

”یہ کون سا مراقبہ فرما رہی تھیں محترمہ.....؟“ ناچہ نے تیز لہجے میں کہا۔

”غنوی آفاق کو دیکھ رہی تھی.....“ آہستگی سے کہا، لہجہ کھویا، کھویا سا تھا۔

”اب ایسا بھی کیا ہے اس میں.....؟“ ناچہ نے متعجب ہو کر دیکھا۔

”شیرہ گل اپنی بے ساختگی پر بری طرح گز بڑائی۔“

”نہیں ویسے ہی پیاری دھتی ہے..... تجھی اور رخ مگر بھی کافی جیج رہا ہے اس پر.....“ وہ بے ربطگی سے وضاحت دے لگی۔

”اچھی لگتی ہے پراتی بھی نہیں کہ اس قدر محویت سے ٹھنکی باندھ کے اسے دیکھا جائے۔“ ناچہ، غنوی کے عام سے نقوش والے چہرے پر اچھتی سی نگاہ ڈال کر صاف گوئی سے بولی۔ ”اور تم کیوں اتنا اپر لیس ہو رہی ہو، تم خود کیا کسی سے کم ہو.....“ اس کی نقاب سے جھانکتی آنکھوں کو سانشی نظروں سے دیکھا۔

”حسن دیکھنے والے کی آنکھ میں ہوتا ہے تمہیں مجھ سے پیار ہے تجھی میں تمہیں پیاری لگتی ہوں..... جیسے.....“ شیرہ کھوئے، کھوئے انداز میں گردن موڑ کر

لیے میری کلاس مس کروائی.....“ شیرہ گل نے غصیلے تیوروں سے ناچہ کو دیکھا جو منہ کے زاویے بگاڑ، بگاڑ کر سیلیاں بنا رہی تھی۔

”پلیز یار بس ایک اور.....“ ناچہ نے جلدی سے اپنے مگر شدہ بھورے بالوں کو ایک سائڈ سے آگے کر کے لپ گلوڑ لگے ہونٹوں کو سکیز کر جھٹ ایک اور سیلی بنا لی۔

”ہاں بولو اب، کیا کہہ رہی تھیں تم.....؟“ فون بیگ میں ڈال کر وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

”آئی تھنک کہتا تو کچھ تمہیں تھا..... کوئی ضروری بات کرنی تھی۔“ شیرہ گل نے ٹھنڈے لہجے میں بتایا۔

”اوہ ہاں.....“ ناچہ کو جیسے یاد آیا۔ ”وہ میں پوچھ رہی تھی تم نے سمسٹر کی تیاری کر لی؟“

”یہ بات کلاس میں نہیں پوچھی جاسکتی تھی۔“ شیرہ گل نے غور کر دیکھا۔

”کلاس میں تمہارے وہ ماما (پروفیسر) بھلا اپنے علاوہ کہیں اور دیکھنے بھی دیتے ہیں.....“ لہجہ دہائی دیتا ہوا تھا۔

”بہت فضول لڑکی ہو تم، بلا وجہ میری کلاس مس کروادی.....“ شیرہ گل متاسف نظروں سے اس کی سمت دیکھتے ہوئے بولی جو سر جھکائے مسکراہٹ دہائی نہایت معصوم نظر آنے کی فلاپ ایکٹنگ کر رہی تھی۔

”ایک بات کہوں؟“ ناچہ متبسم نظروں سے دیکھتی پوچھنے لگی۔

”کہو.....“ اس نے عدم دلچسپی ظاہر کی۔

”تم جب ملامت بھی کرتی ہو ناں تو قسم سے ایسا لگتا ہے جیسے پھل جھڑ رہے ہوں منہ سے، کنکٹا نرم اور نرم ہے تمہارے لہجے میں اور ایک ہم ہیں جتنا بھی چاہے پیار جتا لیں، سامنے والے کو لفظ اینٹ کی طرح ہی لگتے ہیں۔“ اپنی بات خود ہی انجوائے کرتی آخر

میں وہ قل، قل کر کے ہنسنے لگی۔

”شیرہ گل نے جھینپتے ہوئے ہاتھ میں تھا مار جھڑ اس کے شانے پر مارا۔

ہوئیں۔ ان کی پشتوں کی اردو اسے بے ساختہ مسکرانے پر مجبور کر گئی۔

”ٹھیک ہوں، مگر میں سب خیریت ہے؟ آپ نے اس طرح اچانک فون کیا؟“ وہ کچھ بے چینی و غلبت میں پوچھنے لگا۔

ان کی اس عادت سے وہ بخوبی واقف تھا۔ بات خواہ کتنی بھی بڑی و پریشان کن ہوتی وہ پہلے مکمل اطمینان سے گفتگو کرتے پھر کہیں اصل مدعے پر آتے، یوں جلد بازی و غلبت ان کی سرشت میں نہیں تھی۔

”باقی تو سب خیر ہے بس تمہارے دادا جان کا طبیعت ٹھیک نہیں تم جلدی جتنی لے کر گرا جاؤ۔“

”ٹھیک ہے۔ بس میں تھوڑی دیر میں پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں۔“ ان کی دی گئی اطلاع پر وہ تشویش زدہ ہوا۔

”ٹھیک اے شیرہ کو بھی سات لے آنا کیلے پھر وہ کیسے آئے گی۔“

”چلیں ٹھیک ہے، ہم بس تھوڑی دیر میں پہنچتے ہیں۔“ اس نے الوداعی کلمات کہہ کر فون بند کیا اور معذرتی نظروں سے پروفیسر کی جانب دیکھنے لگا۔

”اُس اوکے ایک مین یو سے گویا۔“ سر ذوالفقار اس کے چہرے پر پھیلی غدا مت دیکھ کر نرمی سے گویا ہوئے۔

”ٹھیک پوسر۔!“

”اُس اوکے۔!“ سر نے دوستانہ انداز میں اس کی پیٹھ تپتائی۔

وہ ہلکا، پھلکا ہو کر سب کو خدا حافظ کہہ کر اُس روم سے نکلا، اب اس کا رخ اردو ڈپارٹمنٹ کی طرف تھا۔ اردو ڈپارٹمنٹ کے باہر ٹولے کی صورت بیٹھے اسٹوڈنٹس کے درمیان کوئی گرامر بحث چھڑی ہوئی تھی۔

”خیر یہ تو آپ زیادتی کر رہی ہیں جس طرف آپ اشارہ کر رہی ہیں ہو سکتا ہے ایسا آج سے بیس پچیس برس پہلے ہوتا ہو مگر آج کا انسان باشعور اور روشن خیال ہے، آج کے دور میں حقوق نسواں کی حق تلفی

اپنے قریب سے گزر جانے والے دراز قد حماد کی پشت کو دیکھنے لگی۔ غنویٰ سے باتیں کرتا اس کی ست دیکھتا آدھا چہرہ اس کا صاف نظر آ رہا تھا اور ان آنکھوں میں موجود چمک بھی وہاں آسانی و کچھ کتنی تھی۔

”جیسے۔۔۔۔۔؟“ ناجیہ نے اس کے تامل جملے پر الجھ کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

چوڑی پشت سے نظریں چرا کر خالی، خالی نظروں سے ناجیہ کی سمت دیکھتے ہوئے اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

”کچھ نہیں۔۔۔۔۔“

اندر کہیں صحرانما سوٹ اپن اتر تھا۔

☆☆☆

پچھلے آدمے سمجھنے سے اُس روم میں یونی سے نکالے جانے والے منتقلی میگزین پر ڈسکش چل رہی تھی۔ ایڈیٹر کے لیے میم صائب کی نظر انتخاب المیر خان

یہ ٹھہری ہوئی تھی جس سے باقی اسٹاف بھی مکمل طور پر متفق تھا سو تمام پروفیسرز کی خواہش و اصرار پر اس نے بخوشی ایڈیٹر شپ کی ذمہ داری اٹھانے کی ہامی بھری

اور اب اسی حوالے سے پروفیسر کے درمیان بیضا وہ ان سے اپنے آئیڈیاز شیئر کر رہا تھا۔۔۔۔۔ سرخ و سپید اونچے لمبے، ہنڈسم سے المیر خان کی صرف ظاہری شخصیت ہی متاثر کن نہیں تھی بلکہ اس کا پُر اعتماد انداز۔۔۔

دھڑک لہجہ سامنے والے کو چاروں شانے چت کر دیتا۔ وہ چونکا دینے والی ذہانت رکھتا تھا اُس کے آئیڈیاز بھی اتنے ہی چونکا دینے والے ہوتے تھے۔ وہاں بیٹھے ٹیچرز اس کے خیالات سے متاثر نظر آ رہے تھے۔ وقتاً اس کا فون بجنے لگا، اس نے پاکٹ سے فون نکالا ارادہ آف

کرنے کا تھا لیکن وہ خبر دیکھ کر خشک تھا۔ یونی ٹائم میں کبھی وہ بلا سب فون نہیں کرتی تھیں۔ اس نے اجازت طلب نظروں سے ان پروفیسرز کو دیکھا مثبت جواب ملنے پر فوراً سے مشر اوکے کر کے فون کان سے لگا لیا۔

”سلام مورے۔۔۔۔۔“

”ولکم السلام۔۔۔۔۔ المیر بچے کیسے او۔۔۔۔۔؟“ اس کے یونی میں ہونے کے خیال سے وہ اردو میں گویا

”سلام مورے۔۔۔۔۔“

”ولکم السلام۔۔۔۔۔ المیر بچے کیسے او۔۔۔۔۔؟“ اس کے یونی میں ہونے کے خیال سے وہ اردو میں گویا

امور بھی وہ انجام دے سکتی ہے تاں کہ اسے کسی قیدی کی طرح گھر کی چار دیواری میں محصور کر دیا جائے۔“
بریل اسکارف میں لپٹا وہ گندی چہرہ از حد سنجیدہ تھا۔
آنکھوں سے جھلکتا تاسف اور لہجہ کی تلخی سے یہ اندازہ بخوبی لگا یا جاسکتا تھا کہ وہ مرد ذات کے بارے میں کس قدر بدگمانی کا شکار ہے۔“ اکبر خان بے ارادہ ہی رک کر اسے دیکھے گیا۔

”اسلام نے تو عورت کو بہت سے حقوق سے نوازا ہے یہاں تک کہ ماں کے روپ میں اس کے قدموں تلے جنت رکھ دی بہن کے روپ میں عزت اور مان دیا، بیوی کے روپ میں گھریلو سکون کا ذریعہ بنایا مگر یہاں یہ حال ہے کہ اسے ہر کی جوتی سے زیادہ کچھ گردانا ہی نہیں جاتا فرائض کی پوٹلی بنا کر اس کے سر پر لا دوئی جاتی ہے جس کے تلے اس کے تمام حقوق اس کی ذات سمیت دب کر رہ جاتے ہیں۔ بس مرد تو جو بھی چاہے کرتا پھرے چاہے تو مذہب کی آڑ لے کر... بلا ضرورت چار، چار شادیاں رچالے اور چاہے تو جدیدیت کی تحریک پر چلتے ہوئے آٹھ، آٹھ گرل فرینڈز بنالے۔“ اب کی بار اس کے لہجے میں مسخر سمیت طعنی بھی گہری کاٹ تھی جو اکبر خان کو نہ صرف ناگوار لگا بلکہ وہ بری طرح سخ پا بھی ہو گیا۔
”بھئی وہ طعنیہ انداز میں ہاتھوں کو تالیوں کی صورت پینے لگا۔

”واؤ، فقہانک، بیسٹ ڈیپٹر بننے کے لیے تمام مجلس موجود ہیں آپ میں آئی ایم امپریٹنڈ.....!“
غصی آفاق کو دم سادھے سنی تمام گردنیں حیرت و استعجاب سے مڑی تھیں۔

مگر وہ اپنی سمت اٹھتی متحیر نظروں سے بے نیاز ہو کر انداز میں غصی کی جانب بڑھ رہا تھا جو عجیب اچھن زدہ نظروں سے اونچے لیے اکبر کو دیکھ رہی تھی۔
”حقوق نسواں کی حمایت میں خاصی بہترین تقریر کر ڈالی آپ نے لیکن کیا ہے ناں کہ لاسٹ میں ٹھوڑی سی mistake ہو گئی..... بیسٹ ڈیپٹر بننے کے لیے

کا کہیں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا بلکہ ہمارے سیاسی لیڈرز سمیت جتنے بھی بااثر لوگ ہیں سبھی زیادہ تر خواتین کے حقوق پر ہی بات کرتے نظر آتے ہیں۔ کئی تنظیمیں بن چکی ہیں آپ لوگوں کے حقوق کے لیے.....“ چھ سے آٹھ افراد یہ مشکل بھانت، بھانت کی بولیاں بولنے والے اس ٹولے میں سے کسی نوجوان نے اپنے کسی مخالف سامع کی بات سے اختلاف رائے کیا تھا لہذا اس قدر مضبوط و پراعتاد تھا کہ شور و غل ایک نکتہ ختم سا گیا اور سبھی خاموش ہو کر نہایت توجہ سے اس نوجوان کی طرف دیکھ رہے تھے۔

اکبر نے اس لائسنس بحث کو قابل توجہ نہ جانا اور شیرہ کی تلاش میں آگے بڑھا دفعتاً اس مجمعے سے ابھرنے والی طعنی کاٹ لیے کئی بھری نسواں آواز نے اس کے بڑھتے ہوئے قدم جکڑ لیے تھے۔

”بالکل بجا فرمایا آپ نے مسٹر آذر، واقعی خواتین کے حقوق کے لیے کئی تنظیمیں بن چکی ہیں مگر ان تنظیموں نے اس حوالے سے کتنی کارکردگی دکھائی ہے اس سے لازماً آپ بھی ناواقف نہیں ہوں گے اور جہاں تک بات ہے معزز و معتبر افراد کی یا حقوق نسواں کے لیے کی جانے والی تقاریر کی تو یہ تقاریر محض لغاطی تک ہی محدود ہیں تا حال کوئی عملی اقدام سامنے نہیں آیا۔ جمعہ کے جمعہ مسجد میں حاضری دینے والے ہمارے معاشرے کے نام نہاد غیرت مند مردوں کو دین اسلام کے حوالے سے صرف دو ہی باتیں اذہر ہیں ایک عورت کا گھر کی چار دیواری میں رہنا..... اور دوسرا اسلام میں چار شادیوں کی اجازت..... بس یہی دو باتیں ہیں مذہب کے حوالے سے جو ہمارے معاشرے کے بیشتر تعلیم یافتہ افراد کی انگوٹھا چھاپ تک کو اذہر ہیں اور ضرورت کے وقت جنہیں وہ دہراتے نظر آتے ہیں۔“ اس نے کئی سے کہا تھا۔

”عورت کے لیے گھر کی چار دیواری اہم قرار دی گئی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اسے حصول علم کی بھی مکمل آزادی ہے۔ شرعی پردے میں رہ کر تمام باہر کے

"you...you crossed limits"

بہنچے ہوئے جڑوں کے ساتھ انگلی اٹھا کر تنبیہ کی، آنکھوں سے شرارے نکل رہے تھے اور چہرہ پھٹ پڑنے کی حد تک سرخ ہو رہا تھا اس کے لال بھوکا چہرے کو دیکھ کر وہ دیرے سے مسکرایا۔

"اپنی صف کا دفاع کرنے کا حق سب کے پاس ہوتا ہے۔" بے نیازی سے کندھے اچکا کر کہا گیا۔ وہ بے نیازی سر تا پا لگا دینے والی تھی۔

ان کے مابین بڑھتی گرما گرمی دیکھ کر حاد نے غصی کو بازو سے تھاما اور وہاں سے لے جانے کی کوشش کرنے لگا لیکن وہ ذرا بھی ٹس سے مس نہ ہوئی وہیں کھڑی ہوئی سختی سے سمجھنے سلگتی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہوا بھائی..... آپ کیوں آئے یہاں.....؟"

شمیرہ خوف زدہ سی المیر کی جانب لپکی۔ اس کی وحشت و سراسیمگی اس کے لہجے کی بوکھلاہٹ سے عیاں ہو رہی تھیں۔

اس کے بھائی کہنے پر حاد نے قدرے چونک کر اور غصی نے از حد غصت سے اس کے نقاب سے ڈھکے چہرے کو دیکھا۔

المیر نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ بس اپنی سی نگاہ گھورتی ہوئی غصی پر ڈال کر شمیرہ کا ہاتھ پکڑے وہاں سے چل دیا۔

☆☆☆

اگلے دن المیر اسے یونیورسٹی ڈراپ کر کے خود اسپتال چلا گیا چونکہ دادا جی اسپتال میں ایڈمٹ تھے سو وہاں ان کے ساتھ ایک فرد کا ہونا ضروری تھا۔ کلاس مس ہو جانے کے ڈر سے وہ تیز، تیز قدموں سے چلتی کلاس روم میں داخل ہوئی تو گاہیں حسب معمول بے اختیار سب سے آگے والی چیز زکی طرف اٹھیں۔ غصی اتفاق کی چیز خالی تھی اور اس کے پناہ بہت اکیلا، اکیلا سا لگ رہا تھا دونوں کو ساتھ، ساتھ دیکھنے کی اس قدر عادت ہو گئی تھی کہ اس کے بغیر حاد و قار احمد اور سا لگتا جیسے کسی خوشنما باغ میں سے پھول چن جانے کے بعد یک دم وہ ویران سا ہو جاتا ہے۔

چھوٹی سے چھوٹی بات بھی کہنے سے قبل نہایت غور و خوض کرتا ہوتا ہے۔" وہ یوں اس کی غلطیوں کی فہرست گنوانے لگا گیا مباحثے کی تیاری کر رہا ہو.....

"آپ کی تعریف؟" غصی نے ناپسندیدہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا انداز یوں تھا گویا کہہ رہی ہو..... "کس کھیت کی مولی ہو بھی جاؤ راستہ ناپا پنا۔"

"خاکسار کو المیر خان کہتے ہیں....." اس نے اپنے چوڑے سینے پر ہاتھ رکھ کر تھوڑا جھک کر کہا۔

شمیرہ جو بھائی کو پہلے اپنے ڈپارٹمنٹ میں دیکھ کر صرف حیران تھی، اب اس کے تیز ملاحظہ کرنے کے بعد سراسیمگی سے ٹھنڈی پڑ گئی تھی۔

"آپ نے کیرئیر لیس مرد حضرات کے خلاف جو بھی کہا میں اس سے بھرپور اتفاق کرتا ہوں..... واقعی

مغربی رجحان نے ہمارے معاشرے کی اصل صورت مسخ کر دی ہے۔ بے جا مغربی تقلید نے عورت کو محض ایک شو پیش بنا دیا ہے لیکن آپ مکمل ایمانداری و

غیر جانبداری سے مجھے جواب دیں۔ عورت کو ڈیکوریشن پیش بنانے میں زیادہ تصور وار کون ہے.....

اگر آج کا مرد کئی، کئی معاشے لڑ رہا ہے تو آج کی عورت کا دم بھی تو پردے میں گھسنے لگا ہے، عورت نے خود اپنی

نسوانیت ایک طرف رکھ کر اپنے آپ کو شو پیش بنا کر رکھ دیا ہے۔" المیر کا لہجہ ٹھنڈا مگر الفاظ و انداز مقابل کو

آگ لگا کر خاکستر کر دینے والے تھے۔

غصی کے تھے نقوش میں غصہ و قہر کی سرخی دوڑنے لگی۔

"خدا کی بیٹی خود تماشا نہ بنے ناں..... تو مجال ہے آدم کا بیٹا اس سے کھیلے....." المیر خان کے الفاظ

نہیں کچھڑ میں تھڑا جوتا تھا جو اس نے غصی کے منہ پر دے مارا تھا۔ احساس تذبذب سے اس کا چہرہ آگ کے

مانند دھپکنے لگا۔ زمین پر دونوں ہتھیلیاں رکھ کر وہ تیزی سے کھڑی ہوئی جتنی برق رفتاری سے وہ ابھی تھی اتنی ہی

تیزی سے شمیرہ بھی ستون کا سہارا لے کر لرزتی ناگوں کے ساتھ کھڑی ہوئی۔

کر اسے نرمی سے ٹوکا۔

”کل جو بھی ہوا، وہ آپ کے بھائی اور غوثی کا معاملہ ہے، اس کے لیے آپ کو معافی مانگنے کی ضرورت نہیں کم از کم مجھ سے تو بالکل بھی نہیں.....“ وہ بے حد سنجیدہ نظر آ رہا تھا البتہ لہجہ نرم تھا۔
شمیرہ نے ایک سہمی ہوئی نگاہ اس کے سنجیدہ چہرے پر ڈالی اور نظروں کے ساتھ سر بھی جھکا کر پلٹ کر جانے لگی۔

☆☆☆

”بھائی کل سے آپ یونی جانیں گے ناں؟“ کچھ دیر قبل ہی دادا جان ڈسچارج ہو کر گھر آئے تھے۔ کئی روز کا تھکا ہارا المیرہ.... لاؤنج میں ہی کارپٹ پر آڑا تر چھالت گیا تھا۔ شمیرہ اس کے لیے چائے بنا کر لائی تو پوچھنے لگی۔

”ہوں..... ارادہ تو ہے پہلے ہی کافی حرج ہو چکا ہے۔“ وہ اٹھ کر بیٹھا اور صوفے سے ٹیک لگا کر اس کے ہاتھ سے کپ لیتے ہوئے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے کل پھر غوثی آفاق سے ایکسکیو ز کر لیجئے گا آپ.....“ دھیمے لہجے میں اس نے کہا۔

”غوثی آفاق..... کون.....؟“ المیرہ نے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے نام ڈہرایا، کچھ پلے نہ پڑنے پر ناچھی سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”میری کلاس فیلو..... جس سے اس دن آپ کی بکرا ہوئی تھی.....“ خفگی سے بھائی کی سمت دیکھ کر اس نے یاد دلایا۔

”اوہ.....“ المیرہ نے پوری بات یاد آ جانے پر ہونٹ سیکڑ لے پھیلے چار روز سے اسپتال کی بھاگ دوڑ میں یہ بات سرے ذہن سے محو ہی ہوئی تھی۔

”تو یوں کہوتاں ڈیپریل صاحبہ کی بات کر رہی ہو، نام تو تم ایسے لے رہی ہو میرے سامنے جیسے میرے مامے کی لڑکی ہو کر نام لوگی تو جھٹ پیمان لوں گا۔“ اس کی خفا، خفاسی صورت دیکھ کر وہ مزید تنگ کرنے لگا۔

اپنی بے گئی سی سوچوں پر خود کو سرزنش کر کے سر جھٹک کرست روی سے چلتی وہ سب سے آخر والی کرسی پر جا کر بیٹھ گئی۔

سارا وقت وہ غیر حاضر دماغی سے لپکچر دیتے پروفیسر کے صورت بگتی رہی کئی دفعہ دل میں المیرہ کے مس لبی ہیو کی معافی مانگنے کا ارادہ باندھا اور توڑا بالآخر آخری چریڈ ہونے تک وہ اپنے سب حوصلے مجتمع کر چکی تھی۔

بچی دوستوں کے جھرمٹ میں گھرنے سے قبل ہی وہ اس کے پاس جا پہنچی.....

کلاس کی سب سے ذہین لیکن کونے میں سگری مسٹی بیٹھی رہنے والی ریزورسی شمیرہ علی کو اپنے رو رو پا کر حاد بے پناہ اچنبھے کا شکار ہوا۔

دل کے بھائے راستوں پر چلتا کتنا دشوار کن امر ہوتا ہے، اس کا ادراک اس ہی ملے ہوا۔

”غوثی نہیں آئی آج.....؟“ کوئی سرا بھی تو ڈھوڑتا تھا آقا زنگتھو کا.....

”جی اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی سو.....“ حاد اس کے مخاطب ہونے کا سبب کسی حد تک سمجھ چکا تھا سو ملائمت و شائستگی سے جواب دیا۔

”اوہ.....“ بے پناہ تاسف کے عالم میں منہ سے بس یہی نکلا..... جانے کیوں اس کی آنکھیں چٹک چڑنے کو تھیں۔

”اس کی تاسا زہی طبع کا سبب کل والی بکرا..... ہرگز بھی نہیں تھی، اسے سچ میں ٹیپر پنچر ہو رہا تھا، کل شام بارش میں بھینکنے کے باعث.....“ اس کی سیاہ گہری آنکھوں میں نمی تیرتے دیکھ کر حاد گزبڑاتے ہوئے اسے وضاحت دینے لگا۔

شمیرہ قدرے پرسکون ہوئی۔

”آپ میری طرف سے پوچھ لیجئے گا..... اور کل جو کچھ بھی ہوا اس کے لیے بھی میں معذرت خواہ ہوں آپ سے بھی اور.....“

”پلیز..... اسٹاپ اسٹ.....“ حاد نے ہاتھ اٹھا لگا۔

سراسر اس کی شہرہ بھی اب اپنے جذباتی پن پر بے حد
پشیمان تھی۔

”خون کی یہ سرخی..... آپ کی تربیت کے رنگ کو
کبھی نہیں ڈھانپ سکتی مورے، خون تو صرف رگوں
میں دوڑتا ہے لیکن آپ کے سکھائے آداب تو میرے
دل کے اندر مقدس کتاب کے مانند جردان میں لپٹے
محفوظ ہیں۔“ وہ آہستگی سے ٹھہر، ٹھہر کر کہہ رہا تھا،
نظر اس بے حد عقیدت سے مورے کے نورانی چہرے کو
دیکھ رہی تھیں۔

”کوئی غلط راستے پر جا رہا ہو تو اسے درست سمت کا
تعیین کروانا بھی تو آپ ہی کی تربیت کا حصہ ہے ناں.....“
وہ انہیں ان ہی کے سکھائے آداب یاد دلارہا تھا۔

”مگر اس کی سمت غلط تو نہیں..... الفاظ تو سچ ہیں
شاید انداز غلط ہو۔“ مورے نے غصہ کی حمایت کی،
آنکھوں میں گزرے ہوئے بے نوا ماضی کی دھول سی
جیسے اڑنے لگی۔

”لیکن آپ جانتی ہیں آپ کا المیر ویسا
نہیں.....“ المیر اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے قدموں
میں آبیٹھا وہ ان کا ہنر تھا، دوست تھا ہر درد سے
واقف تھا ان کے ہر کرب کا حصہ دار.....

”میرا بیٹا تو کروڑوں میں ایک ہے۔“ مورے
نے اپنے زانو پر رکھا ہوا اس کا سر اوپر اٹھایا اور اس کی
ہلکی سی بڑھی شیو والے وجیہ چہرے کو ہاتھوں کے
پیالے میں بھر کے اس کی پیشانی چوم لی۔

”تو پھر آپ خود سوچیں ناں جب میں دینا نہیں
تو ویسی بات کیسے چپ کر کے سن لیتا.....“ المیر نے
بڑی ہوشیاری سے اپنا دفاع کیا۔

”ہاں میرا بیٹا تو بہت اچھا ہے..... غلطی اگر خود
کی نہ بھی ہو تو جب بھی بڑی اہلی ظرفی سے دوسروں
سے معافی مانگ لیتا ہے..... بہت بڑا دل ہے میرے
بیٹے کا.....“ مورے نے اسی کا انداز اپنا کر اسے
باتوں کے جال میں گھرا۔

”اب آیا ناں اونٹ پہاڑ کے نیچے.....“ شہرہ بے ساختہ

”پلیز بھائی کل کسی بھی صورت آپ کو معافی مانگتی
پڑے گی۔“ اسے غیر سنجیدہ دیکھ کر وہ سخت جھجھلائی۔

”کس سے معافی مانگتی ہے؟ کیا ہوا بچے..... کسی
کے ساتھ جھگڑا وگڑا تو نہیں کر لیا.....“ مورے نے
شہرہ کی بات سن کر دہلتے ہوئے تشویش سے پوچھا۔
”کچھ نہیں ہوا مورے بس اس کا ذرا دماغ
خراب ہو گیا ہے، ڈاکٹر کو دکھانا پڑے گا۔“ المیر بات کو
مذاق میں اڑانے لگا۔

”معالجے کی ضرورت مجھے نہیں، آپ کو ہے جو
راہ چلتوں سے الجھ پڑتے ہیں۔“ شہرہ نے کھستے
ہوئے جوانی حملہ کیا۔

”کوئی ام (ہم) کو بھی تو بتاؤ کیا ہوا؟“ مورے
الجھے کی بات سن کر مزید پریشان ہوئیں۔

”میں بتاتی ہوں آپ کو، آپ کے لاڈلے کے
کارنامے۔“ شام کی لہجے میں بولتی وہ جلدی سے ان کے
قریب ہوئی، المیر کی تنہی گھورتی نظروں سے بے نیاز.....
من و عن سارا واقعہ مکمل تفصیل کے ساتھ گوش گزار
کیا۔ اور بے چونمک مرج ڈالادہ علیحدہ.....

”المیر!“ مورے نے سخت متاسفانہ نظروں
سے اسے دیکھا۔

”ہم اپنا گاؤں اپنے رشتے، اپنے عزیزوں کو
چھوڑ کر اس غیر شناسا دیس میں اس لیے آنے کے تم
لوگوں کو اعلیٰ تعلیم دلوا سکیں تا کہ تم ایک اچھے شہری اور
کامیاب انسان بن سکو..... جو اپنی پچھلی نسلوں کی طرح
خود کو دوسروں سے برتر نہ سمجھے..... دوسروں کو حقیر نہ
جانے..... دوسروں کے لیے ہمدردی کا جذبہ رکھنے ان
کے احساسات کی پروا کرے پر اب مجھے لگتا ہے میرے
دیکھے ہوئے خواب بے تعبیر ہی رہیں گے۔ میری
دعا میں مقبول نہیں ہوں گی..... شاید بارگاہ الہی
میں میری تمام کوششیں راکھیں جا رہی ہیں، خون کی
سرخی میری تربیت کے رنگ پر غالب آ رہی ہے.....“
مورے کے لہجے میں دکھ و رنج کا نیکرال سمندر تھا۔ وہ
از خود دل گرفتہ و ملول نظر آ رہی تھیں۔

مصافحے کی اخلاقیات نبھانے کے بعد وہ بڑی بے تکلفی سے زیر انصاری سے مخاطب تھا۔

”فٹ فٹ..... تم ساڈ کہاں غائب رہتے ہو، آج کل.....؟“ ان دونوں کی بے تکلفی سے تعلق کی گہرائی کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔ المیر نے اس خوش شکل و خوش طبع نوجوان کے چہرے سے نگاہ ہٹا کر غیر دانستہ طور پر ایک اچاٹ سی نگاہ سامنے کچھ فاصلے پر رکے گلابی منظر پر ڈالی۔

”اچھا یار پھر ملتے ہیں..... ابھی کلاس کا ٹائم ہو رہا ہے۔“ حواد نے بھی گردن موڑ کر پیچھے منظر کھڑی غنٹی کو دیکھا اور ان سے مصافحہ کر کے ہٹا ہوا واپس غنٹی کے پاس گیا۔

”کون تھا یہ؟“ المیر نے زیر کی بہت استغما میہ نظروں سے دیکھا۔

”پہلے جہاں ہم رہائش پزیر تھے وہاں ہمارے پڑوسی تھے۔“ زیر نے جواب دیا۔

”اور ساتھ میں وہ لڑکی..... بہن ہے کیا.....“

لہہ بہ لہہ دوہرے گلابی منظر پر نظریں مرکوز کیے سرسری سے انداز میں پوچھا۔

”نہیں شاید کزن ہے بہن وہن تو کوئی نہیں.....“ زیر نے سرسری سے سوال کا جواب خاصا تفصیل دیا۔

”خبریت ہے ناں بھائی کہیں ہیرو کا دل ول تو اپنی جگہ سے نہیں پھسلا.....“ ایک اور دوست نے ہوشیاری سے اس کی بات پر گرفت کرتے ہوئے چھیڑا۔

”تیری تو ایسی کی.....“ المیر نے آگے بڑھ کر اس کی گردن دیوچی۔

یونیورسٹی میں دو مخالف پارٹیوں کے مابین چھڑ جانے والے فساد نے لمحوں میں تدریس گاہ کو میدان جنگ بنا دیا تھا۔ تعلیمی ادارہ علاقہ غیر کی طرح فائرنگ سے گونج رہا تھا۔ نسوانی چیخ و پکار مزید دل دہلا رہی تھیں۔ شیرہ کے اوسان خطا تھے۔ وہ ستون کے سہارے کھڑی تھی۔ اس بھگدڑ میں کتنے ہی لوگ اس

مسکرائی اور چڑائی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

”مام یو آر سو چیٹس.....“ المیر نے مورے کے مسکراتے ہوئے چہرے کی طرف بڑی بیچارگی سے دیکھتے ہوئے کہا اور سران کے گھٹنوں پر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

”بھائی آپ کو مورے کا حکم یاد ہے ناں.....“

سلور گرے کرو لاپونی کی پارکنگ میں رکی تو اترنے سے قبل شیرہ نے پھر سے یاد دہانی کروائی۔

”ہاں بی اماں، یاد ہے مجھے، مانگ لوں گا معافی ڈیپٹر صاحبہ سے۔“ وہ سخت عاجز آ جانے والی نظروں سے اسے دیکھ کر بولا۔

”اوکے ٹھیکس.....“ شیرہ ہلکی پھلکی ہو کر مسکرائی۔ المیر نے بھی ہولے سے مسکا کر اس کے سر پر ہلکی سی چپٹ لگائی اور گاڑی سے نیچے اتر..... وہ بھی نقاب سیٹ کر کے عبا یا سنبھالتی ہوئی اتری..... المیر کے دوستوں کو اس کی طرف آتا دیکھ کر وہ ساڈ سے ہوتی آگے بڑھی۔

وہ گاڑی لاک کیے وہیں کھڑا بڑی خوشدلی سے اتنے دنوں کی غیر حاضری پر دوستوں سے لعن طعن سن رہا تھا۔ دفعتاً قریب سے ایک بانیک گزری..... سبک ہوا سے اڑتا ہوا گلابی آچل اس کے چہرے سے ٹکرایا..... خوشبو کے معطر جھوٹے نے چند تاپے کے لیے حواس کو معطل کر دے باپے اختیار لا شعوری طور پر گردن موڑ کر گلابی لہراتے آچل کو دیکھنے لگا۔ بانیک ذرا سی آگے جا کر رکی..... دو نازک ہاتھوں نے ہوا کے دوش پر جھومتے آچل کو سمیٹا اور آگے پیٹھے تو انا کندھوں پر ہاتھ رکھ کر وہ نیچے اتری..... گندی چہرے کا آدھا رخ اس کی نگاہوں کی زد میں آیا جسے وہ لمحے کے ہزاروں حصے میں پہچان چکا تھا۔

ابھی حواد بھی بانیک سے اتر اور انہی کے گرد پ کے زیر انصاری کو گرم جوشی سے ہاتھ ہلا کر اشارہ کرتا ہوا ان کی طرف آیا۔

”کیسا ہے جان جگر.....“ قریب آ کر کبھی سے

پیچھے رہ جانے پر یہ ڈور، ٹوٹ نہ جائے، یہ ساتھ جو کچھ ساعتوں کا ہی سچا رُخراہ میں چھوٹ نہ جائے.....

☆☆☆

”شیرہ بچے دودھ پی لو.....“ مورے کمرے میں آئیں تو دودھ کا گلاس جوں کا توں دیکھ کر اسے دیکھنے لگیں۔

”پی لوں گی مورے.....“ وہ آہستہ سے بولی۔
”کیا ہوا شیرہ بچے زیادہ دردہور ہا ہے؟“ حنکھر سی مورے قریب آ کر اس کے بینڈج لگے پیر کو تشویش سے کھتی پوچھنے لگیں۔ جو یونی میں بچنے والی بچل میں لوگوں کے پیروں تلے چل کر کافی زخمی ہو گیا تھا۔

”ٹھیک ہے اب..... درد نہیں ہو رہا۔“ مورے کے ہاتھ لگانے سے پہلے ہی اس نے فوراً پیر سمیٹے۔
”دیکھنے تو دود زخم.....“ مورے نے حنکھی سے گھورا۔

”ڈاکٹر اکل دیکھ چکے ہیں..... دوا بھی لگا دی اور پٹی بھی باندھ دی ہے۔ اب پٹی کھولنے کی اجازت میں آپ کو ہرگز نہیں دوں گی۔“ وہ شرارتی نظروں سے انہیں دیکھتی رہاشت سے بولی۔

”اچھا ٹھیک ہے زیادہ باتیں مت کرو، دودھ پو اور سو جاؤ آرام سے.....“ مورے اسے تاکید کرتی انہیں اور پھر جیسے کچھ یاد آ جانے پر خشکیں۔

”اور ہاں جب تک المیر نہیں آجاتا تم یونی ورٹی نہیں جاؤ گی ویسے بھی وہ زیادہ دن ٹھہرنے والوں میں سے نہیں.....“

”ٹھیک ہے مورے جیسے آپ کو بہتر لگے.....“ وہ تابعداری سے گویا ہوئی۔

المیر زمینوں کی آمدنی کے حساب کتاب کے لیے چاچا جی کے بلاوے پر گاؤں گیا ہوا تھا اور جو کچھ آج یونی میں ہوا تھا اس کے بعد اس کا اپنا بھی المیر کے بغیر یونی جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

”اچھا تم آرام کرو اور دودھ یاد سے پی لیتا.....“ مورے اسے آرام کی تلقین کرتیں کمرے سے نکل گئیں..... دودھ کا گلاس اٹھاتے، اٹھاتے وہ اپنی

کے پیر کھل گئے تھے مگر المیر خان کی غیر موجودگی اور دہشت زدہ صورت حال نے گویا اس کی حیات کو مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔

”شیرہ کیا کر رہی ہو، چلو یہاں سے۔“ ناجیہ نے بت بنی کھڑی شیرہ کو بازو سے پکڑ کر کھینچا.....
حواس باختہ و بے حال سی ستون کے سہارے کھڑی شیرہ اس اچانک جھکے پر بری طرح لڑکھرائی تو کسی مہربان کے بازوؤں نے سہارا دے کر اس کو زمین یوں ہونے سے بچایا۔ وہ اپنی ناہموار سانسوں کو بحال کرتی سنبھل کے سیدھی ہوئی تو وہ مہرباں چہرہ دیکھ کر پتھرا سی گئی۔

”آر یو اوکے.....؟“ حماد اس کی متوحش آنکھیں دیکھ کر تشویش سے پوچھنے لگا۔ اس کی سیاہ مہری آنکھیں میلے میں اپنوں سے پچھڑ جانے والے بچے کی طرح خوف زدہ تھیں۔

ساری مفلوج حسیں بیدار ہونے لگیں، وحشت زدہ آنکھوں میں سمندر اتر آیا۔

”کہیں چوٹ لگی آپ کو۔“ اس کے آنسو حماد کو ڈسرب کرنے لگے وہ بے حد اضطراب سے پوچھنے لگا۔ صغف نازک کے آنسو اس کی کمزوری تھے۔ شیرہ انجانے میں اس کی تکلیف کا باعث بن رہی تھی۔ اس کے استفسار پر شیرہ نے نفی میں گردن ہلائی۔

مہربان لہجے نے دل میں موجزن سمندر میں طغیانی مچا دی تھی۔ بچتے آنسوؤں میں شدت آئی۔ تبھی ایک بڑا سا پتھر ان کے سروں سے گزرتا ہوا قدموں میں آن گرا..... مارے خوف کے ان تینوں (ناجیہ، شیرہ اور غوثی) کی پچھیں کھل گئیں۔

”یہاں پر ٹھہرنا ٹھیک نہیں چلو.....“ حماد نے ان تینوں سے کہا اور غلٹ میں اس کا ہاتھ پکڑ کے آگے بڑھا..... جانے وہ عمل دانستہ تھا یا غیر دانستہ، شعوری تھا یا لا شعوری، جان کر تھا یا انجانے میں..... پروہ لمس اسے ہر خوف ہر تکلیف بھلا گیا اور وہ گویا کسی چادو کی ڈور سے بندھی اس کے قدم سے قدم ملانے کی جستجو میں تھی ایک انجانا سا خوف دل میں کڈٹی مارے ہوئے تھا کہیں



ہم تھک کے تھوڑی دیر کو پیٹھے تھے چھاؤں میں
کیا کہیے بس کہ پڑ گئی زنجیر پاؤں میں

~~~~~

وقت بڑی عجیب پہیلی ہے نہ بوجھنے والی نہ سمجھ  
میں آنے والی..... گھر جو مہریاں ہو جائے تو رندگی کل و  
گزار کر دے، روٹھ جائے تو خاک بسر..... شیرہ پر بھی  
وقت جیسے مہریاں ہو چلا تھا..... حماد اور غنوی جو ایک  
دوچے کے لیے لازم تھے وہ گویا اب ان کے لیے طرزم  
بن گئی تھی وہ ایک دوسرے کی پرچھائیں تھے تو وہ جیسے  
ان کا سایہ.....

وہ بھی گویا مہریاں وقت کی نوازشوں سے بھر پور  
فیض اٹھا رہی تھی۔

آنے والے کل کے سوالیہ نشان کے اڑوے  
سے آنکھیں میچے خوفناک سرسراہٹوں سے کان بند کیے  
سب دوسرے بھی اندیشوں کے کسی نامعلوم گوشے میں  
مقفل کر کے ان لمحوں کو بھر پور طریقے سے برتنے میں  
کوشاں تھی۔ یہ مہربانوں کی عمر زیادہ طویل نہیں تھی۔  
جانتی تھی وہ بھر بھلا کیوں وہ اس گلیل سی مدت کو بے فیض  
جانے دیتی..... وہ ناشکری نہیں تھی۔ وہ تھوڑے میں بھی  
بہت سا خوش ہونے کا ہنر جانتی تھی اور وہ خوش تھی

وانیں کلائی کو تکتے مگی جس پر ان دیکھا لےس وہ اب بھی  
محسوس کر رہی تھی..... وہ لےس جس میں آرزوئیں نہیں  
تھیں، جذبات نہیں تھے..... خواہش بھی نہ چاہ صرف  
تحفظ تھا..... حفاظت بھی، فکر بھی، اپنائیت بھی۔ اس ایک  
لےس نے جیسے اسے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ چاہ کر  
بھی وہ فرار نہیں پار رہی تھی یا شاید اسے خود بھی اچھا لگ  
رہا تھا، اس ایک لےس میں قید ہو کر رہنا، اس لےس کے  
دائرے میں چکر کاٹنا..... جب دیوانگی کے عالم میں وہ  
اپنی کلائی کو تکتی اس تپتے لےس پر انگلی پھیر رہی تھی۔ پیار  
جب بھتوں کی حدود سے نکل کر عشق کی سرحدوں کو چھو  
جائے تو خردیوں ہی گہری کھائی میں جا پڑتی ہے۔

☆☆☆

اس ہنگامہ خیز روز کے بعد اگلے پورے ہفتے المیر  
کے نہ ہونے کے سبب وہ یونیورسٹی نہ جا سکی تھی پورے ہفتے  
بعد اسے دیکھ کر غنوی دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوئی۔  
”لگتا ہے اس روز تم کچھ زیادہ ہی ڈر گئی تھیں۔“  
غنوی کی بات پر وہ ہولے سے مسکائی۔

”ایسی بات نہیں، دراصل بھائی گاؤں گئے  
ہوئے تھے اور مجھے عادت نہیں تھا آنے جانے کی سو  
اسی لیے یونی بھی نہ آسکی.....“ اس نے دھیرے سے  
نہ آنے کی وجہ بتائی..... المیر کے ذکر پر غنوی کے  
خوشگوار تاثرات تن سے گئے۔

”آپ کے حیر کا دھم کیسا ہے، ٹھیک ہوا  
کچھ.....؟“ حماد کے دریافت کرنے پر شیرہ بے ساختہ  
چوٹ کر پہلے اسے اور پھر اپنے پاؤں کی طرف دیکھنے  
لگی جس کے ٹوٹے ہوئے ناخن، انگوٹھے کا سرا اب بھی  
نیلا ہو رہا تھا۔ گوزم بھر گیا تھا مگر نشان باقی تھا۔

”بہتر ہے اب.....“ نظریں پینچی کر کے آہستگی  
سے جواب دیا اور پھر سے اپنے حیر پہ نمایاں دھم کے  
نشان کو دیکھنے لگی جسے وہ خود بھول بھال تھی مگر لیکن اسے  
یاد تھا۔ یہ احساس عجیب سے احساسات سے دو چار  
کرنے لگا تھا۔

☆☆☆



بھینچے پر بھی سے اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔ سگری  
بھوؤں کے درمیان پڑنے والے تل اس کی شدید  
ناگواری کا مظہر تھے۔

الحیر چند ساعت کٹھا رہا لیکن اسے اپنی لوازش قبول  
کرنے پر بالکل نہ پا کر پریشان حالی کی کڑی شہیرہ کو کتاب  
تھما کر بے تاثر چہرہ لیے بے نیاز ساداہن اپنی نشست پہ جا  
بیٹھا اور سامنے رکھی کتاب کھول کر اس پر جھک گیا۔

☆☆☆

”تم نے بھائی کو معاف نہیں کیا ابھی تک.....؟“  
اگلے روز وہ موقع پا کر اس سے پوچھنے لگی۔ کل لائبریری  
سے واپس پر تاجیہ بھی ان کے ہمراہ تھی اور اس کی  
موجودگی میں اسے بات چیت پر نامناسب نہیں لگ رہا تھا۔

”نہیں.....“ جواب لگی لپٹی رکھے بنادیا گیا۔  
شہیرہ اس کے قلیطیت بھرے انداز پر چپکی سی ہو گئی۔

”میں ایسے لوگوں کے ساتھ رعایت برتنے کی  
قائل نہیں..... جو اپنی غلطیوں پر بجائے پشیمان ہونے  
کے اکڑ دکھاتے ہیں۔“ شہیرہ کی خاموشی محسوس کر کے  
وہ مزید گویا ہوئی تھی لیجواب کی بار قدرے نرم مگر انداز  
میں بے مروتی تھی۔

”کیوں، انہوں نے تم سے معذرت نہیں کی؟“  
اس کے جملے پر وہ خاصا چوکی بھی اس کے سوال میں  
حیرت نمایاں ہو گئی۔

”تمہارے علاقے کے مرد بھی اپنی غلطی کا  
اعتراف کرتے ہیں؟“ اس نے زور سے ہتے ہوتے  
طنز یہ لہجہ میں پوچھا۔

”لیکن میرا بھائی ایسا نہیں..... شہیرہ کو اس کا  
انداز برا لگا۔

”ہوسکتا ہے۔“ غنوی نے بے پروائی سے  
کندھے اچکائے تھے۔

☆☆☆

”مورے کچھ جلنے کی بو نہیں آ رہی.....“ الحیر  
صوفے پر بیٹھی مورے کے قدموں میں بیٹھان سے  
اپنے سر کی بالش کر دیا تھا قریب ہی شہیرہ پھولے ہوئے

بلہناہ خوش..... اور ان مہربان لمحوں سے خوشیاں کشید  
کر رہی تھی۔ شہیرہ گل نے ہ تو اس ایک لمحے میں پوری  
زندگی جی لی تھی جب حصاد نے اسے گل کہہ کر پکارا تھا۔

”بھئی اتنا سبنا نام ہے تمہارا شہیرہ..... گل نام  
لیتے، لیتے ہی بندے کا فرفری نام نکل جاتا ہے۔ میں تو  
تمہیں گل ہی کہوں گا..... تمہیں کوئی اعتراض تو  
نہیں؟“ اپنی بات پوری کر کے آخر میں استفہامیہ  
نظروں سے اس کی سمت دیکھا۔

”ن..... نہیں.....“ اس نے لمحے سے بھی پہلے  
فورا سرفی میں زور سے ہلایا کہ کہیں تاخیر کی صورت میں  
وہ اپنا ارادہ نہ بدل دے۔

”ٹھیک ہے آج سے میرے لیے تم صرف گل ہو.....“  
اس کا لہجہ سادہ تھا..... مگر اس کا یہ سادہ سالیجہ  
شہیرہ کی دھڑکنوں کو کسی خاص لے پر دھڑکا گیا تھا۔ سیاہ  
چاس نے جذبوں کا پردہ رکھ لیا اور نہ گھایاں سیٹھا چہرہ تو  
گویا مٹکی کتاب بن گیا تھا جس کے ورق، ورق پر لفظ  
محبت رقم تھا۔

☆☆☆

غنوی کو کچھ کتابیں درکار تھیں سو اس کے اصرار پر  
وہ اور تاجیہ اس کے ہمراہ..... لائبریری کی سمت چلیں وہاں  
الحیر پہلے سے موجود تھا۔ اپنے نزدیک ان کے قدموں  
کی آہٹ سن کر لچک بھر کے لیے سراٹھا کر اچاٹ سی نگاہ  
ان پر ڈالی پھر دوبارہ کتاب پر جھک گیا۔

”رکو غنوی بھائی نکالی دیں گے بک.....“ اسے  
التاری کے آخری سرے پر مٹی کتاب کو لینے کی کوشش  
میں ایڑیوں کے تل اچکتے دیکھ کر وہ بولی جسے غنوی نے  
صاف طوسہ ان سنا کر کے اپنی سسی جاری رکھی۔

الحیر بھی کتاب سے سراٹھا کر چند ثانیے اس کی  
سکنت ملاحظہ کرتا رہا اور پھر بالآخر اسے اپنی سسی میں  
ناکام جھنجھایا، اکتایا اور وہ نا ساد دیکھ کر اٹھا، پتا اسے مخاطب  
کیے اس کے عقب میں کھڑے ہو کر ہاتھ بڑھا کر بڑے  
آرام سے وہ بک نکال کر اس کی طرف بڑھادی۔

جسے لینے اور شکر گزار ہونے کے بجائے وہ لب



”بھرے مجمع میں کسی کے کردار پر انگلی اٹھانا آپ کی نظر میں زیادتی نہیں.....؟“ شیرہ کے لہجے میں بے پناہ رنج تھا۔ صبح یونی میں غنولی کے سامنے بھائی کی حمایت میں بولے جانے والے الفاظ گویا اس کا منہ چڑا رہے تھے۔

”میں نے کسی کے کردار کو نشانہ نہیں بنایا صرف اس بے سرو پا و منتہی تانہ تقریر پر سوال اٹھایا تھا بس.....“ المیر نے بس کہہ کر گویا بات ہی ختم کر دی۔

”ہاں اور ایک بات تمہاری عزیز جان سہیلی کی جو مجھے مسلسل پریشان بلکہ حیران کر رہی ہے کہ مردوں کے خلاف دل میں اس قدر کڑواہٹ اور کدورت پالنے کے باوجود محترمہ ہمہ وقت اپنے کزن کے ہمراہ پائی جاتی ہیں۔ قول و فعل میں اتنا کھلا تضاد ہاؤ اسٹریج“ اس کے لہجے میں طنز کی چمک تھی۔ شیرہ کی آنکھوں میں دکھ و ملال کے کتنے گہرے رنگ اترے تھے اس پل.....

”وہ محل کزنز ہی نہیں ہیں..... نکاح ہو چکا ہے دونوں کا.....“ شیرہ نے بیگنی آنکھوں کے ساتھ ٹوٹتے لہجے میں کہا تھا۔

”نکاح.....“ المیر نے حیرت کے عالم میں.... بے آواز دہرایا۔

☆☆☆

وہ بہت خوشگوار موڈ میں سینی پر شوخ سی دھن بجاتے ہوئے سنگٹھل کھلنے کے انتظار میں تھا کہ بلا ارادہ اُدھر اُدھر دیکھنے لگا اطراف کا جائزہ لیتی نگاہیں محاکسی منظر پر ساکن ہوئیں۔

وہ گلابی سامنظر..... گلابی دوپٹے سے ہمیشہ کی طرح ڈھکا ہوا سر..... جس کا گلابی ٹکس سلج چہرے پر پڑنے سے گندمی رنگ گویا دھبہ رہا تھا وہ جیسے ہر شے سے غافل فٹ ہاتھ برہنجوں کے بل بیٹھی سامنے رکے منجرے میں قید رنگ برنگی برہندوں کو اشتیاق سے دیکھ رہی تھی۔

گازی میں بچا بیوزک شور و غل پر چڑھ کر گویا پس منظر میں چلی گئی۔ ساری کائنات غم سی گئی جیسے وہ ہر

منہ کے ساتھ بیٹھی تھی۔ وہ کن آنکھوں سے اس کے چپے منہ کی طرف دیکھتے ہوئے مورے سے کہنے لگا۔

”اچھا نہیں چولھا کھلاتو نہیں رہ گیا۔“ وہ سینئر ٹیبل پر دھرے ٹیوبا کس میں سے ٹشو نکال کر ہاتھ صاف کر کے گھٹنوں پر باؤ ڈال کر اٹھنے کی کرنے لگیں۔

”نہیں مورے، جو میرے دائیں جانب سے آ رہی ہے بلکہ دھواں بھی اٹھ رہا ہے.....“ وہ ہنس کر چراتی ہوئی نظروں سے شیرہ کی طرف دیکھنے لگا۔

”بات مت کریں مجھ سے آپ.....“ شیرہ نے بگڑے توروں کے ساتھ المیر کو گھورا..... آنکھوں میں بے پناہ کھلی جھلک رہی تھی۔

”شیرہ..... ایسے بات کرتے ہیں بدوں سے۔“ مورے نے تادیبی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے سرزنش کی۔

”چھوٹے ہر اچھی بُری بات بدوں سے ہی کیجئے ہیں جب بڑے اپنے بزرگوں کی حکم عدولی کے مرتکب ہو سکتے ہیں تو پھر میری یہ خطا تو اس گستاخی کے آگے کچھ بھی نہیں.....“

اس کا لہجہ شدید خشکی اور برہمی لیے ہوئے تھا۔

”کس گستاخی کے جرم میں خاکسار کو کٹہرے میں کھڑا کیا جا رہا ہے کچھ وضاحت فرمائیں گی آپ؟“ وہ ہاتھوں سے بال سنوارتا ہوا ہلکے پھلکے لہجے میں دریافت کرنے لگا۔

مورے بھی سنجیدہ سی شیرہ کی طرف متوجہ تھیں، المیر کے استفسار پر وہ ایک غفا سی نگاہ اس پر ڈال کر مورے کی سمت دیکھتی شاکی انداز میں کہنے لگی۔

”آپ کے لاڈلے نے ابھی تک میری فریڈ سے معافی نہیں مانگی..... ان کی ہی بدسلوکی کی وجہ سے مجھے ان سب کے سامنے کتنی شکی اٹھانی پڑی ہے، ذرا جو انہیں پروا ہو.....“ آخر میں گلہ آمیز نظر المیر پر ڈالی جس کا چہرہ یک دم سپاٹ ہو گیا تھا۔

”معافی طلبی وہاں کی جاتی ہے جہاں منیر پر زیادتی کا بوجھ ہو، الحمد للہ میرے دل و ضمیر پر کوئی بوجھ نہیں۔“ اس کا لہجہ بھی چہرے کے مانند بالکل سپاٹ تھا۔



کرنے لگی۔ وہ جیسے ان ہواؤں کے شور میں دل کی آواز دبا دینا چاہتا تھا۔  
”نکاح.....!“ سینے کے بائیں حصے سے اندر کہیں بے نام سادہ دانش لگا۔

☆☆☆

صبح یونی جاتے وقت راستے میں اسے یوٹرن لیتا دیکھ کر شیرہ خمیر ہوئی۔

”ڈونٹ دری ٹائم سے پہنچ جائیں گے یونی۔“ اسے کچھ کہنے کے لیے لب واکر سے دیکھ کر وہ نرمی سے گویا ہوا۔ انداز گویا، گھویسا سنجیدگی کے لیے ہوئے تھا۔ شب بھر کی جاگی سرخ آنکھوں میں اضطراب ہلکورے لے رہا تھا۔ گاڑی کی رفتار ڈرا آگے جا کر دیمی ہو گئی تھی اور اس کی مضطرب نظریں بے قراری کے عالم میں کھڑکی سے باہر دیکھی گویا کسی کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ گاڑی فٹ پاتھ کے کنارے جیسے رینگ رہی تھی۔

شیرہ الجھن بھری نظروں سے اس کی سمت دیکھنے لگی۔

یگانہ ایک اس کی مضطرب آنکھوں میں سکون سا اترا۔ رینگ کر چلتی گاڑی رکی، طمانیت سے سرخ ڈوروں والی آنکھیں بند کر کے کھولیں اور گہری آسودہ سانس پھینچی گویا تلاش مکمل ہو گئی ہو، اپنی طرف کا ڈور کھول کر وہ نیچے اترا اور کچھ لمحوں بعد شیرہ کی الجھن زدہ آنکھوں نے بے حد اٹو کھا منظر دیکھا تھا۔

دائیں ہاتھ میں پنجرہ اٹھائے، وہ اس میں قید کبھی پرندوں کو آزاد کر رہا تھا۔ اپنی رہائی کی شادمانی میں پرندے چھپھپھاتے ہوئے پھڑ پھڑا کر اڑنے لگے، چند لمحوں بعد پنجرہ ہانکل کسی خالی جیل کے مانند دکھائی دے رہا تھا اور وہ منہ اوپر کی طرف کیے آسمان کی وسعتوں میں پرواز کرتے پرندوں کو دیکھ رہا تھا، چہرے پر گہرا سکون تھا کچھ دیر قبل والا اضطراب یوں غائب تھا گویا ریت پر کھینچی لکیروں پر کسی نے پانی ڈال دیا ہو یا پھر سمندر کی لہروں نے آکر سب نشان مٹا دیے ہوں۔

شے سے بیگانہ ہو کر اسے دیکھے جا رہا تھا۔ جس کی بے نیازی بھی منطقی کشش رکھتی تھی۔ وہ جیسے گرد و پیش سے لاطعلی پرندوں میں گمن تھی۔ جب وہ اپنی انگلی پنجرے کی سلاخوں سے اندر کرتی تو پرندوں کی پھر پھر اہٹ سے اس کے لبوں کی دھیمی سی مسکان گہری ہونے لگتی پھر اچانک وہ گردن موڑ کر منہ اونچا کر کے کسی سے کچھ کہنے لگی۔

المیر نے اس کی توجہ کے مرکز کو دیکھا اور جیسے گلابی منظر کے سارے رنگ طوفانی ہواؤں نے اڑا کر رکھ دیے، ایک دم ویرانہ سا چھا گیا تھا۔ ڈارک گریے چیک وار شرٹ میں ملبوس وہ اس کا ہاتھ پکڑے اٹھانے کی کوشش کی کوشش کرنے لگا۔ چہرے کے تاثرات سے جھنجھلاہٹ تھرخ شص۔ وہ شص سی سرخندی انداز میں مسلسل انگار میں ہلا رہی تھی۔

حماد کے چہرے کی جھنجھلاہٹ میں پھار مگی نمایاں ہونے لگی، پینٹ کے پاکٹ سے والٹ نکال کر اسے تھمایا جسے اس نے بچوں کے سے انداز میں چبکتے ہوئے جھپٹا اور پھر اس والٹ سے پیسے نکال کر پنجرے کے پاس ٹیلی سی چادر پھچھائے بیٹھے سیاہ مائل شخص کو تھمائے جس کے عوض اس شخص نے چار خوب صورت آسٹر لین طوطے پنجرے سے نکال کر اسے دیے۔

جیسے کچھ دیر بڑی نرمی سے اپنے ہونٹوں اور گالوں سے مس کرنے کے بعد ایک، ایک کر کے ہوا میں اڑا دیے، کھلے آسمان میں انہیں پرواز کرتے دیکھ کر اس کے چہرے کی معصومانہ خوشی اور آنکھوں کی جھلجھلاہٹ نظروں کو خیرہ کرنے لگی۔

کئی راہ چلتوں نے رک کر تعجب سے اسے دیکھا جو ارد گرد سے غافل اپنی خوشی میں چپک رہی تھی۔

پچھلے سے سنائی دیتے بارن اور دوستوں کی بیک وقت پکار پر وہ چونکا، آنکھیں کچھ اس طرح کھولی ہوئی تھیں جیسے اچانک گہری نیند سے بیدار ہوا ہو سر جھٹک کر ایسی سیرسٹری پر دھاؤں والا گاڑی ہواؤں سے باتیں



آنکھوں کو دیکھتے ہوئے چند ٹاپے بعد آنکھوں کو بند کر کے زور سے پچھتے ہوئے کھولا۔

گلابی پن مزید گہرا ہوا، گلیے چہرے پر چمکی لٹوں کو کان کے پیچھے اڑس کر واش روم سے نکلتے ہوئے الماری کی سمت بڑھی اور بیگر سے لٹکا استری شدہ سوٹ نکالا۔

فیصلہ ہو چکا تھا اگر عمر بھر کے خسارے کا سودا، کچھ لمحوں کے عوض ہو چکا تھا تو وہ ان مختصر سے گئے چنے لمحوں میں ایک اور ہل کا اضافہ کر دینا چاہتی تھی۔ آج آخری بار وہ اس دل کا کہا مان لیتا چاہتی تھی بس آخری بار.....

کیونکہ صرف آج کا دن ہی تو اس کا تھا، مکمل اس کا جسے وہ اپنی مرضی سے جینے کا اختیار رکھتی تھی، آج کی تاریخ کے بدلے ہی یہ حق بھی اس سے جھٹنے والا تھا اور وہ جانتی تھی فرائض کی ادائیگی میں اس دل کی حیثیت گوشت کے ٹکڑے سے زیادہ نہیں رہے گی۔

آج وہ اس دل کی ہر ترنا پوری کر دینا چاہتی تھی جیسے کسی مجرم کو سولی چڑھانے سے پہلے اس کی ہر خواہش پوری کی جاتی ہے، یہ دل بھی تو نارساں محبت کا مرکب ہوا تھا سوسز تو واجب ٹھہری تھی۔

☆☆☆

”تم کہیں شادی میں ممتی تھیں؟“ غنوی اس کے موی ہاتھوں پر رچی مہندی کو تو ممتی لگا ہوں سے دیکھتے پوچھنے لگی۔

شیرہ نے سونی، سونی نظروں سے اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھا جس پر سیاہ مائل سرخ گل بوٹوں کی بہار دکھائی دے رہی تھی۔

”نہیں..... میرا نکاح آج ہے۔“ اس کی آواز کسی گہرے کنویں سے آتی سنا دی۔

اپنے فون میں ٹائپنگ کرتے حماد کا متحرک ہاتھ ساکن ہوا۔

”یوں ایک دم اچانک کیسے؟“ غنوی بھی اپنی جگہ متحیر تھی۔ دودن پہلے تک تو ایسا کوئی سلسلہ نہیں تھا۔

”دادا جی کو ڈاکٹرز نے گردوں کے ناکارہ ہونے کی وجہ سے ڈائلیسز کا کہا ہے اور ان کی خواہش

☆☆☆

محبت ہو بھی جائے تو

میرا یہ بخت ایسا ہے

جہاں پر ہاتھ میں رکھ دوں

وہاں پر درد بڑھ جائے

محبت سرد پڑ جائے

رات کا آخری پہرا اختتام کی جانب گامزن تھا۔ شب کی سیاہی ڈھلنے کو تھی، صبح کی کرن نمودار ہونے کو بے تاب تھی اور وہ نیم اندھیرے کمرے میں سرد مین پر جت کٹٹی خالی، خالی نظروں سے اپنی مہندی رچی ہتھیلیوں کو دیکھ رہی تھی، ویران و شکستہ چہرے پر سوکھی لکیروں کی صورت اشکوں کے نشان ہاتی تھے۔ یہ بات تو ازل سے طے شدہ تھی کہ خانوادہ یوں کے مقدر ان کی تنہاؤں کے برعکس تحریر ہوتے ہیں، یہ بھی علم میں تھا کہ حماد وقار، غنہ آفاق کا ہے اور غنوی قاف، حماد وقار کے لیے بنی ہے۔ یہ بھی معلوم تھا دل کی گھری اجڑنے کا سارا خسارہ اسی کے حصے میں آئے گا۔ بھر بھی پتا نہیں یہ دل کیونکر اتنا سرکش ہوا اس بل..... وہ خود کیوں اتنی بے اختیار ہو گئی کہ چند لمحوں کی خوشی کے عوض زندگی بھر کے لیے دکھ اپنے دامن میں بھر لیے.....

آہ کاش..... محبت اتنی اندھی نہ ہوتی، جذبے اتنے زور آور نہ ہوتے یا پھر دل اتنا بے اختیار نہ ہوتا بہت سے کاش آہ کی صورت اس کے لرزتے لبوں سے نکل رہے تھے، انسو سوکھی لکیروں پر راستہ بناتے بیٹے جا رہے تھے اور وہ یوں کرب سے سر تکیے پر بیٹھ رہی تھی جیسے روح جسم سے پہنچی جا رہی ہو۔

☆☆☆

دیوار گیر گھڑی کے سات بجتے کے اعلان پر وہ سلمندی سے اٹھی۔ روم ریفریجریٹر سے بچ پانی کی بوتل نکال کر واش روم میں گئی مین پر جھک کر رخ پانی کے چھینٹے جلتی ہوئی آنکھوں پر مارنے لگی، دو بوتل خالی ہونے تک سو جن قدرے کم ہو گئی تھی البتہ گلابی پن ہنوز برقرار تھا۔ دیوار میں نسب آئینے میں اپنی سوز زدہ



بے قراری کو دیکھتی رہی اپنی ذات اسے پس منظر میں جاتی محسوس ہوئی۔

”انجیکشن کیا ہے اس کی.....؟“ حماد اس کے خود پر چڑھائے مصنوعی خول میں دراڑ کھونچنے لگا۔

”انڈر میٹرک.....“ جواب جس قدر اطمینان سے دیا گیا، وہ اس قدر ہی مضطرب ہوا، چند ٹاپے تو وہ گویا کچھ کہنے لائق ہی نہیں رہا تھا۔

غصہ کو شمیرہ کے جواب سے زیادہ حماد کے رویے میں نے سن کیا تھا۔

”تم کیسے کسی ایسے شخص کے ساتھ رہ سکو گی؟“ کچھ لمحوں بعد وہ کچھ کہنے لائق ہوا تو بے قراری سے گویا ہوا بے مشکل خود کو جا مل کہنے سے روکا۔

”مجھے ڈکریوں کا کیا کرتا ہے۔“ وہ اس کے جملے میں موجود معنی سمجھ کر طمانیت سے پوچھنے لگی۔ نظریں بے حد پرسکون تھیں یا پھر پرسکوت.....

”وہ کبھی سمجھ نہیں سکے گا تمہیں.....“ حماد کے لہجے میں محسوس کیے جانے والا دکھ اور بے بسی تھی۔

”محبت ہو تو سمجھنے سمجھانے کے مراحل خود بخود آسان ہو جاتے ہیں۔“ وہ لفظ محبت پر زور دے کر بولی۔

”تمہارا مطلب ہے تمہیں اس سے محبت ہے۔“ حماد کے لہجے میں ہی نہیں آنکھوں میں بھی بے یقینی کے رنگ چھلکنے لگے تھے۔

”obviously“ بچپن کا ساتھ ہے ہمارا.....“

اس نے بے حد صفائی سے اپنی زندگی کا سب سے بڑا جھوٹ بولا..... اندر ہوک سی اٹھی تھی۔ حماد کی آنکھیں ہنوز بے یقین تھیں۔ اس نے بے ساختہ نظریں چراتے ہوئے دم بخود بیٹھی غصہ کی طرف دیکھا۔

”ہنا ہے بچپن میں جب گرمیوں میں کچی کیر یوں کا موسم آتا تو اذلان (مکیتیر) میرے لیے تھیلے بھر، بھر کے کیریاں توڑ کر لاتا..... مگر چونکہ مجھے خود درخت پر

چڑھنے کا شوق تھا تو میں اس سے اوپر چڑھنے کی ضد کرتی اور میری ضد کے آگے اسے مانتے ہی بنتی، وہ مجھے اپنے کندھے پر اٹھا کر اوپر چڑھا تا، ایک دفعہ

ہے کہ اس سے پہلے میرے فرض سے سبکدوش ہو جائیں..... ابو حیات نہیں اور المیر بھائی اتنے سمجھدار نہیں جو میری ذمے داری خوش اسلوبی سے نبھائیں.....“ اس نے کسی ریکارڈ شدہ ٹیپ کی طرح دادا جی کے کہے جملے دہرائے لہجے کسی بھی قسم کے احساس سے عاری تھا۔

حماد ٹھنک کر اس کی سمت دیکھنے لگا، نقاب سے چھپائی دو گہری سیاہ آنکھیں جو کسی شفاف آئینوں جیسی تھیں جس میں دل کے ہر احساس، ہر جذبے کا رنگ بڑا واضح دکھائی دیتا تھا۔ آج اس پر پلکوں کی چلن گری ہوئی تھی۔ حماد کے اندر بے نام سے اضطراب نے کروٹ لی۔

”اچھا غصتی تو تمہارا ماسٹر کیلیٹ ہونے کے بعد ہوگی ناں.....“ غصہ کی پوچھنے لگی۔

”نہیں..... اسی جیتے ہے۔“ بے تاثر سا لہجہ تھا..... حماد کے اندر کروٹ لیتا اضطراب مزید سوا ہونے لگا۔

”اتنی بھی جلدی کیا ہے، اپنا ماسٹر تو کیلیٹ کر لو تین منٹ ہی تو رہ گئے ہیں ایگزامز میں.....“ وہ بے چینی سے گویا ہوا اپنی کیفیت وہ خود بھی سمجھنے سے قاصر تھا۔

”دادا جی کی خواہش میرے لیے ہر شے پر مقدم ہے۔“ اس کا سپاٹ لہجہ لفظوں کا ساتھ دینے میں ناکام تھا۔ وہ بے چین ہوا اٹھا۔

”تم خوش ہو.....؟“ اس کے عارض پر لرزتی پلکوں کے پیچھے چھپی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کرتے ہوئے بے قراری سے پوچھا۔

لکھ بھر کے لیے اس نے نظریں اٹھائیں اور اگلے ہی لمحے پھر سے جھانکیں اس کی گہری آنکھوں کا سونا پین اس کے اندر سناٹا سا اتار گیا۔ جانے وقت کب آئیں اتنے قریب لے آیا تھا جس کا اور اک پاس آتی... دوریوں کے سمے ہو رہا تھا۔

”بالکل یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے۔“ شمیرہ کا سپاٹ لہجہ یک دم بلاش ہوا تھا جو حماد کو سراسر معنوی لگا۔

غصہ کی فکر حماد کے چہرے پر نظر آئی فکر مند و



”کیا لاؤں تمہارے لیے..... کیا پسند ہے تمہیں، کیا تمہے لوگ شادی کا.....؟“ اس کی گرتی اٹھتی پکوں کو سکتے ہوئے پوچھنے لگا۔ گویا ابھی ضبط کا مزید امتحان لینا مقصود تھا۔

شمیرہ کے اندر دکھ کا غبار بھرنے لگا اور کیلے دھوس کے گولے اس کا دم کھوٹنے لگے۔ اس نے..... بے پناہ شامی نظروں سے اس ستم گر کو دیکھا جو اس کا بھرم توڑنے پر مصر تھا۔

لیکن اس کی گلہ آمیز آنکھوں میں اگلے ہی پل بے پناہ کرب اتر..... حماد وقار کی آنکھوں میں کھوج تھی نہ کرید بس ایک غیر مانوس سا احساس تھا جیسے کوئی بے حد اپنا پھڑپھڑتے وقت آنکھوں میں اتر آتا ہے، جدائی کے جاں مسل لمحوں والا احساس اس کی آنکھوں سے عیاں تھا۔

”کہو کیا دوں تمہیں.....؟“ ان سیاہ گہری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے دوبارہ پوچھا گیا۔  
”کیا دے سکتے ہیں مجھے آپ؟“ سوال کے بدلے سوال ہوا بڑا مفتی خراساں میں کی راز پنہاں تھے۔  
”جو بھی مانگو.....“ جدائی کی تڑپ نے بہت سے ان کہے جذبے آشکار کر دیے۔

نقاب کے پیچھے خشک ہونٹ پھیکے پن سے مسکرائے، اس نیم مردہ سی مسکراہٹ کا عکس اس کی اداس آنکھوں میں ابھرا پھر ان سیاہ اداس آنکھوں نے پیچھے کم صم کھڑی غنوی کو دیکھا۔ افسردہ سی مسکراہٹ کا عکس کچھ گہرا ہوا۔

”ابھی نہیں وقت آنے پر مانگوں گی، وعدہ ہے میرا.....“ ان دونوں نفوس کو کم صم چھوڑ کر وہ آگے بڑھی اور لمحہ بہ لمحہ دور ہوتی چلی گئی۔ پیچھے رہ جانے والے دونوں نفوس جیسے پتھر کے ہو گئے تھے۔

☆☆☆

شمیرہ گل..... واقعی گل کے مانند ہی تھی جس کے جانے سے سبھی منظر پھیکے پڑ گئے تھے جو ان کی مکمل زندگی میں مختصری مدت کے لیے آکر کبھی نہ پڑ ہونے

میں درخت سے گر گئی تھی جس کے نتیجے میں میرا سر پھٹ گیا تھا اور میری وجہ سے پیپارے کو چاچو، چچی کے ہاتھوں بڑی مار پڑی تھی۔“ وہ پھینک کر یادوں کو دھراتی اتنا ہنسی کہ ہنسنے ہنسنے اس کی آنکھیں رو پڑیں۔  
حماد ترحم آمیز نظروں سے اس کی پھٹتی آنکھوں کو دیکھتا رہا۔

لمح سازی کی قلبی رفتہ، رفتہ اتر رہی تھی اصل رنگ کے آشکار ہونے کے خوف سے وہ یک دم انہمی۔  
”اچھا اب میں چلتی ہوں، ہمارے سب ریلیٹو آرہے ہیں گاؤں سے، مورے کی تاکید بھی جلدی آنے کی..... اور ہاں.....“ وہ جیسے کچھ یاد آ جانے پر جاتے، جاتے رہی۔“ شام کو میرے نکاح میں ضرور آنا میں انتظار کروں گی۔“ وہ حماد کو صاف طور پر نظر انداز کیے غنوی کی طرف دیکھتے ہوئے غلت میں کہہ رہی تھی۔  
وہ جلد از جلد وہاں سے چلے جانا چاہ رہی تھی۔ حماد کی گہری نظریں اسے اپنا بھرم توڑتی ہوئی لگ رہی تھیں۔  
”چلتی ہوں خدا حافظ.....“ حماد کی جانب دیکھنے سے اجتناب کرتی وہ سر جھکا کر پلٹی۔ دل گویا کسی نے بڑی بے رحمی سے مٹھی میں مسلا تھا۔ مارے تکلیف کے آنکھیں پُر نم ہونے لگیں۔

”رکو!“ ابھی وہ یہ مشکل دو قدم ہی چل پائی تھی جب عقب سے صدا ابھری۔ قدموں کے ساتھ، ساتھ دھڑکنیں بھی تھمی تھیں، ہوائیں ساکن..... اور کائنات کا نظام جیسے ایک پل کے لیے ٹھہر سا گیا حتیٰ کہ وہ سانس لینا بھی بھول گئی، ہر شے ساکن ہوئی تھی۔

بس ایک دل میں موجزن سمندر میں طغیانی مچی تھی..... یہ بے اختیاری کا عالم بس ایک لمحے کے لیے تھا اگلے ہی پل سب کچھ معمول پر تھا..... ہوائیں دھڑکنیں اور سانسیں سبھی رواں تھیں اس نے زور سے آنکھیں میچ کر اس نمکین پانی کو اندر دھکیلا، بے حد مضبوطی سے پلٹی اس ایک لمحے میں وہ ایک قدم آگے آچکا تھا اور اس کے ساتھ کھڑی غنوی پیچھے رہ گئی تھی۔  
منجانب، تنہا و دم بخود سی.....



نیچے گہرے حلقے کئی رت جکوں کا غماز تھے۔ یہ عمارت اس کے لیے نا آشنا نہیں تھی، اس کی اینٹ، اینٹ ڈرے، ڈرے سے اس کی میٹ بھایا دیں وابستہ تھیں۔ اس عمارت کا ہر منظر اس کی وحشت میں اضافہ کر رہا تھا مگر تمام تر بے قراری کے باوجود اس کے قدم بے اختیاری سے آگے بڑھ رہے تھے، اس کا ہاتھ ہر اس دیوار کو چھو رہا تھا جہاں غولہ آفاق کالس موجود تھا۔ جہاں، جہاں وہ اسے دکھائی دیا کرتی تھی، جہاں، جہاں وہ اسے دیکھا کرتا تھا جہاں، جہاں وہ اسے دیکھ کر منہ موڑ لیا کرتی تھی ہر اس جگہ کے اس نے ان گنت چکر کاٹے متعدد بار چھوئے وہاں سے گزرتے لوگ ٹھک کر حیران و تبہم نظروں سے اس کی حرکات و سکنات ملاحظہ کرتے اور مسکرا کر چل دیے۔ اسے جیسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا یوں ہی تو محبت کو اندھے پن سے تعبیر نہیں کیا جاتا۔ محبت بصارتوں سے محروم کر دیتی ہے اور عشق خرد سے بیگانہ.....

المر خان کی محبت عشق کی معراج کو چھونے لگی تھی۔ بینائی چمن بکلی تھی۔ ہوش لٹنے لگتا تھا..... اور تاریخ کے باب میں ایک اور ادھوری محبت کا فسانہ رقم ہونے والا تھا۔

☆☆☆

سر دموم کی دھند نے ہر شے پہ مہین سے چادر تان رکھی تھی جس کے پار سبھی مناظر غیر واضح اور دھندلے، دھندلے دکھائی دے رہے تھے۔

وہ سینے پر بازو باندھے دھند کے پار ڈوبتے ہوئے سورج کی تاریخی شعاعوں کو دیکھ رہا تھا جو دھند کے باعث ملکی، ملکی سی نظر آرہی تھیں..... وہ شکایت قدموں سے چلتی اس سے دو قدم کے فاصلے پر آن رکھی تھی۔

”کیا سوچ رہے ہو؟“ اس کی آمد سے بے خبر حماد جیسے بری طرح چونکا تھا سینے پر بندھے ہاتھ کھول کر اس کی جانب پلٹا۔

”سوچ نہیں رہا..... دوامن ڈی کی کمی پوری کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔“ دونوں ہاتھ پینٹ کی پاکٹ میں پھنسا کر بشارت سے جواب دیا۔

والا خلا چھوڑ گئی تھی۔ اسی اجنبی پھیکے بے رنگ و..... بے کیف گزرتے وقت میں انہوں نے اپنا ماسٹر کمپلیٹ کیا۔ آج یونی میں فیکر وبل تھی اور وہ تمام تر بے ولی و بوجھل پن کے باوجود شخص اس گمان میں چلا آیا تھا کہ شاید وہ بھی پرانی یادوں کو پھینچنے آجائے لیکن شاید پلٹ کر دیکھنا اس کی سرشت میں نہیں تھا۔

وہ جبراً مسکراتا ہوا اس ماحول کا حصہ بننے کی ناکام سی سعی کر رہا تھا اور غولی زرد پھولوں کے غنچے کے پاس بیٹھی تھی گھٹنوں پر بازو رکھے اور ہاتھوں کے پیالے میں چہرہ ٹکائے اسے دیکھ رہی تھی جو اچانک سے کتنا پرایا، پرایا سا لگنے لگا تھا..... بالکل اجنبی جیسے کوئی نا آشنا..... اپنی دل گرہنی کے حصار میں مقید اسے خبر ہی نہیں ہوئی کسی نے بڑی بے اختیاری سے اس کی اداسی کو ہمیشہ کے لیے کسرے کی آنکھ میں محفوظ کر لیا تھا۔

☆☆☆

”کاش انسان کے پاس کوئی ایسا ریموٹ کنٹرول ہو جس سے وہ اپنی زندگی واپس ریوانڈا کر سکتا ہو یا پھر کوئی ایسا ریموٹ کنٹرول جس میں بھلے ماضی میں لوٹنے کا آپشن نہ ہو۔ بس اسٹاپ کر دینے کا آپشن ہو تو ہم اپنی زندگی کے ان یادگار پیلوں کو ہمیشہ کے لیے اسٹاپ کر دیں جو ہم نے بڑے جتن کر کے بڑی تدبیروں سے اپنی تقدیر بنائے ہوتے ہیں۔ کاش ایسا ہوتا تو ہم وہ جتن پریں کر کے اس وقت کو ہمیشہ کے لیے روک لیتے کسی آگے نہ بڑھنے دیتے.....“

شب کے پہلے پھر شیرہ اذلان خان کے نام سے شیر کیے جانے والی پوسٹ نے حماد وقار کو شہر ادیا، ماؤس پر رکھا ہاتھ بے دم ہوا تھا۔

☆☆☆

سلوگرے کروڈا یونی کی پارکنگ میں رکی اور وہ آہستہ سے دروازہ کھول کر باہر نکلا..... چال میں شگفتگی تھی، غراڈز کی جیبوں میں دونوں ہاتھ پھنسائے چاروں اطراف محوم کر دیکھنے لگا۔ متوحش آنکھوں کے



اس کے تو پر جذبے کی ابتدا اور ہر احساس کی اعتبار اس اسی پر ہوتی تھی۔ دل بھلا اتنے شدید نقصان پر کیسے بھل جاتا، کیسے سنبھل جاتا، کمرے کی کھلی کھڑکی کے واپٹ ہوا کے جھجھڑوں سے بچنے لگے تھے جن کی... آواز بارش کا پیام لاتی، سرد ہوا میں بڑی دیدہ دلیری سے کھلی کھڑکی سے اندر داخل ہو کر کمرے میں رہی چیزوں کو منتشر کر رہی تھیں، وہ اپنے پیکرے رخسار رگڑتی ہوئی اٹھی اور کھڑکی کے پٹ بند کرنے لگی۔

کسی غیر مانوس سے احساس کے تحت اس نے بند کیے پٹ دوبارہ کھولے۔ اور اب کی بار ہوا کے زور دار جھکڑنے کمرے میں موجود چیزوں کے ساتھ اس کے حواسوں کو بھی منتشر کیا تھا۔ اس نے کھڑکی کے قریب آ کر باہر جھانکا..... درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھے پر ہاتھ باندھے وہ تنگ کی باندھے اوپر کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ خوب صورت چہرے کی رنگت مرجھائی ہوئی تھی۔ بڑھی ہوئی شیوہ لگا جاہلیہ.....

اس کے دیکھنے پر بھی اس کی یوژیشن میں کوئی فرق نہیں آیا تھا نہ ہی اس نے ہلک جھپکی، غنونی نے گھبرا کر تیزی سے دونوں پٹ بند کیے اور بے دم ہوتے وجود کے ساتھ وہیں بیٹھتی چلی گئی..... آتے جاتے راستوں پر، اپنی ہر مطلوبہ منزل پر پہلے سے اس کی موجودگی کو وہ اتفاق کا نام دے کر جھٹلاتی رہی۔ لیکن اس وقت اس کی موجودگی ہر گز بھی اتفاقہ نہیں تھی اور جب یہ اتفاق نہیں تھا تو.....؟

اس "تو" کے آگے ایک بہت بڑا سوالیہ نشان تھا جس نے پہلے سے بڑھ حال اعصاب کو مزید شل کر دیا تھا۔

☆☆☆

"میں ملنا چاہتی ہوں آپ سے....." فون اسپیکر سے اسے سنائی دینے والی آواز نے اس کی دھڑکنوں کے سلسلے کو روک لیا۔

"وکل تم.....؟" یقین کی سرحدوں سے کوسوں دور سرسراتے الفاظ اس کے لبوں سے سرکشی کی صورت نکلے۔ دل کو بیا یقین کرنے میں متامل تھا اور

اس نے جواباً مسکرانے کا تردد نہیں کیا، جامہ خاموشی کے ساتھ چپ چاپ اس کی آنکھوں میں دیکھے گئی۔ کسی کشیدہ کی تلاش میں سرگرداں کھوئی ہوئی آنکھیں..... رقت سے عاری زندگی سے خالی.....

"ہیلو میڈم نظر لگانے کا ارادہ ہے کیا؟" وہ خود پر اس کی جی ٹیگا ہوں سے بے چینی محسوس کرنے لگا جیسی اس کا دھیان بنانے کی کوشش کی۔

غنونی نے دیکھا وہ مسکرانے کی بے حد بھونڈی کوشش کر رہا تھا۔ ٹوٹی فلاپ ایکٹنگ.....

"تم بدل گئے ہو..... بہت بدل گئے ہو....." وہ ہٹا ہلک جھپکے اسے دیکھے جا رہی تھی۔ نظروں میں رنچ تھا لہجے میں گلہ تھا، شکایت تھی۔

"زیادہ پنڈم لگتے لگا ہوں ناں....." اپنے آپ کو اوپر سے نیچے دیکھتے ہوئے ہنس کر تائید چاہی مگر منہ آ آنکھیں اس کی کھوکھلی ہنسی کا بھانڈا بہت بری طرح پھوڑ رہی تھی۔

غنونی جب بے یقینی کے عالم میں شاک بھری نظروں سے اسے دیکھتی ہوئی سرکونی میں ہلاتی اٹل قدموں اس سے دور ہوتی گئی۔

☆☆☆

"میں کیسے سرد ہاتھوں سے تمہارے گال چھوتا تھا دمبر میں تمہیں میری شرارت یاد آئے گی" اس کی آنکھوں سے لکھا گرم سیال سرد گالوں پر چشمے کی صورت بنے جا رہا تھا۔

حادثہ قار کی نظروں کی اجنبیت نے اسے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ وہ آنکھیں جب بھی اس کی طرف اٹھتی تھیں ان میں زندگی کے تمام شوخ رنگ سجکا ہو جاتے تھے۔ ان آنکھوں میں جیسے زندگی جی اٹھتی تھی۔ اور پچھلے نو ماہ سے وہ ان رنگوں کو دیکھنے کے لیے ترس گئی تھی، ان آنکھوں میں زندگی جگانے کی اس کی کوئی بھی کوشش بار آور نہیں ہو رہی تھی وہ اپنی بدبختی پر روتی نہیں تو کیا کرتی۔

وہ اس کے بچپن کا ساتھی تھا دوست تھا امراتھا، غم خوار تھا..... فقط دل کا تعلق تو نہیں تھا جسے بھلا دیتی



ہلایا۔ حماد چپ سا ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ پلکیں گراتی، اٹھائی، انگلیوں کو چٹائی..... وہ جیسے کچھ کہنے اور نہ کہنے کے بیچ معلق تھی، وہ خاموش رہ کر اس کے بولنے کا انتظار کرنے لگا۔

”آپ نے ایک وعدہ کیا تھا مجھ سے..... یاد ہے آپ کو؟“ ”طویل خاموشی کے بعد سوال ہوا، نقاب سے جھانکتی سیاہ آنکھیں اب برابر اس کی سمت دیکھ رہی تھیں۔“ ”بھولا ہی کب.....“ ”حماد کے برجستہ جواب میں معنویت تھی، شبیر نے لمبے لمبے لیے نظریں جھانکیں اور پھر اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔“ ”میں آج آپ سے کچھ مانگنے آئی ہوں۔“ ”گہری آنکھوں کی سطح پر نمی ترانے لگی۔“

”ہاں بولو.....“ ”حماد نے بے چینی سے پیلو بدلا..... وہ آنکھیں استحسان میں ڈال رہی تھی۔“

”اگر آپ اپنے وعدے پر قائم ہیں تو پھر پلیس میرے ساتھ.....“ ”وہ ایک دم اپنی جگہ سے اٹھی۔“

”کہاں.....؟“ ”حماد کی سوالیہ نظروں میں استعجاب تھا لیکن وہ بنا کوئی جواب دیے خستہ نظروں سے اسے دیکھتی رہی..... اس کی نظروں کا مقہوم سمجھ کر وہ اٹھ

کھڑا ہوا اور بغیر کسی جرح کے اس کے ساتھ چل پڑا۔

”کیسے..... کے مقابلہ واثع اسپتال میں اندر داخل ہونے پر حماد کی حیرت دو چند ہوئی۔ وہ اسپتال

نفسیاتی مریضوں کے معاملے کا مرکز تھا..... پریشان کن خیالات داغ میں اودھم مچا رہے تھے، دل بے کل

سا ہوئے جا رہا تھا مگر اپنی توشیوں و بے چینی ظاہر کیے بنا چپ چاپ اس کی معیت میں چل رہا تھا جس کی چال میں واضح تسکین تھی۔

مختلف راہ داریوں سے گزر کر وہ ایک کمرے کے آگے آرکی..... جس کا دروازہ بند تھا۔ تاب گھماتے

ہوئے موی ہاتھ بری طرح کپکپا رہے تھے۔ حماد کا دل کسی انہونی کے شدید احساس سے سکڑا۔ دروازہ کھول

کر وہ گویا خود کو گھسیٹتی ہوئی اندر داخل ہوئی اور پیچھے دھڑکتے دل کے ساتھ حماد بھی اندر آیا۔ سامنے بستر پر

ساتھوں کو دھوکے کا گمان گزر رہا تھا۔ دوسری جانب اس کے استغہام پر اس قدر گہرا سکوت جھانک گیا کہ لکھ بھر کے لیے اسے رابطہ ٹوٹ جانے کا گمان گزرا..... فون کان سے ہٹا کر دیکھا۔ اسکرین پر بدلنے نمبر گویا ان کے درمیان رابطے کے پلوں کو شمار کر رہے تھے۔

”گل.....!“ اس نے بے قراری سے پکارا۔

”آپ آسکتے ہیں.....؟“ اس کی بے قراریوں کو صرف نظر کر کے استفسار ہوا۔ جانے کیوں لہجے میں بیگانہ پن سا تھا۔

”کہاں آؤں.....؟“ ”حماد نے پوچھ ہی سانس ہوا کے سر دکی۔ جواب اس نے اختصار سے جھٹکا کہ فون

بند کیا، وہ تھپی ہی دی فون کی بھی ہوئی اسکرین کو کھینچا۔

☆☆☆

بعد مدت اسے دیکھا لوگوں وہ ذرا بھی نہیں بدلا لوگوں

فقط میں منٹ بعد ہی وہ اس کے بتائے ہوئے

کینے میں خستہ بیٹھا بے تابی سے داخل دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اس کے اضطراب کا دورانیہ زیادہ طویل نہیں ہوا

تھا کچھ ہی دیر میں ہمیشہ کی طرح سیاہ عباے میں سر تاپا ڈھکی وہ کینے میں داخل ہوئی لمحہ بھر کے لیے رک کر

اطراف پہ طائرانہ نگاہ ڈالی۔ حماد پہ نظر پڑتے ہی آہستہ زوی سے چلتی اس نیل تک آئی۔

”السلام علیکم.....“ ”وہ تعظیماً کھڑا ہوا۔“

”وعلیکم السلام.....“ ”آہستگی سے جواب دے کر وہ کرسی کیچ کر بیٹھی۔ حماد بھی واپس بیٹھا۔“

”کیسی ہو.....؟“ ”نیل پر دھرے اس کے موی ہاتھ کو دیکھتے ہوئے پوچھا جس کی انگلیاں وہ اضطرابی کیفیت میں مردور رہی تھیں۔“

”تمیک ہوں۔“ ”لکھ بھر کے لیے پلکیں اٹھا کر واپس گراتی۔“

”کیا لوگی چائے کافی یا جوس.....؟“ ””تھنگ.....“ اس نے دھیرے سے نفی میں سر



کر سکتے تھے بس بے بسی کی تصویر بنا کھڑا اسے سکتے،  
بلکے دیکھ رہا تھا۔  
”کل پلزز“ اس کا اس طرح ٹوٹ کے بکھرنا  
اسے تڑپا گیا تھا۔

”مجھے میرا بھائی لوٹا دیں..... پلزز آپ کو خدا کا  
واسطہ ہے۔“ بچکیوں کے درمیان بولے جانے والے  
الفاظ نے حماد کو سکت کر دیا۔

”پلزز ہمیں ہمارا المیر لوٹا دیں۔“ ایک بار پھر وہ کر لائی۔  
”میں.....؟“ بے یقینی کا سکتہ ٹوٹا تو استغابی سے  
اپنی طرف اشارہ کیا..... اس ایک لفظ میں ابھی ہوئی  
ڈور کے مانند ان گنت سوال تھے۔

”ہاں آپ..... آپ ہی ہیں جو المیر کو پھر سے  
زندگی دے سکتے ہیں، میرے بھائی کو ان کی خوشیاں لوٹا  
سکتے ہیں۔“ اشک ریزی کا سلسلہ ختم چکا تھا۔ گلابی آنکھوں  
کو اس پر جمائے وہ کسی روپوت کے مانند بولنے لگی۔  
حماد کو اس پل اس کا ذہنی توازن غیر تسلی بخش لگ  
رہا تھا۔

”میں مکمل حواس میں آپ سے مخاطب ہوں۔“  
شیرہ نے گویا اس کی آنکھوں میں ابھرتی سوچ پڑھ لی  
تھی۔ کچھ دیر قبل سمندری جل تھل آنکھیں اب کسی صحرا  
کے مانند خشک تھیں۔ سوئی، سوئی سی کیفیت لیے کھوئی،  
کھوئی سی آنکھیں.....

”بولو کیا کر سکتا ہوں میں تمہارے لیے.....؟“  
گلابی آنکھوں سے بے اختیار نظریں چرا کر کہا۔  
”کیا کر سکتے ہیں آپ میرے لیے.....؟“  
سوال کے بدلے سوال ہوا۔

”جو بھی میری دسترس میں ہوا.....“ رسان آمیز  
لہجہ میں حقیقت پسندی سے گویا ہوا۔

”غویلا فاق سے دستبردار ہو جائیں آپ.....“  
اس نے صرف یہی نہیں اور بھی بہت کچھ کہا تھا۔ حماد  
کے لیے شیرہ الفاظ نہیں تھے اسٹیم بجھا، حماد کے ارد گرد  
دھماکے ہونے لگے وہ دھواں، دھواں نظروں سے اسے  
دیکھنے لگا جس کی گلابی ڈوروں والی آنکھوں میں اس

کوئی بے حد لاغر، کمزور، زرد مائل رنگت والا نوجوان  
عقل و خرد سے بیگانہ پڑا تھا سر اور داڑھی کے بال....  
بلے ترتیبی سے پڑے ہوئے تھے۔

شیرہ کمرے کے وسط میں یوں رکی جیسے مزید  
چلنے کی سکت نہ رہی ہو.....

حماد بھی اس کے برابر رک کر اس کی سمت دیکھنے  
لگا، بستر پر بڑے وجود پر مکی آنکھیں جل تھل تھیں۔ حماد  
بھی ان چشمِ پُر غم کے تعاقب میں دیکھنے لگا۔ سانولے  
چہرے پر داڑھی سے اوپر ہونٹ شاید کثرتِ تمباکو کے  
استعمال سے سیاہ ہو رہے تھے لیکن ان ہونٹوں کی تراش اس  
بات کا ثبوت تھی کہ اس کے تبسم نے جانے کتنے ہی دلوں کو  
دھڑکا یا ہوگا۔ حماد کی نظریں اس کے لبوں کے اوپر کھڑی  
ناک سے ہوتی ہوئی اندر کو دھنسی آنکھوں پر جاری.....

کسی بہت بڑی انہونی کے احساس نے اس کا  
دل مٹھی میں مسلا تھا، وہ دیوانہ وار سا کُن پڑے وجود  
کے جانب لپکا..... قریب جا کر اس کے چہرے پر جھکا  
نقش، نقش کو بخور دیکھنے لگا اور پھر یک دم جھٹکا کھا کر  
سیدھا ہوا۔ آنکھیں بے یقینی کی انتہاؤں پر پہنچ کر پھٹ  
پڑی تھیں۔ انہی پھٹی، پھٹی بے یقین آنکھوں سے شیرہ  
کی سمت دیکھا۔

”یہ..... ال..... المیر.....؟“ بے یقین نظروں  
سے شیرہ کو دیکھتے ہوئے انگلی سے بیڑی سمت اشارہ کیا  
شیرہ نے ایک لمبی سسکاری لی اور ہاتھوں میں چہرہ  
چھپا کر پھوٹ، پھوٹ کر رو دی۔

حماد کو اپنے سوال کا جواب مل گیا تھا۔ مگر دل اب  
بھی مان لینے سے انکاری تھا۔ وہ ایک دفعہ پھر بیڑی  
سمت دیکھنے لگا۔ اب آنکھوں میں بے یقینی کے ساتھ  
دکھ، رنج و ملال بھی تھا۔ یونیورسٹی کا ہیرو ایم اے انگلش  
کا نا پر شہزادوں سی آن بان لکھنے والا لڑکا نفسیاتی عارضے کے  
ہاتھوں کیسے مٹی ہو گیا تھا۔

حماد کا دل غم سے پھٹنے لگا۔ اپنے آنسو ضبط کرتا ہوا  
وہ سکتی ہوئی شیرہ کے قریب آیا لیکن کوئی حرف تسلی نہ  
دے سکا اس کے پہاڑ جیسے غم کا داود اوہ چند بول نہیں



ہوا تبھی لہجے میں قدرے نرمی پیدا کی۔ جھنجلاہٹ،  
اضطراب، عدم اطمینان بے سکوئی بھی احساس اس کے  
چہرے پر سبکا نظر آرہے تھے۔ غنویٰ بے قراری سے  
آگے بڑھی۔

”کیا ہوا ہے تمہیں، حارثاؤ مجھے کیا پریشانی ہے؟“  
”میں ٹھیک ہوں پلیز.....“ اپنے بازو پر رکھا  
اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے اس کی بات کالی۔ بے چلک لہجہ  
بے رخی بھر انداز.....

غنویٰ ڈبڈبائی نظروں سے اس کا بیگانہ روپ دیکھتی  
رہی، وہ اپنی سرد تاثرات کے ساتھ کمرے سے نکلا۔  
پچھلے وہ اپنے جھٹکے ہوئے ہاتھ کو دیکھتی اپنی غلطی  
سوچتی رہ گئی جس کی پاداش میں وہ اس کے لیے  
اچھوت ہو گئی تھی۔

☆☆☆

دو ہفتے بعد وہ خوشنہیں آیا تھا البتہ اس کے لیے آزادی  
کا پروانہ بھیج دیا تھا۔ وہ شہرہ کو دکھ نہیں دینا چاہتا تھا مگر  
دوسری طرف غنویٰ کے ساتھ انہوتا ہو گیا تھا۔ اس کے وجود  
کے پرچے اڑ گئے تھے مان پاش، پاش ہوا تھا اور غرور ریزہ،  
ریزہ..... کھوں میں دو کوڑی کی ہو کر رہ گئی تھی اس کی  
ذات..... اپنی بربادی کا پروانہ ہاتھ میں پکڑے وہ بالکل  
ساکت تھی۔ بے غم آنکھیں کتے کے عالم میں ہواے....

پچھلے اسی نوحہ کنان تحریر نامے پر لگی تھیں۔  
اور پچھلے چار روز سے وہ لاتعداد مرتبہ اس تحریر کو  
پڑھ چکی تھی۔ شاید کہیں سزا نامے پر گناہ بھی درج ہو مگر  
وہاں تو صرف سزا لکھی تھی۔ گناہ کی نشاندہی نہیں کی گئی۔  
اور وہ خود اس سزا کی وجہ ڈھونڈتے، ڈھونڈتے  
نڈھال ہو چکی تھی۔

اشک بھی اب ختم چکے تھے یا شاید دمبہر کی سرد  
ہواؤں نے برف کر دیے تھے لیکن دل نوحہ کنان تھا،  
اپنے ناکردہ گناہ کی سزا پانے پر..... اپنی محبت کی  
تذلیل پر..... اپنی ذات کی نفی پر محبت کے پھڑ جانے  
پر صبر آ جاتا ہے پر محبوب کا ٹھکر ا دینا انسان کو بے موت  
مار دیتا ہے۔ اور وہ بھی لمحہ، لمحہ مر رہی تھی۔

ماہنامہ پاکیزہ — دسمبر 2018ء (247)

بل خود غرضانہ سی سفاکی تھی۔  
وہ سیاہ گہری آنکھیں بالکل اجنبی لگ رہی تھیں۔  
خود غرض، مفاد پرست و مطبوسی..... بالکل نامانوس و  
غیر شامسا..... وہ خالی، خالی نظروں سے اسے دیکھتا  
الٹے قدموں پیچھے ہونے لگا۔

”حارثاؤ.....“ اس کی آنکھوں سے جھلکتی بدگمانی  
سے خائف شیرہ نے تڑپ کر پکارا۔  
مگر وہ بے اعتنائی سے پلٹ کر کمرے سے نکلا۔  
”حارثاؤ میری بات سنیں.....“

پچھلے وہ جھلکتی ہوئی حلق کے بل چلائی..... وہ اجنبی  
بننا تیز، تیز قدم اٹھانے لکھوں میں نظروں سے اوجھل ہوا  
اور وہ کسی بارے ہوئے جواری کے مانند شکستہ آنکھوں  
کے بل زمین پر گر گئی..... دونوں ہاتھ ٹھنڈے فرش پر  
رکھ کر سر جھکا کہ وہ اونچی آواز میں بین کرنے لگی۔

☆☆☆

”کیا ہے یہ سب حارثاؤ.....؟“ وہ الماری سے بیگ گرد  
میں لٹکے کپڑے پھینچ کر بیک میں ٹھونس رہا تھا۔ تبھی  
برہم سی غنویٰ نہانے ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔  
”کیا ہے؟“ حارثاؤ نے ہاتھ روک کر اس کی  
طرف دیکھ کر پوچھا۔ لہجہ بالکل سپاٹ تھا۔  
غنویٰ کا استحقاق واعتماد ڈانٹوں ڈول ہونے لگا۔  
”یہی کہ اچانک تمہیں ایروڈ جانے کی کیا  
سوچی.....؟“ انگلی پل وہ خود کو قدرے سنبھال چکی  
تھی۔ تبھی ترشی سے پوچھنے لگی۔

”باس سمجھو رہا ہے خود تو شوق سے نہیں جا  
رہا.....“ بے چلک لہجہ از حد اکتاہٹ ہوا تھا۔  
غنویٰ دنگر نہ سی اس کی پیشانی کے بلوں کو شہر  
کرنے لگی کو یا اس کی آمد و باز پرس اسے بہت ناگوار  
گزری ہو۔

بے مائیگی کا درد انگیز احساس اس کے اندر تک  
سراپیت کر گیا۔  
”ڈنٹ وری آ جاؤں گا ایک دو ہفتوں میں.....“  
اسے ملول دیکھ کر حارثاؤ پہلے سے مضطرب مزید بے چین



وہ میٹر لگے مکمل پیک روم میں بیٹھا تھا جس کی بند کھڑکیوں پر بھاری پردے لگے ہوئے تھے۔ نظریں لیپ ٹاپ اسکرین پر ٹھہری ہوئی تھیں۔ وجود پر چھایا استحلال آنکھوں میں طمانیت تھی پر..... کچھ دیر قبل اسے شہیرہ اذلان کی جانب سے تصاویر موصول ہوئی تھیں، ہر تصویر میں مختلف پوز تھے اس وقت جو تصویر وہ دیکھ رہا تھا اس میں شہزادوں سی آن بان والا المیرہ گولڈن شیروانی میں دیکھتے چہرے کے ساتھ غنوی کا ہاتھ تھا اس کے آگے گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا جسے بڑی مہارت سے کمرے کی آنکھ میں ہمیشہ کے لیے محفوظ کر کے یادگار بنالیا گیا تھا۔

سرخ شرارے میں سچی دھجی ادا اس آنکھوں سے مسکراتی ہوئی غنوی کے لیے اس کے دل سے بے شمار دعائیں نکلیں....

اگلی تصویر میں غنویہ اور المیرہ کے ساتھ بیٹھے وجود کو دیکھ کر اس کی دھڑکنیں یک دم زور سے دھڑک کر ساکن ہوئیں پہلی بار وہ اسے بے نقاب دیکھ رہا تھا۔ جس کی گہری آنکھوں میں اس کی ذات ڈوب کر رہ گئی تھی۔

جیسے دیکھنے کی تمنا اس نے کب، کب نہ کی، آرزو پوری ہوئی تھی تو کب..... اس کے جامد لبوں کو مجروح سی مسکراہٹ نے چھوا۔

اسکرین پر نظر آتی وہ سیاہ آنکھیں بھی ناخوش لگ رہی تھیں۔ آسودگی ان میں بھی نہیں تھی۔ شاید غم بھی تھیں جس کی وجہ سے ان سیاہ آنکھوں کی چمک مزید... دوچند ہو گئی تھی۔ دل کے اندر وہ ان گوشے میں کوئی بہت نایاب شے کھونے کا درد سا جاگتا تھا۔

گلے میں پھنسا لگا۔

آنکھوں میں محسوس ہوتی جیمن کے احساس نے آنکھوں میں نمی سی بھری۔ اسکرین پر روشن تصویر... دھندلے لگی۔ پلک جھپکنے پر پھر سے سب کچھ واضح ہوا اس نے کی بورڈ پر دھرے اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا..... جہاں آنکھ سے گرا آنسو ٹھہرا ہوا تھا۔

دھککارے وجود کے ساتھ جیتا بھلا کب آسان ہوتا ہے اس کا روم، روم سلگ رہا تھا۔ اندر وہ تڑپ رہی تھی باہر آسان اس کے غم میں رو رہا تھا، بجلی بڑے زور سے کڑی تھی، کھڑکی سے اندر آتی روشنی نے لمحے بھر کے لیے کمرانور کیا۔

اس کے بے جان وجود نے حرکت کی گردن موڑ کر کھڑکی سے باہر برستے آسمان کو دیکھا اور پھر اسی کسی روپوت کے مانند چلتی ہوئی کھڑکی تک آئی وہ کچھ دیر یوں ہی خالی، خالی نظروں سے باہر تاریکی میں دیکھتی رہی ہر سو گھپ اندھیرا تھا اس نے ہاتھ ڈرا سا کھڑکی سے باہر نکالا۔ بارش کی سرد بوندوں نے اس کے... جسے وجود میں زندگی کا احساس چکایا تو وہ بے ساختہ کپکپائی، خالی عقلی میں جمع ہوتی بوندیں انگلیوں کی دراڑوں سے قطرہ، قطرہ نکلنے لگیں۔ بجلی ایک بار پھر بڑی زور سے چمکی تھی۔ باہر تکی گھپ اندھیرے کی چادر ایک سینڈ کے لیے چرخی گئی، ہر چیز واضح ہوئی تھی۔ اور اس کا وجود بھی..... جو درخت کے تنے سے ٹیک لگائے اپنی مخصوص جگہ پر ہمیشہ والی پوزیشن میں کھڑا تھا۔ غنویہ ہشت سے کانپ اٹھی۔

کون سا احساس تھا یہ جس نے اس شخص کو ہر احساس سے بے نیاز کر دیا تھا۔ بھلا کیسا جنون تھا جس نے ان سرد ہواؤں اور طوفانی بارش کو بھی بے اثر کر دیا تھا۔ گھپ اندھیرے میں سفید لباس میں لمبوس مدم سے نظر آتے اس ہیروے کو دیکھتی انجینے سے سوچے گی۔ یہ کس درجے کی محبت تھی کس مرتبے کا عشق تھا۔ جس نے اس جیسی دھککاری ہوئی بے مول لڑکی کو اتنا انمول بنا دیا.....

☆☆☆

باہر برف باری جاری تھی دو روز سے مسلسل ہونے والی برف باری نے ہر چیز کو ڈھک لیا تھا سبى منظروں سے سفیدی چھائی ہوئی نظر آرہی تھی۔ عجیب سرد سا موسم تھا دل کو بوجھل کرتا ہوا جس زندہ سا..... ٹھنکن زندہ ٹھنڈک لیے.....



## حسد..... لعنت الہی

اقدار کے منصب پر فائز ہے کسی کو دولت حاصل ہے تو کسی کو طاقت و زور آمدی میں برتری حاصل ہے، کوئی بھروسہ خلیف ہے تو کوئی بھروسہ شاعر..... ان حالات میں دوسروں کے رویوں کا ہر ہوتے ہیں..... ایک سچ اور دوسرا غیر سچ ہے..... جب بندے کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنے مقابل سے اس نعمت کو چھین کر اس پر قابض ہو جائے تو یہ جذبہ ”حسد“ کہلاتا ہے، حاسد اپنے مخالف کی برتری پر کڑھٹا ہے، جہاں حاسد ایک کمینہ دشمن ہے جس کے قلب کی صحن اسے مجبور کرتی ہے کہ اس نعمت سے اس کا بھائی، بہن، عہد ہو جائے، یہ انتہائی ناپسندیدہ اور گھناؤنا فعل ہے، شریعت نے اس سے بچنے کا حکم دیا ہے کیونکہ یہ اخلاق پر زلیلہ ہے اور یہ فرد اور معاشرہ دونوں کی زندگی میں زہر گھول دیتا ہے جبکہ اس کے مقابل دوسری کیفیت رکھ ہے، جب انسان یہ خواہش کرتا ہے کہ کسی سے جیسے بغیر فلاں، فلاں نعمتیں اسے بھی میسر آجائیں اور وہ دوسرے کو نقصان پہنچائے بغیر ان کو حاصل کرنے کے لیے جدو جہد کرتا ہے۔ رکھ ایک پسندیدہ عادت ہے اور صحابہ کرام کی سنت ہے جو اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے پر سنت لے جائیں۔ اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ..... ”رکھ صرف دو آدمیوں پر جائز ہے ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال بخشا ہے اور وہ اسے بے دریغ اللہ کی راہ میں خرچ کرتا رہتا ہے..... اور دوسرا وہ جسے اللہ نے قرآن کا حکم دیا ہے اور وہ اس سرچشمہ علم سے دوسروں کو نیشاب کرتا ہے۔“ عالم ارواح میں اولین گناہ کا عمر کبیر اور حسد ہی کے جذبات تھے..... جب انہیں نے اپنے آپ کو حضرت آدم علیہ السلام سے برتر سمجھا اور حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں کے بعد سے

تمام تر حمد و ثناء ذات الہی کے لیے جو ایک ہے جو ازلی اورابدی ہے یعنی ہمیشہ سے پہلور ہمیشہ سے..... اس ذات جیسا کہ کوئی اور نہیں کیونکہ وہ واحد ہے یعنی اس کی ذات صفات و افعال اور احکام میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ محبوب برحق ہے مہابت اور برحق کے لائق صرف وہی رب ہے تمام چیزیں اسی کے لادہ و اختیار میں ہیں۔ اس کی حیثیت ہر لحاظ سے برتر ہے وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے کیونکہ وہی حاکم ناگ اور عالم حق ہے..... اس کے ہر کام میں، ہر فعل میں حکمت ہوتی ہے خواہ وہ ہماری سمجھ میں آئے یا نہیں آئے..... اس کے کام اور احکام انسانی عقل سے بالاتر ہوتے ہیں کیونکہ انسانی عقل کی رسائی محدود تک ہے اور ذات الہی لامحدود ہے۔ وہ اپنے کاموں میں کسی کی محتاج نہیں بلکہ تمام مخلوق اسی کی محتاج ہے۔

اے ہمارے رب! ہمیں اپنی محبت اور معرفت عطا فرما۔ درود و سلام ہو اس پیارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو اس کائنات کے لیے رحمت للعالمین بنا کر بھیجے گئے۔

ہمارا موضوع ”حسد“ ہے، حسد کے معنی ہیں جلنا، کڑھنا اور کسی کی خوشی اور راحت پر دل میں طعن محسوس کرنا۔ اصطلاح شریعت میں حسد سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے دوسرے بھائی کو نعمت و راحت میں دیکھ کر یہ بتائے کہ اس سے یہ نعمت چھین جائے اور مجھے مل جائے، یہ حرام ہے اور قابل نفرت خصلت ہے۔

دنیا میں تمام انسان یکساں اوصاف کے حامل نہیں ہیں، مختلف افراد کو اللہ تعالیٰ نے مختلف قسم کی صلاحیتوں سے نوازا ہے، کسی کو علم و ہنر دیا تو کسی کو حسن و جمال عطا کیا۔ کوئی ذہانت و فراست کی بلندیوں پر ہے تو کوئی شان و شوکت اور



کے لائق ٹھہرایا گیا اور ابلیس اس کے غرور و حسد کا یہ وبال ہوا کہ وہ ہمیشہ ہمیش کے لیے ٹھکرا دیا گیا اس کی سالہا سال کی عبادت رائگانہ جلی کی اور وہ ہمیشہ کے لیے مردود و ملعون ہو گیا۔

کرا ارض پر بھی اولین مگناہ اسی اخلاقی رذیلہ کی بدولت ہوا۔ وہ حسد ہی تھا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کے درمیان ایک تنازعے نے جنم لیا اور قابیل نے آتشِ حسد میں اپنے بھائی قابیل کو قتل کر دیا اور یوں وہ روئے زمین پر حسد اور قتل جیسے جرائم کا بانی قرار پایا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ حسد کرنے والا خود اپنی ہی ذات کو نقصان پہنچاتا ہے، کڑھن اور جلن اس سے شہو اور کجی کو جنم لیتی ہے اور وہ بدی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ آہستہ آہستہ محابن اخلاق ختم ہونے لگتے ہیں، اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسد سے پرہیز کی خصوصی تاکید فرمائی۔

”خسد سے بچو! کیونکہ حسد سب کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔“  
قرآن پاک نے مسلمانوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ حامد کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتے رہیں۔ سورہ فلق کی آخری آیت میں ہے کہ  
”اور (کچھ میں پناہ مانگتا ہوں) حامد کے شر سے جب وہ حسد کرے۔“

☆☆☆

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک روز سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے آپ نے فرمایا: ”ابھی اس راستے سے تمہارے سامنے ایک جنتی آئے گا۔“ اتنے میں ایک انصاری صحابی نمودار ہوئے۔ ان کے ہاتھیں ہاتھ میں جو تھے تھے اور دائمی کے بالوں میں سے وضو کا پانی ٹپک رہا تھا۔ انہوں نے ہم لوگوں کو سلام کیا۔ دوسرے روز بھی آپؐ نے فرمایا۔ اور یہی صحابی سامنے آئے۔ تیسرے روز بھی یہی واقعہ ہوا۔ جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے تو حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص نے ان انصاری صحابی کا پیچھا کیا اور ان سے کہا میرے اور میرے والد کے درمیان کچھ اختلاف ہو گیا اور میں نے قسم کھائی ہے کہ میں تین دن تک ان کے پاس نہیں جاؤں گا۔ آپؐ اجازت دیں تو میں یہ تین راتیں آپ کے پاس

گزاروں۔۔۔۔۔ انہوں نے کہا کوئی بات نہیں۔۔۔۔۔ حضرت عبد اللہ نے تین راتیں ان کے گھر گزاریں۔۔۔۔۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ رات کو تھوڑی دیر کے لیے بھی نماز کے لیے نہیں اٹھتے تھے۔ البتہ جب کروٹ بدلتے تو اللہ کا نام لیتے اور صبح کی نماز تک وہ بستر پر ہی لیٹے رہتے۔ تاہم اس عرصے میں، میں نے خیر کے سوا کچھ نہیں سنا۔۔۔۔۔ جب تین دن گزر گئے تو انہیں یعنی حضرت عبد اللہ کو ان صحابی کے اعمال کے معمولی ہونے کا یقین ہو گیا۔۔۔۔۔ تو نے ان سے کہا: ”اللہ کے بندے! میرے اور والد کے درمیان کوئی ناراضی نہیں تھی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کے متعلق ایسا کہتے سنا تھا اس لیے خواہش ہوئی کہ آپ کے وہ اعمال تو دیکھوں جن کی بنا پر آپ کو نبیائی میں جنتی ہونے کی بشارت دی گئی ہے۔ میں تو ان تین دنوں میں آپ کو کچھ زیادہ عمل کرتے نہیں دیکھا۔ پھر آپ اس درجے تک کس طرح پہنچے۔۔۔۔۔؟“ ان صحابی نے جواب دیا۔ ”میرے اعمال تو بس یہی ہیں جو آپ نے دیکھے ہیں۔“ جب میں جانے لگا تو ان صحابی نے آواز دے کر مجھے بلایا اور کہنے لگے کہ ”میں اپنے دل میں کسی مسلمان کے لیے کدورت محسوس نہیں کرتا اور نہ کسی سے اس لیے حسد کرتا ہوں کہ اللہ نے اسے نعمت عطا کی ہے۔“

حضرت عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا کہ ”آپ کی ان ہی خوبیوں نے آپ کو اس درجے تک پہنچایا ہے

اور یہ باتیں ہمارے دائرہ طاقت سے باہر ہیں۔“  
ایک حدیث میں ہے کہ ”تین باتیں ایسی ہیں جن سے کوئی خالی نہیں۔۔۔۔۔ ظن، بدقالی اور حسد۔۔۔۔۔ میں تمہیں ان سے نجات کا طریقہ بتلاتا ہوں۔۔۔۔۔“

جب کوئی گمان دل میں آئے تو اسے صحیح نہ سمجھو۔۔۔۔۔ جب بدقالی ہو تو اپنے کام میں لگے رہو۔۔۔۔۔ اور جب حسد بیدار ہو تو خواہش نہ کرو۔۔۔۔۔“  
فرمایا۔۔۔۔۔

”میری امت کو عترتِ نبویؐ تو مومن کی بیماری لگ جائے گی۔ صحابہ نے عرض کیا۔۔۔۔۔ تو مومن کی بیماری کیا ہے؟ فرمایا۔۔۔۔۔ تکبر اترانا۔۔۔۔۔ مال کی کثرت کا اعتراف۔۔۔۔۔ دنیاوی اسباب میں مقابلہ آرائی ایک دوسرے سے حسد کرنا یہاں تک کہ سرکشی ہوگی پھر قتل پھیلے گا۔“

”مجھے اپنی امت پر زیادہ خوف اس بات کا ہے کہ ان میں مال زیادہ ہو جائے اور آپس میں حسد کے کشت و



شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں صرف سترہ دن رہے اور آپ نے وہ تمام فیوض و برکات حاصل کرے جو دوسرے مرید سترہ سال میں بھی حاصل نہیں کر سکتے تھے۔

شیخ شہاب الدین سہروردی نے اپنا وہ مصلی جس پر وہ عمر بھر معروف عبادت رہے تھے وہ اور جو خرقہ انہوں نے زیب تن کیے ہوئے تھا آپ حضرت ذکریا ملتانی کے سپرد کر دیا۔ آپ کے دوسرے مرید جو ایک طویل عرصے سے ریاضتوں میں معروف تھے شیخ کی بخشش و عطا کا یہ انداز دیکھ کر حیران رہ گئے۔ شیخ کی موجودگی میں تو کسی کی لب کشائی کی جرأت نہیں ہوتی مگر پہلی پر وہ ایک دوسرے سے شکایتی لہجے میں کہنے لگے۔ ”کیسی حیرت کا مقام ہے کہ ہم برسوں سے شیخ کے آستانے پر کھڑے ہیں مگر ہمارے ہاتھ اور دامن خالی ہیں مگر اس درویش (بہا الدین ذکریا ملتانی) کو دیکھو کہ اچانک آیا اور ایک ہی رات میں معرفت کے خزانوں کا مالک بن گیا نہ اس نے کوئی ریاضت کی اور نہ شیخ نے اسے کسی مشقت میں ڈالا۔ پھر یہ سب کیسے ہو گیا؟“ وہ سب کے سب بھی کہنا چاہتے تھے کہ حضرت بہا الدین ذکریا ملتانی اس خرقہ خلافت کے حقدار نہیں تھے اور پیر و مرشد کی یہ عنایت متعافانہ نہیں ہے؟ شیخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کو اس واقعے کی اطلاع ہوئی آپ نے تمام مریدان خاص کو اسے حجرہ مبارک میں طلب کیا۔ پھر ایک خادم کو چند کبوتر لائے کا حکم دیا۔ جب کبوتر آگئے تو حضرت شیخ نے وہ سارے پرندے اپنے مریدوں میں تقسیم کر دیے اور خرقہ خلافت کے دعوے داروں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ ”پہلے تم لوگ ان کبوتروں کو ایسی جگہ ڈن کر دو جہاں چھبیں دیکھنے والا کوئی نہیں ہو پھر میرے پاس آؤ۔“ تمام مرید کبوتر لے کر چلے گئے۔ ان مریدوں میں حضرت بہا الدین ذکریا ملتانی بھی شامل تھے۔ کچھ دیر بعد تمام مریدوں نے گوشہ تنہائی تلاش کر کے پیر و مرشد کی ہدایت کے مطابق کبوتر کو ذبح کر ڈالا اور حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اس دوران شیخ بہا الدین ذکریا ملتانی ابھی تک حاضر نہیں ہوئے تھے، آخر حضرت بہا الدین ذکریا ملتانی حالت میں تشریف لائے کہ آپ کے ہاتھ میں زندہ کبوتر موجود تھا۔ یہ ملاحظہ کیا کہ دوسرے مرید بن بہت خوش ہوئے کہ یہ مرید نادان شخص ہے جو کبوتر کو ذبح کیے بغیر چلا آیا۔ اب یہ یقیناً مرشد کے عتاب سے محفوظ نہیں رہے گا۔ ابھی یہ

خون کریں۔“

”پچھ آدمی حساب و کتاب سے ایک سال پہلے دوزخ میں جائیں گے۔ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا۔ امرا عظم کی وجہ سے۔ عرب عصیت کی وجہ سے۔ وہابان، تکبر کی وجہ سے، تاجر، خیانت کی وجہ سے، روستائی، جہالت کی وجہ سے۔ علماء، حسد کی وجہ سے۔“

☆☆☆

روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب باری تعالیٰ سے باتیں کرنے کے لیے کو طور پر گئے تو ایک آدمی کو عرش کے سامنے میں دیکھا۔ آپ کو اس شخص کے رہتے پر رشک آیا۔ اور اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ مجھے اس شخص کا نام بتائیں۔ ارشاد ہوا کہ نام کیا بتلائیں ہم تمہیں اس کے اعمال بتاتے ہیں۔ وہ کسی سے حسد نہیں کرتا تھا۔ اپنے والدین کی نافرمانی نہیں کرتا تھا اور چغل خوری نہیں کرتا تھا۔ حضرت ذکریا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”حاسد میری نعمت کا دشمن ہے، میرے فیصلے پر ناراض ہے، میری تقسیم سے ناخوش ہے۔“

ایک شخص نے حضرت حسنؑ سے پوچھا کہ کیا مومن بھی حاسد ہوتا ہے؟ انہوں نے فرمایا۔ ”تم حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کا حال بھول گئے۔ مومن حسد کرتا ہے لیکن اسے چاہیے کہ اپنے حاسدانہ خیالات کو اپنے سینے ہی میں چھپی رکھے اس لیے کہ جب تک زبان اور ہاتھ سے ظلم و زیادتی نہ ہوگی دوسرے کو کچھ نقصان نہ ہوگا (ہاں اس کی اپنی ذات ضرور متاثر ہوگی)“

حضرت ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں کہ ”جو بندہ موت کا بکثرت ذکر کرتا ہے اس کی خوشی کم ہو جاتی ہے اور اس کے دل میں کسی کے لیے حسد نہیں رہتا۔“

حضرت محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ ”میں نے کسی کی دنیا اور آخرت پر بھی حسد نہیں کیا اور یہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔“

حضرت دھب بن منہؒ فرماتے ہیں کہ ”حسد سے بچو کیونکہ آسمانوں میں سب سے پہلے اسی گناہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوئی ہے اور یہی پہلا گناہ ہے جس سے زمین میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہے۔“

حضرت بہا الدین ذکریا ملتانی اپنے شیخ حضرت شیخ



شہاب الدین سہروردی کے مریدین سوچ رہے تھے کہ شیخ ان سے مخاطب ہوئے۔  
 ”تم لوگوں نے میری ہدایت کے مطابق پرندوں کو ذبح کیا ہے؟“

”شیخ محترم! اس میں کیا شک ہے۔“ تمام مریدان خاص نے بیک زبان عرض کیا۔ ”ہم تو یہ دوسرے کی نافرمانی کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔“ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی نے تمام مریدوں کا جواب سنا پھر آپ حضرت بہا الدین ذکریا ملتانی کی طرف مخاطب ہوئے۔  
 ”بہا الدین! تم نے اس کبوتر کو ذبح کیوں نہیں کیا؟“

”سیدی! اس حیر و عاجز کو کوئی گوشہ تنہائی نہ مل سکا۔ پھر یہ مقام کس طرح دوسرے کے حکم پر عمل ہوا ہوتا۔؟“ انہوں نے انتہائی عاجزانہ لہجے میں کہا۔  
 ”اور تم بہت دیر سے بھی آئے ہو؟“

”یہ خادم گوشہ تنہائی کی تلاش میں تھا اگر یہ مقام ساری زندگی جتھ میں گزار کے آتا جب بھی اس عاجز کا کبھی جواب ہوتا کہ پوری کائنات میں کہیں کوئی گوشہ تنہائی موجود نہیں ہے، یہ حقیر جہاں بھی گیا حق تعالیٰ کو حاضر و ناظر پایا۔“  
 ”تم نے کچھ کہا بہا الدین۔۔۔۔۔۔!“ حضرت شیخ شہاب الدین کا لہجہ نہایت چڑچوش تھا پھر آپ دوسرے مریدوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ ”اور تم لوگوں کو اتنی جلد گوشہ تنہائی میسر آگیا؟“ مریدان خاص کی گردنیں ندامت سے جھک گئیں۔

پھر آپ نے دوبارہ اپنے مریدوں کو حکم دیتے ہوئے فرمایا۔ ”تم سب لوگ جگہ میں چلے جاؤ اور اپنے اپنے حصے کی گھاس کاٹ کر لے آؤ۔۔۔۔۔۔“ اب مرید سمجھ گئے کہ جس طرح کبوتر کا ذبح کرنا ایک امتحان تھا اسی طرح جگہ سے گھاس لانا بھی ایک آزمائش ہے مگر کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ حکم شیخ میں کون سا نکتہ پوشیدہ ہے؟ الغرض تمام درویش جگہ سے واپس آئے تو ان کے ہاتھوں میں سبز سبز گھاس کے ٹکڑے تھے، اس کے برعکس حضرت بہا الدین ذکریا ملتانی کے پاس سوکھی گھاس موجود تھی۔ حضرت شیخ نے اپنے دوسرے مریدوں سے پوچھا۔ ”تم یہ ہری بھری گھاس کیوں لاتے ہو؟“

”سبز گھاس نظروں کو اچھی لگتی ہے اس لیے ہم شیخ کے حضور بھی خوب صورت اور پسندیدہ چیز لے آئے۔“

سب کا ایک ہی جواب تھا۔  
 ”اور بہا الدین! تم یہ خشک گھاس کس لیے اٹھالائے؟“ آخر شیخ نے بہا الدین ذکریا ملتانی سے پوچھا۔

”سیدی!۔۔۔۔۔۔! جگل میں ہری گھاس کی تو کی نہیں تھی مگر میں جہاں بھی گیا اسے یاد اسی میں مصروف پایا۔۔۔۔۔۔ مجھے اچھا نہیں لگا کہ اسے یاد اسی سے محروم کر دوں۔۔۔۔۔۔ چونکہ خشک گھاس ذکریا الہی سے فارغ تھی اس لیے اسے کاٹ کر دوسرے خدمت میں پیش کر دیا۔“ حضرت بہا الدین ذکریا ملتانی نے ادب سے جواب دیا۔

تمام مرید حیران و پریشان تھے آخر کار کچھ دیر بعد حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی نے معرفت کے اس راز کی حقیقت کشائی کرتے ہوئے فرمایا۔ ”مرید پر لازم ہے کہ وہ مرشد کے فیصلے سے اختلاف نہ کرے اور اپنے دل و دماغ کو اندیشوں کے غبار سے آلودہ نہ ہونے دے۔ دوسرا حکم سب کی نگاہوں کے ماتحت ہو جس پر آگ جلدی اتر نہیں کرتی اسے جاننے کے لیے شدید سخت و نازک ہوتی ہے مگر بہا الدین اس کی نگاہوں کی طرح تھا کہ ایک ہی پھونک میں بھڑک اٹھا اور حقیقی الہی کی آگ نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔“ وہ تمام مرید جو آپ کے فیصلے پر ناخوش تھے سخت یادم نظر آ رہے تھے پھر شیخ نے فرمایا۔ ”دنیا میں کوئی کام تو فیض الہی کے بغیر نہیں ہوتا اور مشیت الہی یہ ہے کہ بہا الدین میرا خلیفہ اکبر ہے کہ جو اس کی طرف سے اخلا دل صاف رکھے گا اسے دونوں جہاں کی سعادتیں اور برکتیں حاصل ہوں گی۔۔۔۔۔۔ اور جو اپنے دل کو اور دماغ کو شک اور حسد کے غبار سے آلودہ کرے گا وہ کسی کا کچھ نہیں لگا ڈے گا۔۔۔۔۔۔ صرف اپنی دنیا اور آخرت سے ایک خطرناک کھیل کھیلے گا۔“ یہ نصیحت بھی گہمی اور ہدایت بھی۔۔۔۔۔۔

☆☆☆

اسلام نے اس بات کی بھی ہدایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف قسم کی نعمتوں سے مختلف افراد کو مالا مال کیا ہے اور یہ فطرت کا تقاضا ہے۔ تخلیق آدم علیہ السلام کے واقعے میں ملائکہ کا جواب بندوں کی عقلیت کا عظیم پہلو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ ملائکہ جب مختلف اشیا کا نام نہ بتا سکے اور حضرت آدم علیہ السلام نے بتادے تو فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ نہیں کہا کہ تو نے ہمیں کم علم دیا اور حضرت آدم علیہ



نسل انسانی میں جو مختلف رنگ، قد و قامت، صلاحیت، ذہانت وغیرہ کے لوگ ہیں یہ سب قدرت کا نظام ہے..... دوسروں کے ساتھ بعض، تنگ نظری اور حسد و کدورت جیسے جذبات سے بچیں بلکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے اس پر اس کا شکر ادا کیا جائے اس لیے کہ شکر گزاری اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ شکر چھوٹے، چھوٹے گناہوں کی معافی کا سبب بنتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے شکر گزار بندوں کو زیادہ عطا فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حد بھی خطرناک بیماری سے دور رکھے..... ایک دوسرے کی ترقی و خوشی میں خوش رہیں کہ اس ہی میں ہماری اپنی بھی بھلائی ہے۔ اللہ پاک ہمیں اس رزائل اخلاق سے محفوظ رکھے..... آمین.....

حرف آخر! اللہ تعالیٰ کی عظیم بارگاہ میں نام دل کے ساتھ دعا گو ہوں کہ اس مضمون میں کہیں کوئی غلطی، کوتاہی یا کمی رہ گئی ہو تو وہ میری اس خطا کو معاف فرمادے..... کہ وہ سب سے زیادہ معاف کرنے والا ہے..... آمین..... اور جن قابل احترام ہستیوں کے کتب سے میں نے مضامین کا انتخاب کیا اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے..... آمین.....

تمام شد.....

السلام کو زیادہ..... بلکہ ان کا جواب یہ تھا کہ ”تو پاک ہے اور ہمیں صرف وہی علم میسر ہے جو تیری جانب سے ہم کو عطا ہوا“۔ یعنی ہم جس علم کے اہل تھے، وہ ہمیں بخشا گیا اور حضرت آدم جس علم کے لائق تھے وہ حضرت آدم کو عطا ہوا..... غرضیکہ انسان ہمیشہ سے افضل ہی کو دیکھتا رہا تو مایوسی اور ناامیدی کا نشانہ بن جائے گا لہذا بہتر یہی ہے کہ اپنے سے کتر کی جانب نگاہ ڈالے تاکہ تم کو اس نعمت کی قدر ہو جو تم سے کتر کو میسر نہیں.....

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ..... ”اپنے سے اوپر والے کو مت دیکھو اپنے سے نیچے والے کو دیکھو.....“ اس طرح تم میں اعترافِ نعمت اور شکرِ نعمت کا جذبہ پیدا ہوگا۔ اس کے علاوہ اللہ سے مدد چاہے اور اسی سے ہر شے کی تمنا کرے۔ اس لیے کہ وہی دینچے والا ہے اور اسی کے پاس قدرت و طاقت ہے، وہی رازق و مہرور و دہرے، وہی عزت و سر بلندی سے ہمکنار کر سکتا ہے اور وہی ذلت و رسوائی سے بچا سکتا ہے۔ جب بندہ اپنے رب کی ان صفات سے کامل طور پر آگاہ ہو جائے گا تو پھر دھڑوں سے جلتی اور کرکھن کا تصور خود بخود ختم ہو جائے گا..... ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ.....

”اور اللہ تعالیٰ سے اس کا افضل طلب کرو“۔ سورہ ناز

آخر میں چند دل کی باتیں ہیں جو کرنا چاہوں گی۔

سب سے پہلے تو عذرا کو خوشی و سب کی آمد بہت، بہت مبارک..... اللہ تعالیٰ بے حد خوشیاں عطا فرمائے، آمین۔

میں اپنے ان تمام بے حد پیارے قارئین سے جن کے تمبرے مجھے بہنوں کی تحفہ میں پڑھنے کو مل جاتے ہیں یقین کریں آپ کے حوصلہ افزا تمبرے میرے لیے energizer کا کام کرتے ہیں۔

پیاری بہن طلعت شوکت آپ کا بے حد شکریہ کہ آپ کی ارسال کردہ کتاب مجھے موصول ہوگئی۔ آپ کی یہ کوشش ماشاء اللہ قابل تحسین ہے، جزاک اللہ.....

محترمہ سلٹی غزل..... آپ نے تو دل گاڑوں، گارڈن کروایا..... اتنے خوب صورت کمنٹس کے لیے

شکریہ..... اور اپنی ان تمام بہنوں کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہوں گی جن کے تمبروں کا مجھے شدت سے انتظار رہتا

ہے اور میری آنکھیں ان کے نام تلاش کرتی رہتی ہیں۔ خاص طور پر محترمہ رفاقت جاوید صاحبہ..... محترمہ سمیت

غفار، سلٹی غزل، آسیہ عاصمہ، فرخندہ جعفری، طلعت، ڈاکٹر ممتاز ضیا، نگینہ ضیا، شائستہ زریں اور دوسرے

..... اور ہاں بھی رخ چو ہدری تم کہاں ہو؟

اور آخر میں نہ مت آپ کا بے حد شکریہ کہ میں یہ چند باتیں آپ کے توسط سے اپنی بہنوں سے

کر سکی..... اللہ تعالیٰ آپ سب کو خوش و خرم رکھے، آمین..... اپنا بہت خیال رکھیے گا، دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

آپ کی آخر شجاعت





# ماہنامہ ہمارے بزمِ قارئین

نہت اصغر



روزمرہ کے مسائل اور ان  
کے متاثر کن حل بتاتی  
تحریروں کی ملکہ



بنیں ہماری بزم کی مہمان



شخصیت کو اپنی اس منفرد بزم میں مدعو کیا ہے۔ ان کی دلچسپ گفتگو سے ہم تو بہت محظوظ ہوئے، جیسی تو آپ کے چہروں پر بھی رونق لانا چاہ رہے ہیں، پیارے قارئین ہماری پیاری معصومہ غزالہ فرخ آج اس بزم کی

عزیز قارئین! کیسے موسم سرما کیسا گزر رہا ہے، جی کیا کہا..... ”بہت سردی ہے“ ارے بھی تو کیا اب دسمبر میں بھی سردی نہ ہوگی..... بس اسی لیے تو آپ کے حراج کو نرم، گرم حرارت بخشنے ایک نہایت خوشگوار

ماہنامہ پاکیزہ — دسمبر 2018ء — 254



مہمان ہیں۔ غزالہ کسی تعارف کی محتاج نہیں، غزالہ زندگی کے کمپیئر مسائل کو اپنی ہلکی پھلکی تحریروں کی صورت میں ڈھال کر نہایت سادہ حل پیش کرتی ہیں جو ٹھک سے جا کر دل کو لگتا ہے اور پھر کوئی مسئلہ..... مسئلہ نہیں رہتا..... بس ان کی باتیں بھی اسی عیرائے میں ہیں جو یقیناً آپ کو لطف دیں گی اور مثبت انداز فکر اختیار کرنے میں مددگار بھی ہوں گی..... تو آئیے غزالہ فرخ سے گفتگو کا آغاز کرتے ہیں۔

پاکیزہ..... غزالہ فرخ کیسی ہیں آپ؟ بالآخر آج آپ نے ہماری بزم کو رونق بخش ہی دی، کیا تاثرات ہیں؟

غزالہ فرخ..... جی میں بہت اچھی ہوں..... یہ بزم صرف آپ کی نہیں ہے، میری بھی ہے..... بلکہ ہماری ہے۔ میں تھوڑی مدت کے بعد اپنے گھر میں ہی واپس آئی ہوں، اپنا گھر، اپنی بزم، دنیا کی سب سے پیاری جہانگیر بھی ہے کہ زیادہ قدر اور قیمت بڑھا دیتا ہے درمیانی وقفہ بہت مزہ آیا اپنی دنیا میں لوٹ کر..... آپ کی عزت افزائی اور یاد دہانیوں کا بہت شکریہ۔ (ہاں یہ بات تو ٹھیک لگی)

پاکیزہ..... یہ بتائیں کہ پہلی قابل ذکر تحریر کون سی تھی اور کب منظر عام پر آئی؟

غزالہ فرخ..... پہلی کہانی تو بھول ہی نہیں سکتی، ماہنامہ حور تھا اور افسانے کا نام تھا..... ”ہر گھڑی درد کے چونکے لگے جاتے ہیں انٹرسال اول کی طالبہ بھی لاہور کالج فار ویمن میں داخلہ ہوا۔ وہاں کا سالانہ رسالہ کرنا تھا۔ میں اس کی مدیرۃ اعلیٰ کے لیے ایکشن میں کھڑی ہو گئی۔ اسی افسانے نے بڑا کام دکھایا اپنے پوسٹرز پر خود کو ملک کی مایہ ناز ادیبہ لکھوایا..... مخالف گروپ نے جیکے سے حور کے نیچے تین نقطے ڈال دیے بڑا مہر کہ پڑا..... لیکن میں جیت گئی۔ حالانکہ میرے پوسٹرز پر لکھا ہوتا ماہنامہ حور کی مایہ ناز ادیبہ۔ (آف بڑے مزے کی بات بتاتی غزالہ..... لوگوں کے ذہن بھی کیسے، کیسے چلتے ہیں)

پاکیزہ..... گھر والوں کے کیا تاثرات تھے؟ سہیلیوں، سکیمپوں نے کیا کہا؟

غزالہ فرخ..... ادیبہ بنتے ہی اپنا آپ بڑا مختلف اور اہم لگنے لگا تھا۔ مغرور ہونے کو دل تو چاہتا تھا مگر طبیعت میں عاجزی اور انکساری تھی، بھی تو بس..... مگر بچانے جانے اور کسی کی تعریف کرنے سے گردن میں ہلکی سی اکڑ ضرور آ جاتی تھی۔ ای، ڈیڈی بھی سراہے اور خوش ہوتے۔ (بہت خوب)

پاکیزہ..... یہ بچپن سے شوق تھا والی بات آپ نے کیوں نہیں کی؟

غزالہ فرخ..... مجھے تو سال اول میں افسانہ چھپ جانا بچپن کا شوق ہی لگتا ہے مگر اب تو بچپن کی بہت جلد..... بلکہ پرائمری میں ہی سمجھ لیں آمد ہو جاتی ہے۔ آج کے حساب سے یہ بچپن کا شوق نہیں تھا۔ (ہاں آج تو پگھوڑے تک ہی بچپن محدود ہے، اس کے بعد تو بچے کافی بڑے ہو جاتے ہیں)

پاکیزہ..... اچھا، ماہنامہ پاکیزہ سے بھی تعارف کی کہانی ڈرا تائیں؟

غزالہ فرخ..... ماہنامہ پاکیزہ بھی تعارف کا محتاج نہیں رہا۔ حور..... زیب النساء..... بانو کے زمانے سے لگی تو استقبال کیا ڈائجسٹوں کی دنیائے..... ڈائجسٹ کی دنیا ہو اور پاکیزہ سے شناسائی نہ ہو..... یہ تو پھر ہو نہیں سکتا ناں..... یہ حقیقت ہے اسے مدح سرائی کے زمرے میں نہ لیا جائے نہ بہت شکریہ! (ارے آپ کے خلوص سے ہم واقف ہیں)

پاکیزہ..... آپ پچھلے دنوں تحریر کی دنیا سے دور ہیں، کوئی خاص وجہ؟

غزالہ فرخ..... پچھلے دنوں قلم سے دوری ہوئی اللہ کا شکر نا تا نہیں ٹوٹا وجہ بس دل چمن سی ہے، صرف چھ ماہ کے عرصے میں دو پیارے شرارتی بھائیوں سے دوری..... ہم چار بہن، بھائی ہیں مگر اب تھے، دو بھائی بہت جلد اس فانی دنیا سے کوچ کر گئے۔ دل ٹوٹ کر کرچی، کرچی ہو گیا..... بظاہر زندگی کے تمام





غزالہ فرخ اپنے شریک حیات، اپنے بچوں اور ان کے بچوں کے ہمراہ

سے شام تک گزرتے دن میں کئی کہانیاں..... کئی مسائل گرفت میں آ جاتے ہیں، ہمارے لکھنے سے اگر کسی گھریلو مسئلے کا حل نکل آئے تو اسے قلم کی فتح جانیے..... (جی بالکل)

پاکیزہ..... گھریلو امور اور لکھنے لکھانے کی مصروفیات..... میں کس طرح تناسب رکھتی ہوں؟

غزالہ فرخ..... مجھے لکھنے کے لیے کسی خاص ماحول کی ضرورت نہیں ہوتی، گھریلو امور چلتے رہتے ہیں اور لکھنے لکھانے کی مصروفیات بھی..... ماشاء اللہ چار بچوں کا ساتھ، میاں کی ناز برداری سب کچھ چلتا رہتا تھا اور اچھے سے چلتا تھا اور اب تو قدرے فراغت ہے، میرے بچے بھڑوں نے سنبھال لیے اور گھرداری بھی..... ہم دونوں میاں، بیوی عمر کے اس دور میں ہیں کہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر وقت گزار لیتے ہیں۔ (بہت خوب..... ہماری دعا ہے کہ آپ اسی طرح صحت مند، خوش و خرم رہیں، ویسے آپس کی بات ہے بھڑوں پر کافی بڑی ذمہ داری نہیں ڈال دی)

معاملات چلتے رہے مگر قلم کی گرفت کمزور پڑ گئی..... یوں بھی میری تحاریر میں ذرا بھی سستی ہوتی تو میری ساس مجھے ڈانٹ پلاتیں..... کہ تم لکھتی کیوں نہیں..... میرا شوق ابھارتیں انہوں نے بھی آنکھیں موند لیں..... مگر اب پھر قلم تھام لیا۔ اللہ قلم کی حرکت میری اپنی چلتی سانسوں تک قائم رکھے آمین..... (اللہ تعالیٰ آپ کے پیارے مرحومین کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ سن کر افسوس ہوا..... ایک بھائی کے لیے تو پاکیزہ میں آپ نے تعزیتی مضمون بھی بھیجا تھا۔ اللہ آپ سب کو صحت و سلامتی سے رکھے، آمین)

پاکیزہ..... آپ نے ہمیشہ چھوٹے موٹے گھریلو مسائل کو بہت اچھی طرح فوکس کر کے لکھا پھر بڑے خوب صورت انداز میں مل بھی بتائے کیا یہ سب آدھ ہوتی ہے؟

غزالہ فرخ..... لکھنا، ایک آمدنی ہے اور اس آمد کی رفت نہ ہو تو ادب اذیت میں مبتلا ہوتا ہے۔ صبح

ماہنامہ پاکیزہ — دسمبر 2018ء — 256



پاکیزہ ❖..... ثنی وی بھی کس حد تک ہے.....؟  
غزالہ فرخ ❖..... ثنی وی کے بہت شوقین ہیں،  
پاکستانی ڈرامے دیکھتی سے دیکھتے ہیں۔ یہ ہم دونوں کا  
شوق ہے۔ حالات حاضرہ پر نظر رکھتے ہیں اور کرکٹ  
فیور بھی ہے، کبھی میں اور میرے شریک حیات کی  
دلچسپیاں اور شوق یکساں ہی ہیں (ماشاء اللہ) ان کو ثنی  
وی کا شوق بہت زیادہ ہے، کبھی جی میں آتا ہے کہ  
پوچھوں بیوی کی ثنی وی..... پڑھو دی پوچھ نہیں پاتی کہ  
اگر جواب دوسرے والا آ گیا تو..... (کیا اب بھی  
دھڑکا ہے.....) (۱۱۱)

پاکیزہ ❖..... آج کل تو پاکستانی فلمیں بھی بہت  
اچھی آ رہی ہیں، آپ کا کیا خیال ہے؟  
غزالہ فرخ ❖..... عید اگلی پر ملنے ہونے والی  
تینوں پاکستانی فلمیں دیکھی ہیں اور ہر ایک کو ایک سے  
بڑھ کر پایا، زیادہ ثنی وی کے استاد ہوتے ہیں، بڑا اچھا  
مہنہ سال لگتا ہے، مجھے تو اس بات کی خوشی ہوئی کہ سینما  
ہاؤس شائقین سے بھر جاتا تھا۔ میرے میاں مذاق  
کرتے کہ فلم دیکھنے سے زیادہ خوش تو تم فلم بینوں کی  
تعداد دیکھ کر ہوتی ہو، فلموں کی کوئی فلم بین داکٹر لے  
آئے ہیں، شکر ہے میرے پیارے پاکستان کی یہ  
صنعت ترقی کی طرف قدم بڑھا چکی ہے۔ (جی ہاں،  
تفریح تو ضرور کریں مگر اپنی پاکستانی صنعت کو بھی تو  
فروغ ہو۔ یہاں تو سب پڑوسی ملک کے میڈیا پر ہی  
فدا رہتے ہیں)

پاکیزہ ❖..... اپنے پیارے ملک پاکستان کا بوم  
آزادی کس طرح سناتی ہیں؟

غزالہ فرخ ❖..... میرا اہم مشن اپنی اگلی نسل  
میں وطن کی محبت اعلیٰ کرنا ہے، خود بھی سبز اور سفید لباس  
پہنتی ہوں چھوٹے بچوں کی گرہنی ہوں، انہیں پاکستان  
کے حصول کی مصوحتوں اور قربانیوں کے بارے  
میں بتاتی ہوں کہ بچوں میں جذبہ حب الوطنی کوٹ،  
کوٹ کر بھر جائے اور بڑھ جائے۔ پاکستان سے محبت  
ان کی جڑ میں شامل ہو (بہت پیاری بات ہے غزالہ، یہ

پاکیزہ ❖..... کچھ اپنی فیملی کا تعارف بھی  
کروائیں؟

غزالہ فرخ ❖..... میری فیملی میں میرے ہاوشاہ  
سلامت ہیں، خادرجیل پھر میرے تین شہزادے سرمد  
جیل، امجد جیل، اسفند جیل، شہزادی ایک ہے غزل  
میں اسے غزالہ کی غزل کہتی تھی۔ خیر سے وہ اب اپنے  
شریک حیات منعم کی غزل ہے۔ ہم سب کی بچیاں اپنے  
گھروں میں ایسے ہی خوش و خرم رہیں، اگلی  
آمین..... ان بچوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم  
سے صاحب اولاد کیا ہے۔ ان سب کا تعارف کرانا اس  
لیے مشکل ہے کہ کسی کا ذکر کم زیادہ ہو گیا تو اپنی گرتی  
سے لڑائی کا سبب بنے گا۔ میرے تمام گریڈ چلڈرن  
مجھے گرتی کہتے ہیں اور سب انفرادی طور پر میرے دل و  
جان سے بہت قریب ہیں، ہم دونوں نے بچوں میں  
خوب دل لگایا ہے، ان کے تقریری مقابلے..... کوئی  
موضوع دے کر ان پر خیالات کا اظہار..... کچھ نہ کچھ  
کروائی رہتی ہوں ہاں البتہ اس خاص یہ کہ سب کو ایک  
جیسے نمبر دینے پڑتے ہیں کیونکہ سلسلہ آئندہ بھی تو چلانا  
ہوتا ہے ناں..... مختصر یہ کہ ماشاء اللہ ہمارے گھر  
میں راوی چین ہی چین لگتا ہے، اللہ اس وقت سے  
ہمیشہ بجائے جب یہی چین ہی چین..... چین، چین  
میں تبدیل ہو جائے۔ (ارے غزالہ آپ اچھی تو سب  
اچھے بس اسی طرح آپ کشادہ دلی اور وسیع انٹری  
سے پیش آتی رہیں گی تو سکون ہی سکون رہے گا،  
تنازعے وہاں ہوتے ہیں جہاں ہم اپنے حقوق لینا  
جانتے ہیں فرائض ادا کرنا بھول جاتے ہیں)

پاکیزہ ❖..... بچوں میں کس حد تک یہ صلاحیت آئی؟  
غزالہ فرخ ❖..... بیٹے تو ماشاء اللہ مکمل  
کاروباری ذہن کے مالک ہیں، باپ کے ساتھ مکمل  
طور پر کاروبار میں مصروف ہیں..... بیٹی کا نام غزل  
رکھا مگر اس نے بھی کوئی کہانی، کوئی غزل نہیں سنائی،  
اب اگلی پودے امید ہے شاید..... (ان کی آپ  
ترغیبت کیجئے ناں)



سرالی رشتوں کی۔ بیس پچیس سال پہلے کی  
ہاں اپنی بیٹی کو رخصتی کے وقت کیا صیحت کرتی  
تھی اور آج کی ماں؟

غزالہ فرخ ❖..... میرا تو خیال ہے بیٹی  
کو رخصت کرتے ہوئے یہی بات سمجھانی  
چاہیے کہ ہمارے مذہب میں میانہ روی اور  
اعتدال کا حکم ہے۔ اپنی شخصیت کو اور سرالی  
رشتوں کو ایک کالج کے گلاس کی طرح سمجھیں  
ان پر اپنی گرفت اتنی کمزور نہ کریں کہ وہ ہاتھ  
سے نکل کر ٹوٹ جائے اور اتنی سخت گرفت بھی  
نہ ہو کہ وہ ہاتھ میں پکڑے بھی رہیں اور وہ  
ٹوٹ بھی جائے..... (کیا گہری بات کی  
ہے)



پاکیزہ ❖..... گھر کا ماحول خوشگوار رکھنے  
میں کس کا کردار اہم ہوتا ہے، مرد کا یا عورت کا؟  
غزالہ فرخ ❖..... گھر کے ماحول کو  
خوشگوار رکھنے میں اہم بلکہ اہم ترین مقام مرد کا  
ہوتا ہے، اگر گھر کا مرد اپنی عورت کو خوش رکھے گا تو وہ  
سارا دن خوش دلی سے ہر کام نبھائے گی، خود سچ سوچیں  
اگر میاں حضرات گھر سے جاتے ہوئے خوب کھلا خرچہ  
دیں..... شاپنگ پر جانے کی اجازت مع کیش دے کر  
جائیں تو سارا دن کتنا خوشگوار گزرے گا، بچے ملازم  
سب عتاب سے بچے رہیں گے اور اگر صاحب بہادر  
کسی بات سے جھگڑ کر اور پیسوں سے ہری جھنڈی دکھا  
کر آفس چل دیں تو گھر کے ماحول کے بارے میں  
میری پاکیزہ بہنیں بتائیں گی..... میں نہیں۔

پاکیزہ ❖..... آپ اپنے افسانوں کے ذریعے  
کیا پیغامات دیتی ہیں؟

غزالہ فرخ ❖..... میں اپنے افسانوں میں پتا  
نہیں کوئی غاص پیغام دے پاتی ہوں یا نہیں مگر میں  
معاشرے میں درپیش چھوٹے، چھوٹے مسائل کو اپنا  
موضوع بناتی ہوں، ہم خواتین کی زندگی میں چھوٹے  
مسائل کسی وقت عاقبت نا اندیشی کے باعث بہت

غزالہ فرخ اپنی جیتی بیٹی اور نواسی کے ہمراہ

ہم بڑوں کا ہی فرض ہے کہ ان میں حب الوطنی جگائے  
رہیں)

پاکیزہ ❖..... اسکول و کالج لائف میں غیر نصابی  
سرگرمیوں میں کس حد تک حصہ لیا؟

غزالہ فرخ ❖..... اسکول، کالج کی زندگی میں  
سرگرمیوں میں حصہ تو لیا مگر وہ غیر نصابی نہ تھا۔ کالج لائف  
میں تین ماہ کے بعد نکلنے والے کزنٹ اور سالانہ میگزین کی  
ایڈیٹرشی، پبلشنگ سائنس کی جرنل سیکرٹری..... اسکول  
چھوٹا سا تھا، وہاں کے ہر معاملے میں سب سے  
آگے..... مگر جانے کیوں برابر میں پڑھائی اور نصاب  
صاحب خود بخود شامل ہو جاتے تھے۔

پاکیزہ ❖..... نئی نسل کو اکثر کیا صیحت کرتی ہیں؟  
غزالہ فرخ ❖..... نئی نسل کے لیے ایک ہی  
صیحت..... ”پاکستان سے پیار کرو۔“ یہ پیار  
پاکستان کی تقدیر بدل دے گا۔

پاکیزہ ❖..... اچھا غزالہ بات ہو جائے کچھ



خاص مہربانی سے بار بار بلایا ہے، ننگے پاؤں اس پاک گھر کے طواف بخشنے ہیں، اپنے محرم کے ساتھ۔ اس سیاہ پاکیزہ پتھر کے بو سے لیے ہیں، ایک دفعہ وہاں سے واپس آ کر پھر انہیں خیالوں میں کس وقت گزارہ ہے، اس خوب صورت مقام کے سامنے ساری دنیا کے تمام نظارے بچھ چکے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو بار بار اس مقام پر بلائے، آمین..... سب رشتوں کی اپنی، اپنی جگہ ہے، کسی بھی رشتے کا دوسرے سے تقابل بہت مشکل ہے مگر میرا خیال ہے کہ رشتہ وہ ہے جسے حیات کا شریک کہا جاتا ہے۔ شریک حیات بڑا پیارا بھی مشکل، کبھی آسان رشتہ ہے، کھانا، بیٹھا، ترش، شیریں، طحڑا، لڑائی، تلخ، صلح بھلا یہ سارے مزے کسی اور رشتے میں ہو سکتے ہیں۔ (جی اگر دونوں ایک دوسرے کو سمجھیں تو) شخصیت تو پھر وہی حیات کے شریک والا ہی جواب ہو گیا۔ عمر کے اس دور میں ہیں مگر اب بھی یہی جملہ دل میں دعاؤں کا مرکز بن کر رہ جاتا ہے کہ اللہ جوڑی سلامت رکھے۔ (اکی آمین)

پاکیزہ ♣..... کھانے پکانے کی کس حد تک شوقین ہیں یا پریزیشنیشن (سجاوٹ وغیرہ) کا بھی خیال رکھتی ہیں؟

غزالہ فرخ ♣..... کھانا پکانے کی تو شوقین تھی، میاں نے ہی سکھایا اور پھر خوب پکھوایا۔ دوستوں کی خوب دعوتیں، ناشتے بنائے مگر اب میاں بھی پریزیشنیشن غذا پر ہیں اور ان کے دوست بھی..... یوں بھی خیر سے بہو ہیں آگنی ہیں، ہماری تو چمچی ہو گئی ہے۔ (بہت اچھے بہو)

پاکیزہ ♣..... کوئی خوشگوار واقعہ جو آپ کی زندگی پر اثر انداز ہوا اور آج بھی آپ سوچ کر خوش ہوتی ہوں؟

غزالہ فرخ ♣..... خوشگوار واقعوں سے تو زندگی کی کتاب بھری پڑی ہے، بہت پیارے اور فرامیہ دار بچے ہیں، بہو ہیں بھی بیٹیوں کی طرح ہیں، اور داماد بھی خوب صورت سجاوٹ کا ہے۔ اتنے پیارے لوگوں کی سنگت میں روزانہ ہی خوشگوار واقعے ہوتے ہیں، ماشاء اللہ..... (اللہ آپ کی فیملی کو سدا شاد و آباد رکھے۔ الہی آمین!)

بڑے بلکہ خطرناک مسائل بن جاتے ہیں۔ بس کوشش یہی کرتی ہوں کہ چھوٹی خوشیاں بڑی مسرتوں میں تبدیل ہو جائیں مگر چھوٹے مسئلے ختم ہو جائیں۔ (یہی تو اصل پیغام ہے کہ نصیحت بھی نہیں کی اور سوچنے پر بھی مجبور کر دیا)

پاکیزہ ♣..... اچھا اپنی کچھ پسند نا پسند بھی بتا دیں؟ پسندیدہ رنگ، پھول، لباس، خوشبو، ڈش، تہوار، تفریحی مقام، رشتہ، شخصیت، جملہ، شعر، گیت، موسم؟

غزالہ فرخ ♣..... پسندیدہ رنگ سفید ہی ہے کہ ہر رنگ میں رنج بس جاتا ہے، سفید لباس، سفید اجرام، زندگی کے ہر رنگ پر حاوی ہے۔ پسندیدہ پھول یقیناً گلاب..... بس یوں چاہیے کہ جتنے ہی لفظ ہیں وہ مہکتے گلاب ہیں۔ لباس میرے خیال میں وہ اچھا ہے کہ جو جسم کو ڈھک دے مگر فیشن کے بھی مطابق ہو اور جسمانی خدو خال کے بھی..... ڈش پسندیدہ ابھی تک ایجاد ہی نہیں ہوئی کہ جی بھر کر کھا بھی لیں اور وزن میں کوئی تبدیلی بھی نہ ہو۔ تہوار کو میں صرف عیدِ بقرعید یا پھر کوئی خاص موقع کے مطابق نہیں جانتی، میں ذرا روٹی طبیعت کی ہوں، بعض کے خیال میں کچھ زیادہ ہی میں ہر چھوٹا بڑا موقع خواہ وہ میرے بچے یا ان کے بچوں کی سالگرہ ہو..... اپنی یا بچوں کی شادی کی سالگرہ..... بچوں کے اچھے رزلٹ، قرآن پاک مکمل کرنے پر بچوں کی آمین کا موقع..... اپنی فریڈز کے ساتھ کبھی پارٹیاں، حتیٰ کہ ہر موقع کو ننھے سے تہوار کی طرح منائی ہوں، ربیع الاول کے پیارے ماہ میں میلادِ مصطفیٰ بڑی عقیدت اور اہتمام سے منایا جاتا ہے۔ گزشتہ دنوں میری کنبی پارٹی کے 25 برس مکمل ہوئے اس کی سلور جوبلی کی تقریب کو بڑے زبردست طریقے سے اپنے گھر میں منعقد کیا۔ ہم چاہیں تو چھوٹی خوشیاں اور ننھے مواقع خوب صورت تہواروں میں منتقل ہو سکتے ہیں۔ (جی بالکل درست کہا غزالہ زندگی کے انہی شب و روز سے خوشیاں کشید کرنا دراصل پروردگار کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہے) خوب صورت ترین مقام تو وہی ہے، جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی



(ہماری شائستہ ذریں نے ایک پاکیزہ سروے میں یہ سوال کیا تھا آپ بھی اس کا جواب ضرور دیں)

غزالہ فرخ ❖..... پتا نہیں اپنی مٹی کی محبت کی سرشاری ہے کہ اس زمین پر ملنے والی خوشحالی ہے کہ کبھی بیرون ملک میں سکونت ہماری خواہشات کی فہرست میں نہیں رہا بلکہ کوئی بھی پرکشش آفر کم از کم میری ذات پر کبھی اثر انداز نہیں ہو پائے گی دل چاہتا ہے کہ اللہ کی کریم ذات اپنے عظیم مہر کی زیارت کو بلانی رہے اور مدینے کی مقدس گلیوں کی زیارت ہماری قسمت میں رہے، آمین..... اور بس..... یوں چلے۔

کچھ ایسی کشش تھیں ہیں ہے اے شہر مدینہ گو حاضری سو بار ہو، حسرت نہیں جاتی جس جذبہ اور محبت کے ساتھ اپنے ملک سے باہر کمانے کے شوق میں جانے والے اگر بھی لگن اور محنت و مشقت اپنی دھرتی ماں کے لیے کریں تو کامیابی قدم چومے گی۔ (جی بالکل)

پاکیزہ ❖..... اچھا غزالہ آپ کا بے حد شکر یہ کہ اپنی مصروفیات سے وقت نکالا۔ انشاء اللہ آپ کی تحریروں سے ہمارے قارئین لطف اندوز ہوتے رہیں گے۔

☆☆☆☆

جی تو پیارے قارئین..... دیکھا کتنا لطف آیا ناں..... غزالہ فرخ کی شخصیت واقعی باغ و بہار ہے، نہایت دلچسپ جوابات کے ساتھ آج کی بزم کا مزہ آگیا۔ ہماری دعا ہے کہ غزالہ سی طرح رونقیں سکھیرتی رہیں۔ اب اجازت چاہتے ہیں۔ انشاء اللہ جلد ہی ایک اور پیاری سی لکھاری سے دلچسپ بات چیت پیش کی جائے گی جب تک کے لیے فی امان اللہ.....! جنوں کے راستے یوں تو ٹھن سے لگتے ہیں مگر یہ راستے منزل تک نکلے ہیں زمانہ ہر قدم پہ راہ روکنے والا عزائم پختہ ہوں جن کے وہ کب بھٹکتے ہیں

☆☆☆

پاکیزہ ❖..... کوئی ناخوشگوار لمحہ، واقعہ جو آج بھی دل دکھا دے یا چہرے پر ناگواری کے آثار نمایاں ہو جائیں؟

غزالہ فرخ ❖..... میرے دونوں پیارے بھائیوں کی بے وقت موت بہت بڑا سانحہ ہے، زندگی کو انجوائے کرنے والے میرے لاڈلے بھائی کچھ ماہ کے عرصے میں دونوں ہی چل دیے، یہ بات دل کو چٹکنا چور کر جاتی ہے۔ ان کے بیٹا جینا ایک سزا سا لگتا ہے مگر پھر یہی حقیقت بھی ہے۔

(اللہ ان کی مغفرت کرے۔ بس یہیں تو انسان کا بس نہیں چلتا)

پاکیزہ ❖..... پاکیزہ قارئین کے لیے کوئی پیغام سلام، دعائیں؟

غزالہ فرخ ❖..... جیسا کہ میں نے پہلے بھی بتایا ہے کہ میں قلم کی دنیا سے کچھ عرصہ دور رہی ہوں قلم اور میرا ناتا ذرا سا کمزور پڑ گیا تھا، اب پھر اس دنیا میں قدم رکھا ہے۔ اپنی پاکیزہ بہنوں سے تعریف و تحقید کا انتظار رہے گا۔ اپنی بہنوں کو بہت پیارا اور سلام..... اللہ کرے یہ ناتا ہمیشہ جڑا رہے، (آمین) آپ سے ٹیک تمناؤں کی خواہشمند ہوں اور آپ کے لیے بڑے پیارے اور دوستانہ جذبات اور احساسات رکھے ہوئے ہوں، اللہ ہر دم نیکی اور بھلائی کا رکھے اور ہم خوشی سے ملے رہیں۔ آمین..... (بہت پیاری دعاؤں کے لیے جزاک اللہ!)

پاکیزہ ❖..... ہماری اس بزم میں آنا کیسا لگا؟ غزالہ فرخ ❖..... جیسا کہ پہلے بھی کہا کہ یہ بزم ہم سب کی ہے اور اس میں لوٹ آنا بہت پیارا اور اپنا سا لگا، جس بزم میں اپنائیت کا احساس ہو تو اس سے خوش کن جگہ بھلا اور کون سی ہوگی۔ یہ دعا ہے کہ محفل ہمیشہ آباد رہے اور ہمارا بھی آنا جانا لگا رہے۔ آمین۔ (جی بالکل، آپ کی آمد تو بس اب برابر ہونی چاہیے)

پاکیزہ ❖..... اگر بیرون ملک سکونت اختیار کرنے کی پرکشش آفر آئے تو فوری رد عمل کیا ہوگا؟

ماہنامہ پاکیزہ۔ دسمبر 2018ء 260



# غیر ذاتی برادری میں شادی

## شائستہ زریں

قارئین کرام! السلام علیکم

موسم سرما اپنے ہمراہ طمن رت لے کر آیا ہے شادی ہالوں کی رونقیں عروج پر ہیں۔ شادمانی کے گیت کانوں میں رس گھول رہے ہیں۔ ادھر ادارہ پاکیزہ نے دہن نمبر کا اہتمام بھی کر ڈالا اور ہم نے موقع کی مناسبت سے ایک سروے رپورٹ تیار کر لی۔

اس امر سے تو ہم سب ہی واقف ہیں کہ معاشرہ مختلف خاندانوں کے باہمی میل جول سے وجود میں آتا ہے اور گھر کی حیثیت بھی چھوٹے سے معاشرے کی ہوتی ہے جس کے استحکام میں عورت کلیدی کردار ادا کرتی ہے... لڑکی بیاہ کر خواہ کتنے ہی قریبی عزیز کے گھر کیوں نہ جائے اسے ایک نئے ماحول کا سامنا

کرتا پڑتا ہے۔ اور جب بات اپنے خاندان، تہذیب، ثقافت اور قومیت سے ہٹ کر ہو تو یہ ڈنٹے داری کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ ایک بالکل علیحدہ تہذیب میں بیاہ کر جانے والی عورت رہن بہن، زبان، کھانا پکانا، رسومات وغیرہ سبکے سے یکسر مختلف پاتی ہے تو یہ اس کے لیے کٹھن آزمائش سے کم نہیں کہ اس ماحول کے مطابق خود کو ڈھالنا بھی دہن کے حصے میں آتا ہے کہ اس میں اس کی بہتری بھی ہے اور جیت بھی۔ اسے دونوں تہذیبوں کے درمیان فاصلوں کو سیٹھنے اور تہذیبوں کے ملاپ میں اہم کردار ادا کرنا پڑتا ہے عورت محض اپنے شوہر کے ہی نہیں گھر کے ہر فرد کے معیار پر پوری اتر کر اپنا مقام بناتی ہے۔ جب کہیں چا کر وہ دو خاندانوں کو ایک بنانے میں کامیاب ہوتی ہے۔ بے شک

زمین پر ہے مگر آسمان جیسی ہے

وہ موم سی لڑکی چٹان جیسی ہے

ہم نے چند ایسی خواتین سے جو بیاہ کر بالکل الگ ذات برادری میں گئیں اور اسی سانچے میں ڈھل گئیں معلوم کیا کہ.....

سوال نمبر 1: میرے اور سرال کے عام رہن بہن بالخصوص بچوان، زبان اور شادی بیاہ کے رسم و رواج میں کیا فرق ہے؟

سوال نمبر 2: سرال کے نئے ماحول میں کس طرح خود کو ڈھالا کہ آج خوشگوار اور مطمئن زندگی بسر کر رہی ہیں؟

سوال 3: اپنے تجربے کی روشنی میں بتائیں کہ آپ غیر ذات برادری میں شادی کے حق میں ہیں؟ کیوں؟

### ڈاکٹر روشن خان

#### (ہومیوپیتھک ڈاکٹر)

ڈاکٹر روشن خان کا تعلق گجرات سے ہے۔ آپ کے ہم سفر ڈاکٹر محمد جمشید خان جہلم پنجاب کے ایک گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کی شادی کو ۳۵ برس ہو چکے ہیں۔

۱: زبان سرال میں بھی اردو ہی بولی جاتی ہے اور کھانے بھی تقریباً ایک سے ہی ہیں۔ میری سرال بہت مذہبی ہے اس لیے وہاں رسم و رواج ہیں ہی نہیں۔ شرعی نکاح اور ولیمہ اسی طرح ہماری فہمی میں بھی ہوتا ہے۔

۲: اس میں زیادہ اہم کردار میرے شوہر کا



۱: یکسر مختلف ہیں۔ بیاہ کر آئی تو میں نے دیکھا کہ بلوچ فیملیز میں فریج پر کم استعمال ہوتا ہے زیادہ تر چٹائیوں اور دریوں پر نشست کا رواج ہے۔ کھانوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ کہاں یوپی کے نوع بہ نوع چٹے کھانے اور کہاں بلوچی کھانے۔ جو صرف مچھلی، جھینگا اور گوشت و بزی کی چیدہ، چیدہ ڈشوں پر مشتمل ہیں۔ بلوچوں کی مرغوب غذا محض مچھلی ہے البتہ چند ایک کھانے لیاری میں بسنے والے پیشتر مین، بھی مین اور سندھی بلوچی کھانوں سے اخذ کر لیے ہیں وہ بھی متنوع نہیں ہیں۔ ان کی سویت ڈشز زردے اور پانی و چینی کی بنی سوتیاں ہیں۔ اسٹیکس زیادہ تر بازار سے خرید کر کھاتے ہیں جبکہ ہمارے یہاں گھر میں بنائے جاتے ہیں۔ اچار، چٹنی اور مرہ جات ان کے ہاں مرغوب غذا نہیں جبکہ ہمارے یہاں دسترخوان کی زینت ہیں۔ ابتدا میں میرے ساتھ بہت مشکلات پیش آئیں۔ شروع کے دو



ہے۔ کیونکہ انہوں نے مجھے اپنے خاندان کے افراد کے مجموعی و انفرادی دونوں قسم کے رویوں سے آگاہ کر دیا تھا۔ دوسرے میں اس بات کی قائل ہوں کہ عورت سرال میں بولے کم اور سنے زیادہ اور گھر کے بڑوں سے یکے۔ میں نے اپنی ساس محترمہ سے بہت کچھ سیکھا۔ ان کی پسند نا پسند کا خیال رکھا اور خود کو اس ماحول میں بخوشی ڈھال لیا۔

۳: بالکل حق میں ہوں اور اپنے تجربے کی روشنی میں کہہ سکتی ہوں کہ دوسری برادری میں شادی سے نسل پرستی اور ذات پات میں تفریق کا خاتمہ ہوتا ہے۔ ہر برادری کا اپنا رہن سہن اور روایات ہوتی ہیں۔ آپس میں دو خاندانوں کے ملنے سے یکانگت اور اتحاد بھی پیدا ہوتا ہے۔ جس سے معاشرے میں اچھے اثرات پیدا ہوتے ہیں۔

### تزنین دانش

(سابقہ لیکچرار، کراچی کالج)

### برائے خواتین

تزنین کا تعلق بولی ہے اور آپ کے ہم سفر معروف شاعرین م دانش صاحب بلوچی (کمران) کمرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کی شادی کو ۲۵ سال کا عرصہ بیت گیا۔



تین مہینے ہانسنے کی خرابی کی وجہ سے ڈاکٹروں کے پھرے لگائی رہی۔ بڑی مشکل سے معاملہ سیٹ ہوا۔ بازار سے سودا سلف لانے کے لیے جب اپنے کسی سرالی بھانجے، سمجھے کو بھیجتی تو زبان سے ناواقفیت کی بنا پر سوپ کے بجائے صابن آجاتا۔ بلوچوں کی ایک اچھی رسم یہ ہے کہ لڑکی والے



## سروے

تہوار، خوشی، غم کے موقع پر ہی جانا ہوتا ہے۔ ساتھ رہتی تو شاید سندھی بول بھی لیتی۔ شادی کی رسومات میں بھی بہت فرق ہے۔ سرال میں مہندی کی رسم میں خواتین بھی خوشی کے اظہار میں ناچتی ہیں۔ ہماری یہاں لڑکی کی شادی پر زیادہ خرچہ لڑکی والوں کا ہوتا ہے اور سرال میں سارا خرچہ لڑکے والے دیتے ہیں پہناؤ نیاں بھی لڑکے والے دیتے ہیں۔ لڑکی والے صرف جھنڈ دیتے ہیں۔ ہماری سرال میں ایک رسم ہے کہ رخصتی سے پہلے دلہن کو دولہا کے سامنے بٹھایا



جاتا ہے۔ سارے خاندان کے لوگ جمع ہوتے ہیں اور دولہا، دلہن کی ککریں لگائی جاتی ہیں۔ وہاں دولہا، دلہن کی منہ دکھائی کو خرچی کہا جاتا ہے۔ جب دولہا، دلہن کو رخصت کروا کر لاتا ہے تو کمرے میں ایک مٹی کی ہنڈیا رکھی ہوتی ہے اس کو پاؤں مارتا ہے پھر دلہن کے ساتھ زمین پر لال کپڑے پر بیٹھتا ہے اور دلہن کے سر پر چاول اچھالتا ہے اور روٹی کو توڑتا ہے۔

۲: پہلے سرال والوں کے طور طریقے سیکھے ان کے ساتھ دوستیاں کیں۔ اپنی امی کو اماں کہتی ہوں ساس کو بھی اماں کہا۔ اپنی بڑی بہن کو آپا کہتی ہوں سند کو بھی آپا کہا۔ جب سرال کو اپنا گھر سمجھ لیا، ان کے دکھ سکھ اور خوشی کے لمحات میں ان کے ساتھ کھڑی

جھنڈ کے نام پر لڑکی کو کچھ نہیں دیتے صرف اپنی خوشی سے لڑکی کو زیور اور کچھ جوڑے دے دیتے ہیں۔ شادی کے اخراجات لڑکے والوں کے ذمے ہوتے ہیں۔ دولہا دلہن کے کمرے کا فرنیچر اور سارا سامان بھی لڑکے والوں کا ہوتا ہے۔

۱:۲ ابتدا ہی سے ہم میاں بیوی علیحدہ فلیٹ میں رہے۔ اس لیے بھی کبھار آنے جانے کے لیے انسان کیا خود کو بدلے۔ البتہ شادیوں اور تقریبات میں جانے کے لیے لوگوں کے زیورات، ہلبوسات اور دیگر امور کا وقفہ، وقفے سے مشاہدہ کرتی رہی کہ میں ان سے مختلف نظر نہ آؤں۔ اپنے لباس میں ساڑی کا استعمال میں نے ترک کر دیا۔ بلوچی پوشاک خوشی، خوشی بنوائیں اور خوب پہنیں۔ لڑکیوں اور عورتوں کے ساتھ کھل کر بیٹھتی رہی جلد ہی ان کی زبان سے شدید... حاصل کر لی۔ یوں اجنبیت نہیں رہی۔

۳: شادی کی کامیابی و ناکامی کا انحصار میرے نزدیک کلچر اور ثقافت کے فرق سے نہیں بلکہ میاں بیوی کے دل اور ذہن کے فرق پر ہو سکتا ہے۔ بعض اوقات ایک ہی کلچر میں بھی ازدواجی زندگی درہم برہم ہو جاتی ہے۔

## رفتہ شبانہ

### (معلمہ، قلمکار)

رفتہ شبانہ کا تعلق دہلی سے ہے اور آپ کے ہم سفر تاج انصاری سندھی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ شادی ۲۲ سال ہو چکے ہیں۔

۱: عام رہن بہن میں بہت فرق ہے بالخصوص بکوان اور زبان کے حوالے سے کافی امتحان آئے۔ میں اتنے عرصے میں چاول کی روٹی نہ کھ سکي۔ پھلی، ساگ بھی کوشش کے باوجود ان جیسا نہ بنا سکی۔ ابتدا میں ساس کی بات سمجھ نہیں آتی تھی لیکن ان کے احترام میں ظاہر بھی کرتی تھی کہ ان کی بات سمجھ رہی ہوں۔ اب سمجھ لیتی ہوں۔ چونکہ سندھ میں



جوہری میری بہن دیکھا کرتی تھیں جو باجی نے نکال دیا پھین لیا۔ شادی کے بعد میری زندگی چاہتی تھیں کہ میں ہر وقت کبھی سنواری رہوں۔ یہ میرے لیے چیلنج تھا کہ مجھے کس طرح اپنے آپ کو تبدیل کرنا ہے۔ شادی کے رسم و رواج میں بھی بہت فرق ہے۔ میرے ساتھ دور رسیمیں ایسی ہوتی تھیں جو بہت مختلف تھیں اور میں بہت حیران ہوئی تھی۔ نکاح کے بعد جب مجھے آنچ پر لا کر بٹھایا گیا تو صندل کا پاؤڈر میری جھینائی نے میرے شوہر کو دیا انہوں نے میری مانگ



میں ڈالا۔ ایک رسم جب میں سسرال میں داخل ہوئی تو میرے ساتھ میں کچھ اناج دیا گیا تھا اور مجھ سے کہا گیا تھا کہ اس کو پیچھے کی طرف اچھالوں جو میں نے کیا۔ اب سوچتی ہوں اناج کی بے حتمی نہیں ہوتی چاہیے۔ ہندو وندہ رسومات ہمارے گھر میں سرایت کر گئی ہیں۔

۲: میری جھینائیاں جو مجھ سے عمر میں بہت بڑی تھیں بہت معاون تھیں۔ میری ماما نے ایک چپ سو سکھ والی حکمت عملی جوانائی میں نے بھی وہی اختیار کی۔ کبھی اختلاف ہوا بھی تو اس کا اظہار نہیں کیا۔ بہت ساری چیزوں کو دل سے قبول کیا۔ شوہر کے دل میں جگہ بنانے کے لیے شوہر کی فیملی کو من و عن قبول کر لینا چاہیے۔ ہم سب کو تو نہیں بدل سکتے ان کے حساب سے خود کو بدلنا پڑتا ہے۔ الحمد للہ اللہ نے مجھے ایسی کسی آزمائش میں ڈالا ہی نہیں کہ خود کو بہت مارنا پڑے۔ وہاں مجھے بہت ستائش، عزت اور محبت ملی۔ نہ

رہی۔ اپنے آپ کو منوانا پڑتا ہے۔ جب جا کر اچھے نتائج سامنے آتے ہیں۔ اور میں نے بھی یہی کیا۔ زندگی بہت اچھی گزر رہی ہے۔

۳: اللہ کا لاکھ، لاکھ شکر کہ میرا تجربہ بہت اچھا ہے۔ شادی اپنی ذات برادری میں ہو یا غیر ذات میں شادی کی کامیابی کا سارا دار و مدار بیاہ کر جانے والی لڑکی کے رویے پر داشت اور دوسروں کو اپنانے پر ہوتا ہے۔ اگر لڑکی سسرال میں جا کر ہر چیز کا منفی پہلو دیکھنے کی عادی ہو، ہر بات پر تکتہ چینی فطرت میں ہو تو ایسی لڑکی قریبی عزیزوں کے ہاں بیاہ کر جائے تب بھی شادی ناکام رہے گی۔ فریقین کی عدم برداشت سے کمر ٹوٹتے ہیں۔

## افشاں آفریدی

### (ناول نگار و افسانہ نگار)

افشاں کا تعلق آفریدی قبیلے سے ہے اور آپ کے ہم سفر نصیر، بہاری گمرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کی شادی کو سترہ سال ہو چکے ہیں۔

۱: ہم نے شادی والے دن پہلی مرتبہ ایک دوسرے کو دیکھا۔ بلاشبہ رہن سہن میں فرق ہے لیکن چونکہ میں شادی کے بعد جلد ہی جرمی آگئی تھی اس لیے خاندان کے ساتھ رہنے کا موقع بہت کم ملا۔ میری ماما بہت بہترین کھانا پکاتی تھیں۔ ایک مرتبہ میں نے اٹھ آلو کا سالن بنایا نصیر نے کھانا تو کھاتے چلے گئے کھانے کے بعد کہا میں نے کبھی یہ کھانا خوشی سے نہیں کھایا، تم نے کیسے بنایا؟ پھر میری سسرال میں بھی میرے ساتھ کے کھانے بہت پسند کیے گئے جو مجھے بہت اچھا لگا۔ ہر گھر کا ماحول اور رسم و رواج مختلف ہوتے ہیں سسرال میں کچھ چیزیں ایسی تھیں جنہیں قبول کرنے میں مجھے کچھ وقت لگا۔ میری سسرال میں شادی شدہ خواتین خاص جگہ سنور کر رہتی ہیں اس سلسلے میں مجھے تھوڑی مشکل پیش آئی کہ میں ٹام بوائے ٹامپ ہوا کرتی تھی۔ شادی سے پہلے میرے کپڑے اور



فرق ہے لیکن گزرتے وقت کے ساتھ، ساتھ میرے سرال کے رسم و رواج میں بہت سی تبدیلیاں آئیں۔ شادی کے رسم و رواج تو وہ ہیں جو یکے کے ہیں ہاں یہاں سرال میں مہندی اور رنجوں میں گر باضوری ہے یہ ایک خاص قسم کی لڈی ہے جسے گھر کے بزرگ تک کھیتے ہیں۔ میں اس سے بہت لطف اندوز ہوتی ہوں۔

۲: سرال کا نیا ماحول ان دیکھے استحانی پرچے کی طرح ہوتا ہے۔ یکے میں بھر پور تیاری کروائی



جاتی ہے۔ مگر جب پرچہ سامنے آتا ہے تب ہی لڑکی کی اصل تربیت اور اہلیت کا پتا چلتا ہے۔ الحمد للہ مجھے بہت خوشی اور فخر ہے کہ میری امی نے میری ایسی تربیت کی کہ میں نے ہر طرح کی صورت حال میں صبر اور برداشت سے کام لیا میری کامیاب ازدواجی زندگی اسی کا نتیجہ ہے۔ اپنے خاندان میں بیاہ کر جائے یا غیر خاندان میں لڑکی کو سرال میں درجہ صبر اور قربانی سے ہی ملتا ہے۔

۳: بالکل ہونی چاہیے۔ گوکہ ایسی شادی میں لڑکی کو شروع میں ایڈجسٹ میں ڈراما مشکل ہوتی ہے۔ بس خود کو اس ماحول میں ڈھالا اور مشکل آسان بنے، رنے رسم و رواج اور بہت کچھ نیا سیکھنے اور دیکھنے کو ملتا

کوئی سرال پرفیکٹ ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی بھو۔ میرا یہ اصول رہا کہ جو لوگ مجھے برداشت کرتے ہیں میرے ساتھ تعاون کرتے ہیں تو مجھے بھی ناگوار گزرنے والی باتوں کو نظر انداز کرنا چاہیے۔

۳: میرے والد نے خود بھی شادی خاندان سے باہر کی اور اور اپنے بچوں کی بھی سوائے میرے ایک بھائی کے۔ ان کے خیال میں فیملی میں بہت زیادہ شادیاں کرنے سے کچھ موروثی بیماریوں کا مسئلہ بھی ہوتا ہے۔ ایک الگ طرح کے ماحول میں شادی کرنے سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملتا ہے اور زندگی میں بھی نیا پن ہوتا ہے۔ لوگ اچھے اور تعاون کرنے والے ہوں تو وقت اچھا گزرتا ہے۔ مجھے بھی سرال کے نئے ماحول میں بہت دلچسپی ہوئی تھی۔ یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت بھی ہے اس لیے میں ذاتی طور پر سمجھتی ہوں کہ ایسی شادی میں کوئی حرج نہیں۔ فریقین کے درمیان ذہنی ہم آہنگی اور دلی آمادگی ہوتو رشتہ اچھا چلتا ہے۔

## سحر خرم

(معلمہ)

سحر کا تعلق میرٹھ سے ہے اور آپ کے ہم سفر خرم شہزاد میں گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کی شادی کو اٹھارہ سال ہو چکے ہیں۔

۱: عام رہن کہن میں بہت زیادہ فرق نہیں ہے۔ خالص اردو بولی جاتی ہے بعض چیزوں کے ناموں میں فرق ہے جیسے سنی کو یہاں پکڑتے ہیں۔ پکوان میں فرق ہے جیسے قیر کھجڑی، گوشت چاول کے نام میں نے سرال آ کر ہی سنے بہت اٹو کھا لگا کیونکہ ہمارے یکے میں قیر اور گوشت کے سالن کے ساتھ روٹی کارواج ہے۔ لیکن جب میں نے یہ سرالی کھانے کھائے تو بہت مزہ آیا۔ اور اب تو میں خود بھی یہ ڈشز پکاتی ہوں۔ اس کے علاوہ سسرالی کھانوں میں اچار اور پاپڑ کا بہت زور ہے۔ رسم و رواج میں زمین آسمان کا



ہے۔ جو بہت بھلا لگتا ہے۔

## عالیہ ضیا

(قلمکار)

عالیہ کا تعلق پوہلی سے ہے اور آپ کے ہم سفر ضیا پنجابی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کی شادی کو سترہ سال ہو چکے ہیں۔

۱: بہت زیادہ فرق ہے۔ شادی کے شروع کے



ہیں۔ چونکہ مجھے چیلے کھانے پسند ہیں اس لیے کوئی مسئلہ نہیں ہوا۔ شادی کی رسم میں یہ فرق ہے کہ یہاں لڑکے لڑکیاں سب مل کر تپتے گاتے اور رسم کرتے ہیں۔ جبکہ ہمارے یہاں صرف خواتین رسم کرتی ہیں۔ یہاں بزرگ خواتین و حضرات بھی لڑی ڈالتے ہیں جو مجھ کو بہت اچھا لگتا ہے۔ میں بہت انجوائے کرتی ہوں۔

۲: شوہر کی مرضی کے مطابق چلنے کی کوشش کی۔ جو کام پہلے بھی نہیں کیے تھے وہ بھی سیکھ لیے۔ گھر میں سب کو محبت اور عزت دی۔ خود کو اس ماحول میں ڈھالنے کی شعوری کوشش کی۔ اور میری اس کوشش میں گھر والوں نے میرے ساتھ بہت تعاون کیا۔ کبھی بیجا ... روک ٹوک نہیں کی۔

۳: اگر شریف اور تعلیم یافتہ گھرانہ ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

## ارم کاشف

(آر جے ایف ایم 101)

ارم کاشف حیدر آبادی ہیں آپ کے ہم سفر کاشف بھٹائی دہلی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کی شادی کو آٹھ سال ہو چکے ہیں۔



دنوں میں پنجابی نہیں سمجھتی تھی۔ جب ضیا کے تفصیلات والے آئے تو انہوں نے پنجابی میں بات کی۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا کچھ ہی دیر میں ان کو احساس ہو گیا کہ میں ان کی بات سمجھ نہیں پا رہی تو انہوں نے اردو میں بات کی۔ رفتہ رفتہ میں پنجابی سمجھنے لگی لیکن بول نہیں پاتی جو تھوڑی بہت بولتی ہوں تو ضیا کہتے ہیں ہمارے حال پر رحم کر دو تم اردو بولتی ہی اچھی لگتی ہو۔ میں نے اپنے طریقے کے کھانے پکائے تو ان کو بہت پسند آئے میری ساس نے بہت تعریف کی میں نے ان سے ان کے ہاں کے کھانے پکانے سیکھے۔ ہماری سرسرا میں ہر کھانے میں ٹماٹر بہت ہوتا ہے۔ امی کے یہاں پلاؤ بنتا ہے یہاں بریانی بنتی ہے۔ امی کے ہاں مسالے کم ہوتے ہیں اور یہاں چیلے کھانے پکتے



سال ہو چکا ہے۔

۱: سرال کے کھانے بہت مختلف ہیں۔ میکے میں اورک، بہن اور سرال میں شائر کا استعمال زیادہ ہوتا ہے۔ میکے میں روٹی اور سرال میں چاول شوق سے کھائے جاتے ہیں۔ میکے میں مرغن کھانے پکتے ہیں اور کھانا زیادہ نہیں کھایا جاتا بس اچار ہی کھاتا تھا۔ لیکن اچار گوشت، مدراسی پلاؤ، کھانا ہری مرچ کا



سالن، وغیرہ سرال آکر ہی کھائے اور بہت مزے کے لگے۔ میری پھوپھو جو بہا کر حیدر آبادیوں میں گئی ہیں ان سے فرمائش کر کے کھنی دال بنوائی تھی۔ اب مجھے اپنے گھر میں خود ہی کھنی دال کھانے کو مل جاتی ہے۔ میکے میں چوڑی دار پاجامے اور غراووں پر زیادہ زور ہے، سرال میں ساڑیاں بہت پہنی جاتی ہیں اور مجھے ان کا ساڑی باندھنے کا مخصوص انداز بہت پسند ہے۔ یہاں آکر میری ساڑی باندھنے کی خواہش بھی پوری ہو گئی ہے۔ مدراسیوں کی رسومات میں پھولوں کا بکثرت استعمال ہوتا ہے جو بہت اچھا لگتا ہے۔ سرال کی ایک رسم مجھے بہت زیادہ اچھی لگی جو میرے لیے نئی تھی کہ نکاح کے بعد دلہن کو کالی پوت (موٹی) پہنائی جاتی ہے اس کے علاوہ ایک اور رسم دلہن جب گھر آتی ہے تو چھ دن تک اچھے، اچھے ماہنامہ لکیرہ۔ دسمبر 2018ء 267

۱: حیدر آبادی اور دہلی دونوں ہی کے کھانوں میں بہت تنوع ہے اور دونوں ہی بہت پسندیدہ اور مقبول ہیں۔ کھانے ٹھوڑے مختلف ہیں۔ شادی کے ابتدائی دنوں میں ٹھوڑا مسئلہ ہوا کہ یہاں روٹی پر بہت زور ہے اور ہم چاول کھانے کے عادی۔ سرال میں شوربے والے کھانے زیادہ پسند کیے جاتے ہیں۔ یہاں میں حیدر آبادی کھانے بھی پکاتی ہوں۔ اور دہلی کے کھانوں میں مجھے اب بہت مہارت ہو گئی ہے۔ ان کی شادی کی ایک رسم مجھے بہت پسند ہے۔ شادی کے دوسرے دن صبح ناشتا نارٹی لڑکی والے بھی لاتے ہیں لیکن یہاں ناشتے پر بہت خاص اہتمام ہوتا ہے۔ خاندان والے جمع ہوتے ہیں خوب رونق لگی ہوتی ہے۔ دو لہا، دلہن کو آمنے سامنے بٹھایا جاتا ہے اور وہاں موجود افراد دسترخوان پر موجود ناشتے میں سے اپنی مرضی کے مطابق ایک، ایک، نوالہ دو لہا اور دلہن کو کھلانے کے بعد دلہن کو رونمائی دیتے ہیں۔ دلہن کا سب سے تعارف کروایا جاتا ہے۔

۲: میرا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو ماحول کے مطابق خود کو ڈھالنے کی مفت عطا کی ہے۔ میں نے بھی اپنی اہلیت کے مطابق خود کو اگر اس ماحول کا حصہ بنایا تو اپنے رہن بہن، عادات و اطوار اور پیار سے اپنی کچھ چیزیں سرال میں شامل کر دیں۔ بہت زیادہ مشکل نہیں ہوئی۔

۳: بالکل ہونی چاہیے کیونکہ اس سے نئے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ خاندان بڑھتے ہیں، ایک دوسرے کی روایتیں پتا چلتی ہیں۔ ملتی جلتی نظریے بھی ثابت ہو چکا ہے کہ مختلف بیماریوں سے بچ جاتے ہیں آنے والی سلیس بہتر ہوتی ہیں تو میں ایسی شادیوں کے حق میں ہوں۔

## دانیہ احسن

(لنبریں)

دانیہ احسن کا تعلق دہلی اور آپ کے ہم سفر احسن فہیم مدراس سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کی شادی کو ایک



میں آئے کو کس کر کے بناتے ہیں جو بہت لذیذ ہوتی ہے۔ اور سسرال کی خاص ڈش بھی ہے۔ سسرال میں دسترخوان پر چاول لازمی ڈش ہے اور سیکے میں روٹی لیکن چونکہ میں ہر چیز خوشی سے کھا لیتی ہوں تو مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہوا۔

۲: لڑکی کو گھر کا کام آتا ہو، وہ سمجھدار ہو، گھر والوں کو اپنا سمجھتی ہو، بڑوں کا کہنا مانتی ہو، شوہر کی بات سنتی ہو۔ میں نے اسی فارمولے پر عمل کیا تو مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہوا اور میں نے جلد ہی خود کو اس ماحول میں ڈھال لیا۔

۳: میرا تجربہ بہت خوشگوار ہے۔ میں سو فیصد ایسی شادیوں کے حق میں ہوں۔

☆☆☆

معزز قارئین!

تمام خواتین نے اپنی خوشگوار ازدواجی اور گھریلو زندگی کی روشنی اور دیگر روشن اور خوشگوار امکانات کے پیش نظر غیر ذات میں شادی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ یوں بھی اسلام میں ذات پات کا کوئی تصور نہیں۔ لڑکی بیاہ کر جب بالکل انجانے ماحول میں جاتی ہے جہاں کی زبان، لباس، کھانا، رہن بہن اس کے لیے انہی ہوں تو اس ماحول کے مطابق خود کو ڈھالنا بڑے کمال کی بات ہے۔ صنفِ نازک کے ثبوت اور قوی عزائم عملی زندگی میں فحشر سایہ دار بن کر یقین دلاتے ہیں کہ عورت چاہے تو طوفانوں کا رخ موڑ سکتی ہے اور یہی اس کی عظمت کا ثبوت ہے کہ وہ ہر حال میں ثابت قدم رہتی ہے اور ہر ماں کی اپنی بیٹی کو نصیحت بھی یہی ہوتی ہے کہ

گھر تو عبادت گاہ ہے روٹی کسی بھی قیمت پر منبر کا محراب سے رشتہ ٹوٹنے مت دینا اور اس عبادت گاہ کے تحفظ کی خاطر عورت خود کو مٹا دیتی ہے مگر عبادت گاہ پر آج نہیں آنے دیتی، ایک نئے ماحول میں خود کو ڈھال لیتی ہے جیسے وہ اسی ماحول میں پلٹی بڑھی ہو۔

☆☆☆

پکوان بنتے ہیں اور ساتویں دن بہت دھوم دھام سے کھیر یا کوئی بھی میٹھی ڈش بنوائی جاتی ہے جس میں وہ بن کا صرف ہاتھ لگوا یا جاتا ہے۔ یہ رسم ”ساتھ جھکی“ کہلاتی ہے۔

۲: پہلے گھر کے ماحول کا مشاہدہ کیا، اس کو سمجھا پھر ان کا رہن بہن اختیار کر لیا۔ زندگی مزے سے گزر رہی ہے۔

۳: یہ بہت دلچسپ اور کامیاب تجربہ ہے۔ مجھے ان کی اور ان لوگوں کو میرے سیکے کی ثقافت، زبان، کھانوں کا علم ہوا۔ اور دو مختلف برادریوں کے ایک ہونے سے یہ تمام چیزیں ایک دوسرے نے بھی اپنائیں۔ ..... اسی لیے میں ایسی شادیوں کے حق میں ہوں۔

## ڈاکٹر کن رافع

(ڈپٹی سسٹم)

کرن کا تعلق دہلی اور آپ کے ہم سفر رافع بنگال گمرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کی شادی کو تین سال ہو چکے ہیں۔

۱: اصل میں میری سسرال والے عرصے سے



کراچی میں مقیم ہیں تو اردو ہی بولتے ہیں۔ ہاں کھانوں میں تھوڑا بہت فرق ہے۔ مچھلی امی کے یہاں بھی مچھلی ہے بس یہاں الگ طریقے سے پختی ہے، مچھلی

ماہنامہ پاکیزہ — دسمبر 2018ء — 268



# شادی مبارک

قاری بینش

بیٹیوں جیسی پیاری بہن! سدا رہے خوشیوں میں مگن

اتاری، بلائیں لیں۔ اور آخر میں کھانے اور دیگر لوازمات سے خاطر تواضع کی۔

پھر ایک ہفتے بعد وہ دن آن پہنچا جس کا ہم سب کو بے مبری سے انتظار تھا اور ظاہر ہے ہماری چمچکی، بہن کو بھی۔ نکاح عصر کے وقت ڈینس کی قرآن اکیڈمی میں قرار پایا تھا۔ وہ اب عرشِ قاطعہ سے مسز فواد عبدالرحمن بن چکی تھی۔ ہماری بخورانی کے ساتھ بہنوں کا نام بڑ گیا تھا، خوب چھیڑا اُسے۔ کیا کرتی میری شادی کے وقت وہ محض 41 دن کی تھی جسے کچھ پتا ہی نہیں تھا کہ اگلوں سالی کیسے چھیڑتی ہے لیکن میں تو بڑی، بہن ہوں ناں، بھئی اور خیر سے ہوں بھی اگلوں سالی اپنے بہنوں کی اور میری بڑی بیٹی بھی سالی کا ہی کردار بھاری تھی۔ وہ خوشی اور شرم سے لال ہو رہی تھی اور ہم اُسے دیکھ، دیکھ سرشار ہو رہے تھے۔ شادی کے وقت سب سے زیادہ فخر والدین کو ہوتی ہے کہ مہمان سراہیوں کا شاندار استقبال کیا جائے اور کوئی کمی نہ رہے۔ عرش کی شادی کراچی کے ایک اچھے نامور ہال میں رکھی گئی۔ سفید اور لال گلابوں سے سجھال لائٹوں کی جھرمٹ سے حیرن..... جب عرش اور فواد بھائی فوٹو سیشن مکمل ہونے کے بعد اسٹیج پر جانے کے لیے باہر آئے تو اسپاٹ لائٹ آن کر دی گئی۔ پھر عرش ہی کا بتایا ہوا پیش اپ چلا اور ایک انگریزی گانا سلاٹین پیاراسا پلنے لگا۔ فواد بھائی بھی کسی راجا سے کم نہیں لگ رہے تھے ماشاء اللہ اور ہماری بخورانی آف وائٹ گولڈن اور لال شرارہ سوٹ میں بے حد پیاری لگ رہی تھی۔ سب رشتے دار اپنی سیٹوں سے اٹھ کر آگئے اور لڑکیوں نے ہونٹک کر ناشروع کر دی۔ مودی مین اور فوٹو گرافر اپنا کام کر رہے تھے۔ گانے کی چوٹ سب کو بھاری تھی بھئی آخر ہماری بیٹی تو نے خود

خوشیوں کا خوب صورت سماں ہمارے گھر میں بھی آیا جب اللہ پاک کے حکم سے ہماری چھوٹی بہن اور آپ کی ہر دل عزیز مصنفہ عرش قاطعہ کی شادی طے ہوئی۔ گھر میں سب سے چھوٹی ہونے کی وجہ سے وہ ہم سب بہن بھائیوں کی لاڈلی بہن اور ابو کی لاڈلی بیٹی ہے۔ امی کے گزر جانے کے بعد بھی اور اُن سے پہلے بھی عرش کو پورے تھیال سے پیار ملا ہوا ہے اور چونکہ دادی کا نام ملا ہے یعنی قاطعہ تو وہ ماشاء اللہ سے دو حیل کی بھی چھوٹی ہے۔

ہماری زندگی میں عرش کی جگہ بہت خاص ہے۔ ہم سب بھائی بہن شادی شدہ ہیں تو اُس حساب سے عرش کے بھانجے بھانجیاں، بھتیجے، بھتیجیاں سب ہی پُر جوش تھے شادی کا سن کر۔

گھر میں ہر طرف شادیانہ خوشی اور گھما گھما کا عالم تھا۔ مایوں کے دن بے حد حسین پیلے جوڑے میں بلیوس وہ بے حد خوش لگ رہی تھی لیکن کچھ کچھ نروس بھی تھی۔ اتنا روپ چڑھا ماشاء اللہ سب دیکھ کر حیران ہو گئے تھے۔ عرش کو ہم نے مایوں کی چوکی پہ بٹھا کر خوب ہلکا گلا شروع کیا ہی تھا کہ اُس کے سرال والے بھی شور مچاتے، ناچتے گاتے گھر میں داخل ہوئے۔ ساس نے بے حد پیار سے مل کر اُسے مبارکباد دی اور مٹھائی کھلائی۔ اور ساتھ آکر بیٹھ گئیں۔ نند ایک ہی موجود تھی اُس نے اور عرش کی سب سے چھوٹی دیورانی جو اُس وقت متعلقہ شدہ تھی مل کر ہار اور گہنے پہنائے۔ گیندے اور چنبیلی کے پھولوں سے آراستہ زیور پہن کر وہ اور پیاری لگنے لگی۔ پھر ایک ایک کر کے سب رشتے داروں نے عرش کی رسم ادا کی اور نظر



دن ہم ناشتے کر اُس کے پاس پہنچے اُس نے تھوڑا سا  
ہنسی کھایا۔ پھر شام میں وہ kashee's پہنچی اپنی نند  
کے ساتھ اور وہاں ایک بار پھر وہ پیاری سی دلہن بن کر فواد  
بھائی کے ساتھ ڈینس کے sailing club میں  
آئی۔ جہاں ہم سب اور دیگر رشتے دار اُس کا انتظار  
کر رہے تھے۔ بالآخر عرش نے کھانا تناول کیا کیونکہ  
سب کو پتا تھا عرش نے شادی کا کھانا کھایا اور نہ دن میں  
کچھ کھایا سوائے چند نوالے ناشتے کے۔ ساس اور نند نے

سلیکٹ کیے تھے۔ ایک سے بڑھ کر ایک گانے آنے پر  
جہاں سب ہونٹ کر رہے تھے وہیں دونوں کو دیکھ دیکھ  
سب خوش بھی ہو رہے تھے۔ ایک مڑے کا سین بتاتی  
ہوں، ہوا یہ کہ اچانک سے Party popper پھٹا  
اور ہماری عرش صاحبہ ایسی ڈریں کہ فواد بھائی کا بازو زور  
سے پکڑ لیا۔ مودی میں بھی یہ سین آیا ہے اور فواد بھائی مسکرا  
رہے تھے۔ یہی سین پھر جب اسٹیج پہنچے دوبارہ ہوا اور پھر  
ہمارے فواد بھائی نے اوپر چڑھ کر ہاتھ آگے کیا اور عرش  
نے اُسے تمام کر قدم بڑھایا۔



ہمارے ہاں چونکہ کس  
کیرنگ نہیں ہوتی اس لیے فواد  
بھائی کو واپس جانا پڑا اور پھر عرش  
اپنی دوستوں کے ساتھ تصاویر  
بنوانے لگی پھر ایک ایک کر کے  
سب رشتے داروں کے ساتھ  
بنوائی۔ پھر کھانا لگا۔ اُس کے بعد  
فواد بھائی اپنے گھر والوں اور  
رشتے داروں کے ساتھ آئے اور  
میں نے یعنی اکلوتی سالی نے  
راستہ روکا اور ٹیک مانگا جو کہ بہت  
ہی اچھے انداز میں دیا اور دعاؤں  
کے ساتھ انہیں عرش کے پہلو میں  
ایک بار پھر بٹھایا۔

پُر تکلف ضیافت کے بعد  
بزرگواروں دعاؤں کے ساتھ عرش  
رخصت ہو کر اپنے پیا دلیں  
سدا حارگی۔ ہماری آنکھوں میں اشک تھے پر اُس کی  
آنکھوں میں آنے والے زندگی کے رنگ جگنو بن کر  
جگمگا رہے تھے۔ یہی دعا ہے وہ ہمیشہ خوش رہے اپنے  
ہمسفر اور سسرال کے ساتھ۔ ایک اور بات بتانا بھول  
گئی۔ عرش کو اپنی ہی شادی کا کھانا نصیب نہ ہوا۔ وہ  
دوپہر سے بھوی اپنی سسرال پہنچی۔ اگلے دن ولیمہ تھا۔  
شادی والے دن وہ Sab's سے تیار ہوئی اور اگلے

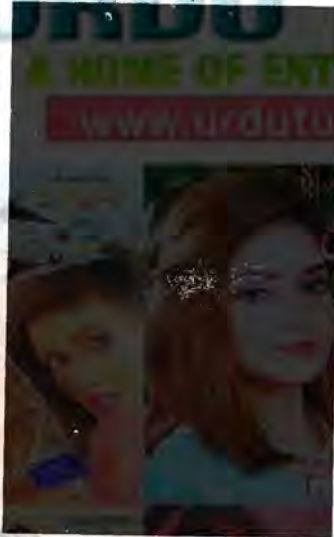
تاکید کی ہمیں کہ عرش کو کچھ کھلائیں۔ دوسری ٹیبل پر فواد  
بھائی اپنے سالوں کے ساتھ براجمان تھے اور چوری چھپے  
عرش کو دیکھ رہے تھے اور خوشی سے لب مسکرا رہے تھے۔  
یہ منظر دیکھ کر ہمارے بھائی بھی بہ حد خوش ہوئے۔  
ہم نے اپنی بنورانی اپنی چٹنگی ہمارے دل کا کلڑا  
جیسا کہ عرش کہتی ہے وہ امی کے کیک کا چوتھا حصہ  
ہے۔ اُسے دعاؤں کے ساتھ فواد بھائی کو دے دیا۔ اب



## شادی مبارک



سید حسن عظیم و معصومہ عظیم



فاطمہ اقبال اور مائیں

آپ سب بھی اُس کا احوال پڑھ کر اس کی خوشگوار شادی شدہ زندگی کے لیے دعا کریں۔ اللہ محرش کا آنگن خوشیوں سے بھرا رہے۔ آمین!

## خوب صورت بندھن

شادی بہت خوب صورت لفظ..... بہت خوب صورت

بندھن.....

آج بھی مجھے روز روشن کی طرح یاد ہیں وہ خوب صورت دن جب گھر میں چار سو روٹی میلے نظر آتے تھے، جب چار سو شہنائیاں گونجتی محسوس ہوتی تھیں، جب دل کسی بھی نئی لڑکھوس کر کے ہلکورے لے رہا تھا، ایک طرف تو دل میں خوشیاں ڈیرے ڈالے ہوئے تھیں تو دوسری طرف ماں، باپ، بہن بھائیوں سے چمکھڑنے کا، دوری کا ڈر دل سہانے جاتا تھا۔

میری اور میری بڑی بہن کی شادی ایک ہی دن ایک ہی گھر میں ہونا قرار پائی تھی، گویا جلد ہی ہم بہنیں دیورانی، جیشانی کے رشتے میں بندھنے والی تھیں۔

مجھے یاد ہے جب سب نے کہا، تم ڈھولکی کیوں نہیں بجا رہیں.....؟ تمہاری تو بہن کی شادی ہے..... یہی بہن سے کہا گیا بس جی پھر کیا تھا ہم دونوں نے ہی ایک دوسرے کی خوشی کے لیے خوب ڈھولک بجائی، گانے گائے، ساتھ میں مل کر فیے، روئے۔ اسی چپ، چپ کر آنسو بہاتی تھیں، بہانے بہانے سے رو پڑتی تھیں، میرے پیارے ابو جی! (مرحوم) جو بہت باغ و بہار شخصیت کے مالک تھے ایک دم چپ چپ ہو کر رہ گئے تھے، میرے بھائی ہنتے بھی تھے روئے بھی تھے..... سب ابو جی کو کہتے، حاجی صاحب بڑی ہمت کی بات ہے، ایک ساتھ دو دو بیٹیوں کو رخصت کر رہے ہیں، تب ابو جی آنکھوں کا وہ پانی..... آف وہ وقت مجھے نہیں بھولتا اور آج بھی وہ مناظر میری آنکھیں ہلکورے ہیں۔

مہندی والی پوری رات ڈھولکی، گانے، ریسیں ہوتی رہیں، ڈھیروں ڈھیر رشتے دار، سکھیاں سہیلیاں



مہمان خانے میں بسنے والے ان کمینوں سے بندھا ہوتا ہے جنہیں وہ اپنے پیچھے روتے گرتے چھوڑ جاتی ہیں اپنے کمر میں بیٹی کی بھی کسی کیوں نہ ہو، اس کا دل جیسے میں ہونے والی کسی بھی انہونی کے لیے ہمیشہ ہی الٹ رہتا



ہے، بھر چاہے وہ کوئی خوشی ہو چاہے غم..... اور دور ولس میں جانے والی بیٹیاں شاید یونہی ہر موقع پر تڑپتی ہیں جیسے ہم تڑپتے تھے اور آج بھی تڑپتے ہیں کہ کراچی بہت دور ہے فیصل آباد سے..... ہر برس اس سے اپنی والدہ کی زندگی اور صحت کی دعائیں لگتی ہیں تو بہن بھائیوں کی سلامتی کے لیے بھی بار بار ہاتھ اٹھ جاتے ہیں کہ اللہ ہمارے پیاروں کو اپنی امان میں رکھے، آمین ثم آمین۔

تحریر: ریحانہ اعجاز، کراچی

### شادی میرے بھائی کی

9 ستمبر 2018ء کا مبارک دن۔ ہمارے خاندان کے لیے بے تحاشا خوشیاں لے کر طلوع ہوا کہ جب میرے پیارے بھائی دانش منیر کی شادی خانہ آبادی ہمراہ زونی ظفر ڈار سے ہونے جا رہی تھی۔ تقنیا یہ ہم سب کے لیے خوشی کے لمحات تھے۔ بھائی کی شادی کا کئے ارباب نہیں ہوتا اور جب کہ وہ اکلوتا بھی ہو، سو ہم چاروں بہنیں

لیکن مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میرے آس پاس کوئی بھی نہیں، دل جیسے سہا جاتا تھا۔ اور جب بارات کی آمد پر نکاح کیا گیا تب سارے اپنوں کے چہرے آنسوؤں بھری مسکائیں لیے ہوئے تھے۔

نکاح کے بعد بیوٹیشن نے تیار کرنا شروع کیا تو جیسا کہ پہلے ہوتا تھا کہ سسرال والے سامان لاتے تھے تو دلہن تیار ہوتی تھی۔ میری آنکھوں سے چپ چاپ بننے والے آنسو میک اپ کی راہ میں حائل ہونے لگے..... دو تین بار بیوٹیشن نے چپ کروا کے دوبارہ کام شروع کیا لیکن آنسو جیسے اختیار سے باہر ہو رہے تھے، تب بیوٹیشن نے بھائی کو بلایا اور انہیں صورت حال بتائی تب میں بھابی کے گلے لگ کر بہت روئی تھی اور اس وقت جو گانا بچ رہا تھا ”میری پیاری بہنیا بنے کی دلہنیا“ وہ ج میں بہت ایسٹبل کر رہا تھا، بھابی نے وہ بند کر دیا، ادھر باجی کا بھی یہی حال تھا، خیر اللہ، اللہ کرے کہ یہ مرحلہ مکمل ہوا، تیاری کے بعد آئینہ دکھایا گیا تو خود سے ہی شرم آگئی، زندگی میں کبھی میک اپ نہیں کیا تھا (شادی والے دن اور ویسے والے دن کے بعد سے آج تک دوبارہ بھر پور میک اپ نہیں کیا) سوانیا آپ اچھا لگا، سب نے ہی بہت تعریف کی، خیر رخصتی کی گھڑی آگئی اور جتنا پیار میں نے اس دن دیکھا سب کا بھی محسوس ہی نہیں ہوا تھا، آج کل دلہنیں کہاں روتی ہیں، اس دن لگتا تھا سارا محلہ ہی رو رہا ہے، ہر آنکھ اشکبار تھی، اور جب ویسے کے بعد دوبارہ ہمیں لایا گیا تب پتا چلا کہ میرے سب سے بڑے بھائی جو ہمیشہ ہمارے لیے ایک بھائی، بڑی بہن اور سہیلی کی طرح رہے تھے وہ ہمارے جانے کے بعد دھواڑیں مار مار کر روئے تھے۔ اب اتنے برسوں بعد بھی کوئی ایک منظر بھی دھندلایا نہیں، مجھ سے بھی اپنی شادی کی ویڈیو پوری دیکھی نہیں گئی آنسوؤں پر بالکل اختیار نہیں اور اس ویڈیو میں بہت سے ایسے چہرے ہیں جو اب اس دنیا میں نہیں جن میں میرے پیارے ”ابو جی“ بھی شامل ہیں۔

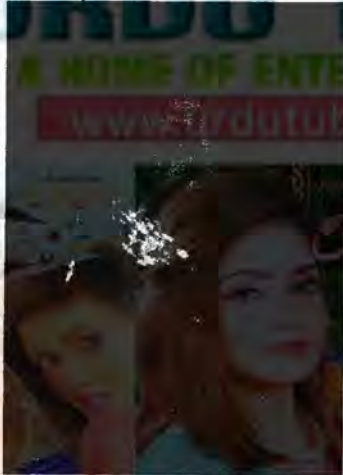
بے شک بیٹیاں ماں باپ کے کمر مہمان ہوتی ہیں لیکن جب وہ اپنے کمر چلی جائیں تب بھی اس مہمان خانے کو دل سے نہیں نکال پائیں۔ ان کے دل کا ہر تار اسی



## شادی مبارک



محمد مجتبیٰ عباس و نیش عباس



محفل میں جسے دیکھو تمہیں دیکھ رہا ہے  
تم سارے حسینوں میں طرح دار بہت ہو

بہت خوش تھیں۔ جب سے شادی کی تاریخ طے ہوئی تھی  
روز پروگرام بننے اور تیار ہوں کے سلسلے میں سب اکٹرا کٹھا  
ہوتے۔ میں چونکہ اداکار شادی ہو کر گئی اس لیے فون پر  
رابطہ رہتا تھا۔ خیر شادی سے کئی روز پہلے میں بچوں کے  
ساتھ امی ابا کے گھر آگئی تھی اور بھائی کے لیے بری کی



تیاری میں امی اور بہنوں کا ہاتھ بھی بٹایا اور روز بٹا کھا بھی  
کیا۔ ہماری بھائی زونہ بہت پیاری ہیں۔ ہماری تو پہلے  
ہی کافی دوستی ہوئی تھی۔ شادی والے دن ہم بہنوں نے  
اپنی اپنی شادی کے شرارے وغیرہ پہنے تھے۔ خوب تیار  
ہوئے کیونکہ بھئی ہم دولہا والے جو تھے اپنی بھائی کو لینے  
خوب اہتمام سے جاتا تھا۔ دلہن والوں نے بہت اچھا  
انتظام کیا ہوا تھا۔ کھانا بھی بہت اچھا تھا۔ سب کام وقت  
پر ہوا۔ سووی اور تصویروں کے بعد رسمیں ہوئیں اس میں  
مجھے خوب مزہ آیا اور پھر ہم اپنی بھائی کو گھر لے کر آ گئے۔  
آج اتنے ماہ ہو گئے مگر لگتا ہے ابھی کل ہی کی بات ہو۔  
اب تو خیر ہمارے گھر میں بہت رونق ہے، الحمد للہ۔ پیاری  
بہنوا مجھے تو کوئی خاص لکھنا نہیں آتا بس اپنے بھائی کی  
محبت میں یہ چند سطریں لکھ دیں۔ آپ سب ہمیں دعاؤں  
میں ضرور یاد رکھیں۔

تحریر: سعیدہ منیر..... اداکارہ





مزاح نگاری، کمال کی صنف ادب ہے کہ جس میں وہ بات بھی بہ آسانی کہہ دی جاتی ہے کہ جسے سوچنے میں زمانے لگیں..... مگر ایسی نشتر زنی بخاطر اصلاح کا فن بھی کسی کسی کو آتا ہے۔ ورنہ مزاح نگاری کو عامیانہ طرز تحریر بننے میں دیر نہیں لگتی۔  
اپنے بازو ق قارئین کے لیے اس مرتبہ نامور مزاح نگار ڈاکٹر محمد یونس بٹ کی کتاب خندہ زن سے اقتباس آپ کی حسب مزاح کی نذر.....

## MARRIAGE LIE-SENSE

میرج لائسنس کا ادھر کی کو کوئی فائدہ ہونہ ہو، حکومت کو ضرور پہنچتا ہے کہ شادی کے بعد بندہ ہر بات پر حکومت کو مورد الزام نہیں ٹھہرتا اگر میاں، بیوی کے تعلقات اچھے نہ ہوں تو اس کے سیاست پر برے اثرات مرتب ہوتے ہیں جیسے برطانوی سیاستدان مسٹر ریڈ لے نے کہا تھا کہ میں سیاست میں اس لیے آیا تھا کہ اپنی ٹیلی کے ساتھ کم سے کم وقت گزار سکوں، اگر بیوی اچھی ہوتی تو مجھے سیاست میں آنے کی کیا ضرورت تھی۔ سیاست اور شادی میں جب دوسرا کہے کہ میں بچ بولنے لگا ہوں تو پہلا بھی جھٹکا ہے مجھے برا بھلا کہنے لگا ہے۔ گھجلی دہائی میں ایک ریسرچ رپورٹ کے مطابق جو جھوٹ سب سے زیادہ بولے گئے، ان میں نمبر ون یہ تھا کہ میری بیوی آج تک مجھے نہیں سمجھ سکی اور نمبر ٹو یہ تھا۔ "حکومت چاہتی ہے کہ لوگوں کے مسائل حل کرے....." پہلے سیاستدانوں نے جو کرتا ہوتا تھا، وہ نوٹ کیا کرتے، اب "نوٹ" لیا کرتے ہیں۔ دوٹ آف نوٹ کا فیڈبک بھی اب "نوٹ" آف نوٹ فیڈبک بن گیا ہے۔

یہ عدم اعتماد شادی میں بھی یوں آیا کہ دنیا میں سب سے زیادہ رومانی ناول چھاپنے والے ایک ادارے کو یہ سروے کرنا پڑا کہ اگر مردوں کو دوبارہ موقع ملے تو کیا وہ اسی عورت سے شادی کریں گے..... جواب اُن کی بیوی ہے۔ یہ سروے 19 ملکوں کے پانچ ہزار خاندانوں سے کیا گیا۔ گینڈا کے 96

فیصد شوہروں نے "ہاں" میں جواب دیا جبکہ 94 فیصد برطانوی خاندانوں کا جواب "ہاں" میں تھا لیکن 50 فیصد جاپانیوں نے "نہیں" کہہ کر سو فیصد جاپانی بیویوں کو حیران کر دیا۔ جاپان کے لیے حیران کرنا تو کوئی حیرانی کی بات نہیں۔ کمپیوٹر کا ان کی زندگی میں اس قدر عمل و ثل ہے کہ ان سے پوچھو کہ آپ کے کتنے بچے ہیں تو وہ بھی کمپیوٹر سے حساب کر کے بتائیں گے۔ ہمارے ہاں تو جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کی کوئی عمر نہیں ہوتی، وہاں تو جو بچہ پیدا ہوتے ہیں، ان کی عمر نو ماہ ہوتی ہے۔ اگرچہ وہاں آج بھی ایسی بھولی بھالی عورتیں ہیں جیسے ایک جاپانی عورت پوچھ رہی تھی کہ کیا بھول حاصل کرنے کے لیے دو بچہ اکٹھے ہونے پڑتے ہیں؟ جاپانی مصروف لوگ ہیں، ان کے پاس تو بیوی سے لڑنے کے لیے وقت نہیں ہوتا، بیوی کو اس کے لیے کئی ماہ انتظار کرنا پڑتا ہے۔ اداکار جارج برنزی طرح..... جس نے لکھا تھا "میں ابھی نہیں مر سکا کیونکہ میں تو ایک سال کے لیے بک ہوں۔" جاپانی کاریں بناتے ہیں، جن پر اسرا چڑھتے ہیں، ہم دیکھیں بناتے ہیں جو غربا پر چڑھتی ہیں۔ وہاں جگہ کی قلت کا یہ عالم ہے کہ کئی دن خاندان کو اپنے گھر میں سونے کے لیے جگہ نہیں ملتی۔ ایک منچرے پوچھا گیا کہ آپ نے چھوٹے بچوں کے اسکول میں پڑھانا کیوں پسند کیا؟ کہا۔ "مجھے ہر عمر کے بچوں سے پیار ہے لیکن چھوٹے بچوں کے اسکول میں پارکنگ کی جگہ مل جاتی ہے۔" وہاں موسم اور مرد بدلتے دیر نہیں لگتی۔ عورت دوپٹوں کے بجائے



سے زیادہ کتنی بار پڑھ سکتا ہے۔ ہمارے ایک خضاب رسیدہ جانتے والے جنہوں نے فلم میں ہیرو آنے کے لیے ایک اداکارہ سے شادی کی..... وہ فلم میں ہیرو آئے، جی ہاں اپنی شادی کی فلم میں۔ اب کہتے ہیں۔ ”چچاس چیک بک کل جیسے شادی کے گھاٹ اتار دیا گیا۔“ فرماتے ہیں میری بیوی خوب صورتی میں شہر بھر میں دوسرے نمبر پر ہے۔ پوچھا۔ ”پہلے نمبر پر کون ہے؟“ کہا۔ ”ہانی سب“ ہم روز اتنا غور سے اپنی بیوی کو نہیں دیکھتے، جتنا دوسروں کی بیوی کو..... ایک صاحب کو کسی نے خط لکھا کہ میری بیوی کو گھورتا چھوڑ دو، ورنہ ٹانگیں توڑ دوں گا..... وہ بہت پریشان ہوئے تو ہم نے پریشانی کی وجہ پوچھی بولے۔ ”لکھنے والے نے نیچے اپنا نام نہیں لکھا۔“ شادی سے پہلے بندہ بیوی کی باتیں یاد کر کے ساری، ساری رات جاگتا ہے۔ شادی کے بعد بیوی کی بات ابھی ختم نہیں ہوتی کہ وہ سوچکا ہوتا ہے۔ مرد اچھی بیوی کی تلاش میں ہوتا ہے، اسے وہ ملتی ہے مگر تب تک وہ کسی اور سے شادی کر چکی ہوتی ہے۔

اکثر خاندان اپنی پہلی بیوی کی وجہ سے کامیابی حاصل کرتے ہیں اور اپنی دوسری بیوی کامیابی کی وجہ سے حاصل کرتے ہیں۔ ہر آدمی کی خواہش ہوتی ہے کہ برے وقت میں عورت اس کا ساتھ دے مگر جب اچھا وقت آتا ہے تو وہ خود دوسری شادی کر لیتا ہے۔ برطانیہ اور کینیڈا کے شوہروں کے ”ہاں“ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہاں میاں، بیوی کھلواتے ہی وہ ہیں جو ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ ہم نے ایک برطانوی سے کہا کہ پاکستانی خاندانوں کی اس رائے کی وجہ شاید یہ ہو کہ ہمارے ہاں خاندان اپنی بیوی کو تب تک نہیں جانتا جب تک اس سے شادی نہیں ہو جاتی تو وہ بولا۔ اکثر ملکوں میں ایسے ہی ہوتا ہے، خاندانوں کی رائے تو معلوم کر لی گئی۔ حالانکہ ان سے یہ بھی پوچھنا چاہیے تھا کہ آپ کی بیوی میں آپ کی بیوی ہونے کے علاوہ اور کون، کون سی خامیاں ہیں۔ بیویوں سے بھی پوچھنا چاہیے کہ ان کو اگر دوبارہ موقع ملے تو وہ کیا کر سکیں گی۔ ہمیں امید ہے کہ دونوں کی رائے ایک جیسی ہی ہوگی کیونکہ ہمارے ہاں میاں، بیوی میں بہت اتفاق ہے۔ اس کے باوجود وہ خوش، خوش رہ رہے ہیں، آپ کو پتا ہے خوش ہے کیا؟ ”اچھی صحت اور بری یادداشت.....“

☆☆☆

چھتیاں اور مہتی ہیں، وہاں بیوی اور بارش برسنے کا کوئی وقت نہیں..... ان کے نزدیک تو بیوی اور ڈاکس یہ فرق ہے کہ ڈاکو کہتا ہے۔ ”تم دو یا زندگی“ پر بیوی یا نہیں مہتی..... جاپانی کہاوت ہے کہ تمام شادی شدہ عورتیں بیویاں نہیں ہوتیں، ہو سکتا ہے بیشتر شادی شدہ عورتیں خاندانہ بولی ہوں، بہر حال ہم جاپانی عورتوں سے ڈرے بیٹھے تھے کہ ہماری نظر پاکستان کے سروے پر پڑی جس کے مطابق جب لوگوں سے پوچھا گیا کہ اگر انہیں دوبارہ موقع ملے تو کیا اسی بیوی سے شادی کریں گے؟ تو اکثر کا جواب تھا کہ اگر موقع نہ ملتا تو کر لیں گے۔ جتنا اندازے کے مطابق 80 فیصد پاکستانی خاندانوں نے سروے کا جواب نہیں ”میں دیا جس پر ہمیں حیرانی نہیں ہوئی۔ حیرانی تو ان 20 فیصد پر ہے، جنہوں نے ہاں کہا ہے۔

ہمارے ہاں مرد و عورت کے ہوتے ہیں، ایک خوش باش اور چاک و چوبند، دوسرے شادی شدہ..... شادی آدھی رات کی فون کال کی طرح ہے۔ ایک رنگ ہوتی ہے اور پھر آپ کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ شادی سے پہلے ہمارے گھروں میں ڈھولک اور گھڑا بجاتا ہے۔ بعد میں دوسرے برتن بجاتے ہیں۔ کچھ کے نزدیک شادی مفت کپڑے، مہلوے کا سب سے مہنگا طریقہ ہے۔ ہم نے ایک سیانے سے پوچھا۔ ”شادی کا سب سے خطرناک سال کون سا ہوتا ہے؟“ وہ بولا۔ ”پہلا“ اس کے بعد؟“ کہنے لگا۔ ”دوسرا، تیسرا“ چوتھا..... ”میرج لائنس کے لیے پہلے آنکھوں کا ٹیسٹ لیتے ہیں، ویسے اگر شادی سے پہلے بندے کا ”آئی ٹیسٹ“ لیا جائے تو مفید ہو سکتا ہے۔ وہ کسی ماہر شادی جات کے سامنے بتائیں کہ وہ ایک دوسرے میں جو دیکھ رہے ہیں، وہ ایک دوسرے میں سے بھی یا نہیں۔ ایک امریکی رابرٹ لکھتا ہے۔ ”میرج لائنس سے آپ صرف ایک ڈیڑھ کا فکار کر سکتے ہیں۔“ ایک پاکستانی ادیب کہہ رہا تھا۔ ”جب میری شادی وقع پڑی ہوئی.....“

کسی نے کہا۔ ”وقع پڑی تو سانچے ہوتے ہیں۔“ ادیب بولا۔ ”ہاں تو میں کہہ رہا تھا، جب میری شادی وقع پڑ رہی ہوئی۔“ جے کے چٹرنن تو کہتا ہے ”شادی باہر کی دنیا کے خلاف آرٹ لائنس ہے۔“

مجربہ کا بیوی بننا شعر کا نثر بننا ہے اور نثر بندہ زیادہ





مدیرہ

# بہنوں کی محفل

خط کتابت کے لیے پی او باکس 662 پی پی او کراچی 74200 ای میل: jdpgroup@hotmail.com

03316266612, 021.35386783, 021.35802552, Ext: 122, 107

بیاری پاکیزہ! السلام علیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمام حمد و ستائش اس ذات والا صفات کو ذرا بوجھل کائنات کا خلق کرنے والا ہے۔ یکتا و وحدہ لا شریک ہے اور کروڑوں درود و سلام حبیب خدا رحمۃ اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس پر جو وجہ تخلیق کائنات ہیں۔ پروردگار عالم کے حضور دست بستہ دعا گو ہیں کہ اپنے خزانہ غیب سے وہ سب کچھ عطا کرے جو ہمارے حق میں بہترین ہو۔ ہمارے وطن پاکستان میں امن و سکون کی فضا اور خوش حالی رہے اور تمام اہل وطن اس کی ترقی و تیک نامی کے لیے کوشاں رہیں۔ (الحی آمین)

## کچھ باتیں اپنی بہنوں سے

سلام اور پُر غلوس دعائیں لیے اپنی بیاری بہنوں کی بزم میں حاضر ہوں۔ پچھلے دنوں دردانہ نوشین خان کے اعزاز میں جو محفل سجا کر اور جس کا احوال خود دردانہ نے اپنے قلم سے لکھا..... اے آپ بہنوں نے بہت پسند کیا ذاتی طور پر بھی مجھے فون آئے اور دردانہ نوشین کی ادارے سے گہری دلچسپی کے اظہار کو بہت سراہا گیا..... میں بھی دردانہ تمہارے غلوس کا دلی شکریہ ادا کرتی ہوں۔ اللہ کرے خیر سے تمہارا دوبارہ کراچی آنا ہو اور پھر سب رانٹز تمہارے ساتھ مل بیٹھیں۔

پچھلے شمارے میں میری پوتی نسیب کی ولادت کی خبر شائع ہوئی جسے پڑھ کر نفرت یا اتمام ریڈرز اور رانٹرز کے فون آئے خصوصاً انجم انصاری نے بہت خوشی کا اظہار کیا اور بہت دعائیں دیں۔ اختر شجاعت نے تو پُر غلوس دعاؤں سے بھر پور انوکرا میرے حوالے کیا۔ جزاک اللہ..... سلامت رہو، خوش رہو، اللہ کریم دعائیں دینے والے تمام بیاریوں کو سلامت رکھے اور ان کی تمام جائز تمناؤں کو پورا کرے، آمین!..... یہاں سب کے نام نہ لینے پر معذرت خواہ ہوں ویسے بھی نہ بہت بہت مشکل سے تو مجھے تمہاری سی جگہ دینی ہے کہ آپ بہنوں سے چند باتیں کر پاؤں ورنہ لکھنے کو تو بہت کچھ رہتا ہے (ارے بھی مذاق کر رہی ہوں) ہاں ڈاکٹر ممتاز ضیا اور رفاقت جاوید کا نام ضرور لیا جائے گا جنہوں نے بہت ہی خوشی کا اظہار کیا اور ڈھیروں دعائیں دیں۔ اس کے علاوہ نہ بہت اصغر کو بھی بے شمار فون اور میسجز آئے جس کے لیے ان تمام بہنوں کی دل سے شکر گزار ہوں۔

بیاری نرم گس جیم، صابہ موہڑہ تمہارے شوہر کے انتقال کی خبر پڑھی تھی اور دعائے مغفرت بھی کی تھی ظاہر ہے۔ مجھے بھی دلی رنج ہوا تھا..... اب تم سے براہ راست تعزیت نہ کر سکی کہ میں خود صبرِ اج صاحب کی طبیعت کے بگڑنے اور سنبھلنے کی کیفیت میں ڈھنی طور پر بہت منتشر رہتی ہوں۔ یہی چند سطر لکھنے میں بھی کئی چیزوں کا ذکر کرنا بھول جاتی ہوں پھر بعد میں خیال آتا ہے اور افسوس ہوتا ہے۔ اس وقت پھر تمہارا خیال آیا اور فوری یہ چند جملے لکھ ڈالے، اللہ پاک تمہارے شوہر کی



معفرت کرے..... بلند درجات عطا کرے اور ہمیں اور تمہارے بچوں کو صبر جمیل سے نوازے..... آمین۔ اچھا بہنو! اس دفعہ تو کافی باتیں ہو گئیں۔ انشاء اللہ اگلے ماہ بھر ملاقات ہوگی..... جب تک کے لیے اجازت.....

اللہ نگہبان

دعا گو عذر دار رسول!



اچھی بہنو! پیاری بہنو، راج دلاری سہیلیوں، سکیموں..... آپ جس طرح بڑھ چڑھ کر خطوط کی محفل سہا رہی ہیں وہ یقیناً بہت خوش آئند ہے۔ اتنے پیارے خطوط اور اتنی اچھی طرح مخاطب کرتی ہیں میں آپ سب کی بھینچوں اور غلوں کی قرض دہا ہو جاتی ہوں۔ معافی چاہتی ہوں کہ تمام باتیں شائع نہیں کر پاتی کہ سب بہنوں کو جگہ دینی ہوتی ہے ضروری امور ضرور شائع کیے جاتے ہیں۔ معصنات چاہتی ہیں ان کی کہانیوں پر بات ہو۔ میں چاہتی ہوں تعریف کے ساتھ، ساتھ رائے بھی ہو، بشورے بھی ہوں بے شک تنقید بھی اور حوصلہ افزائی بھی ضرور ہو۔ کوئی بھی سلسلہ سدا ایک جیسے نہیں چلتے۔ تبدیلی تو آتی ہے۔ لہذا اس مرتبہ ایک ناول کا اختتام ہوا تو جنوری سے افشاں آفریدی اور عمر ساجد کی دلکش تحریروں کا آغاز ہونے جا رہا ہے۔ اس کے ساتھ، ساتھ محفل ٹاؤنلی اور ناولٹ بھی سینئر و جونیئر رائٹرز کے کتے رہیں گے۔ ہمارا مقصد تو اپنے قارئین کو ذہنی تفریح پہنچانا، دلکش معلومات اور سبق آموز تحریروں کے ذریعے اصلاح کا کام کرنا ہے۔ اب کہانیوں کا ٹریڈ مارک بدل چکا ہے۔ ہمارے قارئین بہت ذریک، باشعور، باہوش اور پُر اعتماد ہیں خوب، خوب رائے دیتے ہیں اور تعمیری تنقید بھی کرتے ہیں جو ہم سر آٹھنوں پر رکھتے ہیں۔ سال کا آخری شمارہ دہکن نمبر کہلایا انشاء اللہ آئندہ برس زندگی ری تو ماہ نومبر دہکن نمبر ہوگا آپ لوگ ابھی سے تیاری کر لیں۔ اور ماہ دسمبر کو محبت نمبر کا عنوان دے دیں گے۔ ان تمام رائٹرز بہنوں سے گزارش ہے کہ جن کی تحریروں یا کیزہ میں منتخب ہو چکی ہیں اور شائع ہونے کے انتظار میں ہیں، وہ بے کاوشی کسی اور ادارے میں نہ دیں اس سے ادارے کو نہیں رائٹرز کو نقصان پہنچتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک عرض یہ بھی ہے کہ اپنی تحریروں پر خود ہی ناقدانہ نظر ڈال کر او مکمل اصلاح کر کے بھیجا کریں۔ ایڈیٹر پر چھوڑیں گی تو انتظار کی زحمت بھی ضرور اٹھانا ہوگی۔ آپ سب لوگ بہت، بہت با صلاحیت ہیں، ایک سے ایک تحریر پڑھنے کو ملتی ہے مگر نوک پلک تو ضرور سنوارنی پڑتی ہے سو باپوسی کفر ہے۔ اپنی صلاحیتوں پر بھر دسار میں اور ہمارے ساتھ بھر پور تعاون کریں کہ ہم آپ سے ہیں اور آپ ہم سے..... اس دفعہ تو کافی کچھ لکھ دیا اب خطوط کی محفل خطر ہے آپ کی..... اور حسب روایت نت نئی خبروں اور سرگرمیوں پر ایک نظر ڈالنے سے قبل ایک بار غلوں دل سے درود ابراہیمی اور اس کے بعد تمین یا رایت کرید ضرور پڑھ لیں اور اپنی دعاؤں میں اپنے پیاروں کے ساتھ، ساتھ تمام اہل وطن کو بھی یاد رکھیں۔ اللہ رب العزت عالم اسلام کی تمام پریشانیوں کو رفع کرے اور تمام مسلمانان عالم کو کامیابی نصیب ہو۔ (الحی آمین)

## مصنفات، شاعرات اور قارئین پاکیزہ بہنوں کی تازہ بہ تازہ سرگرمیاں

- ☆ مستقل ہجرہ نگار، پاکیزہ کی دیرینہ قاری مسرت رانی حلیل نے ماشاء اللہ اپنے خالوادے سمیت عمرے کی سعادت حاصل کی۔ (مبارک باد)
- ☆ معروف شاعرہ فریدہ خانم نے اہم آئرش کونسل لاہور میں ہونے والے فیض انٹرنیشنل فیشنول میں شرکت کر کے حاضرین کو اپنے کلام سے محفوظ کیا۔ (بہت خوب)
- ☆ مایہ ناز مصنفہ اور کامیاب اسکرپٹ رائٹر اور ماہنامہ پاکیزہ میں پُر لطف تبصروں سے شہرت حاصل کرنے والی ہماری مستقل قاری صاحبہ اکرم اب ہمارے بہت پیارے شہر (عروس البلاد) میں شفٹ ہو گئی ہیں اور آج کل اپنا گھر سیت کر رہی



ہیں۔ (خوش آمدید..... جی آپاں نو صاحب تو ملاقات ہوئی رہے گی، انشاء اللہ)

☆ مصنفہ ذر وادہ نو بین خان کو ان کی ادبی خدمات کے اعتراف میں ممتاز مفتی ایوارڈ سے نوازا گیا۔ یہ ایوارڈ سرگودھا میں منعقدہ ایک تقریب میں محکمہ مفتی (فرزند ممتاز مفتی) نے اپنے ہاتھوں سے دیا۔

☆ اس ماہ رانٹر اور شاعرہ محبتی احمد کی سالگرہ ہے۔ (مبارک باد)

☆ مستقل پاکیزہ قاری وزیہ ظفر کو اپنی سالگرہ مبارک ہو۔

☆ مستقل قاری احساس، احوال سلسلہ کے فرسٹ کزن کی شادی گزشتہ دنوں بخیر و خوبی انجام پائی۔ (مبارک باد)

☆ رانٹر طیبہ عنصر مغل کی پیاری بیٹی الحمد للہ اسی ماہ بائبل کے آئین سے وداع ہو کر پیادیس سدھار ہی ہے۔ (اس خوش کے موقع پر ذر وادہ مبارک باد وصول کریں طیبہ) طیبہ عنصر کے حوالے سے دوسری خوش خبری یہ ہے ان کی تحریر نے مقابلہ مضمون نویسی بعنوان عظمت والدین میں دوسرا انعام حاصل کیا ہے (مبارک باد)

☆ مصنفہ مستقل تمبرہ نگار محکمہ غزل کی چھٹی بھوڑا کٹر فرح آج کل امریکا سے آئی ہوئی ہیں۔ اور جلد ہی سلمیٰ غزل کا بیانیہ بھی آنے والا ہے۔ اس سلسلے میں وہ کافی خوش بھی ہیں اور مصروف بھی..... (اللہ آپ کو پوری خوش، خوش رکھے، آمین)

☆ مستقل قاری سمیعہ امجد، ڈی آئی خان کے ماموں کی شادی بخیر و خوبی انجام پائی۔ (مبارک ہو)

### دعائے صحت کے لیے التماس ہے

☆ رانٹر سلمیٰ غزل ان دنوں نامیہ کڈ بخار کے باعث علیل ہیں۔

☆ رانٹر حیا بخاری کی طبیعت ان دنوں ناساز ہے۔

☆ پیاری پاکیزہ سامحی، رانٹر اور مصروف شاعرہ فریدہ جاوید فری، لاہور کی طبیعت ان دنوں ناساز ہے۔

☆ رانٹر ریمانا نور رسواں کی کلی صحت کے لیے خصوصی دعا.....

☆ مستقل قاری نادیر، راولپنڈی کے بیٹے کے لیے دعائے صحت کی التماس۔

☆ پیاری ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کی صحت و سلامتی کے لیے خصوصی دعا.....

☆ پاکیزہ کی پیاری ساتھی امینہ عندلیب، سلاواں کو آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔

☆ مستقل قاری افراتجٹ، جنہیں آپادے والد صاحب ایک ردڈ ایکٹنٹ میں زخمی ہو گئے ہیں۔ (خصوصی دعا کی درخواست ہے)

### انتقال پر ملال

☆ ڈی شان رسول کو بچپن سے پالنے والی میڈرٹن بی بی کے شوہر طویل علالت کے بعد 20 نومبر کو مالکِ حقیقی سے جا ملے۔

☆ عذر دار رسول صاحبہ کی دوست اور پاکیزہ کی مستقل قاری حمیرا طارق کی والدہ بریٹ کینسر میں مبتلا ہو کر 19 نومبر کو

انتقال کر گئیں۔

☆ ادارے کے دیرینہ مصو مظہر انصاری کی والدہ محترمہ برضائے ربی انتقال کر گئیں۔

☆ اس ماہ میرے (یعنی آپ کی باجی نازہت اصغر کے) والد صاحب کی بری ہے اور اسی ماہ میرے بھتیجی اللہین رضا

کی بھی بری ہے۔

☆ سینئر رانٹر شمیم ناز صدیقی صاحبہ کے بوے بھائی جناب اشتیاق احمد صدیقی کینسر کے عارضے میں مبتلا رہنے کے

بعد 20 نومبر بروز منگل یہ فقائے الہی انتقال کر گئے۔

☆ مستقل تمبرہ نگار مسز شمیم کے ہاں فرزند تولد ہوا جو چند گھنٹے زندہ رہنے کے بعد مالکِ حقیقی سے جا ملا۔ (اللہ مسز

اللہین کو صبر دے اور انہیں زندگی والی اولاد سے نوازے، آمین)

تمام مرحومین کے درجات کی بلندی کے لیے دعائے مغفرت کی استدعا ہے۔

☆☆☆

☆ اب آتے ہیں آپ بہنوں کے کھٹے میٹھے خطوط کی جانب.....



کھ پر دین اھل شاہن، بہاول نگر سے۔ ”اس بار بھی نومبر کا شمارہ چار تاریخ کو ملا اور چھ تاریخ کو تبرہ ارسال کر رہی ہوں۔ سرورق ہمیشہ ہی جاذب نظر ہوتا ہے۔ آپ نے ٹھیک فرمایا کہ ہمیں ہمیشہ یک زبان یک جان اور یک قدم نظر آنا چاہیے۔ دین کی باتیں پڑھ کر ہمیشہ ہی برکت پاتے ہیں۔ لیکن فرخ سے خوشگوار ملاقات اور عذرا آلہ کی باغبانی پڑھ کر مزہ آ گیا۔ سرورق بھی زبردست تھا۔ عذرا آلہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پوتی سے نوازا ہے، ہماری طرف سے دلی مبارک باد وصول فرمائیں اور ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ معراج بھیاکو اور میری پیاری نند فریدہ جاوید فری کو، عصمت آپا کو مکمل صحت و تندرستی عطا فرمائے۔ آمین، سعدیہ ہاشم ایڈووکیٹ کو بہت ساری مبارک بادیں قبول ہوں، انزالہ یمن، آپ کو میرے خطوط پسند آتے ہیں آپ کا شہن نظر ہے ورنہ ہندی کس قابل ہے۔ میرا خط شامل یز م فرمائے گا بہت، بہت شکریہ۔ پاکیزہ کی یہ خاصیت ہے کہ چھ یا تیس سال سے یہ باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے اور وقت پر ہی سارے پاکستان میں دستیاب ہوتا ہے۔ آلہ انجم انصاری نے محبت سے اسے سنوارا ہے ویسے ہی نزہت آلہ آپ بھی محبت اور محنت سے اسے سنوار رہی ہیں۔ عذرا آلہ کے بعد انجم آلہ اور آپ بھی مبارک باد کی سچیں ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ تینوں کو خوش رکھے۔ آمین۔“ (دعاؤں کے لیے جزاک اللہ)

کھ فریدہ افتخار، اسلام آباد سے۔ ”رسالے کے آغاز میں قرآنی آیات کے ترجمے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اساتے گرامی کے صفحات کو خوش آمدید کہتے ہوئے ادارہ کے پُر فہم الفاظ دل کو گلے..... لکھتے ہوئے قلم میں ارتعاش ہے کہ ہماری قوم ہمارے جوان کدھر جا رہے ہیں، تین دنوں میں پورے ملک میں جو ہوا کیا وہ کسی مہذب معاشرے کا کس تھا۔ کیا ساری ہنسن، موڑ سا نکلیں، ٹیلی، گاڑیاں بیوڑی غیر مسلم سے؟ زیادہ سوچوں تو دل کو تھامنا پڑتا ہے۔ ذرا میری موڈ نہیں ہے کہ کچھ تبصرے کیے جائیں بس دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔ سٹیبلوں کے جھرمٹ میں عذرا رسول اور ان کی گھنٹوا چھی گی ان کو پوتی کی مبارک باد اور معراج رسول صاحب کی محتاجی کے لیے دعا گو ہوں، پروردگار ہم سب کو آسانی، زمینی آفات و بلیات سے اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین..... اور جو بھی ہمارے پیارے ملک کے بدخواہ ہیں ان کو عبرت کا نشان بنائے، آمین..... کلام اقبال پسند آیا۔“ (بہت دل گرفتگی کے ساتھ آپ نے خط لکھا ہر باشعور آرزو دل اور حساس پاکستانی کا یہی حال ہے)

کھ مسز یمن، لہ شہر سے۔ ”بابی پاکیزہ میں نے پچیس روپے کا لینا شروع کیا تھا۔ اب آپ نے ایک دم جھٹکا لگا کر اب کیا کر رہے ہیں؟ اب چھوڑ تو نہیں سکتے ہیں خیر کوئی مسئلہ نہیں..... (ہاں یمن دوستی تو جتنی پرانی ہو اتنی ہی پائدار ہوتی ہے) آپ کی میں اپنے نوزائیدہ مرحوم بیٹے کی وجہ سے بہت تشویش میں ہوں بہت پیارا بچہ تھا۔ سب ہنسن میرے لیے دعا کریں، آئی ڈیکر میرے لیے خصوصی دعا کریں اللہ کی پاک ذات مجھے اور اولاد عطا کرے آمین.....“ (مسز یمن غم نہ کریں، یہ قدرت کی طرف سے امتحان ہے، انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ آپ کو جلد از جلد صحت مند اور زندگی والی اولاد سے نوازے گا۔)

✉ دعا علی، حیدر آباد۔ پاکیزہ کو مر اسنے کا شکر ہے..... سالانہ خریداری کا طریقہ کار تو متا دیا تھا آپ رسالے پر درج سرکولیشن نمبر کے نمبر پر فون کر کے مزید تفصیلات پوچھ سکتی ہیں۔ سالانہ خریداری کے لیے بارہ سو روپے آفس کے پتے پر اپنے مکمل رابطہ نمبر کے ساتھ ارسال کریں۔

✉ سبیل، کراچی۔ آپ کی تحریر بہت عمدہ ہوتی ہے، انشاء اللہ جلد لگی، پاکیزہ پر کچھ تبصرہ بھی کریں۔ کھ طلعت شوکت، اسلام آباد سے۔ ”آپ کا بہت شکریہ کہ میرا خط شائع کیا اور میری بیٹی ہوئی کتاب میں بھی متعلقہ اشخاص تک پہنچائیں۔ (جی آپ کا خلوص یقیناً قابل قدر ہے، یہ محفل آپ ہی کی تو ہے) مجھے عذرا صاحبہ سے بھی بات کرنی ہے اور ان کو پوتی کی مبارک باد بھی دینی ہے۔ (جی ضرور) اللہ پاکیزہ کو ترقی دے اور آپ سب کو صحت و سلامتی سے رکھے، آمین۔“ (بہت پیاری دعاؤں کے لیے جزاک اللہ)

کھ مسرت رانی، ٹیلی، کراچی سے۔ ”پاکیزہ کی تقریبات کے بابت پڑھ کر بہت اچھا لگتا ہے اور اس طرح آپ سب سے تصویریں ملاقات بھی ہو جاتی ہے۔ ورنہ دانشین اور تاجید فاطمہ نے احوال بھی بہت اچھا لکھا پاکیزہ کی کہانیوں اور مضامین سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ بس ہم سب کو نیکی کے کاموں میں لگائے رکھے اور اپنی رضا و کام کرائے آمین۔“ (بہت شکریہ اور آپ کو عمر کی سعادت مبارک ہو)



کچھ یا حسین کنول، پرورد سے۔ ”نومبر کا شمار بھی چھائی ماڈل کے ساتھ موصول ہوا۔ سفید سوٹ اور جیلری نے حناڑ کیا۔  
 جیسے نعوش کی مالک ماڈل بڑی کیٹ لگ رہی ہے۔ افسانوں میں مائے نی میں کون آکھان نے حناڑ کیا جبکہ حیا بخاری کا ناوٹ،  
 محبت لفظ ہے لیکن..... بہت اچھا لگا۔ عقیدہ حق کا ناول غضب ڈھا گیا بہت پسند آیا۔ عام سے خاص تک واہ، واہ مردوں کے  
 معاشرے میں عورت کو خود مقام بنانا پڑتا ہے۔ کچھ، مشکل بصیرت سے اپنے کردار کی حفاظت بھی کرتی ہوتی ہے۔ رضا کا بھی انجام  
 ہونا چاہیے تھا۔ دردانہ نوشین خان نے ایک خوب صورت شام، بڑے خوب صورت بچے کے میں بیان کی ہے تصاویر نے سونے پر  
 سہاگے کا کام کیا..... وہ آئے یوم میں، سیکڑ فرخ سے خوشگوار ملاقات واقعی خوشگوار رہی۔ ان کی بیٹی ماہین کی شکل ان سے بہت  
 زیادہ ملتی ہے۔ (بہی ہاں، نگاہ پر ہے ماں بیٹی جو ہیں) اہل، غزالہ رشیدی کو ہاگل سے محبت اور اس کے غلط استعمال کے حوالے سے  
 انجام سے آگاہ کرتی ایک تازہ ترین تحریر ہے جو بہت اچھی لگی۔ لڑکیوں کو ضرورت کے لیے موبائل استعمال کرنا چاہیے اور دوستی  
 وغیرہ کے پکڑ میں نہیں پڑنا چاہیے۔“ (تبرے کا شکر یہ)

کچھ صبا آصف، بخش حدید سے۔ ”یہ شعر نہت امگری شخصیت پر پورا اترتا ہے، پچھلی دفعہ غلط چپ کیا تھا آپ تبھی کچھ کر لیں۔  
 پچھل دار جو شہر ہیں اٹھانے وہ نہیں..... سرکش ہیں وہ درخت کہ جن میں شرنش (بہت شکر یہ، بہن)

اہل، غزالہ رشید کا افسانہ زبردست ہے، بچیوں کے لیے بھکاری کا درس دیتا ہوا کہ اپنی عزت کا خیال رکھیں۔ لڑکیوں کے لیے  
 سبق آموز ہے۔ سیکڑ فرخ کا انٹرویو بہت اچھا ہے۔ عقیدہ حق کا ناوٹ محنت و خودداری کا درس دیتا ہوا ہے۔ نومبر کا پاکیزہ ہمیشہ کی طرح  
 شاندار تھا۔ مجھے کچھ کہتا ہے حد سے زیادہ شاندار، علامہ اقبال کے یوم پیدائش پر قوم کو یک جہتی کا درس دیتا ہوا۔ محترمہ مہر ازول کو پوتی کی  
 بہت مبارک باد..... قافلہ اور ڈیٹان رسول کو بہت، بہت مبارک باد..... بانی رسالہ پہلے سے زیادہ شاندار ہے۔ غزالہ رسول کی باغبانی  
 کے نام، دردانہ نوشین خان نے بہت اچھا لکھا اور تصاویر کے ذریعے سب سے ملاقات بھی رہی..... سیمہ صاف رقت سراج اور  
 انشاں آفریدی، نہت امگری اور آرمہ حید کی تصاویر پسند آئیں۔ ایک رات کو عزت دینا بہت اچھا لگا۔ غرضیکہ پورا پاکیزہ ہی شاندار تھا (شکر یہ)  
 ✨ وزیر ظفر، چکوال۔ آپ کے حد سے بے جا بھرے پُر غلوں نے اسے بہت شکر یہ..... آپ سے بھی بات کرنا اچھا لگتا ہے،  
 آپ نے تو میری بہت زیادہ تحریضیں لکھ دیں۔ آپ میں بھی یقیناً بہت صلاحیتیں ہیں، بس اپنے اس ہنر کو جاری رکھیں، نوشین کرنی  
 رہیں، اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

کچھ آمنہ ملک، مقام نامعلوم سے۔ ”پاکیزہ بہت اچھا رسالہ ہے، اس دفعہ غزالہ آلہ کی پوتی کی خوشخبری بھی اللہ انہیں  
 مبارک کرے اور معراج اٹکل کو اللہ صحت دے، عقیدہ حق کی کہانی بہت اچھی لگی اور بھی کہانیاں اچھی ہیں ابھی پورا پڑھا نہیں ہے۔“  
 (چھوٹے سے تبرے کا شکر یہ..... آپ کی مبارک باد کا شکر یہ.....)

کچھ افتخار شوق، میان چنوں سے۔ ”سب سے پہلے تو غزالہ کو دادی بیٹا مبارک ہو۔ (شکر یہ.....) پاکیزہ تو ہے ہی ہماری  
 جان اور اس کے بنانے والے بھی ہمیں عزیز ہیں، میں جب بھی کوئی اچھی کتاب پڑھتی ہوں نہت امگری آپ کی یاد آتی ہے۔ (بہت  
 تواضع افتخاری) آج کل راتر مسعود علی خان کی چار سو گز کا سفر پڑ مطالعہ ہے۔ بہت ہی لطف آ رہا ہے اس میں ڈاکٹر سوچ اور  
 مولوی احساس دو کردار ہیں جو زندگی کے حقائق سے روشناس کروا رہے ہیں۔“ (بہت اچھے بھی اکیلے، اکیلے پڑھ رہی ہیں، ہم بھی  
 یہاں یہ کتاب تلاش کریں گے بلاشبہ کا وقت مطالعہ بہت عمدہ ہے)

✨ زرارہ رضوان، کراچی۔ نوشین فیاض، لاہور۔ لاج رہا بی انھوں، بھکر آپ کی تحریریں ابھی زیر مطالعہ ہیں۔

کچھ نادیہ، راول پنڈی سے۔ ”ہائی پاکیزہ روز بروز گھر جا رہا ہے۔ اس مرتبہ سیکڑ فرخ کا انٹرویو پڑھ کر حرا آیا، ہاں  
 غزالہ آلہ کی پوتی مبارک ہو (ان کی طرف سے شکر یہ) باہمی مجھے تو کراچی شہر بہت اچھا لگتا ہے، کبھی آؤں گی تو ملاقات کروں  
 گی۔ میرا بچپن تو اسی شہر میں گزرا ہے۔ سب بینش میری پریشانیوں کے رتبے ہونے کی ضرورت دعا کریں۔“ (نادیہ آپ شہر وہاں  
 آئیں، اللہ آپ کی تمام پریشانیوں دور کرے آمین)

کچھ سعدیہ، کاشی، گراچی سے۔ ”سب سے پہلے تو غزالہ ایما اور معراج بھائی کو دادی، دادا بننے پر ڈھیروں مبارک باد، اللہ  
 تعالیٰ غزالہ ایما کے گھٹن کو ہمیشہ آباد رکھے، (آمین) ماہ نومبر کا پاکیزہ تو ابھی زیر مطالعہ ہے البتہ بات ہو جائے آنکھ پر کی پیاری،



بیاری تحریروں پر..... اس ماہ بھی دردانہ نوشین خان سبقت لے گئیں۔ غصہ کی جتنی تفریقیں کی جائے کم ہے دردانہ آپ کی تحریروں نے میری زندگی میں بہت کچھ بدل کے رکھ دیا، آپ نے اسلام کی صحیح شکل کو اپنی تحریروں میں اجاگر کیا ہے۔ اسلام کا وصف یہی ہے کہ اس کے دروازے سب کے لیے کھلے ہیں۔ رفعت سراج بہت خوب صورتی ہے..... یہ کہاں نہیں کہ دل ہے میں آگے بڑھ رہی ہیں..... رفعت آپ کی تحریروں کا خاصہ ہے وہ ہمیشہ گہرائی میں لگتی ہیں، مجھے تاجور کا کردار بہت پسند ہے، عورت کو اسی طرح اثر کا ہونا چاہیے۔ آپا بلاشبہ ہر کردار سے انصاف کرتی ہیں، حیا بخاری بھی بہت خوب صورتی ہے اپنے ناولٹ کو لے کر چل رہی ہیں، ماہ ستمبر میں ایک اور خوب صورت تحریر جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے اور وہ تحریر ہے سلسلی غزل کی..... سلسلی نے اپنی تحریر میں عورت کے کردار اور معاشرے میں موجود پیشہ مردوں کی سوچ کو بھرپور طریقے سے لکھا ہے۔ پاکیزہ وہ ادبی رسالہ ہے جس کی سطر، سطر میں ہماری ماؤں، بہنوں اور بھتیجیوں کے لیے سبق موجود ہے، پاکیزہ میں لکھنے والی ہر تحریر ہی سبق آموز اور اپنے اندر اصلاح لیے ہوئے ہوتی ہے۔“ (بہت شکر یہ سہید جامع بھرے کا)

کچھ تنقید کوثر، کرناچی ہے۔“ کوثر کا پاکیزہ اپنی تمام تر حشر سامناؤں کے ساتھ بے حد عمدہ بلکہ کھٹکھٹا حیران کن انداز نگاہ خاص کر یہ زندگی کے رستے پر ایمان کا فاضل کے اس شاعرانہ ناولٹ نے تو گویا میلاد لٹ لیا۔ مکمل اور جامع تحریر نے دل خوش کر دیا..... اور بھی عقیدہ حق بھی کسی سے کم نہیں ہیں عام سے خاص تک ان کے خیر انگیزہ نقش مکمل ناولٹ نے تو پاکیزہ میں چار چاند لگا دیے اور ہر کامیابی کے ناولٹ محبت لٹ آتی ہے کو بھی ایک اچھی کوشش کہہ سکتے ہیں، اس کے علاوہ غصہ بھی ہی اچھا ناول ہے مگر اس کی اسٹوری کچھ جھکی، جھکی سے لگنے کی ہے البتہ اس میں دین کی معلومات نہایت عمدگی سے بیان کی گئی ہیں۔ محبت لفظ ہے لیکن حیا بخاری کے اس خوب صورت ناولٹ کو سدا بہار کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا، اس کے علاوہ حلیہ ہدایت اللہ کے افسانہ مانے فی میں کنوں آکھان بہت اچھا لگا بلکہ تقریباً زیادہ تر افسانے سب ہی اچھے لگے مگر صید شاہ کے فصل کی اسٹوری نے دل کو دکھا دیا سی لیے کہتے ہیں ناں کہ دنیا کا ساقی عمل ہے۔ اور ہاں تو قصہ زوہدیت یہ دل کو بالکل نہیں بھایا سوری..... (سوری کی کیا بات سب کو ہر چیز پسند کی اپنی اپنی ماں پائی مارے ہے ہماری رازشز کو مکمل دل و دماغ کی ہیں عقیدہ بھی بخوشی قبول کرتی ہیں) کیکنہ فرخ سے ملاقات اچھی لگی مگر کچھ بھی بانی رہی..... اور بہر حال پھر بھی ایک مناسب اندازہ دینا..... اس کے علاوہ بزم پاکیزہ میں بہت حرا آتا ہے، بہنوں کے سوالات اور آپ لوگوں کے خوب صورت جوابات نہایت لطف دیتے ہیں، اردو حافی مشورے بھی ایک عمدہ سلسلہ ہے اور جناب، بہنوں کی محفل کی تو کیا بات ہے سب سے زیادہ دل اس حسین محفل میں لگتا ہے۔“ (جی آپ کا بھی تو تبصرہ مثال ہوتا ہے اس لیے محفل اور حسین ہو جاتی ہے)

کچھ وردہ الیوب، مہمان سے۔“ بابا کوثر میں ویسے تو سارے افسانے خوب صورت تھے مگر چند ایک میرے دل کو بھائے جن میں تیرگی کروں، اللہ کا وعدہ، اب تو کھلنے لگے محفل، جس میں لوگوں کے لیے بہت اچھی ہدایت بھی کاش لوگ اس افسانے سے سبق حاصل کریں۔ اس کے علاوہ ہوا کچھ یوں حصار محبت اور یوں بھی ہوتا ہے۔ بہت اچھے لگے میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب رازشز کو کامیابی عطا فرمائے، آمین مجھے اس ماہ کے ڈائجسٹ میں اپنا خط نہ شائع ہونے پر بہت دکھ ہوا پر جب اس مرتبہ ناہیدہ فاطمہ حسین کا خط پڑھا تو یہ جان کر خوش ہوئی کہ انہوں نے میرا نام یاد رکھا۔ میرے والدین بھی بہت خوش ہوئے کہ ساقی بڑی رازشز کو میرا نام یاد رکھا۔ ناہیدہ آپ کا شکریہ..... اس ماہ میں جو افسانے پڑھ کی ان میں ابھی تک مانے فی میں کنوں آکھان، اہل پڑھ کی بانی افسانوں اور کہانیوں پر انشاء اللہ اگلے ماہ تبصرہ کروں گی کیونکہ پڑھانی سے وقت کم ملتا ہے تبصرہ ضرور کریں مگر پہلے آپ کی تعلیم مقدم ہے، قارئین اوقات میں یہ جتنی تفریق بھی کر لیا کریں کہ اس سے بھی تو بہت علم ملتا ہے ناں.....)

کچھ انزلہ میکن، سندھ سے۔“ پاکیزہ اس ہار بھی زبردست رہا فقط دارناؤں اب بہت طویل ہو گئے، جلدی سے ختم کریں اور نیا کچھ لائیں۔ جلیزہ دوسال سے زیادہ لمبائی کیا کریں۔ حیا بخاری کے تو قربان جانے کو دل کرتا ہے۔ حیا سے سوال جواب کا کوئی سلسلہ لائیں، ہم انہیں جانتا اور دیکھنا چاہتے ہیں، کیا وہ پٹھان ہیں (جی ہاں) اور ویسی ہی خوب صورت ہیں جیسا ان کا نام ہے۔ ضرور انزلہ دیکھیں، محبت لفظ ہے لیکن پاکیزہ میں دینے کے لیے شکر یہ اور آئندہ بھی یہاں ہی لکھیں۔ افسانے ایسے ہوتے ہیں جیسے مختلف درختوں سے پھول جنم، جنم کروں اور مصیاری تحریروں کا گلدستہ بنادیا گیا ہو..... ہر رنگ چادر ہر سبق کو دکھا محبت نظر آتی ہے ساری ٹیم کی، اقبال ہاں آپ کے افسانے کے شہر ہیں۔“ (جی بالکل، نیا بھی آ رہا ہے جناب اپنے مکمل انجام تک پہنچنے میں اتنا



وقت لگتا ہے ورنہ آپ لوگ ہی کہتے ہیں کہانی تفصیل سے شروع کی اور اتنی جلدی، جلدی ایڈ کر دی)

بھہ تھیرا وحید، وہ کیٹ سے۔ ”آپنی سلسلے وار ناول بہت اچھے جا رہے ہیں، پڑھنے میں دلچسپی بڑھتی جا رہی ہے، صبیحہ شاہ کی تحریر فصل ایک سبق آموز تحریر تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ حکایتیں، باتیں، کہانیاں محض لفظی نہیں ہوتیں تجربات کا نمونہ ہوتی ہیں نہ صرف دنیا میں بلکہ آخرت میں بھی انسان جو جیہوتا ہے وہی کانے گا۔ کثیر نوعی کی تحریر اچھا اور مختصری مگر دلچسپ تحریر تھی۔ جس میں کئی شادی شدہ عورتوں کی زندگی کے مختلف پہلو اجاگر کیے گئے۔ کوئی ایک شادی شدہ عورت بھی اپنے زندگی سے مطمئن نہ تھی۔

گھنٹہ شیفت کی غزل بہت پسند آئی، خاص کر آخری شعر.....

اپنے اللہ کو گھنٹہ تو بنالے اپنا..... راول بھ کو سنانے کی ضرورت کیا ہے

یادگار لکھن تشریب جو روانہ نوشین کے اعزاز میں لکھی گئی اس تقریب کے بارے میں جان کر اور پڑھ کر بے حد اچھا لگا..... اور ساتھ میں تصویریں دیکھ کر تو ایسے محسوس ہوا جیسے میں بھی تقریب کا حصہ ہوں میڈم عذرا رسول جو اپنے لکھاریوں کی بے حد قدردان ہیں، انہیں تصویروں میں دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔“ (بہت شکریہ جیبرا، آپ بھی ہمارے ساتھ تقریب میں شامل ہوئیں)

بھہ طیبہ عصر مغل، راول بھٹی سے۔ ”بیاری عذرا اپنا آپ کو پوچھ کر آئی کہ بہت، بہت مبارک باد، اللہ تعالیٰ جی کے نصیب بہت بلیغ فرمائے اور دین کی عافیت میں رہے، آمین..... پاکیزہ کے لیے میں کچھ یوں تجویز دیتی ہوں کہ پاکیزہ کی میں ایک نہیں بہت ساری کا پیز لکھی ہوں ہر ماہ اور میں تو یہ کہوں گی پاکیزہ سو روپے تو کیا ہزار کا بھی ہو جائے تو بھی مہنگا نہیں..... ہم اپنے چوتھوں اور پڑوں کی خریداری پر لاکھوں اڑا دیتے ہیں تو اچھے رسالے کی قیمت پڑھنے پر اعتراض کیوں؟ سو کی کیا ہزار کی روزانہ بننے چاہئیں کھاتے ہیں اس بے شغل اور سردار ماہنامے کو بند کرنے کا تو سوچیں بھی مت، اس کے اندر جو بھی قیمتی معلومات کا خزانہ یکجا ملتا ہے وہ کتب سے زیادہ سستا پڑتا ہے میرے شوہر کا بھی یہی خیال ہے کہ پاکیزہ انمول ہے۔ اب آپ کی ہوں تبصرے کی جانب تو پہلے تو ناہید حسین جی کو کھجلی بار مبارک ہوائیں دے سکی اس بار دوں گی کہ بہت ہی پاکیزہ تحریر دی۔ عورت کی کمزوری بن چکی ہے اس محاشرے میں سونے کی جیوری، کہانی کا پلاٹ مضبوط اور مربوط رہا، موضوع عمدہ اور سب سے بڑھ کر بیاری مصنفہ کی یہ خوبی کہ وہ کہانی کو انجام دیتے ہوئے سببیں برقرار رکھنے میں کامیاب ہوئیں مبارک باد..... اس بات کو نعمت سراج جی نے کمال کر دیا ویسے تو ہر باری کمال کرتی ہیں لیکن اس بات کو کہانی نے ایک دم ٹرن لیا زارابی بی نے تو زار الحاظ، مروت نہیں رکھا اور سفینہ پر دورے پڑنے کا اہرام لگا کر تو حد ہی کر دی۔ شیریں جی کے مختصر امرت کے اختتام کی طرف بڑھتے الفاظ اداس کر رہے ہیں۔ امید ہے جلد ہی شیریں دوبارہ اپنی شیریں بیانی کا ایک اور شاہکار لائیں گی۔ بیاری حیا بخاری بہت مبارک باد آپ کی تحریر تو ہمیں احساس کتری میں ڈال رہی ہے کہ ہم تو کھٹکھٹ رہے کھٹکے کا حق تو حیا کا کلم ادا کر رہا ہے جامعہ پلاٹ پر لکھا یہ ناول دل پر نقش ہو رہا ہے۔ اب میں ان بہنوں کی شکر گزار ہوں جن کو میری تحریر ہمیشہ پسند آتی ہے اگر کبھی کوئی تحریر باقی تمہارے سے کمزور لگے تو معاف کر دیا کریں کہ۔

بھہ جلال، ہم لکھاری بھی انسان ہیں، ہمیشہ بہتر نہیں دے سکتے اور ہر ایک کی پسند ناک ہوتی ہے اس لیے بھی ضروری نہیں ہر تحریر ہر ایک کو اچھی لگے۔ بہر حال میں سب قارئین کی شکر گزار ہوں لیکن ایک بات ضرور کہنا چاہوں گی کہ لکھاری بہت حساس ہوتا ہے آپ تنقید کریں لیکن الفاظ کا کوڑا مست داریں یہ کہہ کر فلاں کی فلاں تحریر تو بالکل بیکار تھی، الفاظ کا چٹاؤ ایسا کریں کہ تنقید یا مقصد وغیرہ لگے۔

یہ میں صرف اپنے لیے نہیں کہہ رہی بلکہ سب لکھاری بہنوں کی کاوش کے لیے کہہ رہی ہوں اور یہاں میں بیاری بہن راشدہ مطیع، جرنی کو صرف اتنا کہوں گی کہ انہوں نے میری جس تحریر پر تبصرہ کیا ہے وہ کافی ماہ پہلے کی ہے اور قیمتی معلومات کی وضاحت دینا جی میں وہ دے چکی ہوں، انہوں نے جن باتوں کا اب ذکر کیا ہے وہ اور اس سے زیادہ میں پاکیزہ کی بہنوں کی محفل میں قصہ دے چکی ہوں۔ میری اس تحریر کو دوبارہ پڑھیں میری بیاری بہن اور اس کے بعد وہ شمار بھی پڑھ لیں جس میں، میں وضاحت دے چکی ہوں شکر ہے..... سلسلی غزل جی، افشار علی، انزلہ حسین، آسہ عامر، اسما شاہد ان سب بیاری بہنوں کا بہت، بہت شکریہ..... کہ میری تحریر کو پڑائی بخشی جاکہ اللہ..... کچھ نام پاکیزہ میں بار بار دیکھنے کو دل کرتا ہے ان ہی میں رفاقت جاوید جی اور عقیدہ جی بھی مگر فہرست ہیں ان کی تمہاری مقصدیت سے بھر پور ہوتی ہے اس دفعہ کی تحریر بھی زبردست تھی۔ ان سے مسلسل ناول لکھوا میں پلیز زہمت..... (آپ کی فرمائش کا احترام کیا جائے گا) غریبہ جاوید فری جی آپ کو بہت مبارک باد سوال پر انعام ملنے کے لیے اور میری



پیاری سی دوست آپ کو میں نے میری والا جن کی تحریر تھیلاات کے ساتھ فون پر سمجھا دی تھی۔ امید ہے سمجھ گئی ہوں گی کچھ تمہاری میں ہم بہت کھل کر بات سے اجتناب کرتے ہیں کہ پاکیزہ کی پاکیزگی کا بھی وہ بیان رکھنا ہوتا ہے ہر عمر کی بچیاں اسے پڑھتی ہیں اور کچھ حقائق کو دیکھ کے اچھے الفاظ میں آپ سب تک پہنچانا ہوتا ہے۔ (جی طیبہ بالکل درست کہہ رہی ہیں کہ رائٹر پر بڑی ڈسٹے داری ہوتی ہے) انشاء اللہ اپنی تمہاری ہر تبصرہ پھر کروں گی کیونکہ بیٹی کی شادی کی تیاریوں میں بہت ہی مصروف ہوں آپ سب دعاؤں میں یاد رکھا کریں۔ (مختصر خط کا شکریہ..... بیٹی کی شادی کی ڈیڑھ دوں مبارک باد)

کچھ سسلی غزل، مگر اچھی ہے۔ "آمین خیم نے ایک بات جو کہنا باقی ہے اتنے خوب صورت اعزاز میں اور حقیقت سے قریب لکھا ہے کہ وہ مزہ آگیا، میوہ شاہ کا تو جواب ہی نہیں۔ فصل میں انہوں نے مکافات عمل کا صحیح نقشہ کھینچا ہے خدا کرے تو جو ان نسل کی سمجھ میں ان کی بات آجائے..... حیات بخاری کی کہانی بہت تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے اس لیے مزہ آ رہا ہے غزالہ رشید نے لڑکیوں کو اچھا سبق دیا ہے لیکن اگر ایذا اچھا ہوتا تو کیا ہی بات بھی کیونکہ ال کو سبق تو مل ہی گیا تھا اور غلطی کا احساس بھی..... منعم ملک کی تو قصہ زیت معصومیت کی انتہا پر پہنچ کر اختتام پزیر ہوا لیکن شکر کا انجام اچھا نکلا اور..... اُم ایمان قاضی نے تو زندگی کے رستے خوب بلکہ بہت خوب لکھا یا بھی لڑکیوں کا انجام تو ایسا ہی ہونا تھا لیکن شکر ہے کہ کہانی اچھا نکلا ورنہ عمو بھائی کی غیرت ایسے موقع پر جاگ اٹھتی ہے اور بھائی تیلی لگانے میں آگے آگے ہوتی ہیں، بہت سچی آموز کہانی اور لا جواب بھی..... دردناک دوشین خان کی صدا بھی جاری ہے لیکن اس پر تبصرہ اختتام پر..... فرخین انظر تو ہمیشہ اچھا ہی ہوتی ہیں پتا نہیں مجھے کیوں ایسا لگ رہا ہے کہ صلیہ ہدایت اللہ کا افسانہ میں پہلے بھی پڑھ چکی ہوں۔ معذرت شاید کوئی ملتا جلتا ہو (جی سسلی ایسی کوئی بات نہیں ہاں کوئی کہانی ملتی جلتی ہوتی ہے) کثیر زوئی نے عورتوں پر خوب لکھا ہے شکر کا بھی ٹھیک الگ الگ حقیقت چھان گئیں بہت خوب لکھا مزہ آیا لالچ کا بھی انجام ہونا چاہیے تھا۔ اختر شجاعت کا ایضاً عہد اس لیے زیادہ پڑھ کر مزہ آیا کہ انہوں نے جو چھوٹی، چھوٹی حکایات اور احادیث بیان کیں اس سے وعدے کی اہمیت کا اندازہ ہوا (جی ہاں بالکل) اور آخر میں سیکڑ فرخ سے ملاقات زبردست رہی اور پھر دردناک دوشین کے ساتھ نشست بہت سے چہرے جانے پہچانے اور کچھ انجانے نکرا چھانکا اللہ اسی طرح آپ کے سارے برائے ترقی اور عروج کی منزل میں ملے کریں۔" (آمین اور نہایت جانتی تبصرہ کا شکریہ)

کچھ شازیرہ ہاشم، میواتی، کھدیاں سے۔ "پاکیزہ کا ہر سلسلہ لا جواب ہے اور ہر چھوٹی تحریر کے اندر بھی اخلاقی اقدار کی خوب صورت جھلک نظر آتی ہے۔ خاص طور پر صف زہرہ دردناک دوشین سے آپ سے ملوں اتنا زبردست ناول نقطہ نقطہ مرقع ہوتی اور ہر لفظ کے اندر مرقع اور ہر مرقع کے اندر اسرار اور موزوں داستانیں اور ہر داستان صراطِ مستقیم کا پتا دیتی ہے، میں آپ کے ناول کی جتنی بھی تعریف کروں کم ہے، ملکی حالات کے پیش نظر ایک بات کہوں گی، اپنے.... بیٹوں کو دین معطلی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے چاہناڑ سپاہی بنادیں اور اپنی بیٹیوں کو حیا کے موتی تھما دیں تاکہ کل بروز شہر بار عداوت نہ اٹھنا پڑے۔" (مختصر خط کا شکریہ..... اللہ سب مسلمانوں کو اہل سنتوں میں اسوۂ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ملنے کی توفیق عطا ہو، آمین.....)

✍ ڈیڑھ سائے، آپ کا پیغام آیا تک پہنچ جائے گا وہ بھاری پیغام نہیں کر پائیں گی..... آپ لکھ گویں، ان تک پہنچ جائے گا۔ ✍ اساطیر اسلام آباد قراقرم ٹھکانہ لاہور۔ فرحت انصاری سلطان آپ کی کہانیاں جلد گئیں گی، اب اتنا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ کچھ گلشنِ صوبائی سے۔ "پاکیزہ بہت اچھا رسالہ ہے شکر ہے آپ کا فون نمبر مل گیا، میں نے ڈرتے، ڈرتے پیغام کیا..... یہ آپ کا نمبر ہے ناں۔" (جی پاکیزہ کا ہے۔ آپ کسی وقت بھی پیغام کر سکتی ہیں، ہم وقت ملے ہی جواب بھی دے دیتے ہیں، پاکیزہ پڑھنے اور پسند کرنے کا شکریہ)

✍ بابہ نور عدنان، کراچی۔ آپ کی کہانی ابھی مطالعے کی قطار میں ہے۔ ✍ منمیل ملک، احوال، لاہور۔ تمہارا فون آیا اچھا لگا تم تو پاکیزہ محفل کی رونق ہو..... ہر ماہ خط شامل ہونا چاہیے۔ اللہ تمہیں تمہارے عظیم مقاصد میں کامیاب کرے۔ دیکھو اسی طرح کارواں ترقی پاتا ہے کوئی ایک تو آگے قدم بڑھاتا ہے یعنی انجن بناتا ہے پھر لوگ خود بخود قطار بناتے چلے جاتے ہیں۔ بس تم حوصلہ ہارا کرو..... اتنی محنت کرتی ہو تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے بندوں کی مدد ضرور فرماتا ہے۔ ✍ ثریا شہباز، ڈی جی خان۔ بہت شکریہ آپ کا قاعدگی سے اپنی رائے دیتی ہیں جو ہماری بے شک بہت رہنمائی کرتی



ہے، رسالے کی پسندیدگی کا شکر.....

کچھ دردناک نوٹسین، مظفر گڑھ سے۔ ”بہنوں کی محفل پڑھتے ہوئے پاکیزہ کو خط لکھنے اور حال احوال کرنے کا خیال تو آتا رہتا ہے لیکن وقت کی کمی آتی ہے۔ لکھنے کا دیگر کام بہت ہوتا ہے۔ عذرا رسول کو پونی نسیب کی پیدائش کی مبارک باد بتی ہوں، اللہ تعالیٰ بچی کو لمبی عمر دے، نیک قسمت عطا کرے والدین کا افتخار بنائے..... (آمین) معراج صاحب کی صحت یابی کے لیے بھی دعا گو ہوں، عذرا رسول کو اللہ تعالیٰ ان کی تمارواری کی ہمت اور اجر عطا فرمائے۔ (امی آمین) رفعت سران کا تھنہ کردہ ناول امانت پڑھ لیا ہے، دلچسپ ناول ہے، ناول کا اسرار اختتام تک جاری رہتا ہے۔ فرالہ رشید کا افسانوی مجموعہ زیر مطالعہ ہے۔ ناہید فاطمہ حسنین کی تحریر کا عنوان تقریب کی دہکن دردناک نوٹسین، ہنس گیا۔ مجھ کو کا شکر ہے..... ناہید! میں ڈائجسٹ کی دنیا سے ادب کا سفر طے کر کے واپس ڈائجسٹ نہیں لوٹی، میری تحریروں کا بڑا حصہ ادب میں چھپ رہا ہے۔ لیکن میں ڈائجسٹ سے فطش کو چھپایا جانے والا ناچمیں گردانی۔ یہاں میں اپنی رائٹر بہنوں سے درخواست کروں گی کہ وہ صفحہ پڑھیں اور رائے دیں۔ کیونکہ میں نے کوشش کی ہے یہ عام روانوی سامی ناول نہ ہو۔ (جی ہاں بالکل، ایک نئی سوچ اور طرز تحریر پڑھنے والوں کو دل رہی ہے اور وہ بے حد پسند کر رہے ہیں) سیکین فرخ کا اعتراف پڑھ رہی ہوں، دو نیک تحریریں بھی پڑھوں گی، آزاد سیکر سے قابل اس جبار خان نے انٹرویو پر پاکیزہ کو دستیاب ہونے کی خبر دی ہے۔ یہ خبر درست ہے، میں ایک بار گوگل پر اپنا نام سرچ کرنے لگی تو میرے نام کے ساتھ صفحہ کی اقلام پاکیزہ کے صفحات سامنے آئے تھے۔ باقی مکمل رسالہ بھی شاید مل جاتا ہوگا۔“ (کیا کیا جائے اس چیز کا ستر باب کرنا مشکل ہے۔ پیارے ”خیر خواہ“ ہم سے بڑھ کر ہمیں چاہتے ہیں تو جلدی، جلدی یہ کام کرو چتے ہیں)

کچھ افسانین، عجم، اسلام آباد سے۔ ”نزہت آپ سے فون پر بات ہوئی، بہت اچھا، گو لکھنے لکھانے سے ناتا خاصا پرانا ہے پھر بھی اپنا افسانہ پاکیزہ میں چھپنے کی جو خبر آپ نے سنائی اس نے دل خوش کر دیا۔ پاکیزہ کے لیے پہلی بار کچھ لکھا اور اس کی اشاعت نے سیر دل خون بڑھا دیا۔ معلوم نہیں کیوں، مجھے لگتا تھا کہ پاکیزہ میں چھپنا بہت مشکل ہے۔ پاکیزہ کے صفحات میں چھپنا میرے لیے اعزاز ہے۔ اس ایک افسانے نے اتنا حوصلہ بڑھایا کہ فوراً ہی آپ لوگوں کے لیے دوسرا افسانہ لکھ ڈالا۔ میری پاکیزہ سے انسیت کا اعزاز اس بات سے لگائیں کہ..... دو، تین دن میں مجھے کالج کے ایک play کے لیے اسکرپٹ جمع کروانا ہے اور یہی کئی تحریریں ہیں جن کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ ابھی تک کچھ بھی لکھا ہوا نہیں ہے، سارا کام ابھی کرنا ہے۔ میں نے سب کچھ چھوڑ چھوڑا پاکیزہ کے لیے افسانہ لکھ کر neat بھی کر لیا۔ آپ لوگوں کا وقتی میں بہت شکر ہے.....“ (پیاری افسانین آپ کی تحریر میں اتنی طاقت تھی جیسا پاکیزہ کی فوری زینت بن گئی۔ ہمارے لیے ہر باصلاحیت رائٹر اہم ہے۔ پاکیزہ میں ماشاء اللہ مسودات کا خزانہ ہے بس اس لیے یاری آنے میں دیر لگتی ہے مگر اچھی تحریر..... اپنی جگہ بتا رہی ہے)

کچھ شہلا نواز، لاہور سے۔ ”اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ معراج اٹھل کو صحت کاملہ عطا فرمائے۔ عذرا آئی آپ کو اور دیگر اراکین پاکیزہ کو اپنے حفظ و امان میں رکھے، آمین۔ ٹائٹل کرل دو غاسر پر لیے پاکیزہ سے کسی دیکھ کر لگا کہ آتشوب چشم ہو گیا سترہ کو۔ پاکیزہ کی قیمت میں پورے تیس روپے کا اضافہ دیکھ کر ہمارا دل ٹھوڑے ٹھوڑے ہو گیا مگر ہم کوں سہا باز آئیں گے پاکیزہ پڑھنے سے۔ اپنے پیارے پاکیزہ کا صدقہ مجھ کو کہ ہم نے نادان دل کو سمجھا ہی لیا۔ رفعت سران کا ناول ہمیں بے حد پسند ہے مگر ذرا کی... بد تمیزیوں ایک آنکھ نہیں بھائی، سائل سے شادی کے بعد اب آئے کی اونٹنی پہاڑ کے نیچے، اللہ کرے سائل اس کی آکر توڑے، خاصے کی چیز ہمیں تو ناہید سلطانہ کی نیرنگی کر دوں گی اسی لیے کہتے ہیں انسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا۔ اللہ کا وعدہ کی شاکر سی اماں اچھی لکھیں۔ خیر نسیم کے افسانے نے تو دل لرزادیا۔ نئے دور کی دیکھی دادی کے دکھ پر ہمارا دل بھی افسردہ ہو گیا وقتی میں نیو جرنیشن کپ ختم نہیں کیا جاسکتا کیونکہ نئے دور کے نئے تقاضے ہیں جو کہ ہمیں تو پسند نہیں جیسے جیسے چاہتے تھے کھانے اور گندے سندے برگر، شوار ما پز، ہمیں تو پسند ہیں لذت بخشی، دہی پٹیلے، فروٹ چاٹ، چٹا چاٹ، گول گے، گھر قندی، گھماڑے، پٹورے جے، ہمارا خیال ہے بس کریں ہمیں آپ کے منہ میں پانی نہ آجائے۔ (ہاں تو اور کیا) کارز کی خبر پر درگزر کرنا بہتر ہے بہت اچھی لگی۔ صاف کرنے سے اللہ بھی خوش اور مخلوق بھی خوش اور اگر ہم سے غلطی ہو جائے تو ہمیں بھی معافی مانگ لینی چاہیے کیونکہ اللہ معافی کو پسند فرماتا ہے۔ (جی ہاں بالکل، اس سے جتنی سکون بھی حاصل ہوتا ہے) خیر خدیجہ جعفری کا گزرا ہوا سادہ سا زبانا اور اس کا



احوال بھی اچھا لگا۔ بدلتی رست کے اثرات کے زیر اثر جہاں ہم جیسے نازک حرائج لوگ بھی آتے ہیں۔ وہاں سردیوں کی راتوں کو اداسی میں مطالعہ کرنے کی خوشی بھی بہت زیادہ ہوتی ہے اور سردیوں کی نرم گرم دھوپ میں بالٹے گا جبر اور مولیاں کھانے کا اپنا حشر ہے۔ بہاروں کے رنگ پاکیزہ کے سنگ احوال پڑھ کر جہاں اچھا لگا وہاں انجوائی اور عقلی کی غیر حاضری نے دل اداس کر دیا۔ ارے کوئی جائے اور ان دو چاندوں کو محفوظ کلائے جن کے بغیر محفل سونی، سونی یا کھی ہمارے چاندوں کی محفل میں یہ دو چاند ہوتے تو محفل کو چار چاند رنگ جاتے آئی کس پوائنٹی انجیڑی جی.....“ (جی یا کل سب کس کرتے ہیں، عقلی آفاق تو خیر سے اپنے بچوں کی گھریلو اور تعلیمی مصروفیات میں مگن ہیں اور انجم باقی ریٹائرمنٹ انجوائے کر رہی ہیں، پچھلے دنوں ان کے بیٹا، بہو آئے ہوئے تھے تو وہ کافی مصروف رہیں۔ اللہ انہیں صحت سے رکھے آمین.....!)

بھ محشر فاطمہ، کراچی سے۔ ”کیا حال ہیں آپ سب کے؟“ میں یادوں یا پاکیزہ والوں نے بھلا دیا۔ (پاکیزہ والے ہرگز نہیں بھلائے) عید کن پارٹیز میں مجھے کیا یاد رکھا کریں۔ میری عادت ہے غلطو کی عقل پہ پہلے حملہ کرتی ہوں مجھے حشر آتا سب کے حشر سے اور آپ کے جہالت پڑھنے میں..... اسکی تمام پارٹیز جنہوں نے ہر وقت میرا ساتھ دیا جیسے کہ کڑوا آمین سکندر..... ایک تو ماشاء اللہ سے ان کی کتاب شائع ہونے والی ہے اور اتنا ہی نہیں ہے میرے لیے بڑی بہن جیسی ہیں لیکن بہت جذباتی ہیں۔ نفیسہ سعید آئی..... میری پیاری سی آئی..... مجھے حوصلہ دینے والی سمجھانے والی۔ فرح طاہر کا ذکر نہ کرنا انصافی والی بات ہوگی، رائلز میں سب سے پہلے بننے والی چھوٹی سی دوست لیکن کام کے معاملے میں مجھ سے بھی سینئر ماشاء اللہ سے ہماری دوستی کو پانچ، چھ سال ہو چکے ہیں۔ جہاں اچھے لوگ ملتے ہیں وہاں برے بھی ملتے ہیں جہاں آپ کی اچھاٹی دیکھتے ہیں وہاں برائی کرنے میں ایک منٹ کیا ایک سیکنڈ بھی نہیں لگتا۔ (ہاں یہ تو ہے، بس اللہ اچھے لوگوں سے ہی ملتا رہے، آمین) میری ایک چلبلی سی دوست ہے ماہ رخ علی، میری ماہ رخ ہوتی تو اب تک شاید میں لکھنا چھوڑ چکی ہوتی۔ (کیوں بھی ایسا کیا ہو گیا) کبھی، کبھی دل کرتا ہے ناں ہم کہانیوں کے بجائے اپنی بھی بات بتائیں۔ آخر رائلز بھی انسان ہی ہوتے ہیں ناں..... صاحبہ بخش آئی جو پاکیزہ میں بھرے بیٹھتی ہیں وہ مجھے ہمیشہ یاد رکھتی ہیں۔ اچھا آئی زہت ایک مشورہ دیتا ہے، وہ یہ کہ ایک سلسلہ شروع کیا جائے جس میں کل اور غیر ملکی ذرا مومن کے حوالے سے ایک، ایک آرٹیکل آیا کرے اور میں چاہتی ہوں یہ سلسلہ میں شروع کروں اسی بہانے میں لکھا بھی کروں گی، اگر آپ کی نیچو کو گوارا لگے تو مجھے ضرور بتائیے گا..... میں ڈرامے دیکھنے کی شوقین ہوں اور یہ سلسلہ پاکیزہ میں شروع کرنا چاہتی ہوں۔“ (آپ کی تجویز بہت شکر ہے..... مگر ڈیر عرش ساتھ جھٹکوں میں ہیں وی بات دکھانے کو جو ہم بھی رسالے کوئی وی بتاویں..... آپ تو بہت باصلاحیت رائلز ہیں افسانے، ناولٹ لکھتے آتے حشر سے اچھا ہوا رہے محفل جو ان کرنے پر بھر خوش آمدید)

بھ کوثر خالد، جزا نوالہ سے۔ ”آپ کا بے حد شکر یہ کہ آپ ہم سب کی بے پناہ پر برائی کرتے ہوئے ہمیں شامل اشاعت رکھتے ہیں..... حج والی نعت شائع ہو کر حیران کر گئی اور خوشی سے دامن بھر گئی۔ قارئین کا شکر یہ جنہیں ہماری شاعری پسند آتی ہے۔ حالانکہ ابھی میری شاعری میں کافی اغلاط ہیں جو وقت کے ساتھ ساتھ ہی رفع ہوں گی جیسے، جیسے میں بڑے شعرا کو پڑھوں گی۔ (اس کے ساتھ اصلاح لینا بھی ضروری ہے) تمام مستقل سلسلے سر آجھوں پر..... روح کی سیرانی کے دلیلے ہیں..... یہ کہاں بچوں کو دل ہے، کاش یہ زبان دانی ہمارے گھروں میں بھی آجائے تو کتنا سکون ہو۔ رفعت سران کو سلام عقیدت پھول سے لفظوں کے لیے..... میمر کی آواز سنتے رہیں گے انشاء اللہ..... ناہید سلطانہ کا تیر گئی گردوں..... حشر کے انداز نزلے..... محبت لفظ ہے لیکن..... میرا دل چاہتا ہے محبت کے ڈسے کو عزت ہی بھلی لگتی ہے۔ اللہ کا وعدہ سچا سا ناول..... اب تو کھلتے کھلتے حشر کے بازار کے کچ..... پردہ ہی نہیں کوئی سائڈ پوار کے کچ..... صفحہ اک اسرار، اک سرور، اک داستان..... دردناک کی درد انگیز بھلی کاش کو سلام..... پرانی چھاؤں میں سکون کہاں..... قسمت کا لکھا جھگڑتا ہی پڑتا ہے، تدبیر تو انسان کو خود ہی کرنا پڑتی ہے اللہ سے فریاد کر کے..... ہوا کچھ ہوں..... کہ میں سمجھ نہ سکا..... راہ راست ہی مسکن اپنا..... گھڑا بادل، مکمل کے برس..... محبت تو ایسی ہی ہوتی چاہیے..... فارمولا، اپنا، اپنا جو سب خدا پر چھوڑ دے وہی سرخرو ہووے..... امرت گھر کی نفرت کے دائرے میں..... پرانی چھاؤں..... پرانی لے کے کیا کرنا..... عورت اگر واقعی اپنے معنی پر غور کر لے تو کون سی منزل ہے جو وہ نہیں کر سکتی..... البتہ اپنی ہستی کو مٹا کر منزل مل کر رہتی ہے نہ کہ چور دروازوں سے..... لگوں کا کھس دیر پا بہت ہو..... عورت ح حفاظت، ف فرخ..... نیا دور کے راس ہے..... صابر محبت قائم رہے..... میری والا جن، عادت ہو..... پول بھی تو ہوتا ہے، کاش پول نہ ہوا کرے..... تو قصہ زینت، طلسم محبت ٹوٹ گیا..... بہاروں کے رنگ کاش بچی بستیوں کے لوگوں کو بھی میسر ہوں..... کاش دینا سے غربت کے رنگ ختم



ہو جائیں..... شمع ہدایت پہ لاکھوں سلام.....“ (انو کے سے عزیز اور تیرے کا شکر ہے)

کچھ سمیعہ امجدہ ڈی آئی خان سے۔ ”اس دفعہ ماموں کی شادی میں مصروفیت کے باعث پورا رسالہ نہ پڑھ سکی تھی بس اپنا نام پڑھ کر خوشی سے پاگل ہو گئی۔ بہت شکر ہے پاکیزہ رسالہ میں جگہ دیئے کا..... پاکیزہ رسالہ تو میرا دوست ہے، غمخوار آئی ہے بات کرنا چاہتی ہوں، مقام رائیڈ کو مبارکباد کہ بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ میں خط پوسٹ نہیں کر سکتی اسی لیے میسج کر دیتی ہوں (ضرور کریں مگر طویل میسج نہ کریں اور خط لکھ کر پوسٹ کرنے کی کوشش کریں اب تو چھوٹے سے چھوٹے گاؤں قریوں میں بھی ڈاک خانے ہیں) مجھے شاعری بھی اچھا لگتا ہے۔“ (ضرور بھیجیں کہانوں پر بھی تبصرہ کریں)

کچھ حدیث اختر، حاصل پور سے۔ ”پاکیزہ تو پڑھنے بغیر نہیں رہتی..... اس میں شامل سلسلے اچھے لگتے ہیں خاص طور پر دین کی باتیں، شمع ہدایت، روحانی مشورے اور حمد و نعت..... میرا بھی دل چاہتا ہے کہ کچھ نہ کچھ سمجھتی رہوں۔ سب پاکیزہ والوں کے لیے دعا میں.....“ (بہت شکریہ آپ کے دل کی آواز ہم تک پہنچ جاتی ہے، ہمیں معلوم ہے آپ مصروف وقتی ہیں، ہماری بھی رہنمائی کرتی رہا کریں)

کچھ عمر کاظمی، ڈی آئی خان سے۔ ”اس دفعہ تو نومبر کا پاکیزہ ادارے کے دفتر جا کر نہت آئی ہے خود وصول کیا تو ایک عجیب سی خوشی ہوئی۔ بہت دیر تک اپنی کہانی دیکھتی رہی۔ آمین آئی اور نہت آئی دونوں سے ملاقات اچھی رہی۔ منعم ملک نے تو قصہ زیست کا اختتام اچھا کیا مگر اس کا رگیا۔ صفایک بہترین ناول ہے۔ رفعت سراج بہار ڈاکٹریک کریں..... بہت بہترین ناول ہے اس کے علاوہ دیگر تمام سلسلے بھی بہت اچھے لگے۔“ (جی ضرر ہمیں بھی اچھا لگتا ہے جب کوئی رائٹر یا قلم کار آفس آکر ملتا ہے، اپنی کہانی پر تبصرے تو پڑھ لے ہوں گے آئندہ تفصیل تبصرہ بھی بھیجیں)

کچھ فاطمہ مطلوب، بھڑہ آزاد شہر سے۔ ”ہم یہاں بھاڑوں پر چرتے ہیں تو دیر سے پاکیزہ ملتا ہے۔ خیر پھر بھی پڑھ لیتے ہیں اب یہ پورا تبصرہ حاضر ہے۔ امرت، شیریں حیدر کا بہت اچھا ناول ہے۔ محبت لفظ ہے لیکن بھی زبردست جا رہا ہے۔ فاطمہ کا ملکیت پڑھ کر بپ، شپ آنسو گرے۔ اس کا قاری کا پرہیز پڑھ کر بھی ندرگ پائی۔ جبر میں سکلی غزل کی کہانی بھی بہت عمدہ لگی تھی۔ ہمارے محاشرے میں 95% ایسے ہی لوگ ہیں۔ میں نے تو پاکیزہ سے بہت کچھ سیکھا ہے تب تعانی آپ سب کو اپنی امان میں رکھے، آمین..... سب بہنوں کے لیے دعا ہے کہ ہماری مشکلیں آسان ہوں۔ اکتوبر کے بجائے نومبر کا پاکیزہ پڑھنے کو ملا۔ بہت ہی زبردست پورا شمارہ ہے۔ ناولوں کی تو بس کیا تعریف کروں بہت عمدہ..... علیہ ہدایت اللہ کی کہانی بھی بہت پسند آئی۔ عقلمند حق نے عام سے خاص تو اتنا اچھا لکھا کہ کوئی حدیث وقتی میدان مار لیا میں تو کہتی ہوں کہ لڑکی کو ایسا ہی مضبوط ہونا چاہیے۔ عقلمند کو ان کے چارے ناول کی خصوصی مبارکباد..... اللہ وقتی قلم رواں دواں رکھے، آمین۔ غز الہر شید کی اہل اور مسیحہ شاہ کی فصل بھی بہترین کہانیاں ہیں۔ میں چونکہ بہت دور رہتی ہوں اس لیے ڈاک کا نظام صحیح نہیں خط پہنچنے میں تین، تین ماہ لگ جاتے ہیں۔ میں ساعت سے محروم ہوں اس لیے کال نہیں کر سکتی بس ایس ایس ایس ہی ذریعہ ہے۔“ (بیاری بی بی فاطمہ، ایک محرومی دس ملاحظیں زیادہ کر دیتی ہے، یہ قدرت کی طرف سے امتحان ہے اللہ ہمیں صحت و سلامتی سے رکھے۔ تمہیں جب رسالہ ملے جب ہی تبصرہ ایس ایم ایس کر دیا کرو..... اور اسے گاؤں کا تعارف اور اپنی مصروفیات کے متعلق بھی ضرور لکھ کر بھیجو۔)

اچھا بیاری بہنو افضل کے صفحات اور اپنی الحال وقت بھی تمام ہوا..... یہ سال 2018ء کا آخری پرچہ ہے۔ انشاء اللہ نئے سال میں نئے رنگ اور نئی آب و تاب ہوگی افضل کی..... بس دعاؤں میں ایک دوسرے کو ضرور یاد رہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس گزرتے سال میں جو کوتاہیاں، بغیر نہیں، غلطیاں اور گناہان کبیرہ و صغیرہ (اللہ نہ کرے) اگر سرزد ہوئے ہیں تو ہمیں تو یہ کی مہلت اور توفیق ضرور عطا کرے..... ہمارے جذبات ایمانی کو مطمئن نہانے اور حضرت محمد مصطفیٰ کے اسوہ حسنہ پر چلنے کے لیے ثابت قدمی نصیب ہو..... اُمی آمین۔

آپ کی خیر خواہ  
نہت امین

### پاکیزہ میں خط لکھنے کا پتہ

مدیر ہدایت نامہ پاکیزہ - c. 63 فیئر III یکمیشن، ڈیفنس - مین کورنگی روڈ - کراچی - پوسٹ کوڈ 75500  
فون نمبر 021-35804200 , 021-35386783, 021-35802552 EXT 107, 118



### رسول اللہ نے فرمایا

”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم ایمان نہ لے آؤ۔ اور تم اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم آپس میں محبت نہ کرنے لگو۔ کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں کہ جب تم اسے اپنالو تو ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو گے.....“

سنن ابن ماجہ 68

سعدیہ وحیدہ سعدی، اسلام آباد

### دعا

یہ سب تمہارا دیا ہوا ہے ورنہ تو کیا ہے اوقات میری یہ حقیر بندی، کلمے ہوئے لب، کروں میں ہر پہلی عیبات تیری یہ کون سا ہے دور آقا کہ نفس پرستی اور بے راہ روی ہے میرا تو رشک جس آپ سے ہے دیتے رہے مجھے دلیری میں اپنے رب سے ڈروں ہمیشہ بات کوئی بری نہ دیکھوں میں نیکیوں کے سبب تلاشوں ہو جائے میری روح کی سیری محبتوں کے دیے جلاؤں، نظروں کے باب بند ہوں میرے دل میں چڑھائیں کر دیں ہو جائے غم یہ شب اندھیری کاوش: کوثر خالد سودا..... فیصل آباد

### باتوں سے خوشبو آئے

☆ محوڑے پر قیامت قیامت کے دن عزت اور بدن کے لیے راحت ہے۔  
☆ انسان دوسرے کی تقدیر پر رشک کر سکتا ہے لیکن شریک نہیں بن سکتا۔  
☆ صداقت اور بھلائی کے کاموں میں ثابت قدمی سے ڈٹے رہو غلام خود آپ کے قدموں میں سرنگوں

ماہنامہ پاکیزہ — دسمبر 2018ء — 287

### حمد باری تعالیٰ

اے خدا تو ہے بڑا تجھ سے بڑا کوئی نہیں سرنگوں ہے ہر کوئی وہ آسمان ہو یا زمین تیری شان کبریائی ہو نہیں سکتی بیاں قوت گویائی جتنی چاہے اتنی نہیں جو بھی شے تو نے بنائی اس میں حکمت ہے نہاں تیری دانائی کو سمجھ ہے سمجھ اتنی نہیں علم کے سارے خزانے بقدر قدرت میں ہیں علم تو بخشا ہے تو نے پر بہت زیادہ نہیں اپنے محبوب کی امت میں شامل تو نے ہم کو کر دیا اور اب مانگیں گے کیا کچھ بھی نہیں کچھ بھی نہیں تیری ہی قدرت میں ہے سب کی فتناب کی جتا سب ختم ہو جائے گا تو مگر فانی نہیں کلام: ذکیہ بلکرائی

### نعت

ان کو سدرہ طہین مانتے ہیں رحمت عالمین مانتے ہیں وجہ تخلیق کائنات ہیں وہ بے گماں، بالیقین مانتے ہیں چاہتے ہیں کرم، انہی کا ہم شافع مذہبین مانتے ہیں خاکِ طیبہ سے جو منور ہو ہم اسی کو جبین مانتے ہیں جو کچھ اللہ کی کتاب میں ہے ہم خیال اس کو دین مانتے ہیں

کلام: فرح خیال  
پند: سعدیہ کاظمی، کراچی



ہو جائے گا۔

☆ بھلا دو ان کو جن کی یادیں تمہارے لیے  
صرف رونے کا سبب بنتی ہیں۔

☆ زندگی ایک کھیل ہے آپ جیت نہیں سکتے،  
برابر نہیں رہ سکتے اور نہ ہی یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم  
نہیں کھیلتے۔

☆ جس طرح پورا روشنی کی سمت بڑھتا ہے  
بالکل اسی طرح شخصیت یقین کی روشنی کی طرف سفر  
کرتی ہے۔

☆ کچھ لوگ مسکراتا تو جاتے ہیں لیکن ان کے  
لبوں پر چھلے ٹھکوس کا بوجھ انہیں مسکراتے نہیں دیتا۔  
از غمت غفار، کراچی

## ایک پل

ایک پل جو گزر گیا اس پر کڑھنے کا کیا فائدہ  
ایک پل جو آیا نہیں اس پر ڈرنے کا کیا فائدہ  
لہذا توکل بر اللہ اختیار کرو۔

از: فرح، کراچی

## غلامی

محبت میں ذاتی آزادی کو طلب کرنا شرک ہے  
بیک وقت دو افراد سے محبت نہیں کی جاسکتی، محبوب سے  
بھی اور اپنی ذات سے بھی، اس طرح سے محبت کرنا  
ایک طرح کی غلامی کا عمل ہے۔

## آزادی

محبت کا پہلا قدم امتناعی اس وقت ہے جب  
وجود کے اندر سے ”انا“ کا پورا یا بستر گول ہو جاتا ہے۔  
محبت کی تلاش ”انا“ کی موت ہے اور ”انا“ کی موت  
”آزادی“ ہے مکمل آزادی.....

انتخاب: سعدیہ ..... اسلام آباد

## گزرتا سال

گزرتے سال کی بس سبکی آگ دعا  
کہ اس سال کی طرح

ماہنامہ پاکیزہ — دسمبر 2018ء — 288

ہر سال جانم  
تیرے وجود کی روشنی میرے گرد

اجالائی رہے  
میرا سن آگن تیرے قرب سے مہک رہے

تیری مچھلیوں کی پھوار بدلتی رہے  
اور میری وفاؤں کے دھپ

یونہی جلتے رہیں

از: صائمہ پرویز، بلیر، کراچی

## خط ..... آدھی ملاقات

کسی کا خط ملنے کی خوشی اور اس کو پڑھ کر جواب  
دینا بھی کس قدر خوشی دیتا ہے۔ جب وہ اچانک ملے۔  
غالب کے زمانے سے لے کر اب تک اس میں بہت سی  
تبدیلیاں ہوئی ہیں۔

موبائل اور انٹرنیٹ کے اس ترقی یافتہ دور میں اس کی  
اہمیت کا اندازہ لگانا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔

خط جو یقیناً ایک پیار بھرا تحفہ ہی تو ہوتا  
ہے..... ہاں ایک پیار بھرا تحفہ.....

ہر چیز سے بہتر ہے،

جذبوں کی مہک اس میں، چاہت کی دھنک اس میں  
خوابوں کی طرح دلکش، کونوں کی طرح روشن

روشنے ہوئے لوگوں کو بھیگی ہوئی پلکوں کو  
ٹوٹے ہوئے رشتوں کو تجدیدِ تعلق کا پیغام سناتا ہے

ایک پیار بھرا تحفہ بروقت اگر پہنچے  
بھولی ہوئی یادوں کا مرکز رہے ہوئے رستوں کا

جذبات کی موجوں سے، طوفانِ اٹھاتا ہے  
ایک پیار بھرا تحفہ.....

تحریر: فریدہ فضل ڈالاس، یو ایس اے

## خزاں کا موسم

یہ دُشمن، یہ دلربا سا

یہ اجڑے چوں کی

کھکشاں سا

یہ سرد موسم، یہ سرد موسم



لا کر سر بازار سجا دیتی ہے دنیا  
قسمت پہ کرو تاز نہ اتنا بھی فقیروں  
ہاتھوں کی لکیروں کو مٹا دیتی ہے دنیا  
شاعر: مصطفیٰ قریشی  
پسند: ناظمہ شاہین اعوان، واہ کینٹ

### معصوم سنی خواہش

دیکھ کر سر در میں ہوں  
یا جون کی سونی دو پہر میں  
بس سناٹوں کے پہرے، گھٹا ٹوپ اند میرے  
میری ذات کے نہاں خانوں میں  
روشنی بھیج دے یارب  
اب ان زعدانوں میں  
مٹ جائیں غریب ساری  
اب آنے والے زمانوں میں  
آرزو مند: صائمہ سید کراچی

### نظم

آج بھی شام اداس رہی  
آج بھی تپتی دھوپ کا سحر  
تیرے نرم لبوں کی خیم  
تیری ٹھنڈی زلف کے  
سائے سے..... محروم رہا  
آج بھی پتھر بھر کا لمحہ  
صدیوں سے بے خواب روتوں کی  
آنکھوں کا مقصوم رہا  
آج بھی اپنے وصل کا تارا  
راکھ اڑائی، بخور شفق کی  
منزل سے محروم رہا  
آج بھی شہر میں پاگل دل کو  
تیری دید کی آس رہی  
مدت کی گم صم تنہائی  
آج بھی میرے پاس رہی  
آج بھی شام اداس رہی

کلام: محسن نقوی

پسند: فیصحا صف خان، ملتان

یہ زخم، زخم، ابھلا ہوا  
یہ بھیجیں ہلکوں کی رونقوں سا  
عذاب موسم  
یہ شجر کے پتوں پہ تھڑھاتا  
خانہ خراب موسم  
جو میرے دل کی رونقوں کو  
سکون بخشنے  
ہے جان لیوا  
یہ خزاں کا موسم

شاعرہ: سیدہ علیہا، بہاول پور

### پاکستانیوں کی اچھی عادتیں

☆ صابن جب ختم ہونے لگا ہے تو اسے نئے  
صابن کے ساتھ لگا دیتے ہیں۔  
☆ ٹوتھ پیسٹ رول کر کے آخری قطرے تک  
استعمال کرتے ہیں۔  
☆ گھر میں رکھی اچھی اور خوب صورت ترین  
کراکری صرف مہمانوں کے لیے استعمال کرتے ہیں۔  
☆ سونے کی قیتوں میں اضافے سے پریشان  
ہو جاتے ہیں جبکہ سونا خریدنا بھی نہیں ہوتا۔  
☆ ٹی وی ریموٹ کنٹرول کے سیل تبدیل کرنے  
کے بجائے اسے بار بار استعمال کرتے ہیں۔  
☆ پرانی ٹی شرٹ کو ٹائٹ ڈریس بنالیتے ہیں  
اور جب اس کے بھی قابل نہیں رہتی تو اسے پوچھا  
بنالیتے ہیں۔  
☆ جریاں وغیرہ جو پہننے کے قابل نہیں رہتیں  
انہیں سردیوں میں بکرے، بکریوں کو پہنا دیتے ہیں۔  
از: پروین افضل شاہین، بہاول نگر

### غزل

ایسے بھی محبت کی سزا دیتی ہے دنیا  
مر جائیں تو جینے کی دعا دیتی ہے دنیا  
ہم کون سا مومن تھے جو الزام نہ سہتے  
پتھر کو بھی بھگوان بنا دیتی ہے دنیا  
یہ زخم محبت کا دکھانا نہ کسی کو



☆ اس شخص میں ہرگز دلچسپی نہ لوجو تم سے دوری اختیار کر کے۔

☆ جو شخص زیادہ ہنس مذاق میں مبتلا رہتا ہے اس کی بے ہودگی بڑھ جاتی ہے۔

☆ باپ ایک کتاب ہے جس پر تجربات تحریر ہوتے ہیں اسے اپنے سے دور مت کرو۔

☆ کسی انسان کی خوبی کو پچھا تو اور اسے بیان کرو لیکن اگر کسی کی خالی مل جائے تو یہاں تمہاری خوبی کا امتحان ہے۔

☆ شک ایسی بیماری ہے جو انسان کا سکون ختم کر دیتی ہے۔

مرسلہ: سعید و حیدر سہدی، اسلام آباد

### ہم تم سے محبت کرتے ہیں

کچھ رات کی آنکھیں بھیگی تھیں

اور چاند بھی روٹھا، روٹھا تھا

کچھ یادیں اس کی باقی تھیں

اور دل بھی ٹوٹا، ٹوٹا تھا

کس موڑ پہ چمڑے یاد نہیں

ہونٹوں پہ لونی فریاد نہیں

اس وعدے کی بھی خبر نہیں

وہ سچا تھا یا جھوٹا تھا

ہر لمحہ آپس بھرتے ہیں

اور جیتے ہیں نہ مرتے ہیں

بس ایک دعا یہ کرتے ہیں

تم لوٹ کے واپس آ جاؤ

ہم تم سے محبت کرتے ہیں

از: مجید فیاض بخش، کراچی

### لڑکیاں

لڑکیاں آئیڈلزم کے پکر میں

ایسے رشتے ٹھکرانی ہیں

دھیرے، دھیرے

عرب بونے پر

کسی کوڑھے برنگ کے سائے تلے

### پاکیزہ بہنوں کے لیے

دعائیں وہ پھول ہیں جو زندگی کی پریشانی میں آسانی اور کامیابی کی خوشبو نکھیرتی ہیں۔ اللہ آپ کو دونوں جہان کی کامیابیاں عطا فرمائے، آمین۔

از طرف: مجید فیاض بخش، کراچی

### غزل

زبان خوشبو میں تجھ سے کہا ہے

صبا کی بات کو میں نے سنا ہے

مرے جذبوں کی سچائی کو دیکھو

یہ وہ جادو ہے، جو تم پر چلا ہے

پیاسا جو رہا دریا کنارے

بہت اس میں کمال و حوصلہ ہے

جو پتا شاخ سے ٹوٹا وہ مردہ

اشارہ یہ خزاؤں نے دیا ہے

ہوا خوشیوں کی آتی ہے جہاں سے

دریچہ وہ مجھے ہی کھولنا ہے

پہاں ہوں جس میں دکھ میرے وہ سارے

کسی کو اس طرح کا غلط لکھا ہے

رہی خاتم پہ اپنے رب کی رحمت

یہی احساس تو اس نے لیا ہے

کلام: فریدہ خاتم، لاہور

### وقت

اواس لحوں کو یاد کر کے

مسکراتا نہ چھوڑے

صاحب کہ.....

وقت گزرتے، وقت تو

لگتا ہے

از: صائمہ سید، کراچی

### روشن کرنیں

☆ رشتے ہمیں زندہ ہونے کا احساس دلاتے

ہیں۔ تعلق مسکراہٹ پر کر یہ کہتا ہے کہ کوئی ہماری ذات

سے جڑا ہے اور کسی کی ذات سے ہم جڑے ہیں۔

ماہنامہ پاکیزہ۔ دسمبر 2018ء (290)



کلام: افتخار شوق، میاں جنوں

### غزل

آنکھوں کا رنگ ہات کا لہجہ بدل گیا  
وہ شخص ایک شام میں کتنا بدل گیا  
اتھ کر چلا گیا کوئی وقفے کے درمیاں  
پردہ اٹھا تو سارا تماشا بدل گیا  
حیرت سے سارے لفظ اسے دیکھتے رہے  
ہاتوں میں اپنی بات کو کیسا بدل گیا  
آنکھوں میں جتنے اشک تھے جتنوں سے بن گئے  
وہ مسکرایا اور میری دنیا بدل گیا  
شاید وفا کے کھیل سے اکٹا گیا تھا وہ  
منزل کے پاس آکے جو رستہ بدل گیا  
انتخاب: نازنین آفریدی، پشاور

### غزل

شرافت سوز تصویروں کی عریانی نہیں جاتی  
ادب کی آڑ میں ترمیمِ روانی نہیں جاتی  
خدا مظلوم کیا انجام ہوگا نسلِ آدم کا  
وطن سے فحش نفوس کی فراوانی نہیں جاتی  
عذاب آئے تو اس میں سیکڑوں کی جان جاتی ہے  
نہیں جاتی تو شیطان کی شیطانی نہیں جاتی  
کہیں بستی کی بستی ہوئے پانی کو ترستی ہے  
کہیں بارش برستی ہے تو طغیانی نہیں جاتی  
جہاں کے ذرے، ذرے سے نمایاں ہے جلال اس کا  
مگر ہم سے خدا کی ذات بچانی نہیں جاتی  
زمانہ اس قدر قائل ہوا ہے جھوٹ کا فیضی  
جو جگ کہتا ہے اس کی ایک بھی مانی نہیں جاتی  
کلام: فضیلہ اشتیاق احمد فیضی  
پسند: مہرین کنول، ڈیرہ اسماعیل خان

### غزل

آئے بہت تھے جاہل لے کر لیکن ہم ناکام ہوئے

کیسے، کیسے نام تھے پیارے جو سارے بدنام ہوئے  
ان کو بھی تھا آگے بڑھنا ہم کو بھی تھی کچھ جلدی  
وقت کا ریلا رک نہیں پایا اور دونوں کم نام ہوئے  
حال ہمارا اے صاحب کیا پوچھو ہو کیا بتلائیں  
اتنا بتائے دیتے ہیں ہم کندن سے ہیں خام ہوئے  
ان آنکھوں کے بہت ستارے ٹوٹ گئے اور ٹکڑے  
چاند نظر آیا یہ ہم کو آنسو بھی ناکام ہوئے  
جن لوگوں کا نام بہت تھا گلیں میں بازاروں میں  
دیکھتے، دیکھتے وقت کے انہوں وہ بھی تو کم نام ہوئے  
اچھے، اچھے چہرے ہم سے بچ گئے تو سوچے ہیں  
کتنے اچھے انسان تھے کتنے برے انجام ہوئے  
ان آنکھوں نے کیا، کیا دیکھا کیا، کیا ہے محسوس کیا  
مارے حیرت ان آنکھوں کے آنسو بھی اب جام ہوئے  
جب سے تم نے بنا توڑا ہم جیسے دیوانوں سے  
جب سے بنے آئے ہیں ہم بہت وفا کے دام ہوئے  
کون ہے ایسا کر جائے جو کونل کے جیسی بائیں ہی  
ہوں تو بہت سے لوگ ہیں ایسے جو اس کے کم نام ہوئے  
شاعر: یاسمین کنول، بہرہور

### غزل

دور و دیوار پر لکھی کہانی کون سنتا ہے  
کسی گھر سے سمندر کی روانی کون سنتا ہے  
اسے بچپن میں بھیجی تھی محبت سے کبھی ہم نے  
کسی کاغذ کے ٹکڑے میں نشانی کون بنتا ہے  
تمہارے عشق میں ہم نے کتنی کس طرح اپنی  
وہی ترفیف جذبوں کی جوانی کون سنتا ہے  
بڑی تھی حویلی کی وہ یادیں بھول جاؤ گے  
بسر جس میں ہوئیں عمریں زبانی کون سنتا ہے  
تمہارے پیار میں ہم نے زمانہ کھودیا آخر  
ہماری آنکھ سے بہتا یہ پانی کون چتا ہے  
روش اپنی بھی حقیقت بھی بدلی نہیں لیکن  
شبہِ فرقت کی سب باتیں پرانی کون سنتا ہے

کلام: جمیلہ لطیف، جوڈھالا



# میں کٹر گناہی ہوں

مصطفیٰ حیدری

☆ زمکس..... آزاد کشمیر  
بے وفائی پہ بہار آئی ہوتی ہے اس کی  
رُت خزاں کی بھی خیال ایک دن آنے کی ضرور  
☆ ساجدہ ظفر..... کمالیہ

اپنی رحمت کے خزانوں سے عطا کر مالک  
خواب اوقات میں رہ کر نہیں دیکھے جاتے  
☆ عفت طارق..... شہدادپور

جو تو نے زخم دیے ان کی آب و تاب تو دیکھ  
ستارہ وار چمکتے ہیں گوشہ دل میں  
شبوت بے گناہی بن گئی چراغ کی لو  
لہو جھلکا رہا ہے چراغ محفل میں

☆ یاسمین رشید..... کراچی  
زندگی کو زندگی تو ہم نے سمجھا ہی نہ تھا  
ہم تو سمجھے تھے ہنس کا کھیل ہے یہ زندگی  
ٹھوکریں دنیا کی کھائیں تو ہمیں آئی سمجھ  
زندگی کہتے ہیں کس کو اور کیا ہے زندگی  
☆ یاسمین کنول..... پرور

ایسے لوگوں کی اک مثال تو ہے  
جھکاتے ہیں بن کے وہ تارے  
جو چمکتے ہیں دل کے ابر پر  
تیری یادوں کے چاند ہیں پیارے  
☆ ماہ نور خان..... بہارہ گو

ہر قول و عمل رسم و روایت ہے ہمارا  
ہم رسم و روایات کے پابند نہیں ہیں  
☆ امی رانی..... ٹوبہ ٹیک سنگھ

عزم راج ہو تو دیتی ہے صدا خود منزل  
حوصلہ ہو تو کوئی راہ بھی دشوار نہیں

☆ بیگم تنیم..... الف بی ایریا  
آپ زلفوں کو پریشاں نہ کریں  
دیکھتے رات ہوتی جاتی ہے

☆ تنیم کوثر..... کراچی  
آنکھیں تو کھول سر تو اٹھا دیکھ تو ذرا  
کب سے جگر وہ چاند سا چہرہ اداس ہے  
☆ فرح طاہر..... ملتان

ہم نے ایسے اجاڑ دی جیسے  
زندگی باپ کی کمانی ہو  
☆ عزیز نوشین..... گوجرانوالہ

گھاڑ پہلے ہی سے تازہ مرے احساس کے تھے  
زخم پھر اک خلش روح کا سامان ہوا  
کیا خبر تھی مری دشواریاں بڑھ جائیں گی  
میں نے سمجھا تھا سفر میرا اب آسان ہوا  
☆ نادیہ..... راولپنڈی

ٹوٹ جاتے ہیں بکھر جاتے ہیں  
کالج کے گھر میں مقدر اپنے  
اجنبیوں سے گلہ کون کرے  
بھول جاتے ہیں تو اکثر اپنے  
☆ رفیعہ ابدالی..... کراچی

ہر شاخ اس کی کہنے کو بے برگ ہی سہی  
میرے لیے تو سایہ اسی اک شجر میں ہے  
میری فغاں نے رنگ ہی اس کا بدل دیا  
پھر یہ کھلا کہ وہ بھی غم چارہ گر میں ہے  
☆ سعیدہ بانو..... لوزن مال، مری

دب جلتے تو لاکھوں اپنی جان بچا کر کرتے ہیں  
دب بجے تو پھر کے منہ کو ٹیل دیتے ہیں پروانے بھی



☆ لائے علی..... ذی جی خان

اب تو ہم برتھائی میں ایسے کئے گزرے ہیں  
بیٹھے، بیٹھے، گم صم ہونا اپنے آپ سے ڈر جانا  
اپنی ایسی بے خبری پر دُغم خود مندی دیکھو  
عمر بھر اپنی بے ہنری کو ہم نے ایک ہنر جانا  
☆ اس اسباب..... لاہور

دل گم گشت نہ ہو یوسف کھٹاں کی طرح  
شہر میں کوئی ذرا چاؤ زقن بھی دیکھو  
صرف اک نفسی اشعار کا معیار نہیں  
ناقد و تم مرا اسلوب سخن بھی دیکھو  
☆ صبا آصف..... کراچی

ہے جدا گانہ بہت اس کی حطا کا بھی طریق  
پہ بھی سچ ہے مری حاجات میں فرق آیا ہے  
غلطی میرے بچنے میں بھی ہوگی بے شک  
آساں تیرے اشارات میں فرق آیا ہے  
☆ فیصحا آصف خان..... ملتان

روکا ہے ابھی کیل میں بازی نہیں ہاری  
چلنا ہے ابھی چال مجھے مات نہیں ہے  
☆ حمیرا وحید..... واہ کینٹ

بھلا بارش سے کیا سیراب ہوگا  
تمہارے دمل کا پیاسا دبیر  
گزر جاتا ہے سارا سال یوں تو  
نہیں کتنا مگر تنہا دبیر

☆ فرح طاہر..... ملتان

دل کے اندر بھی کوئی تجھ سا کہاں تھا لیکن  
دل کے باہر بھی کوئی تیرے برابر نہ ہوا  
☆ نرمین اعجاز..... یکا قلعہ، حیدر آباد

فاصلے بڑھے تو غلط فہمیاں بھی بڑھیں  
پھر اس نے وہ بھی سنا جو ہم نے کہا ہی نہیں

☆ دلشاہ علی..... ذی جی خان

ایسا بھی وقت تو نے دکھایا ہے اے جنوں  
ہم اجنبی کی طرح سے ہیں آشناؤں میں

☆☆☆

☆ پروین افضل شاہین..... بہاول نگر

وہ بھی اک دور تھا جب میں نے تجھے چاہا تھا  
دل کا دروازہ ہے ہر وقت کھلا کیسے ہو  
☆ عربیہ ناز..... کوٹلی

کتنے سین لوگ تھے جو دل کے ایک بار  
آنکھوں میں جذب ہو گئے دل میں سا گئے  
☆ حمیدہ لطیف..... جوڈھالا

ستورا نہیں ہے کبھی خود کو میں نے  
سو آنکھوں میں کا جل لگتا نہ آیا  
ہمیں تو سبھی مسکرا کر ملے ہیں  
ہمیں غم تھا سو مسکراتا نہ آیا

☆ مرثیہ جینی..... کراچی

چلو اس جنوں میں لٹیں بہار اگر کلام سے گزری  
کہاں گستاں میں رہنے والے تورہ تک کے شک گئے ہیں  
مری غریبی کی خیر باب۔ مجھے مقامات بوڑھی دے  
بڑے بڑے صاحب بصیرت یہاں بھیجے کے بک گئے ہیں  
☆ حنی قدیل..... ٹوبہ ٹیک سنگھ

ابھی خرید لیں دنیا کہاں کی مہنگی ہے  
مگر ضمیر کا سودا برا لگتا ہے  
☆ امین زوراب..... کمالیہ

میرے خدا مجھے طارق کا حوصلہ ہو عطا  
ضرورت آن پڑی کشتیاں جلانے کی  
☆ کوثر خالد..... جڑا نوالہ

ہوں فاصلے بھی دوریاں اک یہ بھی شرط ہے  
باقی رہیں نہ دوریاں اک یہ بھی شرط ہے  
چاہے ہزار قتل ہوں لکھوں کے وار سے  
ہر لفظ ہو دُشو میں اک یہ بھی شرط ہے  
☆ شمع..... فیصل آباد

ہے دعویٰ قریب یزدان ہر کسی کو زمانے میں  
مگر حیرت ہے پھر بھی دنیا میں شرم نہیں ہوتا  
برائیوں میں بھی اچھائی اہل دل دھوٹ لیتے ہیں  
مصائب میں بھی انجم حسن نظر کم نہیں ہوتا



# منتخب غزلیں



شاعری کی دنیا کا ایک درخشندہ ستارہ... آہ (جوان سال)  
 پروین شاکر اسی ماہ ہم سے جدا ہوئیں اور اپنے مداحوں کو سوگوار کر  
 گئیں۔ اسی خوب صورت شاعرہ کا پُر اثر کلام آپ کے ذوق کی نذر...



چلنے کا حوصلہ نہیں رکنا محال کر دیا  
 عشق کے اس سرنے تو مجھ کو بڑھال کر دیا

اے مری گل زمیں تجھے چاہتی اک کتاب کی  
 اہل کتاب نے مگر کیا ترا حال کر دیا

لختے ہوئے دلوں کے بیچ اور تھا فیصلہ کوئی  
 اس نے مگر بھڑکتے وقت اور سوال کر دیا

اب کے ہوا کے ساتھ ہے دامن یار ہنجر  
 بالوئے شب کے ہاتھ میں رکھتا سنبھال کر دیا

مکنہ فیصلوں میں ایک بھر کا فیصلہ بھی تھا  
 ہم نے تو ایک بات کی اس نے کمال کر دیا

میرے لیوں پہ مہر تھی پر میرے شیشہ رونے تو  
 شہر کے شہر کو مرا واقف حال کر دیا

چہرہ و نام ایک ساتھ آج نہ یاد آ سکے  
 وقت نے کس شبیہ کو خواب و خیال کر دیا

مدتوں بعد اس نے آج مجھ سے کوئی گلہ کیا  
 منصبِ دلبری پہ کیا مجھ کو بحال کر دیا

اپنی تنہائی مرے نام پہ آباد کرے  
 کون ہوگا جو مجھے اس کی طرح یاد کرے

دل عجب شہر کہ جس پر بھی کھلا در اس کا  
 وہ مسافر اسے ہر سمت سے برباد کرے

اپنے قاتل کی ذہانت سے پریشان ہوں میں  
 روز اک موت نئے طرز کی ایجاد کرے

اتنا حیراں ہو مری بے طلبی کے آگے  
 واقف میں کوئی در خود مرا صیاد کرے

سلبِ پینائی کے احکام ملے ہیں جو کبھی  
 روشنی چھونے کی خواہش کوئی شب زاد کرے

سوچ رکھتا بھی جرائم میں ہے شامل اب تو  
 دہی مصوم ہے ہر بات پہ جو صاد کرے

جب لہو بول پڑے اس کے گواہوں کے خلاف  
 قاضی شہر کچھ اس باب میں ارشاد کرے

اس کی مٹھی میں بہت روز رہا میرا دجو  
 میرے سحر سے کہو اب مجھے آزاد کرے





ہفت روزہ

ہفت روزہ

پیاری، بہنو! خوش ذائقہ کے ان صفحات میں ہم آپ کے لیے معروف میزبان اور شیف کلفٹہ یاکینن کے تیار کردہ کھانوں کی ترکیب بعنوان ”امی کی ریسپی“ لے کر آئے ہیں۔ آپ کے پسندیدہ ماہنامہ پاکیزہ میں نت نئے سلسلے آپ ہی کے لیے ہیں۔ یوں ہر دفعہ کلفٹہ کی ترکیبوں کے ساتھ، ساتھ ہماری قاری بہنوں کے بنائے ہوئے پکوان بھی انشاء اللہ ان صفحات کی زینت بننے رہیں گے۔ (مدیرہ)

### امی کی ریسپی

#### کھجور کے لڈو

اجزاء: کھجور (نرم) پچیس سے تیس عدد۔ چھوٹی الائچی، چھ سے سات عدد۔ دارچینی، ایک درمیانہ ٹکڑا۔ کشمش، بادام، پستہ، کاجو، مونگ پھلی، حسب ضرورت۔ (اپنی مرضی سے بھی ڈرائی فروٹ شامل کیے جاسکتے ہیں) ترکیب: چھوٹی الائچی اور دارچینی کو پیس کر پاؤڈر بنا لیں۔ ڈرائی فروٹ کو توے پر سینک لیں اور گرائنڈر میں ایک بار گرائنڈ کر لیں۔ کھجور کو اچھی طرح دھوئیں، کشمش نکال لیں اور کھجور کو پلینڈر میں پیس لیں۔ اب ایک پیالے میں پسی ہوئی کھجور ڈالیں، دارچینی اور چھوٹی الائچی کا پاؤڈر شامل کر لیں۔ ڈرائی فروٹ شامل کریں اور ہاتھوں کی مدد سے اچھی طرح سے کس کر لیں۔ اب اچھی طرح ہاتھوں کو دھو کر، کپلے ہاتھوں سے چھوٹے، چھوٹے لڈو بنائیں اور مزے سے کھائیں۔ ہمیشہ یاد رکھیں امی کی ریسپی۔ کیونکہ یہی ہے راز ہوم شیف بننے کا۔

#### پیران کری مسالا

اجزاء: پران، ایک کلو۔ پیاز، درمیانے سائز کی، دو عدد پیس لیں۔ ٹماٹر، چار عدد (دو منٹ ابال کر پانی میں چھلکا اتار لیں اور پیس لیں)۔ ہری مرچ، چھ عدد (بیج میں کٹ لگا لیں)۔ اورک، بہن کا پیسٹ، دو کھانے کے بیچ کڑی پتھر

سات سے آٹھ عدد۔ تیل حسب ضرورت گرم مسالا ایک چائے کا چمچ۔ لال مرچ، آدھا چائے کا چمچ۔ دھنیا پاؤڈر، ایک چائے کا چمچ۔ ہلدی، ایک چوتھائی چائے کا چمچ۔ کھوہرے کا پاؤڈر، دو کھانے کے بیچ (اگر نڈا لانا چاہیں تو کوئی حرج نہیں)۔ ہرا دھنیا، آدھی گڈی۔ نمک، حسب ذائقہ۔

ترکیب: کڑاہی میں تھوڑا تیل ڈالیں اور جھینگوں کو دو منٹ فرائی کر لیں۔ جیسے ہی جھینگے گول ہو جائیں اس میں ہلدی شامل کر کے تین منٹ تک مزید پکائیں۔ اب جھینگوں کو تیل میں سے نکالیں۔ اب تھوڑا تیل اور پہلے والے تیل میں شامل کر لیں اور پیاز ڈال کر نرم کر لیں۔ اب کٹی ہوئی ہری مرچ بھی شامل کر کے چار سے پانچ منٹ تک پکائیں اور ٹماٹر کا پیسٹ ڈال دیں۔ دو منٹ بعد اس میں اورک، بہن کا پیسٹ شامل کر دیں۔ اب تلے ہوئے جھینگے بھی شامل کر دیں۔ لال مرچ، گرم مسالا، دھنیا پاؤڈر، نمک اور آدھا کپ پانی شامل کر دیں اور ڈھک کر پکائیں۔ جب مسالا تیل چھوڑے دے تو آخر میں کھوہرے کا پاؤڈر دو کھانے کے بیچ شامل کر کے کڑی پتھر شامل کر کے اچھی طرح کس کر لیں۔ اب ایک منٹ بعد کٹا ہوا ہرا دھنیا ڈالیں اور دو منٹ تک دم پر رکھ کر چھلکا بند کر دیں۔

ٹان، کچوں کے ساتھ مزے لے کر کھائیں۔

#### مچھلی کا دو پیازہ

اجزاء: مچھلی، ایک کلو، پھلی کے چھ سے آٹھ ٹکڑے بنوائیں۔ پیاز، درمیانے سائز کی چھ سے سات عدد (کاٹ لیں)۔ ہری مرچیں، پانچ سے چھ عدد (درمیان



بجج۔ قصوری مٹھی، ایک چائے کا بجج۔ فریش کریم، آدھا کپ (اپنے ڈالتے کے حساب سے استعمال کریں) اٹھے، دودھ۔

ترکیب: چکن کو دھنپی میں ڈالیں اور آدھا کپ پانی ڈال کر چکن گلتے تک پکائیں۔ چکن گلتے کے بعد جب مسالا تھوڑا رہ جائے تو ایک پین میں ایک بجج تیل ڈالیں اور اس پین میں چکن کو شامل کر دیں، مسالا خشک ہونے تک پکائیں۔ چولہا بند کر دیں۔ اب ایک کونٹے کو دھماکائیں اور روٹی کے ٹکڑے پر رکھ کر اسے چکن والے پین میں ڈال دیں اور پانچ سے چھ منٹ کے لیے ڈھکنا ڈھانپ دیں۔ اس کے بعد ایک اٹھے میں تھوڑا نمک ڈال کر پھینٹیں۔ چھ منٹ بعد ڈھکنا اٹھا کر کونٹے کو باہر نکال لیں۔ چولہا آگ کر دیں، پھینٹے ہوئے اٹھے سے چکن کو اچھی طرح الٹ پلٹ کر کے لپ کر دیں۔ اب ایک پین میں تین کھانے کے بجج تیل ڈالیں اور اس میں الائچی، لونگ اور دارچینی بھی شامل کر دیں۔ ایک منٹ بعد اس میں پیاز ڈالیں۔ جیسے ہی پیاز نرم ہو، ادراک بہن کا پیسٹ ڈال دیں۔ مزید ایک منٹ بعد ٹماٹر پیسٹ اور تمام مسالے شامل کر دیں۔ ایک منٹ تک بھونیں اور ڈھانک دیں۔ جب مسالا تیل چھوڑنے لگے تو کٹا ہوا ہرا دھنیا شامل کر دیں۔ آدھا کپ پانی ڈالیں اور ڈھانک دیں۔ دو منٹ بعد فریش کریم شامل کر دیں۔ مزید دو منٹ تک پکائیں، گریوی تیار ہو جائے گی۔ اب دوسرے اٹھے کو نمک کے ساتھ پیسٹ لیں، پین... گرم کر کے ایک بجج تیل ڈالیں اور پھینٹے ہوئے اٹھے کو ڈال کر پھیلالیں۔ جب اٹھا دووں طرف سے پک جائے تو اس میں چار سے پانچ کٹ لگالیں۔ ایک پیالے میں پہلے گریوی کو ڈالیں پھر چنے کی مدد سے چکن کا ایک، ایک چیس اٹھا کر اس میں رکھتے جائیں۔ آخر میں تھلا ہوا اٹھا اس پر بجا دیں۔ ہرے دھنپے سے اس کو سجائیں اور پیش کریں۔

ہیش یا درمیں ای کی رسیسی۔ کیونکہ یہی ہے راز ہوم شیف بننے کا۔

سے کاٹ لیں) ہرا دھنیا، ایک گڈی (کٹا ہوا) نمک، حسب ذائقہ۔ لال مرچ، (پسی ہوئی) آدھا چائے کا بجج۔ ہلدی، (پسی ہوئی) ایک چوتھائی چائے کا بجج۔ تیل، دوسرے رنگ اسپون۔ لہسن، (پسا ہوا) دو کھانے کے بجج۔

ترکیب: کڑا ہی میں تیل ہلکا گرم کر کے اس میں پسا ہوا لہسن ڈال دیں۔ (مجموعہ ختم کرنے کے لیے) جب لہسن کا رنگ تبدیل ہونے لگے تو اس میں پیاز شامل کر دیں۔ پیاز جب تھوڑی سے نرم ہو جائے تو اس میں نمک، مرچ اور ہلدی بھی شامل کر دیں۔ دو منٹ تک بھونیں اور آدھا کپ پانی شامل کر دیں۔ تھوڑی دیر تک دھیمی آگ پر پکائیں، جب مسالا تیل چھوڑنے لگے تو اس میں پھل کے ٹکڑے ایک ایک کر کے ڈالیں اور الٹ پلٹ کر دیں۔ اب اس میں کئی ہوئی ہری مرچ ڈالیں، آدھا ہرا دھنیا ڈال دیں اور ڈھکن رکھ کر پانچ سے دس منٹ تک پکھنے دیں۔ جب پھل پک جائے تو اس پر بجا ہوا ہرا دھنیا ڈالیں اور چولہا بند کر دیں۔ پانچ منٹ بعد سرو کریں اور داد پائیں۔

### انڈا چکن دوستی

اجزا: چکن کو میرینٹ کرنے کے اجزا۔ چکن، آٹھ بڑے پیس لے کر ان پر کٹ لگالیں۔ نمک، حسب ذائقہ۔ لال مرچ (پسی ہوئی)، ایک چائے کا بجج۔ زیرہ پاؤڈر، آدھا چائے کا بجج۔ ہلدی، ایک چمچی۔ دھنیا پاؤڈر، آدھا چائے کا بجج۔ ادراک بہن کا پیسٹ، دو کھانے کے بجج۔ دھنیا، تین کھانے کے بجج۔ یہ تمام اجزا دس منٹ کے لیے چکن پر لگا دیں۔

گریوی کے لیے اجزا: پیاز، تین عدد (آلیٹ کی طرح کاٹ لیں) ہٹماٹر، (تین عدد امبال کر پیسٹ بنا لیں)۔ لونگ، پانچ عدد۔ چھوٹی الائچی، چار عدد۔ دارچینی، ایک ٹکڑا۔ دھنیا پاؤڈر، ایک کھانے کا بجج۔ کالی مرچ پاؤڈر، آدھا کھانے کا بجج۔ زیرہ پاؤڈر، آدھا چائے کا بجج۔ نمک، حسب ذائقہ۔ ہلدی، ایک چوتھائی چائے کا بجج۔ گرم مسالا، آدھا چائے کا بجج۔ لال مرچ پاؤڈر، ایک چائے کا بجج۔ ادراک بہن کا پیسٹ، دو کھانے کے





### پہلا انعام یافتہ سوال

☆ ساجدہ ظفر..... کمالیہ

سوال: زبان اتنے جرم کرتی ہے مگر اسے عمر قید کی سزا کیوں نہیں؟

جواب: ہاں جب سیر پر سوار آجاتا ہے تو یہ پھانسی بھی چڑھ جاتی ہے۔

### دوسرا انعام یافتہ سوال

☆ ارم کمال..... فیصل آباد

سوال: وہ کون سا جھوٹ ہے جس پر حج قربان کرنے کو دل چاہتا ہے؟

جواب: جس سے دو ٹوٹے دل جڑ جائیں۔

☆ پروین افضل شاہین..... بہاول نگر

سوال: میاں تو ستاتے ہی تھے چھڑ بھی ستانے لگے ہیں؟

جواب: اس پر میاں کے ساتھ کیا سلوک کرتی تھیں..... وہی.....

سوال: شاہ شادی ایک سار ہے؟ کیا یہ سچ ہے؟

جواب: کون سا، راگ بلہار یا آگ لگاؤ وہ بھی

وصول تاشے پر.....

☆ شاہینہ مسعود..... ٹوبہ ٹیک سنگھ

سوال: انہیں شوگر کیا ہوئی انہوں نے تو میٹھا کھانے

کے ساتھ، ساتھ میٹھا بولانا بھی بند کر دیا ہے۔ کیا بڑیا

جائے.....؟

جواب: آپ ہی میٹھا بول لیں، شاید آپ کی نقل

میں وہ بھی.....

☆ یاسمین کنول..... پیرور

سوال: سردی میں مونگ پھلی کی اتنی دھوم کیوں

ہوتی ہے؟ حالانکہ بادام، خشک، اخروٹ وغیرہ بھی موجود ہوتے ہیں؟

جواب: ارے آپ نے کہیں بات کر دی.....

بیچارے غریبوں کے لیے مونگ پھلی ہی تو اصل میوہ ہے۔

سوال: زندگی زندہ دلی کا نام ہے، کیا واقعی.....

کبھی، کبھی اس میں خشک کیوں محسوس ہوتا ہے؟

جواب: جی بالکل زندہ دلی اللہ کے احکام کے

مطابق..... تمام امور انجام دینے کا نام زندگی ہے تاکہ

ہوش میں تو رہیں۔

سوال: میاں مشو چوری کھاؤ گے، ہمارے طوطے کو

دیکھ کر سب یہ کیوں کہتے ہیں؟

جواب: ارے تو کیا آپ سے کہیں گے..... کیسی

بات کرتی ہیں۔

☆ حمیرا وحید..... واہ کینٹ

سوال: نیدرمبر اور یہ ادا اسی تمہارے چہرے پر کیسی؟

جواب: ہاں عمر کا ایک اور برس جو گزر رہا ہے۔

☆ ناصرہ کریم..... ملیر ہاٹ

سوال: آج کل لوگوں کے چہرے پر دکھاوے کا

تبسم کیوں ہوتا ہے؟

جواب: کیوں تمہارا تبسم کسی نے پکڑ لیا کیا۔

☆ مریم بنت کاشف..... حیدر آباد

سوال: کامیابی کی کنجی کہاں سے ملتی ہے؟

جواب: محنت، محنت اور محنت سے۔

سوال: شیطان ہمیشہ سر پر ہی کیوں سوار ہوتا ہے؟



جواب: کبھی، کبھی تمہارے جیسوں کے قلم پر بھی سوار ہو جاتا ہے۔

جواب: دنیا کا ہے۔  
☆ عمرو بن ناز..... کوٹلی

سوال: شوہر کے سر پر بھوت کب سوار ہوتا ہے؟  
جواب: نکاح کے فوراً بعد..... وہ بھی دوسرے

☆ نسرین یاسین..... حیدر آباد  
سوال: کیا یہ سچ ہے سانپ کے پاؤں پیٹ میں ہوتے ہیں؟

جواب: کسی سپیرے سے پوچھ لو، مفت میں ناگن ڈانس بھی دیکھ لیتا۔

سوال: کنوارے شادی کرنا چاہتے ہیں اور شادی شدہ خودکشی..... کیا وجہ ہے؟

سوال: سورج کبھی پھول سورج کے ساتھ، ساتھ اپنا رخ کیوں بدلتا ہے؟

جواب: کنوارے بھی اس ذریعے خودکشی کا ذائقہ چکھنا چاہتے ہیں۔

جواب: جو اسے قدرت نے الہام کیا ہے وہی تو کرے گا، انسان کی طرح نا فرمان تھوڑی ہے۔

☆ تسلیم کوٹ..... کراچی  
سوال: کہتے ہیں محبت اور جنگ میں سب جائز

☆ نسیم منظر..... نارتھ کراچی  
سوال: ساس، بہو میں کیا فرق ہے؟

ہے مگر کون سی محبت اور کون سی جنگ میں؟  
جواب: ہرگز نہیں۔ جو جائز ہے وہ ہر حالت

جواب: عجب لوگ! سوال ہے، بہو، بہو ہے، ساس، ساس ہے بھئی۔

میں جائز ہے، جنگ ہو یا محبت۔  
سوال: جو رو کا غلام پرانا محاورہ ہو گیا ہے اس کا

☆ فلک بنت ندیم..... حیدر آباد  
سوال: بن بلائے مہمانوں سے چمکارا کیسے پایا جائے؟

نیا کھٹکا ہو اب کیا محاورہ ہونا چاہیے؟  
جواب: اسیر حسن، گھائل ذندان

جواب: دروازے کے پیچھے سے ہی کہہ دو، تم گھر پر نہیں ہیں، اسکا ٹپ پر آپ کو دیکھ رہے ہیں۔

سوال: سنا ہے شعی منی اپنی فراکیں پہننے والیوں نے بندروالے سے ڈیل کر رکھی ہے؟

☆ حمق قذیل..... کمالیہ  
رشتے اور سودے میں کیا فرق ہے؟

جواب: کیا تمہیں چپکے سے یہ بتایا گیا ہے۔  
سوال: اس قدر ہوشربا مہنگائی پر قابو پانے کا کوئی

جواب: خمیر اور بے خمیری کا فرق ہے۔  
☆ نسرین..... سندھ

بہترین نسخہ تو پلیز بتائیے؟  
جواب: بچت کرو..... دس کی جگہ ایک ہی چیز

سوال: آٹے وال کا بھاد کب پتا چلتا ہے؟  
جواب: جب سر پر سہرا جتھا ہے اور اگلے ہی دن دلہن

سے کام چلاؤ۔  
☆ ماہ نور خان..... بہارہ کوہ

کی فرمائش شروع ہو جاتی ہیں۔  
سوال: نسوار کا ذائقہ اچھا ہوتا ہے یا پان کا؟

سوال: وقت کو قابو کرنے کا آسان نسخہ؟  
جواب: اسناپ واپج ہاتھ میں لے لو۔

جواب: تم نے کیا کھایا، جو اتنا بھگ گئیں۔  
☆ فاطمہ تحریم..... کراچی

سوال: آنکھ اور دل میں تضاد کب پیدا ہوتا ہے؟  
جواب: بھیسگے پن کے باعث..... کہیں پہنگا ہیں

سوال: مرد ظالم، عورت مظلوم اور بچے؟  
جواب: کو تو ال.....

کہیں پہ نشانہ.....  
☆☆☆

سوال: کہتے ہیں جھوٹ بولیں تو کو کا کاٹے اور سچ





تکلف روایات اور احادیث سے ثابت ہے کہ استغفار کا کثرت سے ورد بھی رزق میں برکت اور نیکوئی سے نجات دلاتا ہے۔

### رزق میں برکت

☆ حدیث شریف سے مراد اور بے حد آزمودہ عمل ہے کہ سورہ واقعہ اور سورہ حمل کو بعد نماز عشاء پڑھنا معمول بنایا جائے تو رزق میں برکت ہوتی ہے۔  
☆ فجر کی نماز میں سنتوں اور فرض کے درمیان سو مرتبہ یہ دعا پڑھنا بھی احسن ہے۔

سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ  
سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ وَبِحَمْدِهِ  
استغفر اللہ

☆ اگر کوئی شخص قرض کے بوجھ تلے دبا ہو تو ہر روز صبح و شام یہ دعا پڑھے۔ یہ طور و کیفیت ستر مرتبہ اس دعا کو پڑھا جائے ہر نماز کے بعد.....

اللَّهُمَّ اكْفِنِي بِحَلَالِكَ عَنْ  
حَرَامِكَ وَأَغْنِنِي بِفَضْلِكَ  
عَنْ مِسْوَاقِ

☆ ادائیگی قرض اگر استطاعت سے باہر ہو تو سورہ تحریم کی پہ کثرت تلاوت کرنے سے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے غیب سے اس کے قرض کی ادائیگی کی صورت پیدا فرمادے گا۔

☆ ادائیگی قرض کے لیے بعد نماز جمعہ سات مرتبہ سورہ کہف کی تلاوت اور پوری یکسوئی اور توجہ سے دعا کی جائے۔ انشاء اللہ غیب سے قرضہ ہٹنے کے سامان ہوں گے۔

اسمائے مبارکہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

”اچھے نام خدا ہی کے خاص نام ہیں تو اسے انہی ناموں سے پکارو اور جو لوگ اس کے ناموں میں کفر کرتے ہیں انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو وہ بہت جلد اپنے کثرت کی سزا پائیں گے۔“

پس! اللہ کے اسمائے مبارکہ کے ساتھ اللہ کو عاجزی سے پکاریے، اپنے دینی اور دنیوی مسائل کے حل کے لیے بس اُسی سے مدد مانگیے..... اس یقین کے ساتھ کہ وہ دعاؤں کو سننے والا اور انہیں قبول کرنے والا ہے۔

### اسمائے الحسنیٰ رزق میں

#### برکت اور کشادگی کے لیے

☆ فجر اور عشاء کی نماز کے بعد اللہ کے اسم مبارکہ ”یا رزاق“ کا اول و آخر گیارہ بارہ درود شریف کے ساتھ 119 مرتبہ درود رزق میں برکت کا باعث ہے۔

☆ ”یا واسع“ کے کثرت سے ذکر سے مکان، دکان، باغ میں برکت اور رزق میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔

☆ روزانہ ایک ہزار مرتبہ ”یا صمد“ کا ورد کرنا بھی رزق میں برکت اور کشادگی کا باعث ہے۔ اس کا ورد کرنے والے کو اللہ بھوک اور پیاس کی شدت سے محفوظ رکھے گا۔

☆ اگر کوئی شخص ہر روز گیارہ سو گیارہ (1111) مرتبہ اسم مبارکہ ”یا مغنی“ اور چالیس مرتبہ ”یا ازم“ گیارہ مرتبہ سورہ حمل پڑھے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے کثیر رزق عطا فرمائے گا۔



## کشائشِ رزق اور سورۃ توحید (اخلاص)

سورۃ اخلاص کا پڑھنا باعثِ رحمت ہے۔ رزق میں زیادتی و فراخی کے خواہاں کے لیے سورۃ اخلاص آسیہ حیات کی طرح ہے۔ رزقِ حلال میں اضافے کے لیے چاہیے کہ روزانہ نماز فجر کے بعد اکیس مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھ لیا کرے۔۔۔۔۔ نماز ظہر کے بعد بائیس مرتبہ، نماز عصر کے بعد تیس مرتبہ اور نماز مغرب کے بعد چوبیس مرتبہ اور نماز عشا کے بعد پچیس مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھ لیا کرے اور کوشش کریں کہ ہر نماز کے بعد جس قدر تعداد میں سورۃ اخلاص پڑھے اسی تعداد میں اول و آخر درود پرا بھی پڑھیں۔ یہ وظیفہ ہمیشہ کریں۔ انشاء اللہ رزق میں زیادتی و فراخی عطا ہوگی۔ بفضلِ باری تعالیٰ کبھی رزق میں کمی نہیں ہوگی۔

## اولاد کی فرمانبرداری

### کے لیے خصوصی دعا

☆ نماز فجر کے بعد بیچ کے سر ہانے کڑے ہو کر یہاں شہید اکیس بار پڑھیں۔ اول و آخر تین، تین دفعہ درود شریف کے ساتھ۔۔۔۔۔

☆ اولاد کی دینی و دنیاوی کامیابی کے لیے سورۃ بقرہ کا آخری رکوع اول و آخر درود شریف کے ساتھ اکیس مرتبہ پانی پر پڑھ کر صبح شام اکیس دن وہ پانی پلائیں۔

### اولاد کے حصول کے لیے

☆ سورۃ سج (78) کی آخری آیات کا ورد ہر نماز فریضہ کے بعد کر لیا کریں۔۔۔۔۔ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ طے آجر عظیم الہی۔۔۔۔۔

☆ ایک اور مجرب عمل نوٹ فرمائیں۔

ہر نماز فریضہ کے بعد 125 مرتبہ یہاں مُجِیْبُ یَا بَاقِیْ یَا فَتَّاحُ پڑھ کر دعا کیا کریں۔

☆☆☆

☆ اگر کسی پر قرض ہو اور اس کے اترنے کا سامان نہ ہو تو ہر نماز کے بعد سورۃ مزمل ایک مرتبہ پڑھی جائے۔ پہاڑ کے برابر بھی قرض ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی ادائیگی کا سامان فرمادے گا۔

## کاروبار کی بحالی کے لیے

☆ اگر کسی کا کاروبار بند ہو گیا تو وہ کاروباری بحالی کی نیت سے سورۃ جمعہ نماز جمعہ کے بعد تین مرتبہ اکتالیس روز تک پڑھے۔ انشاء اللہ کاروبار بحال ہو جائے گا۔

## کاروبار میں ترقی اور برکت

☆ اگر کوئی شخص اپنی دکان میں یا اپنے کاروبار کی جگہ پر سورۃ قمریش کو روزانہ کثرت سے پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کے کاروبار میں ترقی فرمائے گا۔

☆ اگر کوئی شخص اسم مبارکہ یا قیوم کا بکثرت پڑھ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کے کاروبار، مال و اموال اور تجارت میں ترقی عطا فرمائے گا۔

## کاروبار کی حفاظت

☆ اگر کوئی شخص اسم مبارکہ یا قیوم کا بکثرت ورد کرے گا تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کے مال و اموال، کاروبار، مال و اموال اور روزگار وغیرہ کی حفاظت فرمائے گا اور اسے دشمنوں یا حاسدوں کے ہاتھوں لاحق ہو سکے والے نقصانات سے محفوظ رکھے گا۔

## کاروبار میں رکاوٹ

☆ اگر کسی شخص کے کاروبار میں کوئی رکاوٹ ہو تو وہ سورۃ نوح کو اپنے کاروبار کے مقام پر روزانہ گیارہ مرتبہ پڑھے۔ انشاء اللہ اس کے کاروبار میں حائل ہر رکاوٹ رفع ہو جائے گی اور اسے اپنے کاروبار سے کثیر نفع حاصل ہونے لگے گا۔



## حسن نگار کے لیے میں جہیں

### ہاتھ پیروں کی دیکھ بھال

گھریلو نسخوں میں ہاتھوں پر گھریلو مضمّن لگا کر ہاتھوں کے حسن کو مزید نکھارا جاسکتا ہے۔

اس کے علاوہ لیموں کا رس اور عرق گلاب ملا کر لگانے سے ہاتھ ملائم ہو جاتے ہیں۔ رات کو سونے سے قبل ناریل کے تیل میں پھللا موم ملا کر ہاتھ پیروں پر لگائیں۔ صبح نیم گرم پانی سے دھو ڈالیں۔ چند دنوں میں فرق نظر آنے لگے گا۔ دودھ اور عرق گلاب ملا کر ہاتھوں پر لیں۔ ایک گھنٹے بعد دھولیں، ہاتھ نرم اور ملائم ہو جائیں گے اور صاف سحرے بھی ہو جائیں گے۔ موسم سرما میں شہد گلیسرین اور لیموں کا رس ملا کر ہاتھ پیروں پر لگانے سے بہت افادہ ہوتا ہے۔ ہاتھوں کو نرم اور ملائم کرنے کے لیے لیموں کا رس یا سرکہ ملیں۔ عرق لیموں میں عرق کی مقدار کے برابر گلیسرین ملائیں اور اس میں ایک چھوٹا چھوٹا بورک ایسڈ ڈال کر تینوں کو یکجا کریں اور ایک شیٹی میں بھر کر رکھ لیں۔ ہاتھ دھونے کے بعد دن میں تین چار بار اس کا استعمال کریں۔ ہاتھ نرم اور رنگت صاف ہوگی۔ رات سوتے وقت روغن بادام کی مالش کریں۔ اس کے علاوہ مینے میں ایک مرتبہ مینے کیور کریں۔

یہ بات تو بے شمار بار کہی جا چکی ہے کہ خواتین اپنے چہرے کے مقابلے میں ہاتھوں اور پیروں کو زیادہ توجہ نہیں دیتی ہیں۔ بہت کم خواتین ایسی ہیں کہ جن کے چہرے کے ساتھ ساتھ ان کے ہاتھ اور پاؤں بھی خوب صورت اور دلکش ہوتے ہیں۔ آج کل خواتین کی ایک بڑی تعداد ملازمت پیش ہے۔ ان

خواتین کے پاؤں زیادہ تر جوتوں میں قید رہتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی انگلیوں کے درمیان میل اور پینہ جمع ہو جاتا ہے اگر اس میل کی باقاعدگی سے صفائی نہ کی جائے تو پیر زخم بھی بن سکتا ہے لہذا ہر بار جوتے یا سینڈل پہننے سے قبل اور اتارنے کے بعد پیروں کو اچھی طرح دھو کر خشک کر لیں اور رات کو سوتے وقت ان پر معیاری کریم لگائیں تاکہ نرم و ملائم رہیں۔ ایڑیاں پیچھے اور پاؤں خشک ہونے سے بچانے کا آسان اور کارآمد حل یہ ہے کہ روزانہ رات کو سونے سے پہلے پیروں پر بکری کا کچا دودھ مل لیں۔ صبح پاؤں اچھی طرح دھو کر کوئلہ کریم لگائیں۔ اس کے علاوہ نیم گرم پانی میں نمک اور پیپر منٹ آئل کے چند قطرے ملائیں اور پیروں کو اس مخلول میں چندہرے سے بیس منٹ تک بھگوئیں۔ اس کے بعد پیروں کو پانی سے نکال کر انہیں خشک کر لیں پھر کریم لگا کر پیروں کو ہاتھوں سے ہلکا ہلکا رگڑیں، اس سے بھی پیروں نرم ہوں گے۔ چندہرے دن میں ایک مرتبہ لازمی پیڈی کیور کریں۔ اگر سردیوں میں پیروں کی انگلیاں سوج جاتی ہیں تو دسی شلیم ایلین۔ اب اس ابلے ہوئے شلیم کے پانی میں نمک اور سرسوں کا تیل ملا کر آہستگی سے مالش کریں اور کپڑا لپیٹ کر سو جائیں تاکہ ہوا نہ لگے۔ پاؤں کی جلد کو نرم و ملائم کرنے کے لیے اٹلے کی سفیدی سے مالش کریں۔ ناریل کے نیم گرم تیل سے پیروں کی ایڑیوں سمیت مالش کریں۔ اس کے بعد نرم تولیے سے صاف کر لیں، پاؤں نرم ہو جائیں گے۔ چندہرے دن میں ایک مرتبہ پیڈی کیور کرنا ضروری ہے۔

☆☆☆





# شواہیے ہومینوکلینک



اس بات کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کرائی جا رہی تھی کہ کسی مستند ادارے کے تحت ماہر تجربہ کار ہومیو پیتھک ڈاکٹروں کا بورڈ ہو جو لوگوں کی صحت کے مسائل کو اپنی ماہرانہ رائے اور تجربے کی روشنی میں نہ صرف حل کرے بلکہ ان کی رہنمائی بھی کرے۔ لہذا اس سلسلے کے تحت ہماری کوشش ہوئی کہ ہم آپ کو مختلف امراض کے متعلق آگاہی بھی فراہم کریں اور آپ کے جو صحت کے مسائل ہوں اس کو بورڈ کے ماہر و تجربہ کار ڈاکٹر کے ذریعے حل کرائیں تاکہ آپ کا معیار صحت بلند ہو لہذا آپ کے جو بھی صحت کے مسائل ہیں انہیں ہمیں اس پتے پر لکھ بھیجیں، ڈاکٹر حامد جزل ہومیو پرائیویٹ لمیٹڈ آرام باغ روڈ کراچی 74200۔ ہم ماہنامہ پاکیزہ کے ذریعے آپ کی بیماری کے متعلق آپ کی رہنمائی کریں گے لیکن اس کے لیے اپنا مکمل نام، عمر، پتہ اور جو کام کرتے ہیں اس کے متعلق، ازدواجی حیثیت، بیماری کے متعلق، کب سے ہوئی، کیا علاج کیا؟ کسی قسم کی کوئی رپورٹس ہوں تو اس کی فوٹو کاپی جو پڑھنے کے قابل ہوں ساتھ بھیجیں تاکہ صحیح تشخیص کی جاسکے اور دوا بھی صحیح تجویز ہو۔ (اپنے علاقے میں دوائے ملنے کی صورت میں ہم سے رجوع کریں)

پراسٹیٹ غدود اور شوگر کا مسئلہ

نشاط..... کورنگی کراچی

مجھے دس سال سے پراسٹیٹ غدود کا مسئلہ ہے اور

کوئی 6 سال سے شوگر اور بلڈ پریشر کا مسئلہ ہے۔ پراسٹیٹ غدود اور مثانہ کے لیے ہمیشہ ہومیو پیتھک ادویات استعمال کیں۔ ان ادویات کے استعمال کا افادہ تو رہا لیکن مکمل طور سے فائدہ نہیں ہوا۔ اب میں نے ایلیو پیتھک ڈاکٹر سے رجوع کیا انہوں نے کچھ ٹیسٹ کروائے اور دوا دیں جو میں استعمال کر رہا ہوں مگر اس سے بھی کوئی فائدہ نظر نہیں آ رہا ہے۔ کمزوری بہت محسوس ہوتی ہے۔ خاص شکایت یہ ہے کہ بار بار پیشاب کی حاجت ہوتی ہے۔ دن میں ہر آدھا ایک گھنٹے بعد اور رات میں تو 6 سے 7 مرتبہ اٹنا پڑتا ہے۔ اجابت سے پہلے اور بعد میں بار بار پیشاب محسوس ہوتا ہے۔ کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مثانہ میں کچھ الٹا ہے اور خارج نہیں ہو رہا ہے کچھ انتظار کے بعد تھوڑا سا خارج ہوتا ہے، کبھی پیشاب بالکل مکمل کر صاف آتا ہے۔ کبھی رک رک کر اور بھی پیشاب میں جھپن اور جلن محسوس ہوتی ہے۔

جواب۔ آپ کی رپورٹس کے مطابق شوگر کنٹرول میں نہیں، کیرائینائن باڈر پر ہے، پیشاب میں انفیکشن

ٹوکن

ہر اے شواہیے ہومینوکلینک

جنوری 2019ء

اپنا مسئلہ اس ٹوکن کے ساتھ روانہ کریں۔ ٹوکن کے بغیر آنے ہوئے مسئلوں پر توجہ نہیں دی جائے گی۔ اپنا مسئلہ جس میں بھیجیں اسی میں سے ٹوکن استعمال کریں۔

نام:

پتہ:

ماہنامہ پاکیزہ — دسمبر 2018ء — 302





**Magnesium-Phos**

ایک Pentarkan Ptk-60

گولی دن میں 3 مرتبہ لیں۔

Oleum jecoris-30 کے 5.5

قطرے آدھا کپ پانی میں 3 مرتبہ لیں۔ 2 ماہ بعد حال

بتائیں Ultra sound Whole Abdomen

کرائیں اور شوہر کے متعلق بتائیں ان کی طبیعت کیسی رہتی ہے۔

ہے، مثلاً گردوں اور پراسٹیٹ کی بھی پراہیز ہیں۔  
آ کرٹیس، فی الحال ڈاکٹر ولمار شوابے جرنی کی Sabal  
Pentakaran Ptk-75 اور Merc.cor-30  
Syzigium jamboo Q کے 10، 10 قطرے ایک  
گلاس پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ لیں۔ واک ضرور  
کریں، کم از کم ایک گھنٹہ تا 15 منٹ سے کریں۔

## پیریڈ زکی خرابی

فرخندہ..... لالہ موسیٰ

بڑی عمر میں بیماریاں

مسز شائستہ..... کراچی

سوال:- سناٹا، دل پر کھراہٹ، بے چینی،  
ٹانگوں میں درد، رات کو نیند آتی ہے لیکن سو نہیں سکتی۔  
پاؤں میں ایسا لگتا ہے جیسے کس کر باندھ دیئے گئے  
ہوں۔ اکثر پاؤں سن رہتے ہیں۔ پاؤں اتنے سو جھے  
ہوتے ہیں کہ جب چلتی ہوں تو لگتا ہے جیسے فوم کے اوپر  
چل رہی ہوں۔ زیادہ چلنے سے پاؤں مڑنے لگتے ہیں۔  
پیر کی انگلیاں حرکت نہیں کرتیں، ہاتھ بھی سن ہو جاتے  
ہیں اور بھی بھی پورا جسم سن ہو جاتا ہے۔ کچھ کام کرنے  
سے بھی ہاتھ سن ہو جاتے ہیں اور مڑنے لگتے ہیں۔ تین  
سے چار گھنٹے بعد پینا شاپ آتا ہے اور پھر ایک گھنٹے بعد آتا  
ہے۔ وزن کم کرنے کی بھی دوائی دیں۔ ٹانگوں میں  
طاقت نہیں ہے، اپنے سہارے چل نہیں سکتی واکر لے کر  
چلتی ہوں۔ بہت جلدی تھک جاتی ہوں۔ کمر میں گپ  
ہو گئے ہیں۔ زیادہ دیر بیٹھ نہیں سکتی۔

جواب:- کمر کا ایکس رے کرا کر اس کی رپورٹ

بھیجیں۔ دل کی کیفیت بھی کمر ورلگ رسی ہے Lipid

Profile, Serun Calcium اور Echo

کرا کر رپورٹ بھیجیں۔ فی الوقت ڈاکٹر ولمار شوابے

جرمنی کی Rhustox 30, Bryonia 30,

Calc Carb 30 کے 5.5 قطرے آدھا کپ پانی

میں ڈال کر دن میں تین مرتبہ استعمال کریں

میں پاکیزہ میں آپ کا کالم بہت شوق سے پڑھتی  
ہوں۔ گزشتہ پانچ سال سے پیریڈ بہت ڈسٹرب ہیں،  
کبھی 3 یا 4 ماہ بعد، لیکن گزشتہ دو سال سے بغیر دوائی  
کے نہیں آتے۔ ہرٹل یا ہومیوپیتھک سے ہو جاتے ہیں،  
گردوں میں بھی درد ہوتا ہے، گیس بہت بنتی ہے پیٹ  
میں، گلے میں انفیکشن بھی رہتا ہے۔ منہ اندر سے ہر وقت  
چھلا ہوا رہتا ہے۔ مریخ مصالحہ بالکل نہیں کھا سکتی۔ دودھ  
بالکل نہیں پیا جاتا۔ ریشہ بن جاتا ہے، وزن کی طرح کم  
نہیں ہوتا ہر کوشش کی۔ ہر طرح کا پریز کرتی ہوں۔ روز  
بروز صحت گرتی جا رہی ہے۔ رنگت بہت صاف تھی لیکن  
اب رنگ بھی سیاہ پڑ گیا ہے۔ چہرے سمیت پورے جسم  
پر مونے کالے بال نکل آئے ہیں، ہر وقت اسٹریس رہتا  
ہے، غصہ اور رونا بہت آتا ہے۔ اپنی اس حالت کی وجہ  
سے کہیں آ جا نہیں سکتی۔ بہت دفعہ Orantic بھی  
استعمال کی کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ چکر بہت آتے ہیں۔ نیند  
بھی نہیں آتی اور سوانی حسن کم ہوتا جا رہا ہے۔ آپ کو  
بڑی امید کے ساتھ خط لکھ رہی ہوں برائے مہربانی جلد  
جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں۔

جواب:- واک کیا کریں، متوازن غذائیں، تمام

دوا بھی بند کر دیں۔ جب تک مکمل ٹھیک نہ ہوں،

conceive کرنے کی کوشش بھی نہ کریں، ڈاکٹر ولمار

شوابے جرنی کی Ferrum Pentarkan Ptk-45

کی 2 گولیاں تھوڑے پانی کے ساتھ دن میں 3 مرتبہ لیں۔

ماہنامہ پاکیزہ۔ دسمبر 2018ء 303





اور Cactus Q کے تین قطرے اور Crataegus Q کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر دن میں تین مرتبہ استعمال کریں۔ رپورٹس کے ساتھ حال بتائیں۔ یہ تمام ادویات ڈاکٹر ولما رشوا بے جرمنی کی ہوں۔ غذا اور وزن آپ نے کم نہیں ہے بہر حال کیفیت کے مطابق تمام پیشی، تلی، بجنی ہوئی چیزوں سے پرہیز کریں۔ کولڈ ڈرنکس اور تمام اقسام کے شربت سے بھی اور جتنا آرام سے چل سکتی ہیں، چلیں۔

### بریسٹ کی گٹلی

#### تسلیم احمد..... کوہاٹ

امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ میں پاکیزہ کی پرانی قاری ہوں۔ پاکیزہ نے جو ہومیو پیتھک بورڈ کا سلسلہ شروع کیا ہے بہت اچھا ہے اس سے بہت سے لوگ شفا یاب ہو رہے ہیں۔ لیکن مجھے آپ سے ایک گلہ ہے کہ آپ ہمارے خط کا جواب نہیں دیتے۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ آج سے تقریباً پانچ چھ سال پہلے ایک دن نہانے کے دوران مجھے سیدھی طرف بریسٹ میں گٹلی محسوس ہوئی۔ یہ گٹلی سخت اور چوڑی سی ہے۔ اس میں کوئی خاص تکلیف نہیں ہوتی۔ ہاں اگر بہت زیادہ دبایا جائے تو پھر کچھ تکلیف ضرور ہوتی ہے۔ مینسٹرو شروع ہونے سے کچھ دن قبل بریسٹ کے ارد گرد کی جگہ میں ہلکی سی جلن، تکلیف اور بے چینی سی محسوس ہوتی ہے۔ کبھی گٹلی سخت ہوتی ہے اور کبھی نرم سی ہوتی ہے۔ یہ گٹلی جتنی پہلے دن نمودار ہوئی تھی آج بھی اتنی ہی ہے۔ تھوڑا بہت ہومیو پیتھک علاج کروایا ہے۔ البتہ پیتھک علاج نہیں کیا کیونکہ میں آپریشن کروانا نہیں چاہتی۔ میں نے سنا ہے کہ ہومیو پیتھسی میں ہر قسم کی گٹلیوں، رسولیوں اور گومز وغیرہ کا کامیاب علاج موجود ہے۔ گزارش ہے ان تمام علامات کی روشنی میں میرے لیے کوئی بہت اچھا سا

نسخہ تجویز کر دیجیے اور پرہیز وغیرہ ہو وہ بھی بتا دیجیے۔ جواب:- محترمہ ہمیں آپ کا یہ پہلا خط ملا ہے جس کا ہم جواب دے رہے ہیں۔ بریسٹ میں ٹیومر اگلی کیوں ہو جاتی ہے اس کی بہت سی وجوہات ہیں۔ اکثر کا ہومیو پیتھسی میں بہت اچھا علاج ہے۔ چھ سال سے آپ کو یہ تکلیف ہے لیکن آپ نے ٹھیک سے اس کا علاج نہیں کروایا اور نہ اب تک آپ ٹھیک ہو چکی ہوتیں۔ US Breast کروائیے یا پھر Memmogram کروائیے تاکہ موڈی مرض کا خدشہ ذہن سے نکل جائے۔ ساتھ کی لیڈی ڈاکٹر سے بھی چیک کروا کر ہمیں عمل رپورٹ بھیجیے تاکہ آپ کا صحیح علاج تجویز کیا جاسکے۔

### خارش

#### رانا تنویر..... مراد آباد

میرا مسئلہ یہ ہے کہ مجھے تین سال سے سر میں خارش کی شکایت ہے۔ ڈاکٹر سے دو دفعہ وغیرہ بھی لی ہے جس سے وقتی فائدہ تو ہو جاتا ہے لیکن پھر خارش شروع ہو جاتی ہے۔ رات کو سوتے وقت زیادہ ہوتی ہے اور کبھی کبھی دن کو بھی شروع ہو جاتی ہے۔ دانے وغیرہ نہیں ہیں۔ خارش کر کر کے سر میں خون رسنے لگتا ہے پھر نکلتا کرنے سے چٹکے نکلتے ہیں۔ جواب:- محترمہ متوازن غذا لیں، ورزش کریں۔ کششی، ٹھنڈی، مریح مسالے اور مرغن غذاؤں سے پرہیز کریں۔

سر میں خارش کی ایک وجہ غیر معیاری صابن یا شیمپو کا استعمال، کلرلر جی، نکلے میں میل کا جمع ہو جانا وغیرہ۔ ہر دوسرے دن ان کو بھی دھویا کریں۔

ڈاکٹر ولما رشوا بے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات ایک ماہ تک استعمال کریں اور مکمل تفصیل کے ساتھ حالات سے آگاہ کریں۔ Sulphur 200 کی ایک خوراک صبح نہار منہ لیں، اس کے ایک دن





میں بڑے مفید و معاون ہوتے ہیں۔ بچی کو میٹھا کم کھلائیں، رات کو سوتے وقت دودھ نہ دیا کریں اور نہ پانی۔ پیشاب کر کے سلائیں۔

رات کو کراٹھنا تو نہیں ہوتا؟ کمرے میں اندھیرا تو نہیں ہوتا۔ سوتے میں بچی ڈرتی یا ڈراؤنے خواب تو نہیں دیکھتی؟ رات کو سونے سے پہلے اور پھر کھانے کے بعد اچھے تو تھ پیسٹ سے برش کر کے سلائیں۔ جو بیماریاں آپ نے بیان کی ہیں اس کے لیے ڈاکٹر ولما رشوا بے جرمی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔

**Calc Phos 30, Staphisagria**

**30, Merc Sol 6** کے 5,5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر دن میں تین مرتبہ استعمال کریں اور ایک ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

ٹائسلو

مسز نعیم..... حیدر آباد

میرا بیٹا جس کی عمر تقریباً 17 سال ہے، اس کا قد 5 فٹ اور 5 انچ ہے۔ وزن تقریباً 75 کلو ہے۔ اس کا مسئلہ یہ ہے کہ اس کا گلا ہر وقت خراب رہتا ہے جس کی وجہ سے تقریباً ہر ماہ اسے اسٹنیا یا لوٹک دینی پڑتی ہیں۔ اس کی اسٹنیز کا بھی حرج ہوتا ہے۔ ویسے وہ پڑھنے میں لائق ہے لیکن ہر ماہ اسے بیماری کی وجہ سے چھٹیاں کرنی پڑتی ہیں۔ آج سے پانچ سال پہلے اسے ٹائیفائیڈ ہوا تھا لیکن دیکھیں کے بعد بھی دوبارہ نہیں ہوا۔ کوئی ایسی دوا جو یز کر دیں جس سے اس کا قد بھی بڑھ جائے اور گلا بھی خراب نہ ہو۔ E.N.T ڈاکٹر اس کے لیے آپریشن تجویز کرتے ہیں لیکن آپ کا کالم پڑھ کر علم ہوا ہے کہ ہومیو پیتھک میں اس کا علاج موجود ہے۔ اس لیے آپ کو خط لکھ رہی ہوں۔

جواب:- ٹائسلو بڑھنے اور گلا خراب ہونے کی وجوہات پر اگر ہم قابو پالیں تو نہ صرف ہم اس مسئلے کا علاج آسانی کر سکیں گے بلکہ یہ مسئلہ ہوگا ہی نہیں۔

ماہنامہ پاکیزہ۔ دسمبر 2018ء 305

بعد Graphites 30, Vinca Minor 30 کے 5,5 قطرے آدھا گلاس..... پانی میں دن میں تین مرتبہ استعمال کریں۔

رپورٹس پر علاج

اظہر معین..... سیالکوٹ

جناب میں آپ کو میڈیکل رپورٹس اور سال کر رہا ہوں۔ آپ سے اتنا ہے کہ اگر ہومیو پیتھک میں اس بیماری کا علاج مکمل ہے تو آپ ان کو پڑھ کر لکھ دیں۔ تمام ادویات ہمارے سیالکوٹ میں مل سکتی ہیں میں خرید لوں گا آپ کی مہربانی ہوگی۔ ڈاکٹر صاحب میں کم پڑھا لکھا ہوں اور یہاں پر سرجیکل انسرومنٹ کی فیکٹری میں کام کرتا ہوں اور یہ جو رپورٹس ہیں فیکٹری کے چوکیدار کے بیٹے کی ہیں ہم اس کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ برائے مہربانی دوا تجویز کریں۔ آپ کی نوازش ہوگی۔

جواب:- صرف رپورٹس پر علاج نہیں کیا جاسکتا۔ مرض اور مریض کی ہسٹری کا بھی معلوم ہونا ضروری ہے۔ لہذا مریض کی مکمل کیفیت سے بھی آگاہ کریں۔

قد اور دیگر مسائل

نام نہیں لکھا..... پتانا معلوم

میری بیٹی کی عمر 17 سال ہے۔ اس کا قد تقریباً 4 فٹ 8 انچ ہے۔ ہمارے خاندان میں سب لڑکیوں کے قد لمبے ہیں۔ آپ سے درخواست ہے کہ قد لمبا کرنے کے لیے کوئی دوا بتائیں۔ دوسرا مسئلہ: ہمدردی ہو یا گرمی اس کے ہاتھ پاؤں پر پینا آتا ہے۔ ہاتھ اور پاؤں غلطے بھی رہتے ہیں۔ تیسرا مسئلہ: رات کو بستر پر پیشاب کرتی ہے۔ چوتھا مسئلہ: منہ سے بدبو آتی ہے اور دانت بھی پیلے رہتے ہیں اور سوزش بھی سوج رہتے ہیں۔

جواب:- قد بڑھنے کا مسئلہ خاندانی یا موروثی ہوتا ہے جس میں ماں اور باپ دونوں کے خاندان کے لوگوں کے قد کے حساب سے ہوتا ہے۔ اچھا صاف ستھرا ماحول، متوازن غذا کا استعمال اور ورزش قد بڑھانے کے سلسلے



فرمائیں ہتازیت دعا گور ہوں گا۔

جواب: یاد رکھیں نسوار، تمباکو پینا نقصان دہ ہے۔ اسی طرح گنگا بھی ہے اس کا استعمال فوراً ترک کر دیں۔ متوازن غذا کھائیں۔ دودھ دہی کا استعمال کریں۔ کھانا آہستہ آہستہ چبا کر کھائیں۔ کھانے کے ساتھ اور فوراً بعد پانی کا استعمال نہ کریں۔ Borax 30, Calc. Carb Merc. sol 30, Rhustox 30 ڈاکٹر ولما رشوا بے جرمنی کی ہر شیشی سے 5, 5 قطرے آدھا گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ لیں۔ ایک ماہ بعد پھر کیفیت سے مطلع کریں۔

### نظر کی کمزوری اور پیشاب کی حاجت

#### اعجاز..... ڈی جی خان

میرے دو مسائل ہیں برائے مہربانی رہنمائی فرمائیں۔ میرے خاندان میں کسی بھی فرد کی نظر اتنی کمزور نہیں، جتنی میری ہے۔ دوسرا مجھے پیشاب بہت زیادہ آتا ہے۔ اور اتنی تیز شدت سے آتا ہے کہ بالکل برداشت نہیں ہوتا۔ شوگر نہیں ہے۔ میرے لیے دوا تجویز فرمائیں کہ میری نظر ٹھیک ہو جائے اور پیشاب بھی کنٹرول ہو جائے۔

جواب۔ Urine D/R اور U/S for prostate

بھی کرائیں۔ پانی پیشاب کرنے سے پہلے پئیں اور خالی پیٹ پانی نہ پئیں، ڈاکٹر ولما رشوا بے جرمنی کی مندرجہ ذیل اویات استعمال کریں۔ Acid Phos, Merc. corr 30 کے 7 قطرے آدھا گلاس پانی میں 3 مرتبہ Physostigma-30 Calc-Carb-30 کے 5, 5 قطرے آدھا کپ پانی میں 3 مرتبہ پئیں، ایک ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

☆☆☆

(1) ہر چیز کھا کر پانی پینے کی عادت ختم کریں خصوصاً مصالحے والی اور کھسی چیزیں (2) برف اور اس سے بنی چیزیں (3) بخ ٹھنڈا پانی، شربت، کولڈ ڈرنکس (4) سردیوں کے موسم میں سر کو ٹھنڈی ہوا لگنا۔ لہذا ان چیزوں سے احتیاط کریں تو 50 فیصد مسئلہ پہلے ہی حل ہو جائے گا اور بقیہ 50 فیصد کے لیے Baryta Carb 30 اور Merc Sol 30 کے 5, 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر دن میں تین مرتبہ استعمال کریں۔ تین ماہ کے استعمال کے بعد کیفیت سے آگاہ کریں۔

### بٹی کے قد کا مسئلہ

#### انجم..... سکھر

مسئلہ یہ ہے کہ بٹی کی عمر تقریباً 20 سال ہے اور اس کا قد 5 فٹ ہے جبکہ اس کا وزن 50 کلو ہے۔ والد کا قد تقریباً 5 فٹ اور 5 انچ ہے اور میرا اپنا قد 5 فٹ اور 2 انچ ہے۔ اس کا قد بڑھ سکتا ہے تو دوا تجویز کر دیں۔ پلیز اسی ماہ جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر دے گا۔ جواب:۔ قد بڑھنے کی عمر 19 سال تک ہے۔ لہذا بٹی کے لیے محذرت۔

### منہ کے چھالے

#### ملک خان..... کے بی کے

میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے منہ میں ہر وقت چھالے رہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے منہ میں بہت درد رہتا ہے۔ کھانا بھی نہیں کھا سکتا۔ معدہ خراب رہتا ہے۔ گھٹنوں میں درد رہتا ہے جس کی وجہ سے روزانہ دو گولی پرنشان (خورث) کھاتا ہوں، میں گنگا بھی کھاتا ہوں۔ برائے مہربانی میرے لیے کوئی علاج تجویز



**Dr. Willmar Schwabe Germany**

Available at All Medical & Homeopathic Stores

شوہر ہسپتال ریمیدیز گھر بھنگی صحت کے لیے کلاسیکل ہومیوپیتھی

ماہنامہ پاکیزہ۔ دسمبر 2018ء